حمدیہ و نعتیہ ادب کے فروغ و اشاعت کے لیے وقف ادبی و تحقیقی مجلّہ

جہانِ حمد و نعت

2

ریاستِ جموں و کشمیر میں
حمدیہ و نعتیہ شعر و ادب کا اوّلین کتابی سلسلہ

اُمتِ مسلمہ کے
765 اِجماعی مسائل

یعنی

کِتَابُ الْاِجْمَاعْ

تالیف : اِمام ابوبکر ابن المنذر نیشاپوریؒ

اِجماعی مسائل پر بازار میں عموماً کتابیں نایاب ہیں۔دوسری طرف بعض سطح بین علماء فقہی احکام میں چند فروعی مسائل کو لیکر اُمت کے اندر، بالخصوص برصغیر میں، مسلکی، مکتبی اور گروہی منافرت وتعصب کی ایسی مسموم فضا پیدا کر چکے ہیں، جس کی بھاری قیمت سادہ دِل مسلمانوں کو چکانا پڑ رہی ہے۔ اِس تناظر میں زیر نظر کتاب: ''اُمت مسلمہ کے 567 اِجماعی مسائل''، جو اصل میں امام ابن المنذر (ابوبکر محمد نیشاپوری) کی عربی کتاب 'کِتَابُ الْاِجْمَاعْ' کا اُردو ترجمہ ہے، کو بفضلہٖ تعالیٰ ''تمام مسالک کے احترام پر مبنی فرقہ واریت سے پاک دِلوں کی آواز: مکتبہ الحیات''، پہلی بار اپنے اُردو قارئین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

سائز : 23x36/16 صفحات : 128 ہدیہ : 75روپے

مکتبۂ الحیات
مدینہ چوک، گاؤ کدل، سرینگر 9419403126

بِسمِ اللهِ الرَّحمٰنِ الرَّحِيمِ ○

بِسمِ اللهِ وَالصَّلاةُ وَالسَّلامُ عَلىٰ رَسُولِ اللهِ ○

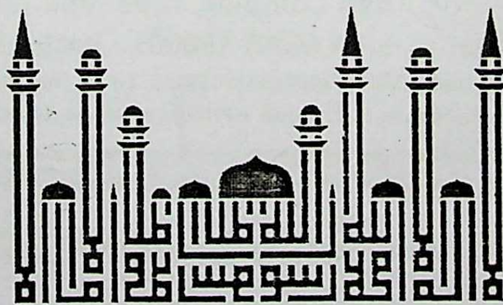
نعت اکادمی جموں وکشمیر (سری نگر) کے زیر اہتمام شائع ہونے والا

حمدیہ ونعتیہ ادب کے فروغ واشاعت کے لیے وقف ادبی وتحقیقی مجلہ

Jahan-e-Hamd-o-Naat

جہانِ حمد ونعت

{ریاستِ جموں وکشمیر میں حمدیہ ونعتیہ شعروادب کا اوّلین کتابی سلسلہ}



مُدیر ڈاکٹر جوہر قدوسی

نعت اکادمی جموں وکشمیر صدر دفتر : مدینہ چوک، سرینگر-190001 (کشمیر)

مؤسس سرپرست : پروفیسر ڈاکٹر مرغوب بانہالیؔ

حمدیہ ونعتیہ ادب کے فروغ و اشاعت کے لیے وقف ادبی و تحقیقی مجلّہ

جہانِ حمد و نعت

ریاستِ جموں و کشمیر میں حمدیہ و نعتیہ شعر و ادب کا اوّلین کتابی سلسلہ

Vol. : 02 • No : 02 | Price : Rs. 300.00 | Pages : 516 (04+512)

مُدیر : ڈاکٹر جوہر قدّوسی

• جلد : 2 • شمارہ : 2 • ذی الحجہ ۱۴۴۲ھ (جولائی 2021ء)

• جنرل منیجر: اے-جی-قدوسی • منتظم: آصف مسعود

• تزئین کار: پرویز احمد میر • سرورق: ای-قدوسی

ناشر : نعت اکادمی (جموں و کشمیر)

1st Floor, Khan Complex, Madeena Chowk,
Gaw Kadal, SRINAGAR-190001 - Kashmir (J&K)

Tel. : 0194-2473818 Cell : 9906662404, 9419403126 Email : hamdonaatjk@gmail.com

Printed and Published by: N. Quddusi • Printed at: *Al-Hayat Printographers* Sgr.

مؤسس-سرپرست : پروفیسرڈاکٹر مرغوب بانہالی

اِنتساب

جناب پروفیسر ڈاکٹر مرغوب بانہالی رح (مرحوم)

(مؤسس سرپرست ادارہ 'جہانِ حمد و نعت')

جناب علیم صبا نویدی (چینئی / مدراس)

جناب ڈاکٹر تابش مہدی (دہلی)

جناب نعیم صدیقی (مرحوم)

جناب ابوالحسن خاور (لاہور)

جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری (یو۔پی)

اور

جناب تنویر پھول (امریکہ)

کی حمد و نعت شناسی کے نام

لمعاتِ ثنا

بابِ تفکّرات

حمد و نعت: اِکتشافِ فکر، اِقتضائے فن

[حمد و نعت گوئی کے فن اور آداب و اسالیب پر مضامین]

بابِ تدبّرات

حمد و نعت : عکسِ تحقیق ، نقشِ تنقید

[حمدیہ و نعتیہ شاعری پر تحقیقی و تنقیدی مضامین]

***

(اداریہ)

حرفِ آغاز

الحمد للہ ثم الحمد للہ ''جہانِ حمد و نعت'' کا دوسرا شمارہ پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ ہر چند کہ چند ناگزیر وجوہات کی بناء پر یہ شمارہ غیر معمولی تاخیر سے شائع ہو رہا ہے؛ کہ اس کی اشاعت مئی-جون ۲۰۲۰ء میں طے تھی؛ لیکن گزشتہ سال مارچ کے مہینے ہی سے کورونا وبائی بیماری کے پھیلاؤ کے سبب پیدا شدہ مشکل حالات، خوف و دہشت اور مسلسل لاک ڈاؤن کے کربناک ماحول میں کوئی بھی کام وقت پر نہیں کیا جاسکا، یہاں تک کہ فروری، مارچ ۲۰۲۱ء کے آس پاس اِس عالمی وبا کی شدت میں کمی دیکھنے کو ملی۔ مگر اگلے ہی مہینے یعنی اپریل سے اِس بیماری نے پھر ایک بار بھیانک شکل اختیار کر لی اور دوسری بار مسلسل لاک ڈاؤن کے سبب کاروبارِ زندگی ٹھپ ہو کے رہ گیا۔ چنانچہ ''کووِڈ لاک ڈاؤن'' کا جزوی نفاذ تادمِ تحریر وادی کشمیر میں جاری ہے۔

تاخیر سے اشاعت پر قارئین کرام سے معذرت خواہی کے بعد ذیل میں چند معروضات پیش ہیں:

الحمد للہ اُردو زبان میں حمد و نعت نگاری کی پہلے سے توانا روایت روز بروز استحکام پکڑتی جا رہی ہے اور پوری اُردو دنیا میں شعراء و شاعرات اِن دو اصناف میں اپنی خلاّقانہ صلاحیتوں اور جودتِ طبع سے عشق و عقیدت اور فکر و فن کے نت نئے تجربات سامنے لانے میں ایک دوسرے سے سبقت لینے میں مصروفِ عمل ہیں۔ اس طرح کرۂ ارض کے شمال و جنوب اور شرق و غرب میں، جہاں جہاں اُردو زبان بولی اور سمجھی جاتی ہے، وہاں وہاں حمد نگاری، نعت گوئی، نعت خوانی، نعت شناسی اور فروغ و اشاعتِ نعت کے دلنواز مناظر قلب و روح کو سکون بخشتے ہیں۔ چنانچہ اگر صرف اُردو زبان میں حمد و نعت نگاری کا جائزہ لیا جائے، تو یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ برصغیر ہند و پاک کے علاوہ اُردو کی نئی بستیاں کہلائے جانے والے مقامات، بلکہ ہر اُس شہر و قریہ اور نگر و بستی میں، جہاں اُردو سے محبت کرنے والے موجود ہیں، فروغِ نعت کے لیے منظم و منضبط انداز اور منصوبہ بند طریقے پر کافی کام ہو رہا ہے۔ البتہ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اس کام کا بیشتر حصہ تحقیقی و تصنیفی اور ادبی و تنقیدی نوعیت کا ہونے کے برعکس سمعی و بصری ذرائع ترسیل و ابلاغ کے توسط سے حمد و نعت خوانی کے مقابلوں اور تقاریب پر مشتمل ہوتا ہے۔ یوں یہ

بات بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ عصرِ حاضر میں حمد و نعت کی ترویج و اشاعت کا کام سنجیدہ قسم کی تحقیقی و تنقیدی کاوشوں کے مقابلے میں گائیکی، سُر و سنگیت اور خوش الحانی کے ذریعے زیادہ فروغ پا رہا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ عوام الناس کا رجحان ہمیشہ عامیانہ شوق و ذوق کی طرف بالعموم مائل رہتا ہے، جب کہ تخلیق کاروں کی تعداد ہر سماج کی طرح اُردو معاشرے میں بھی آٹے میں نمک کے برابر رہی ہے اور آج بھی ہے۔ نتیجہ یہ کہ عوام الناس کے اندر تطہیرِ افکار، تعمیرِ سیرت، صحت مند رجحان سازی اور اعلیٰ قسم کے ذوقِ جمال کی تربیت کا رے وارد والا معاملہ پہلے بھی رہا ہے اور آج بھی ہے۔

اصنافِ حمد و نعت، بالخصوص نعت، میں جہاں ایمان بالرسالت، عقیدہ ختم نبوت، عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، پاسِ حفظِ مراتب اور سیرت و اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قلبی وابستگی چند بنیادی لوازمات میں شامل ہیں، وہاں اُردو سرمایۂ نعت میں غیر شرعی عناصر کی موجودگی، بلکہ افراط سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ توحید و شرک اور الوہیت و نبوت کے واضح فرق کو مدنظر نہ رکھنے کا رجحان اُردو نعتیہ شاعری کے موضوعات و مضامین میں جگہ جگہ نظر آتا ہے۔ اس ضمن میں یہاں پر دو اقتباسات پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ان میں سے پہلا اقتباس اُردو نعتیہ ادب کے رجلِ عظیم اور بابائے نظریۂ نقدِ نعت پروفیسر ڈاکٹر ریاض مجید کا تحریر کردہ ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں :

"جہاں تک مضامینِ نعت کا تعلق ہے، الوہیت اور نبوت کے اس فرق کو ملحوظِ خاطر نہ رکھا گیا، جو نعت گوئی کا پہلا لازمہ ہے۔ خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام اور صفات کو گڈمڈ کر دیا گیا۔ حفظِ مراتب نظر انداز کر دینے سے کئی ایسے مشرکانہ خیالات بھی نعت میں در آئے، جن کا اسلام کی بنیادی تعلیمات سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ ہندو تصوف اور عقائد کے زیرِ اثر ہی مسلمان نعت گو شعراء نے رسالت کے ڈانڈے توحید سے ملا دیئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "احمدِ بے میم" اور "عرب بلا عین" کہا جانے لگا، اور بڑے بڑے شاعر بھی اس انتہائی غلو سے نہ بچ سکے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس کے سراسر منافی ہے"۔ (اُردو میں نعت گوئی، ص: ۵۶-۵۷)

یہاں پر پروفیسر صاحب نے اردو نعت کا شرعی محاسبہ کرتے ہوئے کسی خاص دور یا کچھ مخصوص نعت نگاروں کا ذکر نہیں کیا ہے، جس سے یہ بات الم نشرح ہو جاتی ہے کہ فکری افراط و تفریط کا یہ روّیہ اردو نعتیہ شاعری میں عمومی طور نظر آتا ہے، جو ایک تشویشناک امر ہے۔ وجہ یہ ہے کہ نعت گوئی کا تعلق غزل، نظم یا دیگر اصنافِ سخن کی طرح صرف فنِ شعر گوئی سے نہیں ہے، بلکہ نعت نگار کے ایمان و عمل اور انجام و عقبیٰ سے ہے، جس میں ذرا سی کجروی یا بے اعتدالی نعت گو شاعر کے اثاثۂ عمل کو غارت کر کے رکھ دیتی ہے۔

اس سلسلے میں پوری اردو نعتیہ شاعری کا محاکمہ کرتے ہوئے اردو نعتیہ ادب کے صفِ اوّل کے محقق اور ناقد ڈاکٹر اسمٰعیل آزاد فتح پوری کا اقتباس بھی اہم ہے۔ وہ لکھتے ہیں :

''نعت گو شعراء نے عبد اور اِلٰہ کے درمیان وہ حدود توڑ دیں، جن کو برقرار رکھنے کی تاکید خود خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی۔ نعتیہ شاعری میں وہ الفاظ اور وہ معنی و مفاہیم استعمال کیے گئے، جو مجازی شاہدوں کے لیے تو موزوں ہو سکتے تھے، لیکن شاہدِ حقیقی کے لیے ان کا استعمال کسی طرح روا نہیں رکھا جا سکتا۔ حفظِ مراتب کا خیال یکسر بھُلا دیا گیا اور اس طرح داخلی اور خارجی دونوں قسم کی نعتیہ شاعری بے احتیاطی کا شکار ہوگئی''۔ (اردو شاعری میں نعت؛ جلد اوّل ،ص ۳۴۶)

اس طرح فکری و نظریاتی گمراہی، اعتقادی بے اعتدالی، شرعی معیار و میزان سے انحراف اور کتاب و سنت کی مسلمہ تعلیمات سے بے نیازی نے اردو نعتیہ شاعری کے ایک بڑے حصے کو معنویت اور افادیت سے بے کنار کر دیا ہے، جس کی طرف ناقدینِ نعت کو ژرف نگہی سے توجہ کرنے کی از حد ضرورت ہے، تا کہ تخلیقِ نعت کی حقیقی روح کو مزید مجروح ہونے سے بچایا جا سکے۔

اُردو نعت میں غیر اسلامی نظریات، ہندی، ہندوستانی اور ہندوانہ اثرات، غیر شرعی عناصر، مشرکانہ عقائد، باطل اعتقادات اور کجروی سے بھرپور فکری روّیوں کے علاوہ ایک اور پہلو جس کی جانب توجہ مبذول کرانا مطلوب ہے، نعتوں کی قرأت اور پیشکش کے انداز و آہنگ سے تعلق رکھتا ہے۔ محافلِ میلاد ہوں، مجالسِ سماع ہوں، صوفیا کے اجتماع ہوں، سیرت کے جلسے ہوں، حسنِ نعت خوانی کے مقامی، ملکی و عالمی پیمانے کے مقابلے ہوں، برقی ذرائع ابلاغ کے نعتیہ پروگرام ہوں، نعتیہ مشاعرے ہوں یا دیگر قسم کی مذہبی تقاریب---- ان میں نعت پڑھنے والوں/ والیوں اور نعت خوانی کرنے والوں/ والیوں کے ذریعے شاذ و نادر ہی تعلیماتِ شریعت کی مکمل پاسداری کا اہتمام و انصرام نظر آتا ہے۔ اکثر ایسی مجالس و محافل میں نعت گوئی و نعت خوانی کے آداب و لوازم کو نظر انداز کیے جانے کے مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ ان تقاریب میں آلاتِ موسیقی کا بے تحاشا استعمال، مرد و زن کا آزادانہ اختلاط، عورتوں کی بے پردگی، فلمی گیتوں کے طرز پر نعتوں کی گائیکی، ریا کاری، سامعین و ناظرین سے داد طلبی--- غرض نعت گوئی و نعت خوانی کی حقیقی روح کو مجروح کرنے اور اس تقدس مآب صنف کی اعلیٰ اقدار کو پامال کرنے کے تقریباً سارے کام انجام دیے جاتے ہیں۔ اس ساری صورتحال نے نعتیہ ادب کے دردمند ناقدین، صالح فکر ادباء و شعراء اور سنجیدہ قارئین، سامعین و ناظرین کو غور و فکر پر مجبور کر دیا ہے۔ وہ یہ سوچتے ہیں اور اس کا جا بجا اظہار بھی کرتے ہیں کہ نعت گوئی کے فن کو شرعی انحرافات و

بدعات، فکری خرافات وفضولیات اور غیر اسلامی روایات ومعتقدات سے پاک وصاف کرنے کا وقت آن پہنچا ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کی توفیق سے اُردو نعت نگاروں نے اپنی فکری وتخلیقی صلاحیتوں سے کام لے کر اچھا خاصا سرمایۂ نعت بہم پہنچا دیا ہے۔ اللہ ہی کی توفیق سے ناقدینِ نعت نے اُن قواعد و ضوابط، اصول وآداب اور معیارات کے تعین وتشکیل کا کام کم وبیش پایۂ تکمیل کو پہنچا دیا ہے، جن کو شرعی حدود کی پابندی کرتے ہوئے ملحوظ رکھنا ایک نعت نگار کے لیے از حد ضروری ہے۔ لہٰذا اِس مرحلے پر اَب جس امر کی جانب توجہ مرکوز کرنے کی فوری ضرورت ہے، وہ اُردو نعت کا شرعی محاسبہ ومحاکمہ ہے۔ اس عمل کو جس قدر جلد اور جتنے ہمہ گیر پیمانے پر شروع کیا جائے، اتنا ہی اُردو نعتیہ ادب کے روشن مستقبل اور ارفع واعلیٰ معیار واعتبار کے لیے مفید، مناسب اور موزون رہے گا۔

اُمید ہے کہ سطورِ بالا میں پیش کیے گئے مشاہدات ومحسوسات اور اس ضمن میں کی گئی گزارش کو نیک نیتی پر مبنی ایک دردمند دِل کی آواز پر محمول کیا جائے گا، جس کا مقصد نعت نگاری اور نعت خوانی میں اصلاحِ احوال کی طرف توجہ مبذول کرانے کے سوا کچھ بھی نہیں۔



الحمد للہ ثم الحمد للہ ''جہانِ حمد ونعت'' کے شمارۂ اوّل کی اشاعت کا برصغیر پاک و ہند کے علاوہ اُردو کی نئی بستیوں میں موجود نعت شناسوں کی جانب سے خاصا خیر مقدم کیا گیا اور اس سلسلے کو جاری وساری رکھنے کی خواہش کا اظہار کیا گیا۔ ساتھ ہی صفِ اوّل کے بعض ناقدینِ نعت اور دیگر نعت شناسوں نے اپنے تاثرات سے تحریری صورت میں آگاہ فرمایا۔ چنانچہ زیر نظر شمارے کے بیسیوں صفحات اُن کے تاثرات، تبصروں اور آراء سے آراستہ ہیں۔ ان میں اُردو نعتیہ ادب کی توانا تحریک کے رجل عظیم محترم پروفیسر ڈاکٹر ریاض مجید اور اس تحریک کے روح رواں اور عالمی شہرت یافتہ نعت خوان محترم صبیح رحمانی شامل ہیں۔ ادارہ ''جہانِ حمد ونعت'' ان تمام معزز حضرات وخواتین کا انتہائی شکر گزار ہے کہ انہوں نے وقت نکال کر ہمیں اپنی قیمتی آراء سے نوازا۔



زیر نظر شمارے میں دُنیا کے مختلف خطوں میں قیام پذیر حمدیہ ونعتیہ ادب سے وابستہ تخلیق کاروں اور تنقید نگاروں کے رشحاتِ فکر وقلم شاملِ اشاعت ہیں۔ قلم قبیلے سے وابستہ ان سبھی مکرم ومحترم احباب اور اربابِ فکر ودانش کا بہت بہت شکریہ کہ انہوں نے دور افتادہ مظلوم ومقہور خطۂ ارضی موسوم بہ کشمیر سے شائع ہونے والے مجلّے کو اس لائق سمجھا کہ اُن کے فن پارے اس کے

صفحات کی زینت میں اضافہ کریں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ پہلے شمارے اور زیرِ نظر (دوسرے) شمارے کے تمام قلمی معاونین کو دونوں جہانوں میں سرخروئی و کامرانی عطا فرمائے اور ان کی مساعی کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، آمین۔ ادارہ ان کا فرداً فرداً شکر گزار ہے۔

○

''جہانِ حمد و نعت'' کے اوّلین شمارے کے برعکس زیرِ نظر شمارے میں کشمیری زبان کا حصّہ شامل نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کشمیری میں حمد و نعت لکھنے والوں کی طرف سے ہمیں خاطر خواہ تعاون نہیں ملا، اگرچہ اس کے لیے ان کو درخواست بھی کی گئی تھی۔ صرف دو چار نعتیہ تخلیقات موصول ہوئیں، جن کو لیکر الگ (کشمیری) سیکشن ترتیب دینا ممکن نہیں۔ افسوس کہ ''جہانِ حمد و نعت'' کے پہلے شمارے میں ۳۲ صفحات پر مشتمل کشمیری سیکشن دوسرے شمارے میں کشمیری زبان کے حمد و نعت نگاروں کی عمومی سرد مہری کے سبب جاری نہ رکھا جاسکا۔

○

''نعت اکادمی'' (کشمیر) اور ادارہ ''جہانِ حمد و نعت'' کے لیے کہ یہ خبر کوہِ غم بن کر ٹوٹ پڑی کہ دونوں اداروں کے بانی صدر و سرپرست محترم پروفیسر ڈاکٹر مرغوب بانہالی دوسرا شمارہ دیکھے بغیر ہی اس جہانِ فانی سے رخصت ہوگئے۔ اُن کی گونا گوں علمی، ادبی، دینی اور حمدیہ و نعتیہ خدمات کا احاطہ کرنا یہاں پر ممکن نہیں ہے، تاہم زیرِ نظر شمارے میں اُن کی خدماتِ جلیلہ سے متعلق ایک خاص مضمون شاملِ اشاعت کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔

○

عالمی وبا کورونا (کوڈ-۱۹) جس نے دسمبر ۲۰۱۹ء ہی سے کرۂ ارض کے باسیوں کو اپنی لپیٹ میں لینا شروع کیا تھا، کے دوران جہاں بے شمار انسان جاں بحق ہوئے، وہاں اُردو حمدیہ و نعتیہ ادب سے وابستہ بعض سرکردہ شخصیات کو بھی بلاوا آ گیا۔ یہاں پر رخصت ہونے والے سبھی نعت شناسوں کا نام لینا ممکن نہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے یہی دُعا ہے کہ اُردو حمدیہ و نعتیہ ادب میں شاندار خدمات پیش کر کے اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملنے والی تمام شخصیات کو اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عنایت فرمائے اور اعلیٰ علیین میں داخل فرما کر اُن کو ابدی کامیابی سے سرفراز فرمائے، آمین۔

○

الحمد للہ بفضلہٖ تعالیٰ ''جہانِ حمد و نعت''، جو ریاستِ جموں و کشمیر میں حمدیہ و نعتیہ شعر و ادب

کے اوّلین کتابی سلسلہ کے طور ابھر کر سامنے آیا ہے، کے اب تک کے دونوں شمارے ناچیز حقیر پُر تقصیر نے تنِ تنہا ترتیب وتہذیب، تدوین و ادارت، تزئین و پروف خوانی اور اشاعت و طباعت کے جملہ مراحل سے گزار کر منظر عام پر لانے کی کوشش کی، جو الحمد للہ ثم الحمد للہ کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ اِن شاء اللہ تعالیٰ ''جہانِ حمد ونعت'' کے تیسرے شمارے کی اشاعت وطباعت کے یہ سبھی کام اب ایک ادارتی مجلسِ تحریر کے سرگرم تعاون سے انجام پذیر ہوں گے، جس کے لیے کشمیر کے چند جواں سال اہلِ نقد ونظر کے ساتھ رابطہ کیا گیا ہے۔ یہ معاملہ گویا وہی شکل اختیار کر گیا ؎

میں اکیلے ہی چلا تھا جانبِ منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا (مجروحؔ)



'نعت اکادمی' کشمیر اور ادارہ 'جہانِ حمد ونعت' نو ترتیب وتشکیل شدہ مجلسِ ادارت، مجلسِ مشاورت (مقامی) اور مجلسِ مشاورت (عالمی) میں شامل تمام اربابِ فکر و دانش اور اہلِ نقد ونظر کا پرتپاک استقبال کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دست بدعا ہیں کہ ہم سب کی کوششوں اور کاوشوں میں اخلاص وللّٰہیت کی دولت وبرکت عطا فرما کر اِن کو ہمارے لیے توشۂ آخرت بنا دے، آمین۔ اُمید ہے کہ ''جہانِ حمد ونعت'' کے اگلے شماروں کی بروقت اشاعت میں اب آسانی پیدا ہوگی اور ہر شمارہ اپنے وقت پر شائع ہوگا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔



زیرِ نظر شمارے کے مندرجات ومشمولات سے متعلق اربابِ فکر و دانش، اہلِ نقد ونظر اور اصحابِ قرطاس وقلم کے قیمتی تاثرات، تجاویز اور آراء کا انتظار رہے گا۔

مدیر

E-mail : hamdonaatjk@gmail.com
Cell / WhatsApp No : 9906662404

پیر، یکم ذی الحجہ ۱۴۴۲ھ / ۱۲ر جولائی ۲۰۲۱ء

***

برصغیر کے سربرآوردہ نعت گو، نعتیہ ادب کے ممتاز ترین محقق اور نظریہ ساز ناقد محترم المقام جناب پروفیسر ڈاکٹر ریاض مجید صاحب کے "جہانِ حمد و نعت" سے متعلق شفقت سے معمور جذبات و احساسات:

برائے 'جہانِ حمد و نعت'

خوش آمدید یہ سعد ارمغانِ حمد و نعت
مبارک اہلِ ارادت ! "جہان حمد و نعت"

سری نگر کے افق پر کس اہتمام کے ساتھ
ہوئی ہے جلوہ نما کہکشانِ حمد و نعت

مدینہ چوک سے نکلا جلال و شوکت سے
سوئے حجاز چلا ، کاروانِ حمد و نعت

ہیں خیرزاد وہ نسبت سرشت اہلِ قلم
جنہیں خدا نے عطا کی زبانِ حمد و نعت

خوشا ! جو سعی محبّانِ مدحت آرا سے
ورق ورق پہ کھلا گلستانِ حمد و نعت

عقیدت آشنا 'لبیک' کہتے آئیں گے
خلوص سے دیئے جاؤ اذانِ حمد و نعت

دعا ہے یوں ہی سدا خلد بخش و فیض رساں
زمینِ فن پہ رہے آسمانِ حمد و نعت

ہر ایک منزلِ حُبّ احتیاط چاہتی ہے
ہزارہا ہیں ابھی ہفت خوانِ حمد و نعت

شروع ازل سے جو خالق نے لفظ 'کن' سے کیا
چلے گا تا بہ ابد یہ بیانِ حمد و نعت

دعا یہ ہے یہ فضیلت ہو بعدِ مرگ بھی ساتھ
لحد میں بھی رہے روشن نشانِ حمد و نعت

لوائے حمد کے نیچے ہوں جمع حشر میں سب
ہمارے سر پہ رہے سائبانِ حمد و نعت

بہشت رُو میں سفینے یہ لفظ و معنی کے
ہے جن پہ سایہ فشاں بادبانِ حمد و نعت

نصیب ہو جو کسی کو 'کرے قبول جو' رب
تو ایک آن بھی ہے اک زمانِ حمد و نعت

ہیں رازیاب کچھ ایسے بھی حیرتِ فن کے
ہے جن کی خامشی بھی ترجمانِ حمد و نعت

ہماری سعیٔ اِرادت میں جاگزیں ہو جائے
جو جذبِ اصل ہے روحِ روانِ حمد و نعت

ریاضؔ ، جوہرِ قدوسیٔ ثنا جو کو
ہزار بار مبارک ، 'جہان حمد و نعت'

***

پس نوشت

سالِ اشاعت جہانِ حمد ونعت

ملا کے جنت فردوس کے عدد سے نکال
تو سالِ فرخِ طبع جہانِ حمد و نعت

۱۴۴۰ھ

***

باب

تفکّرات

حمد و نعت:

اِکتشافِ فِکر ، اِقتضائے فن

[حمد و نعت نگاری کے فن اور آداب و اسالیب پر مضامین]

حمدیہ شاعری : فکری اور اسلوبیاتی تجربے

سید عرفان اللہ

اللہ کی حمد اور مدح کرنے سے مخلوق کی عاجزی

جاوید حسین

اُردو رباعی میں حمد نگاری کے نقوش

امیر حمزہ

حمد و نعت میں الفاظ کا مناسب استعمال

تنویر پھول

نعت : مفہوم اور تقاضے

ڈاکٹر تابش مہدی

فنِ نعت گوئی : چند غور طلب نکات

ڈاکٹر اسمٰعیل آزاد فتح پوری

اُردو میں نعت گوئی کا فن : ایک تاریخی جائزہ

علیم صبا نویدی

نعتیہ شاعری کے آداب اور اسالیب

پروفیسر ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی

نعت نغمۂ زندگی ہے !!

ڈاکٹر محمد معروف شاہ

نعت گوئی اور اُس کے آداب

عبداللہ سلمان ریاض

نعت گوئی کا فن اور اس کے تقاضے

رضوان احمد

نثری نعت : ایک تعارف

ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی

حقیقت نگاری : نعت گوئی کا ایک لازمہ

مدیر

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور دِل کی بات

علی محمد عاجز

نعت گوئی اور آدابِ نعت نگاری

حافظ مقصود احمد ضیائی

سیّد عرفان اللہ

بنگلور-(کرناٹک)انڈیا

حمدیہ شاعری : فکری اور اسلوبیاتی تجربے

میں خود بھی نہیں اپنی حقیقت کا شناسا // گہرا ہے میرے بحرِ خیالات کا پانی

شاعری کی مختلف اصناف میں سے پہلی صنف جس کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے "حمد" کہلاتی ہے۔ حمد ایک عربی لفظ ہے جس کے معنیٰ "تعریف" کے ہیں۔ اردو کے علاوہ حمد باری تعالیٰ کئی زبانوں میں لکھی جاتی رہی ہے، جیسے عربی، فارسی، اردو وغیرہ۔ خداوندِ کریم کی تعریف وتوصیف ہر زبان اور ہر مذہب میں پائی جاتی ہے پھر چاہے وہ نظم کی شکل میں ہو یا نثر میں یا کسی بھی انداز میں ہوسکتی ہے۔ خداوندِ کریم قرآن میں سورۃ لقمان کی آیات 27 میں یوں فرماتے ہیں کہ: زمین میں جتنے درخت ہیں اگر وہ سب کے سب قلم بن جائیں اور سمندر (دوات بن جائیں) جسے سات مزید سمندر روشنائی مہیا کریں تب بھی اللہ کی باتیں (لکھنے سے) ختم نہ ہوں گی، بے شک اللہ زبردست اور حکیم ہے۔ اللہ کی تعریف وتوصیف ہر زمانے میں ہوتی رہی ہے۔ یہ ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔ عربی کا لفظ "حمد" اللہ تعالیٰ کی تحمید وتمجید کے لیے مختص ہوگیا ہے۔ جس کے لیے حمدیہ شاعری نے ایک مستقل صنف سخن کی صورت اختیار کر لی ہے۔ صرف عربی، فارسی ہی نہیں دیگر زبانوں میں بھی اس کا ذخیرہ موجود ہے۔ حمد چونکہ کوئی مشاہداتی صنف نہیں ہے، اس لیے ضروری ہے کہ آپ قرانِ مجید کا مطالعہ کیے ہوئے ہوں اور چونکہ خدا کی ستائش دیگر دوسرے مذاہب میں بھی موجود ہے تو یہ بھی ضروری ہے کہ آپ ان مذہبی کتابوں سے بھی واقف ہوں۔ تاہم اسلام نے صرف ایک خدا کی پرستش کا حکم دیا ہے اور تصور پیش کیا ہے، اس لیے اس میں کسی اور کو شریک کرنا گناہِ کبیرہ ہے۔ قرآنی مفہوم میں حمد کا آغاز عربی سے ہوا۔ اور وہاں سے اس کا مضمون فارسی میں آیا۔ اور فارسی سے اہلِ اردو نے اخذ کیا اور یوں ابتداء ہی سے حمد اردو شاعری کا لازمی حصہ بن گئی۔ مثنوی کا آغاز حمدیہ اشعار سے کیا جاتا رہا ہے اور بعض شعراء نے تو دواوین غزلیات کی ابتداء ہی حمد سے کی ہے۔ حمد میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی کے ساتھ اس کی صفات کا بھی ذکر ہوتا ہے۔ دنیا کی ہر زبان کے شاعروں نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کو پیش نظر رکھا ہے اور اسے یاد کیا ہے۔ اردو زبان میں جب سے

شاعری کا آغاز ہوا، تبھی سے حمد لکھی گئی، لیکن حمد سے زیادہ توجہ نعت پر دی گئی ہے۔ حمد کی دینی اور ادبی قدر و قیمت کی وجہ سے یہ صرف ہمارے مضطرب جذبات کی تسکین کا سامان، احساسِ جمال، خوفِ خدا، بصیرت و بصارت کی توثیق یا شاعری برائے شاعری نہیں ہے، بلکہ ادب میں اس کی مستقل صنفی حیثیت ہے۔ یہ صحیح ہے کہ عروض و بلاغت اور اصناف سخن کی قواعد کی کتابوں میں حمد و مناجات کی صنفی حیثیت کا ذکر نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غزل گو، مرثیہ گو، رباعی گو یا مثنوی و قصیدہ نگار شعرا نے حمد پر باضابطہ یا خصوصی توجہ نہیں دی، بلکہ عقیدت اور بسم اللہ کے طور پر رسم پوری کرتے رہے ہیں۔ حالانکہ حمد و مناجات کے لیے والہانہ عشقیہ جذبے کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ اظہار و افعال و اعمال اس سے وابستہ ہیں۔ مہارت و محاربت، متانت و سنجیدگی اور جوش ربانی کی فراوانی کے بغیر کوئی بھی شاعر حمد میں اظہار عقیدت نہیں کر سکتا۔ مختلف ادوار میں حمد کے فکری اور اسلوبیاتی تجربے یقیناً ہوئے ہیں اور اسلوبیاتی تغیر بھی محسوس کیے گئے ہیں۔ مثلاً حمد کے یہ اشعار ملاحظہ کیجیے :

کامل ہے جو ازل سے وہ ہے کمال تیرا
باقی ہے جو ابد تک وہ ہے جلال تیرا

حالیؔ

ہوا خلاف چلی تو چراغ خوب جلا
خدا بھی ہونے کے کیا کیا ثبوت دیتا ہے

ڈاکٹر نواز دیوبندی

حرف آغاز تو حرف آخر بھی تو
دو جہاں تیری قدرت ہیں قادر بھی تو

ابراہیم اشکؔ

سو رہا ہوں تیرے بھروسے پر
خدا فجر میں جگا دینا

وجےؔ تیواری

حمد سے بے توجہی کی وجہ ماحول بھی رہا ہے، بقول منیر احمد جامی صاحب: حمد یہ نشستیں بہت ہی کم یا نا کے برابر ہوتی ہیں، اور میں بھی اس سے اس لیے بھی اتفاق رکھتا ہوں کیوں کہ میں نے بھی کوئی مشاعرہ بالخصوص ''حمد'' کے لیے مختص نہیں دیکھا۔ کبھی کسی نے شاید ہی طرحی مشاعرہ کے لیے بھی کوئی نشست رکھی

ہو۔ہاں مگر غزل اور نعت کے مشاعرے اور ادبی نشستیں ہوتی رہتی ہیں۔

میرے علم کے مطابق اردو میں حمدیہ شاعری کا پہلا مجموعہ ہندوستان کی آزادی سے قبل غلام سرور لاہوری کا ہے جو ''دیوانِ حمدِ ایزدی'' کے نام سے 1881ء میں نول کشور، لکھنو سے شائع کیا تھا۔

زباں پر ذکر حمد ایزدی ہر دم رواں رکھنا
فقط یاد الٰہی سے غرض اے مری جاں رکھنا

حمدیہ شاعری کا دوسرا مجموعہ افتخار حسین مضطر خیرآبادی کا ''نذرِ خدا'' 1913ء میں شائع ہوا۔ سرورق پر یہ شعر درج ہے:

مبارک اے زباں دنیا میں جو کچھ بھی کہا تو نے
وہ میں نے لکھ لیا اور کر دیا نذر خدا تو نے

ریاستِ کرناٹک میں سب سے پہلے منیر احمد جامی کا حمدیہ مجموعہ ''حرفِ تمام'' کے نام سے 1987 منظرِ عام پر آیا۔اس کے پہلے صفحہ پر یہ شعر درج ہے۔

جو حکمِ کن ہو ، تو پودا زمیں سے پھوٹے گا
بڑے خلوص سے میں نے تو بیج بویا ہے

حمد باعث تسکین قلب ہے۔اس سے فرحت اور روحانی سکون حاصل ہوتا ہے۔آفاقی اور ابدی حقیقتوں کی آگہی سے بھرپور اس صنف کی طرف نعت کے مقابلے میں توجہ کم دی گئی ہے اور اس کا مواد بکھرا پڑا ہے۔

اردو شعراء نے اپنا عقیدت و ایمان کے گل ہائے معطر حمدیہ اشعار کی لڑیوں میں پروکر باری تعالیٰ کے اوصاف اسمائے حسنیٰ کے گلدستۂ ہائے معتبر سجائے ہیں۔خدائے عزوجل کی تحمید و تمجید کے یہ نقش ہائے دل پذیر اور ثنا و توصیف کے یہ دریائے بےنظیر شعری پیکر میں ڈھل کر ادبی سرمائے میں اضافہ کرتے رہے ہیں۔

میرے لب پہ ورد ہے لاالٰہ = یہی ورد ہے جو عظیم ہے
توغفور ہے تو رحیم ہے = تیری رحمتوں کی حدیں نہیں
تیری کائنات کے درمیاں = میں تھا ایک نقطہ نا تمام
مرے مہربان! ترا شکریہ = مجھے دے کے وصفِ الٰہیہ
تو نے کیا سے کیا ہے بنا دیا = تو نے بندگی مجھے کی عطا
مری بندگی بڑی بات ہے = یہ تو عکس ہے تری ذات کا

تری ذات سے مری ذات ہے = ترے در پہ سر بہ سجود ہوں
مجھے آگہی سے نواز دے = مجھے رنگ فقر و نیاز دے

حمد گوئی کی روایت کو آگے بڑھانے اور زندہ رکھنے اور اس کی ترقی و ترویج کے لیے یہ بے حد ضروری ہے کہ ادبی نشستوں میں طرحی مصرعہ پر طبع آزمائی کروائی جائے، حمدیہ محفلیں منعقد کروائی جائیں، اخبارات و رسائل کے مدیران معتبر قلم کاروں سے حمدیہ مضامین و مقالے شائع کروائیں۔ کسی بھی صنفِ سخن میں کچھ کہتے وقت بہت احتیاط کرنا لازمی اس لیے ہوتا ہے کہ کہیں ہم کسی حد سے آگے نہ بڑھ جائیں اور ہم سے کوئی کفر یا شرک سرزد نہ ہو جائے۔ مگر حمد کہتے وقت یہ فکر نہیں رہتی، اس لیے کہ خدا کی شان و بڑائی کرتے وقت شاعر عشق و عرفان کو پہنچنے کی ہی کوشش کرتا ہے، جو ضروری بھی ہے اور اس عشق کا صلہ یہ ملتا ہے کہ دنیا و آخرت دونوں سنور جاتے ہیں۔

***

جاوید حسین

امین پارک،لکھنو۔۔یو۔پی

اللہ کی حمد اور مدح کرنے سے مخلوق کی عاجزی

(نہج البلاغہ کے حوالے سے)

نہج البلاغہ کے پہلے خطبہ کی تشریح پر مبنی یہ مضمون پیش کیا جارہا ہے جس میں پہلے فقرہ کی وضاحت کی جارہی ہے، جس میں اللہ کی حمد اور مدح کے سلسلہ میں گفتگو کی جارہی ہے۔ نہج البلاغہ کے پہلا خطبہ کی ابتدا اللہ کی حمد اور مخلوق کا اللہ کے سامنے عاجز ہونے کے بارے میں ہے۔ پہلے خطبہ کے پہلے فقرہ میں آپؑ کا ارشاد یہ ہے: "الحَمْدُ للهِ الَّذي لاَ يَبْلُغُ مِدْحَتَهُ القَائِلُونَ"، "ساری حمد اس اللہ کے لئے ہے جس کی مدح تک بولنے والوں کی رسائی نہیں"۔

تشریح: خطبہ کے آغاز میں اللہ کی حمد کرنا، سیرت معصومین (علیہم السلام): جیسے نہج البلاغہ کے پہلے خطبہ کا حضرت امیرالمومنین (علیہ السلام) نے اللہ کی حمد سے آغاز کیا ہے، یہ سیرت، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی سیرت کے مطابق ہے۔ حضرت امام زین العابدین (علیہ السلام) فرماتے ہیں: "كانَ رَسولُ اللهِ ـ صلى الله عليهِ و آله إذا خَطَبَ حَمِدَ اللهَ ـ و أثنى عَلَيهِ"[1]، "رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب خطبہ پڑھا کرتے تھے تو (پہلے) اللہ کی حمد وثناء کرتے تھے"۔ نیز روایات میں دیگر معصومین (علیہم السلام) کے کلام اور خطبہ کے آغاز میں اللہ کی حمد ملتی ہے۔

حمد اور مدح کی تعریف: حمد، مدح اور شکر کے درمیان پائے جانے والے فرق کے بارے میں علماء کے مختلف نظریات ہیں۔ بعض کا کہنا ہے کہ انسان جو اختیار سے نیک اعمال کرتا ہے اور جو صفات اس میں رکھے گئے ہیں، اس کے بارے میں لفظ مدح استعمال ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اونچے قد اور چہرہ کی خوبصورتی پر انسان کی مدح کی جاتی ہے جیسا کہ سخاوت اور علم پر اس کی مدح کی جاتی ہے، جبکہ حمد دوسرے (سخاوت وعلم) سے متعلق ہے نہ کہ پہلے سے اور شکر صرف نعمت کے بدلہ میں کیا جاتا ہے، لہذا ہر شکر حمد ہے، لیکن ہر حمد شکر نہیں ہے، نیز ہر حمد، مدح ہے، لیکن ہر مدح حمد نہیں ہے۔[2]

امیرالمومنین (علیہ السلام) نے اللہ کی حمد کیوں کی ہے: آپؑ نے اللہ کی حمد کو ہر بات سے پہلے ذکر

کیا ہے، جس کا راز یہ ہوسکتا ہے کہ آپؐ لوگوں کو ہر بات کے آغاز میں اللہ کی حمد کرنے اور اس کی نعمتوں کا اقرار کرنے کی راہنمائی کرنا چاہتے ہیں کیونکہ اللہ تعالی کے جلال اور عظمت کی طرف توجہ کرنا سب حالات میں ضروری ہے۔ حمد میں شکر کے معنی پائے جاتے ہیں اور حمد کا معنی شکر سے زیادہ وسیع ہے اور وسیع معنی سے مراد مطلق تعظیم ہے اور یہ حمد کی سب اقسام کی وجہ سے ہے، کیونکہ اللہ کی مطلق تمجید کے بارے میں گفتگو ہورہی ہے۔[3]

حمد کے بارے میں چند نکات: قرآن اور احادیث میں حمد کے بارے میں چند نکات قابل غور ہیں:

ا۔ قرآن اور احادیث میں لفظ حمد، اللہ کی ذاتی فضیلت کے طور پر استعمال ہوا ہے،[4] جیسے: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِی لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ یَكُن لَّهُ شَرِیكٌ"۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی حمد، اس کی معرفت اور پہچان پر موقوف ہے، اسی لیے اللہ کی حمد کی حقیقت اور اس کے کمال کا معرفت کی مقدار سے براہ راست تعلق ہے۔ اللہ کے جمال اور جلال کی معرفت جس قدر زیادہ ہوتی جائے، حمد کرنے والے کی حمد، زیادہ مکمل ہوتی جائے گی، بنابریں اللہ کی بہترین حمد، خود اللہ ہی اپنی کرسکتا ہے، جیسا کہ دعائے جوشن کبیر میں ہے: "یَا خَیْرَ حَامِدٍ وَمَحْمُودٍ"، اے بہترین حمد کرنے والا اور بہترین حمد ہونے والا"۔

۳۔ جن احادیث نے حمد کو "حقِ شکر" یا "تمامِ شکر" یا "وفائے شکر" میں تفسیر کیا ہے، اس سے مراد زبانی شکر ہے، یعنی اگر لفظ "حمد" معرفت کے ساتھ زبان پر جاری ہو تو زبان کا شکر کرنے کے لحاظ سے فریضہ حقیقتاً ادا ہوا ہے۔ لہذا دیگر احادیث میں جو اللہ کی نعمتوں پر عملی شکر کے ضروری ہونے کی تاکید ہوئی ہے، مذکورہ تفسیر اس کی نفی نہیں کرتی۔ بلکہ سچی حمد موجب بنتی ہے کہ حمد کرنے والا، اللہ کی نعمتوں پر عملی طور پر بھی شکر کرے۔

حمد قرآن کے آئینہ میں: قرآن کریم میں اللہ کی حمد ۴۳ آیات میں مختلف انداز میں ذکر ہوئی ہے۔ اللہ تعالی نے چودہ آیات میں اپنی حمد کی ہے[5]، تیرہ آیات میں اپنی حمد کا حکم دیا ہے[6] (چھ بار تسبیح کے بغیر اور سات بار تسبیح کے ساتھ)۔ سولہ آیات میں انبیاء[7]، مومنین[8]، ملائکہ[9]، اہل جنت[10]، اہل قیامت[11]، رعد[12] اور سب چیزوں[13] کی زبانی اللہ کی حمد ہوئی ہے۔ سترہ آیات[14] میں اللہ کی صفت "حمید" کا تذکرہ ہوا ہے۔

حمد احادیث کے آئینہ میں: روایات میں مختلف کاموں سے پہلے یا بعد میں اللہ کی حمد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسے خطبہ پڑھنے کی ابتداء میں، اہم بات شروع کرتے ہوئے، کھانے پینے کے بعد، نیند

سے جاگنے کے بعد، چھینک لینے کے بعد، نئے کپڑے پہنتے ہوئے، آئینہ میں چہرہ دیکھتے ہوئے، بیت الخلاء سے فارغ ہونے کے بعد، سواری پر بیٹھتے ہوئے، روزہ افطار کرتے ہوئے، عقد کا خطبہ پڑھتے ہوئے، ہر حال میں اور کچھ دیگر موقعوں پر جن کا روایات میں ذکر ہوا ہے۔[15]

اللہ کی مدح سے عاجزی کی وجہ: علامہ ابن میثم (علیہ الرحمہ) کا کہنا ہے کہ حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب (علیہ السلام) نے یہ جو فرمایا ہے: "لاَ يَبْلُغُ مِدْحَتَهُ الْقَائِلُونَ": "جس کی مدح تک بولنے والوں کی رسائی نہیں"، اس سے آپؑ کا مراد یہ ہے کہ انسان کی سوچ اس بات سے آگاہ ہو جائے کہ اللہ کی حمد کرنے کا جو حق ہے، وہ کیسے کیا جائے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ کسی چیز کی لائق ثناء تب ممکن ہے کہ اس چیز کی کنہ کا علم حاصل ہو اور واجب الوجود کے بارے میں ایسا نہیں ہو سکتا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور جلال و کمال کے صفات کی حقیقت، جیسی ہے وہی سوچ میں آجائے اور واضح ہے کہ انسان کی سوچ اس حد تک پہنچنے سے عاجز ہے۔ لہٰذا اگرچہ حمد کرنے والوں کی طرف سے کچھ باتیں حمد کے طور پر متعارف اور عادت کے مطابق وقوع پذیر ہوتی رہتی ہیں اور اللہ کی اچھی صفات سے تعریف کی جاتی ہے، لیکن درحقیقت یہ اللہ کی مکمل حمد نہیں ہے، کیونکہ جو اللہ کی حقیقی حمد ہے، لوگ اس کا علم نہیں رکھتے...... آپؑ کا یہ ارشاد لوگوں کو اس بات سے آگاہ کرتا ہے کہ لوگوں کے ذہن نے جو صفات اپنی مرضی سے بنائی ہیں وہ باطل ہیں اور جیسا وہ سمجھتے ہیں حقیقت ویسی نہیں ہے۔

اللہ کی حمد اور مدح سے مخلوق کا عجز: کیسے حمد کرنے والے اللہ کی حمد کر سکتے ہیں جبکہ مدح کرنے والا شخص تب کسی شخص کی صحیح مدح کر سکتا ہے کہ اس کے وجودی کمالات پر احاطہ کیے ہوئے ہو، اسی لیے جاہل ہرگز عالم کی صفات بیان نہیں کر سکتا، اسی طرح ہر مخلوق اللہ کی حمد و مدح اپنی حدِ معرفت تک کر سکتی ہے اور کیونکہ اللہ کی ذات کے کمالات کا مکمل علم، خود اللہ کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہے تو صرف وہ خود ہی اپنی حمد اسی طرح کر سکتا ہے جیسے حمد کرنے کا حق اور جیسے وہ لائق حمد ہے، جیسا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہ جملہ منقول ہے: "اَللّٰهُمَّ . . . لا أُحصي ثَناءً عَلَيكَ ، أنتَ كَما أثنَيتَ عَلى نَفسِكَ[16]"، "بارالہا...... میں تیری ثناء نہیں کر سکتا، تو ویسا ہی ہے جیسے تو نے اپنی ثناء کی ہے"، دوسرے لحاظ سے دیکھا جائے تو وہی چیز ممکن ہوتی ہے جو محدود ہو، لیکن اگر کوئی چیز بے حد اور بے انتہا ہو جائے تو اس کے آخر تک نہیں پہنچا جا سکتا، حضرت امام جعفر صادق (علیہ السلام) بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے ہیں: "لا غايَةَ لِمَدحِكَ[17]"، "تیری مدح کی کوئی انتہا نہیں ہے"، لہٰذا جب اللہ کی مدح کی کوئی انتہا نہیں تو مدح کرنے والے کیسے اس کی مدح تک پہنچ سکتے ہیں۔ لہٰذا امیرالمومنین (علیہ

السلام) اور حضرت امام جعفر صادق (علیہ السلام) کے کلام کو ملا کر یہ نتیجہ ملتا ہے کہ نہ اللہ کی مدح کی انتہا ہے اور نہ اللہ کی مدح تک بولنے والوں کی رسائی ہے۔

اللہ کی مدحت سے عجز دیگر معصومین (علیہم السلام) کے کلام میں: حضرت سید الساجدین (علیہ السلام) بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے ہیں: "أُثني عَلَيكَ يا سَيِّدي ، وما عَسى أن يَبلُغَ في مِدحَتِكَ ثَنائي مَعَ قِلَّةِ عَمَلي وقِصَرِ رَأيي، وأنتَ يا رَبِّ ، الخالِقُ وأنَا المَخلوقُ[18]"، اے میرے آقا، میں تیری ثناء کرتا ہوں، لیکن اس قلیل عمل اور چھوٹی سوچ کے ساتھ کہاں میری ثناء تیری مدحت تک پہنچ سکتی ہے، اے میرا پروردگار تو خالق ہے اور میں مخلوق ہوں۔ حضرت امام جعفر صادق (علیہ السلام) اللہ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں: "لا إلهَ إلّا أنتَ جَلَّ ثَناؤُكَ ، ولا أُحصي مِدحَتَكَ ولَا الثَّناءَ عَلَيكَ ، أنتَ كَما أثنَيتَ عَلى نَفسِكَ ، وفَوقَ ما يَقولُ القائِلونَ [19]"، "تیرے سوا کوئی معبود نہیں، بلند ہے تیری ثناء، میں نہ تیری مدحت کو شمار کرسکتا ہوں اور نہ تیری ثناء کو، تو ویسا ہی ہے جیسے تو نے اپنی ثناء کی ہے اور تو بولنے والوں کی باتوں (ثناء) سے بالاتر ہے"۔ نیز آپؑ ہی اللہ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں: "لا يَبلُغُ مِدحَتَكَ قَولُ قائِلٍ ، أنتَ كَما تَقولُ وفَوقَ ما نَقولُ[20]"، "بولنے والے کی باتیں تیری مدحت تک نہیں پہنچ سکتیں، تو ویسا ہے جیسے خود کہتا ہے اور جو ہم کہتے ہیں اس سے بالاتر ہے"۔

نتیجہ: حضرت امیرالمومنین علی (علیہ السلام) کے اس کلام کو دیگر روایات کی روشنی میں دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ مخلوق اللہ تعالیٰ کی نہ حمد اس طرح کرسکتی ہے جیسے وہ حمد کے لائق ہے اور نہ مدح اس طرح کرسکتی ہے جیسے وہ مدح کے لائق ہے، لہذا اکمل، صحیح، بہترین اور شایانِ شان وہی حمد اور مدح ہے جو وہ اپنی خود کرتا ہے، اور ہمیں چاہیے کہ اہل بیت (علیہم السلام) کی دعاومناجات کے مطابق اللہ کی حمد ومدح کریں اور ساتھ ساتھ انسان کے ذہن میں یہ بات رہے کہ میں اللہ کی حمد ومدح کرنے سے عاجز ہوں۔

حواشی

[1] نہج الذکر، ج2، ص292۔
[2] نہج الذکر، ج2، ص182 سے ماخوذ۔
[3] ماخوذ از: شرح نہج البلاغہ، ابن میثم بحرانی
[4] نہج الذکر، محمدی ری شہری، ج2، ص183۔
[5] فاتحہ، آیت 1، انعام، آیت 1 و 45، نحل، آیت 75، اسراء، آیت 111، کہف، آیت 1، قصص، آیت 70، روم، آیت 18، سبأ، آیت 1، فاطر، آیت 1، صافات، آیت 182، زمر، آیت 29، غافر، آیت 65، جاثیہ، آیت 36.
[6] اسراء، آیت 111، مومنون، آیت 28، نمل، آیت 59 و 93، عنکبوت، آیت 63، لقمان، آیت 25، حجر، آیت 98، طٰہٰ، آیت 130، فرقان، آیت 58، غافر، آیت 55، ق، آیت 39، طور، آیت 48، نصر، آیت 3.

[7] ابراہیم، آیت 39، نمل، آیت 15.

[8] توبہ، آیت 112، سجدہ، آیت 15.

[9] بقرہ، آیت 30، زمر، آیت 75، غافر، آیت 7، شوریٰ، آیت 5.

[10] اعراف، آیت 43، یونس، آیت 10، فاطر، آیت 34، زمر، آیت 74.

[11] اسراء، آیت 52. [12] رعد، آیت 13.

[13] اسراء، آیت 44، تغابن، آیت 1. [14] بقرہ، آیت 267، نساء، آیت 131، ہود، آیت 73، ابراہیم، آیت 1 و 8، حج، آیت 24 و 64، لقمان، آیت 12 و 26، سبأ، آیت 6، فاطر، آیت 15، فصلت، آیت 42، شوریٰ، آیت 28، حدید، آیت 24، ممتحنہ، آیت 6، تغابن، آیت 6، بروج، آیت 8.

[15] مذکورہ مقامات پر حمد کرنے کی تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیے: کتاب نہج الذکر، محمدی ری شہری۔

[16] نہج الذکر، ج 2، ص 314۔ [17] مصباح المتہجد: ص 311 ح 419.

[18] بحارالأنوار، ج 98، ص 228، ح 4۔ [19] مصباح المتہجد: ص 838 ح 899۔

[20] نہج الذکر، ج 2، ص 414۔

***

نعت گو شاعرات

نعت گوئی میں اوّلیت کا سہرا حضورؐ کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی آمنہؓ کو حاصل ہوا، جب آپؐ کی والدہ نے آپؐ کو حلیمہ سعدیہؓ کے سپرد کیا تو بے ساختہ ان کی زبان سے اشعار جاری ہوئے۔ حضرت فاطمۃ الزہرہؓ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے نعتیہ اشعار بھی روایتوں میں ملتے ہیں۔ عربی، فارسی اور اردو شاعری میں نعت اپنے تنوع، مقدار، موضوع اور معیار کے اعتبار سے تمام اصنافِ شاعری میں نمایاں اور ممتاز مقام رکھتی ہے۔ اردو کی نعتیہ شاعری میں جہاں مرد شعرا نے عقیدت و محبت کے گلزار کھلائے، وہیں خواتین شاعرات نے بھی حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اقدس میں اپنے پاکیزہ خیالات و احساسات کو نہایت وارفتگی سے بیان کیا۔ ان خواتین شعرا نے نعت کے تمام موضوعات اور اسالیب کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی اور سیرت کے توسط سے انسانی زندگی کے تمام مذہبی، تہذیبی، سماجی پہلوؤں کو بیان کر دیا ہے۔ حضورؐ کے اسوۂ حسنہ، شمائل و فضائل، عبادات، آدابِ مجلس، معجزات، حُسنِ انتظام وغیرہ کے ساتھ حضوری کی کیفیات کو بھی نہایت دِل گداز انداز میں بیان کیا ہے۔ ان خواتین شاعرات نے جذبۂ صادق اور عشقِ رسولؐ سے سرشار ہو کر نعت گوئی کی۔ ان میں جذبات کی فراوانی بھی ہے اور سخنوری کی دلنوازی بھی، علم کے خزانے بھی ہیں اور فکر کی گہرائی بھی۔ (ڈاکٹر نزہت عباسی)

امیر حمزہ

hamzaameer21@gmail.com

اُردو رباعی میں حمدنگاری کے نقوش

رباعی ایک ایسی صنف سخن ہے جو اپنے وجود سے لیکر اب تک سب سے زیادہ مذہب سے قریب رہی ہے۔ فارسی زبان میں جب رباعی کی شروعات ہوئی تو اس وقت اسلام پورے خطہ میں پھیل چکا تھا اور مذہبی تعلیمات و معاملات داخلی زندگی اور خارجی زندگی میں پوری طرح سرایت کر چکی تھی۔ اب تک کا تحقیق شدہ قول یہی ہے کہ رباعی کی شروعات تیسری صدی ہجری میں ہوئی تا ہم جب پانچویں صدی ہجری میں خیام نے اس صنف سخن کو اپناتا ہے تو اس کو کمال تک پہنچاتا ہے اور موضوعات کے اعتبار سے سب سے زیادہ فلسفہ زندگی کو جگہ دیتا ہے نیز خدا سے فلسفیانہ انداز میں تعریف کے ساتھ مناجات بھی کرتا ہے۔ رباعی ہی وہ صنف سخن رہی ہے جو خانقاہوں میں سب سے زیادہ پلی بڑھی۔ بلکہ جس جس معاشرے میں پلی بڑھی اس معاشرے کا اثر بخوبی قبول کرتی چلی گئی۔ صوفیاء کرام کی محفلوں میں رہی تو حمد و نعت و منقبت اور وعظ و نصیحت سے سیراب ہوتی رہی۔ فارسی کے اہم رباعی گو کی صحبت میں جب پہنچی تو حکمت و فلسفہ کے آب حیات سے سرشار ہوئی، جب رباعی اردو میں داخل ہوئی تو انیس و دبیر کی پاکیزہ خیالی و بلندی مضامین، اکبر و حالی کی اصلاحی پاسداری، امجد کا حکمت و فلسفہ، جوش کا دبدبہ الفاظ اور مناظر فطرت، فراق کی جمالیات و سنگھار رس سے رباعی نے اپنے آپ کو خوب سنوارا۔ اسی کو ڈاکٹر سلام سندیلوی اس طرح لکھتے ہیں :

> "ولی کی معرفت نے، میر کے عشق نے، درد کے تصوف نے، غالب کی معنی آفرینی نے، انیس و دبیر اور رشید کے رثائی خیالات نے، حالی و اکبر کی اصلاحیات نے، جوش کی انقلابیت نے اور فراق کی سنگھار رس نے رباعی کو ایک سنجیدہ لب و لہجہ عطا کیا۔ ان حضرات کی رباعیات میں گہری سنجیدگی اور عمیق تفکر کی فضا پائی جاتی ہے۔" (اردو رباعیات، سلام سندیلوی، ص ۵۷۵)

اردو رباعی نے ہر دور میں جدید رجحانات و میلانات کا ساتھ دیا ہے اور ان کی عکاسی کی ہے۔ رباعی نے اپنے آپ کو کبھی بھی محدود و مخصوص موضوعات میں پابند نہیں کیا ہے۔ رباعی میں اگرچہ

اخلاقی، مذہبی، اصلاحی، حکمت اور فلسفہ جیسے موضوعات زیادہ رہے ہیں لیکن دوسرے موضوعات کا خاطر خواہ ذخیرہ بھی اردو رباعی میں موجود ہے۔ موضوعات رباعی کے تعلق سے اب تک یہ بہت زیادہ لکھا جاتا رہا ہے کہ رباعی کے موضوعات حمد و مناجات اور اخلاق و فلسفہ کثرت سے رہے ہیں یہ حقیقت ہے۔ لیکن رباعی میں ہمیشہ یہ لچک رہی ہے کہ وہ جس زمانہ میں بھی پروان چڑھی اس زمانہ کے موضوعات کو قبول کرنے میں کبھی بھی کوتاہ دست نہیں رہی۔ ایسا بھی نہیں ہوا کہ نئے موضوعات کے آنے کی وجہ سے پرانے موضوعات سرد بستہ میں چلے گئے ہوں۔ رباعی کے موضوعات میں سے حمد ایک ایسا موضوع ہے جو کبھی قدیم اور فرسودہ نہیں ہوسکتا۔ حمد کے متعلق علماء کیا کہتے ہیں ایک نظر ان پر بھی ڈالتے ہیں۔

نووی کہتے ہیں: ”خدا تعالیٰ کی ذات وصفات اور ان کے افعال کو زبان سے بیان کرنا حمد کہلاتا ہے۔ اللہ تعالی کی تعریف کرنا ان کے انعامات کے اوپر تعریف کرنا شکر کہلاتا ہے۔ اس طریقے سے ان کے نزدیک ہر شکر حمد کے دائرہ میں آجاتا ہے اور حمد شکر کے دائرے میں نہیں آتا ہے۔ حمد کا ضد ذم ہے اور شکر کا ضد کفر ہوتا ہے“۔ ابن حیان کہتے ہیں: ”حمد اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرنا ہے صرف زبان کے ذریعہ سے۔ اور زبان کے علاوہ جن چیزوں سے ان کی بزرگی کا اظہار کیا جائے گا وہ حمد نہیں بلکہ شکر کہلائے گا۔“ امام رازی کہتے ہیں: ”حمد اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرنا ہے ہر نعمت پر، خواہ وہ نعمت تعریف بیان کرنے والے تک پہنچی ہو یا نہ پہنچی ہو۔ اور شکر اللہ تعالیٰ کے انعامات پر تعریف بیان کرنا اس طور پر کہ وہ انعامات تعریف بیان کرنے والے اور شکر ادا کرنے والے تک پہنچے ہوں۔

حمد میں محبت اور عظمت کے ساتھ محمود کی تعریف بیان کرنا ہے۔ یعنی حمد میں محبت اور عظمت کا عنصر موجود ہو تو حمد کہلاتا ہے، شکر میں محض تعریف بیان کرنا ہوتا ہے خواہ دل میں عظمت ہو یا نہ ہو۔“ (ترجمہ از معجم الشامل)۔ الغرض لغوی اعتبار سے حمد مطلقاً زبانی تعریف کو کہتے ہیں خواہ وہ نثر میں ہو یا شعر میں۔ اس طریقہ سے حمدیہ شاعری وہ شعری کاوش ہے جس میں تعلق مع اللہ ظاہر ہو اور خدا کی ذات اور صفات کا اس طرح ذکر کیا جائے کہ اس میں اس کی عظمت وجلالت، رحمت ورافت اور محبوبیت کا اظہار ہوتا ہو اور کسی نہ کسی سطح پر بندے کا اپنے معبود سے قلبی تعلق ظاہر ہوتا ہو۔ خواہ اللہ کی عظمت اس کی مخلوقات کے حوالے سے بیان ہو یا انسان کی پوشیدہ صلاحیتوں اور اس کی فتوحات کے توسط سے، اس میں کائنات کی وسعتوں کے ذریعے رب کی بڑائی کا پہلو نکلتا ہو یا معرفتِ نفس کے راستے سے رب تک پہنچنے کی خواہش کا اظہار ہو، سب حمد کے دائرہ میں آتا ہے۔ جس طریقہ سے اللہ نے قرآن میں ہی ذکر کردیا ہے کہ ”اللہ ہر دن ایک نئی شان میں نظر آتا ہے“ اسی طرح سے بندے کے اندر بھی یہ صفت ودیعت کی ہے کہ اس کی بھی حالت ہمہ

وقت ایک جیسی نہیں ہوتی ہے۔لسانی طور پر بھی جب کسی سے بات کرتا ہے تو ہر وقت الگ الگ لہجہ اپناتا ہے۔اگر لہجہ الگ الگ نہیں بھی اپنا سکا تو انداز جداگانہ ہوتا ہے۔اسی طریقے سے خدا کی تعریف میں جب رطب اللسان ہوتا ہے تو وہ نئے نئے طریقے اور لفظیات سے اس کی تعریف میں رطب اللسان ہوتا ہے۔

جب ہم حمدیہ رباعیات کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس میں بہت ہی تنوع دیکھنے کو ملتا ہے۔رباعی کا تعلق جیسا کہ کسی ایک موضوع سے نہیں رہا ہے، تمام موضوعات میں اس صنف سخن نے اپنی خدمات انجام دی ہیں، پھر بھی رباعی ہی نے خدا کی ذات وصفات کو سب سے زیادہ اپنے اندر سمویا ہے۔

دکنی دور میں ہمیں حمدیہ عناصر رباعی میں دیکھنے کو ملتے ہیں لیکن اس موضوع کو بالادستی حاصل نہیں ہوتی ہے، بلکہ وہاں عشقیہ رباعیوں کا چلن زیادہ نظر آتا ہے۔شمالی ہند کے تقریباً تمام قدیم شعرا نے اردو رباعیات تخلیق کی ہیں۔ان کے یہاں حمدیہ رباعیاں بھی نظر آتی ہیں لیکن انہوں نے رباعی کی جانب بہت ہی کم توجہ دی بلکہ مرثیہ، قصیدہ اور مثنوی سے بھی کم، پھر بھی ان کے یہاں رباعی میں حمد بخوبی نظر آتا ہے۔اردو میں رباعی کو سب سے زیادہ شہرت کے بام پر انیس و دبیر نے پہنچایا۔انہوں نے جس طریقے سے مرثیہ کو بلندی تک پہنچایا، اسی طریقے سے رباعی کو بھی ہر قسم کی ترقی سے نوازا۔ان دونوں شاعروں نے رباعی میں حمد کو بہت ہی اہتمام سے پیش کیا ہے۔ان کے یہاں حمدیہ رباعیات دو قسم کی پائی جاتی ہیں: ایک وہ جس میں معرفت، حقیقت اور وحدانیت کا رنگ جھلکتا ہے، دوسری وہ رباعیاں جن میں صفاتِ خداوندی میں سے رزاقی، قہاری، ستاری، جود و کرم اور عدل وانصاف کا ذکر ہے۔اس سلسلے میں انیس ودبیر کی ایک ایک رباعی ملاحظہ فرمائیں۔

(میر انیس)

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے = بلبل کی زبان پر گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تیری قدرت کا = جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے

(مرزا دبیر)

پروانے کو دھن، شمع کو لو تیری ہے = عالم میں ہر اک کو تگ و دو تیری ہے
مصباح و نجوم و آفتاب مہتاب = جس نور کو دیکھتا ہوں ضو تیری ہے

اس پورے عہد میں انیس و دبیر، مومن وامیر اور داغ ورشید کے یہاں جہاں رباعی خوب پروان چڑھی، وہیں اپنے مخصوص پیرائے سے نکل کر مختلف موضوعات میں ڈھلتی ہوئی بھی نظر آتی ہے۔اس دور میں رباعی کا دائرہ وسیع ہوا اس طور پر کہ رباعی میں انیس کی جزئیات نگاری، دبیر کی زبان وبیان کی

بلندی، مومن کا حسین پیکر، امیر مینائی کی نکتہ بیانی، داغ کی خاکہ نگاری، آسی کا تصوف اور رشید کے یہاں پیری کا منظر نظر آتا ہے۔

جدید دور میں جہاں انگریزی کا رواج عام ہوا، وہیں انگریزی تعلیم کے توسط سے اردو شاعری میں کئی تجربات ہوئے۔ حسن وعشق کے موضوعات سے نکل کر نیچرل شاعری وجود میں آئی۔ غزل کو تمام جذبات کی ترسیل اور سبھی موضوعات کی ترجمانی کے لیے ناکافی سمجھا گیا تو شعرا نظم کی طرف متوجہ ہوئے اور اردو نظم کی آبیاری میں لگ گئے۔ ایسے میں نظم کی سی ہیئت رکھنے والی صنف رباعی کی جانب بھی لوگوں کی توجہ گئی۔ بقول فرمان فتح پوری:

"چونکہ زمانہ افراتفری، سیاسی کشمکش، معاشی بحران، اور ذہنی الجھنوں کا تھا، اس لیے جو تسلسل خیال، وحدتِ فکر اور فنی ٹھہراؤ نظم کے لیے مطلوب تھا، وہ پوری طرح میسر نہیں آیا۔ نتیجۃً علامہ اقبال کے علاوہ کسی کے یہاں فنی نقطہ نظر سے نظم میں وہ ترفع پیدا نہ ہوسکا، جو اردو غزل کا طرہ امتیاز ہے۔ لوگ بین بین راستہ تلاش کرنے لگے۔ اور حالی و اکبر کے زیر اثر اس پس افتادہ صنف کی طرف رجوع ہوئے جس میں غزل کی غنائیت اور نظم کی سی وسعت دونوں کی گنجائش تھی، میری مراد رباعی سے ہے۔" (ڈاکٹر فرمان فتح پوری، اردو رباعی کا فنی ارتقاء ص ۲۰۱)

اس عہد میں رباعی کی جانب متوجہ ہونے کے اسباب ناقدین نے الگ الگ بیان کیے ہیں۔ ایک جگہ ڈاکٹر سلام سندیلوی نقل کرتے ہیں کہ انیس و دبیر کی رباعیوں کی مقبولیت کی وجہ ہی بعد میں رباعی کی جانب توجہ کا سبب بنی۔ وہ ایک جگہ رباعی کی جانب توجہ معاشی بدحالی کو قرار دے رہے ہیں:

"دور جدید کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اسلامی حکومتوں اور ہندوستانی ریاستوں کی زوال کی وجہ سے عوام کی بھی مالی حالت بگڑ گئی، اس لیے وہ فکر معاش میں سرگرداں رہنے لگے۔ ایسی صورت میں طویل نظمیں کہنے سے قاصر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دور میں مختصر افسانوں، رباعیات کو ترقی ہوئی، کیونکہ وہ کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ اپنے ذوق کی تسکین کرلیا کرتے تھے۔" (سلام سندیلوی، اردو رباعیات ص ۷۶۲)

اس بات کا علم سبھی کو ہے کہ جدید شاعری میں رباعی اردو کے لیے کوئی نئی چیز نہیں تھی بلکہ دکن سے ہی اردو میں رباعی کی روایت چلی آرہی تھی اور انیس و دبیر نے اردو رباعی کو بلندی تک پہنچایا۔ حالانکہ یہ بات واضح نظر آتی ہے کہ انیس و دبیر کی رباعیات کا اثر کم نہیں ہوا تھا، اس لیے رباعیات کی جانب توجہ کا مبذول ہونا قابل اعتنا بات ہوسکتی ہے۔ رہی بات ڈاکٹر سلام سندیلوی کی کہ معاش اور تنگیٔ وقت کی وجہ سے رباعی کی

جانب لوگوں کی توجہ گئی، تو کیا رباعی غزل سے اتنی مختصر ہے جیسے داستان کے مقابلے میں افسانے ہیں؟ یہ بات اس وقت ممکن ہوتی جب ہم مثنوی سے غزل یا رباعی کی جانب جاتے۔ جبکہ رباعی اور غزل بہت ساری چیزوں میں ایک دوسرے کے مماثل نظر آتے ہیں بلکہ رباعی غزل سے بھی بھاری پڑ جاتی ہے محدود وزن اور فکر کی پیش کش میں۔ غزل کا ہر بیت فکر کے معاملے میں آزاد رہتا ہے جبکہ رباعی میں فکر کو تین مصرعوں میں پھیلا کر کے پوری طاقت کے ساتھ چوتھے مصرع میں بند کرنا ہوتا۔ پھر رباعی میں آسانی کہاں؟

ایک بات ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ جس دور کی بات ہو رہی ہے اس دور میں خصوصاً رباعی کی جانب توجہ نہیں کی گئی بلکہ وہ دور ہی ایسا دور رہا ہے کہ اس عہد میں ہر اعتبار سے اردو میں وسعت ہوئی ہے۔ اس دور میں نئے نئے اصناف سخن وجود میں آئے اسی دور میں نظم ترقی کی بلندیوں تک اقبال پہنچا رہے ہیں اور رباعی میں نظم کی ایک کیفیت موجود ہے جہاں موضوع مصرعوں میں نہیں سمٹتا ہے بلکہ پورے میں پھیلا کر بیان کیا جاتا ہے۔ اور یہ مزاج رباعی کے لیے بھی راس آیا اس اعتبار سے رباعی اس عہد کے مزاج کا ہم آہنگ ہوا جہاں رباعی کو پہلے سے کچھ زیادہ پھیلنے کا موقع ملا اور حالی و اکبر کے بعد فانی، جوش، فراق، امجد، رواں و یگانہ وغیرہ نے رباعی کو اس جدید عہد میں ترقی کی راہ میں گامزن کیا۔

مولانا الطاف حسین حالی کا اردو رباعی کے متعلق ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ وہ رباعی جو انیس و دبیر کے زمانے میں صرف مجلس عزا میں اپنا جوہر بکھیر رہے تھی اور مضامین کربلا سے بھرپور تھی۔ اس کو مولانا الطاف حسین حالی نے اس خاص مجلس سے نکالا اور عام مضامین کی سادگی سے رباعی کو مزین کیا۔ اس کا نتیجہ یہ حاصل ہوا کہ رباعی مشاعروں میں جگہ پانے لگی۔ حالی نے رباعی میں جہاں تمام موضوعات کو اپنایا۔ ہے وہیں اصلاحی نکتوں اور تعمیری کاموں کے ساتھ ساتھ حمد یہ رباعیاں بھی کہی ہیں۔ ان کی رباعیاں داخلی اور خارجی تمام مضامین کو سمیٹے ہوئے ہے۔ چند حمد یہ رباعیات درج ذیل ہیں۔

کانٹا ہے ہر ایک جگر میں اٹکا تیرا= حلقہ ہے ہر اک گوش میں لٹکا تیرا
مانا نہیں جس نے تجھ کو، جانا ہے ضرور= بھٹکے ہوئے دل میں بھی ہے کھٹکا تیرا
ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا= آتش پہ مغاں نے راگ گایا تیرا
دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے =انکار کسی سے نہ بن آیا تیرا
مٹی سے، ہوا سے، آتش و آب سے یہاں= کیا کیا نہ ہوئے بشر پہ اسرار عیاں
پر، تیرے خزانے ہیں ازل سے اب تک =گنجینہ غیب میں اسی طرح نہاں

اکبر ایک ایسا شاعر ہے جو ہمیشہ اپنی ایک الگ شناخت کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے۔ حالی اور اکبر

کے مقصد شاعری میں تساوی ہوسکتی ہے لیکن انداز بیان میں صاف تباین جھلکتا ہے۔انہوں نے شاعری میں ایک نئی طرز ایجاد کی اور اپنی شاعری کو اصلاحی ومقصدی رجحانات کے تابع بنادیا۔یہی مقصد حالی کا بھی تھا لیکن اکبر نے اردو رباعی کو نیا اسلوب اور ایک نیا طرز بیان دیا۔اکبر اپنی رباعیوں میں وعظ ونصیحت اور اصلاح واخلاق کی باتیں تو کرتے ہیں لیکن یہ کسی کے سماع میں ذرہ برابر بھی بار نہیں گذرتا بلکہ طنز وظرافت کے لباس میں اصلاح کا آب حیات پیش کرتے ہیں۔حالی نے اسی چیز کو متانت وسنجیدگی سے پیش کیا اور اکبر نے شوخی وظرافت سے۔رباعی پر جہاں اصلاح واخلاق اور تصوف کی مہر ثبت ہوچکی تھی اکبر نے وہیں اپنے ایک خاص مزاج، چلبلے پن،شوخی وظرافت سے اردو رباعی میں مزاح نگاری کی نئی روایت ڈالی۔ان کی حمدیہ رباعیاں بھی منفرد انداز میں نظر آتی ہیں۔

امجد حیدرآبادی بیسویں صدی کے رباعی گویوں میں حق سے زیادہ اور حد سے زیادہ شہرت پانے والے رباعی گو ہیں۔امجد کی شہرت اور قدرت اور منزلت کا یہ حال تھا کہ گرامی جالندھری کے زبان سے یہ رباعی ادا ہوتی ہے۔

امجد بہ رباعی است فرد امجد = کلک امجد،کلید گنج سرمد
گفتم کہ بود جواب سرمد امروز = روح سرمد بکفت امجد امجد

اس وجہ سے امجد کو سرمد کا دوسرا روپ کہا جاتا ہے اور زندہ سرمد بھی کہا گیا۔یہ بات بھی کسی حد تک ٹھیک ہے کہ امجد کو سرمد کا لقب خوب زیب دیتا ہے۔

امجد حیدرآبادی پہلے شاعر ہیں جنہوں نے شعوری طور پر رباعی کی جانب توجہ کی اور ان کی توجہ اتنی بڑھی کہ وہ نظمیں بھی رباعی کے اوزان میں کہنے لگے۔امجد نے خوب رباعیاں کہیں ہیں ان کی رباعیوں پر بھی بہت کچھ لکھا گیا،ان کی زندگی میں اور زندگی کے بعد بھی مستقل لکھا جارہا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی کچھ رباعیاں اس معیار کی ہیں کہ فارسی رباعیوں کے مقابلہ میں لائی جاسکتی ہیں اور اردو کی اعلیٰ رباعیات میں شامل کی جاسکتی ہیں۔ان کی رباعیوں میں حمدیہ رباعیوں کی تعداد کافی ہے، فلسفہ تصوف میں وحدۃ الشہود کو انہوں نے اپنی رباعیوں میں بہت ہی زیادہ پیش کیا ہے۔رباعیات امجد کے حصہ اول سے پہلی رباعی ملاحظہ فرمائیں جو حمدیہ ہے۔

واجب ہی کو ہے دوام باقی فانی = قیوم کو ہے قیام باقی فانی
کہنے کو زمین، آسمان سب کچھ ہے = باقی ہے اسی کا نام باقی فانی
غم سے ترے اپنا دل نہ کیوں شاد کروں = جب تو سنتا ہے، کیوں نہ فریاد کروں

میں یاد کروں تو، تو مجھے یاد کرے تو= یاد کرے تو میں نہ کیوں یاد کروں
ہر گام پہ چکرا کے گرا جاتا ہوں= نقشِ کفِ پابن کے مٹا جاتا ہوں
تو بھی تو سنبھال میرے دینے والے= میں بار امانت میں دبا جاتا ہوں

فراقؔ اردو رباعی کا ایک ایسا باب ہے جس میں داخل ہونے کے بعد رباعی خالص ہندوستانی رنگ و پیرہن، احساسات و جمالیات، نظر و فکر اور رنگ و بو میں نظر آتی ہے۔ فراق نے رباعی کے باب میں ماضی کی تمام روایتوں کو پس پشت ڈال کر موضوعات میں خالص ہندوستانی احساسات و فکر اور حسن و جمال کو مرکز بنایا ہے۔ فراقؔ اپنی رباعیوں کے ذریعے ہندوستانی عورتوں کے حسن و جمال اور جزئیات نگاری کی بھرپور عکاسی کرنے کی کوشش کی ہے جس کی وجہ سے ان کی رباعیوں میں جا بجا جسم کی مختلف حصوں اور ہندوستان و معاشرت و کلچر کی مختلف تصویریں نظر آتی ہیں۔

ان کی رباعیاں موضوع کے اعتبار سے صرف دو زمروں میں تقسیم کی جاسکتی ہیں۔ ایک زمرہ ان رباعیوں کا ہے جن میں محبوب کے لب و رخسار اور اس کے خد و خال کی کیف آگیں تصویریں ہیں اور دوسرے زمرے میں ان رباعیوں کو رکھا جاتا ہے جن میں ہندوستانی زندگی اور ہندوستانی طرز معاشرت کی جھلک نظر آتی ہے جیسے پنگھٹ پر گگریاں بھرنا، معصوم لڑکیوں کا کھیتوں میں دوڑنا، ساجن کے جوگ میں مستانا سا مکھڑا اور بیٹی کے سسرال جانے کا منظر وغیرہ۔ ان کی رباعیوں میں ہندوستانی معاشرت کے ایسے خاکے اور چلتی پھرتی تصویریں ہیں جن میں فراقؔ کی تخیل، جمالیاتی شعور اور طرز ترسیل نے جان ڈال دی ہے۔ ان تمام کے باوجود انہوں نے حمدیہ رباعی نہیں کہی۔

اردو رباعی گو شعرا میں جوش کا نمایاں مقام اس وجہ سے نہیں ہیں کہ انہوں نے باعتبار کمیت زیادہ رباعیاں کہیں ہیں بلکہ بلحاظ کیفیت بھی ان کی رباعیوں کی کسی دوسرے رباعی گو کی اچھی رباعیوں سے زیادہ ہے۔ جوش غزل کے بجائے نظم کے شاعر تھے اور رباعی بھی مختصر نظم کے مماثل ہوتی ہے اس لیے انہوں نے اس کی طرف ایک خاص توجہ دی بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ رباعی گوئی انہوں نے دوسرے شاعروں کی طرح تکلفاً نہیں اپنائی تھی بلکہ رباعی کہنا ان کے فطرت کا ایک جز بن گیا تھا جس کو وہ بہت ہی خوبصورتی کے ساتھ برتتے چلے گئے۔ نظم اور رباعی کو وہ ایک ساتھ لیکر چلتے رہے سوائے اولین مجموعہ کلام روح ادب کے ان کے ہر مجموعہ کلام میں رباعیات موجود ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے تین مستقل رباعیات کے مجموعے ہیں، جنوں حکمت، سموم و صبا اور قطرہ و قلزم۔ جوش کو اگر چہ ایک اچھا نظم گو شاعر مانا جاتا ہے لیکن جتنا اچھا وہ نظم گو شاعر ہیں اسی کے مقابل کے وہ رباعی گو شاعر بھی ہیں۔

جوش کی شاعری کو عموماً تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، شباب، انقلاب اور فطرت لیکن جب ہم ان کی رباعیوں کی جانب توجہ کرتے ہیں تو اردو کے خیام کا علم (صرف خمری رباعیوں کی وجہ سے) ان کے ہاتھ میں نظر آتا ہے اور وہ شاعر شراب بھی نظر آتے ہیں۔ جوش کبھی ایک نظریے پر قائم نہیں رہے، حسن و عشق کے نغمے گائے، انقلاب کے پرچم لہرائے، امن انصاف اور مساوات کے سفیر بنے، فطرت کی حسین تصویر کشی کی اور جام شراب بھی چھلکائے۔ ان کے نظریات میں بہت ہی تضاد نظر آتا ہے وہ خدا کا مذاق اڑاتا ہے اس کے رسول کی تعریف بھی کرتا ہے، درود بھیجتا ہے اور نواسۂ رسول پر مرثیہ بھی کہتا ہے۔ کبھی غریبوں کی حمایت کرتا ہے تو کبھی اس کا مذاق بھی اڑاتا ہے اور نفرت بھی کرتا ہے۔ کبھی جاگیر دارانہ نظام ان کے سر پر چڑھ کر بولتا ہے تو کبھی اشتراکیت کے نشے میں مزدوروں کے ساتھ چلنے لگتا ہے۔ جوش کو اس تضاد کا علم بخوبی تھا اور اس کا اظہار بھی کرتا ہے۔

جھکتا ہوں کبھی ریگ رواں کی جانب = اڑتا ہوں کبھی کاہکشاں کی جانب
مجھ میں دو دل ہیں ایک مائل بہ زمیں = اور ایک کا رخ ہے آسمان کی جانب
منہ شرم سے ڈھانپتی ہے عقلِ انساں = تھرتھراتی ہے، کانپتی ہے عقلِ انساں
تحقیق کی منزلیں عیاذاً باللہ = ہر گام پہ ہانپتی ہے عقلِ انساں
اے خالقِ امرِ خیرو صانعِ شر = تجھ پر ہی تو ہے مدارِ افعالِ بشر
ہر ہجو کے تیر کا ہدف ہے تری ذات = ہر مدح کی تان ٹوٹتی ہے تجھ پر

حمدیہ رباعی میں خدا کی صفات کا ذکر بخوبی کرتے ہیں لیکن ساتھ میں شکایت بھی بھرپور کرتے ہیں۔ ان کے یہاں حمد سے زیادہ شکایت نظر آتی ہے وہ جگہ جگہ پر اللہ سے روٹھتے ہیں، الجھتے ہیں، نا راض ہوتے ہیں، امید کرتے ہیں اور مایوس بھی ہوتے ہیں۔ وہ غرور بھی کرتے ہیں اور رحم کی درخواست بھی کرتے ہیں۔ غرض یہ کہ وہ حمد کے ساتھ شکایت بھی کرتے ہیں، اس قسم کی ایک رباعی ملاحظہ ہو۔

جس وقت جھکتی ہے مناظر کی جبیں = راسخ ہوتا ہے ذات باری کا یقیں
کرتا ہوں جب انسان کی تباہی پہ نظر = دل پوچھنے لگتا ہے خدا ہے کہ نہیں

جوش وفراق کے بعد اردو رباعی کی دنیا میں مزید وسعت آئی جن میں سے کئی ایسے شاعر ہیں جنہوں نے خالص رباعی گوئی میں شہرت حاصل کی جیسے جگت موہن لال رواں، ناوک حمزہ پوری، علقمہ شبلی، کوثر صدیقی، طہور منصوری نگاہ اور عادل اسیرہ وغیرہ۔ ان کے علاوہ کئی ایسے شعراء ہیں جنہوں نے غزل کے ساتھ رباعی میں اپنی مضبوط شناخت قائم کی ان میں سے فرید پربتی، ظہیر غازی پور، اصغر ویلوری، شاہ حسین

نہری، قمر سیوانی، ظفر کمالی، حافظ کرناٹکی، اکرم نقاش، فراغ روہوی، التفات امجدی، عادل حیات اور عبدالمتین جامی وغیرہ ہیں۔ان تمام سے الگ ایک بہت ہی بڑی شخصیت ہے جنہوں نے رباعیاں کہی ہیں اور ان کی رباعیاں مقبول بھی ہوئی ہیں وہ ہیں شمس الرحمن فارقی۔ موصوف نے اپنی رباعیوں میں جدیدیت کو مکمل برتا ہے جن کے وہ روح رواں بھی رہے۔ الغرض موجودہ عہد میں رباعی بطور ایک شعری صنف سخن بہت ہی مقبول صنف ہے۔ یہ ملک کے کسی ایک ہی حصہ میں نہیں کہی جارہی ہے بلکہ رباعی کے شاعر آپ کو ملک کے اکثر حصہ میں مل جائیں گے، جن میں سے چند کا ذکر اجمالا کیا جاتا ہے۔

رباعی میں حمد ونعت جیسے پاکیزہ موضوعات کثرت سے استعمال ہونے کی وجہ سے یہ احساس ہوتا ہوگا کہ اس میں کوئی نئی بات کہنے کو نہیں رہ گئی ہے بلکہ انداز جداگانہ ہوگا اور کہنے کو وہی باتیں ہوں گی لیکن جس خدا کے جہاں کی ساری چیزوں کا احصاء ایک انسان نہیں کرسکتا تو ان کی حمد وثنا کا حق کہاں ادا ہوسکتا ہے۔اس وجہ سے حمد وثنا میں نئے اسلوب اخذ کرنے میں رباعی کے اسلوب میں تازہ کاری بہت ہی زیادہ لائی گئی ہے ظہیر غازی پوری اپنی وسیع النظری کے سب اس ازلی موضوع کو تخلیقیت کا اعلی پیرہن اس طرح عطا کرتے ہیں کہ ان کی حمدیہ اور نعتیہ رباعی افق کے نئے منازل طے کرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ایک رباعی اس سلسلہ کی ملاحظہ ہو۔

'لا' میں بھی جھلکتا ہے اسی کا جلوہ = 'کن' میں بھی دمکتا ہے اسی کا جلوہ
آنکھوں میں مقید جو کبھی ہو نہ سکا = ہر شئی میں چمکتا ہے اسی کا جلوہ

فرید پربتی نے اپنی رباعیوں میں حمد ونعت، اخلاق وحکمت، تصوف، حسن وعشق، عصر حاضر وغیرہ جیسے موضوعات کا احاطہ کیا ہے۔ یہ وہ ظاہری موضوعات ہیں جو ان کی رباعیوں میں پائے جاتے ہیں لیکن ان کی رباعیوں کے گہرے مطالعہ کے بعد جو پہلا تاثر قائم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کی شاعری کی عمارت ذاتی تخلیقی توانائی اور اظہار کا جذبہ مضبوط بنیادوں پر قائم ہے۔ان کی رباعیوں میں ایک الگ انداز بیان اور حسن ہے جس میں ایک توانا نظام فکر نظر آتا ہے جو عموماً دوسرے رباعی گو کے یہاں بہت کم پایا جاتا ہے۔ان کی رباعیوں میں ایک توانا نظام فکر پایا جاتا ہے اور اپنی رباعیوں میں ایک منفرد لب ولہجہ اور شیرینی ونغمگی کو پیش کرتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی رباعیاں قاری کے اثر میں اپنا ایک اثر چھوڑ جاتی ہیں۔

فرید پربتی روایتی مضامین کے ساتھ ساتھ جدید مضامین کو بھی رباعیوں میں پیش کیا ہے جس کو لوگ صرف غزلوں میں ہی پیش کررہے تھے۔ انہوں نے جہاں صوفیانہ اور اخلاقی مضامین پر اظہار خیال کیا ہے وہیں حسن وعشق کے موضوعات کو برتا ہے اور عصری حسیت سے اپنی رباعیوں کو ہم آہنگ کیا ہے۔ان

کے یہاں حمدیہ رباعی تمام مجموعوں میں بطور تبرک نظر آتی ہیں۔تمام رباعی کے مجموعے میں وہ خدا کی تعریف وثنا ضرور کرتے ہیں خواہ ایک ہی رباعی سے ہی کیوں نہ ہو۔اس کے بعد نعتیہ رباعی بھی پیش کرتے ہی اس طرح سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جہاں انہوں نے اپنی رباعیوں کو ایک منفرد آہنگ عطا کیا وہیں وہ موضوعات میں مذہبی موضوعات سے منہ نہیں پھیرے ان کی حمدیہ رباعیاں ملاحظہ ہوں۔

یکتا بھی یگانہ بھی مشہود و مآل= یکتائی میں تحلیل ہوا عزو جلال
حیران تفکر ہے تحمل نگراں = دریا میں غرق ہوا مرا جام سفال
سمجھو کہ لگاؤ گے فقط رٹ میری= پاؤ گے چہار سمت آہٹ میری
جب تجھ پہ کمالات کھلیں گے میرے= سجدوں سے سجادو گے چوکھٹ میری

پہلی رباعی میں انہوں نے معنوی گہرائی کو جس طرح سے پیش کیا ہے ایسی مثالیں اردو رباعی میں بہت ہی کم ملتی ہیں۔عموماً اکثر رباعی گوسادگی کے ساتھ خدا کی تعریف پیش کردیتے ہیں کوئی بھی اس طرح کی معنوی دریا میں غوطہ لگانے کی کوشش نہیں کرتا۔اس معاملہ میں فرید پربتی بالکل یکتا ہیں۔

اصغر ویلوری جن کا تعلق صوبہ تمل ناڈو کے شہر ویلور سے ہے ان کے یہاں حمدیہ رباعیات ان کے مجموعوں میں بکھرے ہوے ہیں نیز ایک مکمل رباعیوں کا مجموعہ "حمدیہ رباعیات" سے بھی موسوم ہے۔ حمدیہ رباعیوں میں اللہ کی عظمت،اس کی وحدت،اس کی عطاؤ بخشش،ذات باری کا وجود،اس کا معرفت اوراس کا تاابد قائم رہنااوراس طرح کے دیگر حقیقتوں کا بیان اوراس کا اعتراف ان کی رباعیوں میں کثرت سے ملتا ہے۔انداز بیان منفرد اور دلکش ہونے کی وجہ سے ان کی رباعیاں حسین اور موثر بھی نظر آتی ہیں۔

جلوے تیرے ہر شے میں نظر آتے ہیں= ذرے بھی نگاہوں میں چمک جاتے ہیں
جز تیرے ہمیں کچھ نہیں آتا ہے نظر = ہم تیری محبت کے قسم کھاتے ہیں
پنہاں ہے گل و خار میں قدرت تیری= وحدت تری حکمت تری عظمت تری
دیدار سے قاصر ہیں یہ آنکھیں ورنہ= ہر شکل میں موجود ہے صورت تیری

ان رباعیوں میں صرف اللہ کی عظمت وجلال،اس کے وجوداوراس کی عبادت کا ہی ذکر نہیں بلکہ یہاں اس کی رحمت،نیکی کرنے اور عبدیت کی بھی تلقین ہے۔

ناوک حمزہ پوری ایک صوفی تعلیم یافتہ گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں اگرچہ ان کی تعلیم باظابطہ طور پر کسی خانقاہ یا مدرسہ میں نہیں ہوئی پھر بھی ان کی تربیت والدین نے دینی ماحول میں کی اور اسلامی تعلیمات سے روشناس کرایا۔جب وہ شاعری کی جانب مائل ہوئے تو ان کا ایک اہم کارنامہ یہ ہے کہ

انہوں نے ذاتی طوری پر شاعروں کو رباعی گوئی کی جانب ترغیب دی جس سے اُسی کی دہائی میں رباعی کا ایک خوبصورت ماحول پیدا ہوا۔انہوں نے اپنی رباعیوں میں عظمت خداوندی، عشق رسول، اتباع سنت، حب اہل بیت، غم حسین، بزرگان دین سے وابستگی، اخلاق وحکمت، تصوف اور مخالفت شرک جیسے مذہبی موضوعات کو کثرت سے اپنایا ہے۔ان کی رباعیوں کے متعلق گیان چند جین لکھتے ہیں:

"ان کی بیشتر رباعیوں کا تعلق ایمان سے ہے۔ یعنی وہ حالی اور اقبال کا امتزاج ہیں۔وہ بھولے سے بھی رندی وشہبازی کے طلسمات سراب کی طرف مائل نہیں ہوتے۔میرا خیال ہے کہ اس تلقین میں ان کا پایہ بلند ہے اور یہ انہیں زیب دیتا ہے۔"

(رباعی کا آبرو: ناوک حمزہ پوری، مرتب ڈاکٹر محمد آفتاب اشرف، ص، ۷۴)

پھیلا ہے دوعالم میں اجالا تیرا= کونین کی ہر شے میں ہے جلوہ تیرا
ہے مختلف النوع ہر ایک چیز مگر= ہر شئے سے جھلکتا ہے سراپا تیرا

اگر چہ یہ رباعی فلسفہ تصوف سے وحدۃ الشہود کا حامل ہے لیکن یہ بات بھی ظاہر ہے کہ وحدۃ الوجود کا مسئلہ ہو یا وحدۃ الشہود کا دونوں میں خدا کی حمد وثنا ہوتی ہے۔

طہور منصوری نگاہؔ کے یہاں حمدیہ ونعتیہ رباعی خصوصی طور پر نہیں پائی جاتی ہیں اور نہ ہی انہوں نے کسی بھی رباعی کو موضوعات کے تحت منقسم کیا ہے بلکہ تمام رباعیوں کو سوودزیاں، منظرنامہ اور زمینی جمالیات کے عنوان کے تحت "گلابوں کے چراغ" میں پیش کیا ہے ان کی ایک حمدیہ رباعی ملاحظہ ہو۔

ہر سانس بہر حال ترے دم سے ہے= سنگیت کا سر تال ترے دم سے ہے
یہ چاند کی رعنائی یہ تاروں کا جمال= سورج کا یہ اقبال ترے دم سے ہے

فراغ روہوی کے یہاں حمدیہ ونعتیہ رباعیاں ایک معتدبہٖ صورت میں نظر آتی ہیں۔ان کی رباعی کا مجموعہ "جنوں خواب" میں وحدانیت، توصیف ونعت کی رباعیاں بکھری ہوئی نظر آتی ہیں۔چند حمدیہ رباعی ملاحظہ ہو:

میں خوبیِ اظہار کہاں سے لاؤں= میں طاقت گفتار کہاں سے لاؤں
جس سے ہو تری حمد و ثنا لامحدود= لفظوں کا وہ انبار کہاں سے لاؤں
نظروں سے نہاں رہ کے بھی ظاہر ہے خدا= کیا کیا نہ کرشمات میں ماہر ہے خدا
انسان کی شہ رگ کے قریب رہتے ہوئے= انسان کے افکار سے باہر ہے خدا

فراغ اپنی رباعیوں میں خدا کی تعریف اس سادگی کا ساتھ کرتے ہیں کہ میرے پاس تو کچھ ہے

ہی نہیں کہ جن الفاظ سے تیری ذات کی تعریف کی جائے۔ پھر دوسری رباعی میں نحن اقرب من حبل الورید (ہم اس کے شہ رگ سے بھی قریب ہیں) قرآن کی اس آیت کو اپنی رباعی میں خدا کی تعریف کے طور پر بیان کرتے ہیں۔ کئی دیگر رباعیوں میں نظام عالم کو بیان کرتے ہیں اور ایک لاچاری کے ساتھ خدا سے دعا بھی مانگتے ہیں۔ گویا ان کی حمدیہ رباعی میں حمد کے کئی رنگ نظر آتے ہیں جہاں سادگی کے ساتھ بالکل عام فہم الفاظ میں خدا کی حمد وثنا نظر آتی ہے۔

حافظ کرناٹکی کا تعلق اسلامیات سے گہرا ہونے کی وجہ سے ان کے یہاں اخلاقیات کا عنصر جو ادب اطفال سے شروع ہوتا ہے وہ رباعی جیسے عشقیہ، خمریہ اور فلسفیانہ مزاج رکھنے والی صنف سخن میں بھی قائم رہتا ہے۔ ان کی رباعیوں میں جتنے بھی اصلاحی مضامیں ہو سکتے تھے سب کے سب مذہبی مضامین کے ساتھ پائے جاتے ہیں۔ ان کی رباعیوں میں توحید، نعت، عرفان ذات، انسان دوستی، حسن اخلاق، دینی، فقہی، تبلیغی، روحانی اور سماجی ہر طرح کے مضامین کو پیش کیا ہے۔ ان تمام کے باوجود ان کے یہاں باظابطہ حمدیہ رباعیات کا ایک مجموعہ ”رباعیات حافظ حصہ سوم“ ہے جس میں رباعیوں کی تعداد تقریباً ایک پانچ سو ہے۔

سب پیڑ قلم بن کے جو ڈھل بھی جائیں
اور دریا سیاہی میں بدل بھی جائیں
تب بھی نہیں تعریف خدا کی ممکن
پتھر سے زبانیں جو نکل بھی جائیں

خدا کی حمد وثنا مذکورہ بالا رباعی میں اپنے انداز میں نہیں بلکہ خود خدا کے انداز میں کرتے ہیں۔ ”قل لوکان البحر مداداًلکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی ولو جئنا بمثلہ مدداً“ کہ خدا کی تعریف تب بھی ممکن نہیں جب سارے سمندر کے پانی کو روشنائی اور سارے درختوں کو قلم بنا دیا جائے۔ حمد وثنا کا یہ انداز قرآن میں اچھوتے انداز میں بیان ہوتا ہی ہے۔ شاعر نے بھی اسکو اپنے لفظوں میں اچھوتے انداز میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے خدا کی تعریف مختلف انداز میں بیان کی ہے اور خصوصاً وحدانیت ذات باری پر خصوصی توجہ دی ہے۔

عادل حیات کی رباعیوں میں حمدیہ رباعی کی تعداد ان کے رباعیوں کے مجموعے ”شہر رباعی“ میں کئی ہیں اور سب کا انداز جداگانہ ہے۔ وہ کس رباعی میں خالص خدا کی تعریف کرتے ہیں تو کسی رباعی میں تعریف کے ساتھ دعا، مدد، استغفار وغیرہ بھی شامل ہے بلکہ ایک رباعی میں تو خدا سے شکایت بھی ہے

کہ کچھ مردود لوگ زندہ ہیں اور مجھ جیسا آدمی زندہ ہو کر بھی تری دنیا میں مردگی کی زندگی گزار رہا ہے وغیرہ۔ان کی ایک حمدیہ رباعی ملاحظہ ہو۔

ہر پھول کی خوشبو میں بہاروں میں وہی = سورج کی چمک چاندستاروں میں وہی
ہر چیز اسی کی ہے ثناخواں ہے عادل = ہے تیرے کنایوں میں اشاروں میں وہی

التفات امجدی وقت حاضر کے نوجوان رباعی گو شاعر ہیں انہوں نے رباعی گوئی میں ان اس معنی کر بھی انفرادیت حاصل ہے کہ انہوں نے کثیر تعداد میں بچوں کے لیے بھی رباعیاں کہی ہیں۔موصوف کی تربیت خانقاہوں میں ہوئی باوجود اس کے وہ حمدیہ، نعتیہ اور منقبیتہ رباعیات کے جانب رسماً ہی جاتے ہیں اور ان مضامین کو اخلاق و اصلاح کے دائرے میں پیش کرتے نظر آتے ہیں شاید وہ کتاب کے شروع میں ان رواجی مضامین کو تحریر کرنے سے مفر نہیں ہوتے ہیں بلکہ وہ فرار اس کے رسمی ہونے سے ہوتے ہیں۔حمد و ثنا میں ان کی یہ رباعی ملاحظہ ہو۔

حیران و پریشان کے بس میں ہی نہیں = نادان ہے نادان کے بس میں ہی نہیں
ممکن ہی نہیں اس سے خدا کی توصیف = یہ کام تو انسان کے بس میں ہی نہیں

شاعر کے دنوں مجموعے "چکنے پات" اور "چار محراب" ایک میں ساقی نامہ اور ایک میں خمریات کے تحت کئی رباعیاں پیش کی گئی۔جس میں اکثر رباعیوں میں ساقی سے خطاب کیا گیا ہے لیکن یہ ساقی کوئی جانا مانا ایک خاص شکل وصورت والا نہیں ہے بلکہ کہیں یہ انسانی محبوب ہے تو کہیں مرشد کامل، کہیں مغنی، کہیں سیاست دان، کہیں ساقی کوثر (محمدؐ) اور کہیں رب کائنات۔

الغرض موجودہ دور میں جہاں رباعی گو شعرا کی تعداد کثیر مقدار میں ہے وہیں موضوعات میں رباعی نے اپنے تمام قدیم موضوعات پر قائم رہتے ہوئے جدید موضوعات کو بھی تیزی سے اپنایا ہے۔قدیم زمانے میں یہ ہوتا تھا کہ جو بھی کتاب لکھنا شرع کرتا، دیوان مرتب کرتا، داستان لکھتا، قصیدہ یا مرثیہ و مثنوی تخلیق کرتا سب کی شروعات حمد سے ہوتی تھی۔میرے خیال میں شاید مغربی اصناف خصوصاناول و افسانہ کے چلن کے بعد یہ صفت تیزی سے غائب ہوئی لیکن جب موجودہ رباعی گو شعرا کے مجموعوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو اب خصوصیت کے ساتھ دیکھنے کو مل رہا ہے کہ اکثر شاعروں کے یہاں شروع کی کئی رباعیاں حمدیہ رباعیاں ہوتی ہیں۔اس سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ حمد جیسا باوقار اور پاکیزہ موضوع رباعی میں اب بھی اسی آب و تاب کے ساتھ موجود ہے جیسا کہ پہلے پایا جاتا تھا۔ ***

تنویر پھول

نیویارک، امریکہ

حمد و نعت میں الفاظ کا مناسب استعمال

یہ ایک حقیقت ہے کہ اصناف شاعری میں سب سے بلند حمد و نعت کا مرتبہ ہے لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ کچھ لوگ اسے صنف سخن کا درجہ دینے کو تیار نہیں، اسے صرف عقیدت کی شاعری قرار دیتے ہیں اور اس پر کوئی تبصرہ یا تنقید کرنا ممنوع سمجھتے ہیں حالانکہ حمدیہ اور نعتیہ شاعری کو ادبی اور دینی نقطہ نظر سے سمجھنے اور اس کے معیار کو پرکھنے کی سنجیدہ کوشش کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے، یہ کسی کی شخصیت یا علمی مرتبہ پر کوئی حملہ نہیں ہے، سب شعراء قابل احترام ہیں لیکن سب بشر ہیں۔ یہ بشر کا کلام ہے، اللہ کا کلام تو ہے نہیں اس لئے بعض اشعار میں فنی اور معنوی تسامحات کا ملنا عین ممکن ہے، مثال کے طور پر مولانا ظفر علی خان کی مشہور نعت کا مطلع دیکھئے ۔

وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اِک روز چمکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں

اس سے یہ تاثر ابھرتا ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چالیس برس تک مختلف غاروں میں مراقبے میں مصروف رہے جبکہ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ یہ اعزاز صرف غار حرا کو حاصل ہوا اور چالیس برس نہیں بلکہ کچھ مدت کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں مراقبہ اور ذکر الٰہی میں مشغول رہے اور وہیں پہلی وحی نازل ہوئی۔ دوسرا غار، غار ثور ہے جہاں ہجرت کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ مختصر عرصے قیام فرمایا لیکن غار حرا کا مقام اپنی جگہ ہے۔ زیر بحث شعر کی جگہ غار حرا کی اہمیت کا بیان نیز "درباروں" اور "غاروں" کے قوافی کا استعمال اس طرح ہوسکتا ہے ۔

مسجد ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طیبہ میں، کیا نور ہے اُن میناروں میں
جو شان ہے گنبد خضرا کی، ناپید ہے وہ درباروں میں
یہ فیض ہے نور احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا، ہر ذرہ اس کا لعل و گہر
ممتاز حرا ہے آج تلک اس دنیا کے سب غاروں میں

بعض شعراء حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کے لئے ''خیر الامم'' استعمال کرتے ہیں، جو درست نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے شاہ امم اور فخر امم کا استعمال صحیح ہے لیکن ''خیر الامم'' سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت یعنی امت مسلمہ ہے (دیکھئے سورہ آل عمران، آیت نمبر ۱۱۰)

علامہ احمد رضا خان بریلوی کے مجموعے ''حدائق بخشش'' میں یہ نعتیہ اشعار دیکھئے۔

اُس گل کے سوا ہر پھول با گوش گراں آیا
دیکھے ہی گی اے بلبل! جو وقت فغاں آیا
طیبہ کے سوا سب باغ پامالِ فنا ہوں گے
دیکھوگے چمن والو! جب عہد خزاں آیا
کچھ نعت کے طبقے کا عالم ہی نرالا ہے
سکتہ میں پڑی ہے عقل، چکر میں گماں آیا

تقطیع کرتے وقت پہلے، دوسرے اور تیسرے شعر میں بالترتیب پھول، باغ اور عقل کے آخری حروف بحر سے خارج ہو جائیں گے۔ مشہور شاعر جوش ملیح آبادی ''املے'' کے بارے میں بہت سخت رویہ رکھتے تھے اور کوئی لچک برداشت نہیں کرتے تھے، ان کی رائے کے مطابق آخری مصرعے میں ''سکتہ'' نہیں بلکہ ''سکتے'' ہونا چاہئے لیکن راقم الحروف کی رائے میں دونوں ہی ٹھیک ہیں کیونکہ اگر جوش صاحب کا موقف درست تسلیم کیا جائے تو پھر ''طیبہ'' کو بھی ''طیبے'' کہنا پڑے گا! ''مدینہ'' کو ''مدینے'' کہا جا سکتا ہے لیکن ''طیبہ'' کو ''طیبہ'' ہی کہا جائے گا۔

کراچی کے ایک نعتیہ مشاعرے میں ایک بزرگ شاعر نے شب معراج میں اللہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے ''دوبدو'' کا قافیہ استعمال کیا، وہ ''روبرو'' کہنا چاہتے ہوں گے لیکن یہ قافیہ وہ ایک شعر میں استعمال کر چکے تھے، اس لئے ''دوبدو'' استعمال کیا جو درست نہیں۔

ایک مشہور نعت گو شاعر نے پی ٹی وی کے نعتیہ مشاعرے میں طائف کی سنگ باری کا ذکر اس طرح کیا.... ع .... ''جو اُن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح راہ تیں سنگ سار ہوا ہو''

یہاں ''سنگ سار'' کا لفظ کسی طرح درست نہیں۔ ''سنگ ساری'' اور ''سنگ باری'' میں نمایاں فرق ہے، اول الذکر کسی مجرم کو سزائے موت دینے کا طریقہ ہے جو یہاں ہرگز مناسب نہیں، فنی لحاظ سے بھی یہ مصرعہ سقیم ہے کیونکہ ''سنگ سار'' میں ''نون غنہ'' نہیں ہے، اس لئے تقطیع کرتے وقت اسے ''سنگ سار'' باندھنا غلط ہے۔ ایک اور معروف نعت گو شاعر کا یہ مصرعہ دیکھئے۔

''بجھائے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے، جتنے بھی تھے خلل کے چراغ''

چراغ بجھانا منفی عمل ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب کرنا درست نہیں اور '' خلل کے چراغ '' کہنا بھی درست نہیں۔ چراغ ہمیشہ اچھے معنوں میں استعمال ہوتا ہے، اگر ''خلل کے چراغ'' ہو سکتے ہیں تو پھر ''جہالت کی شمع'' اور ''باطل کا نور'' کہنے میں کیا مضائقہ ہے؟

جیوٹی وی میں عامر لیاقت اکثر اپنی ایک نعت ترنم سے پڑھتے رہے ہیں جس کی ردیف ہے:

''اب کے برس بھی''۔ دیگر اشعار مناسب ہیں لیکن ایک شعر کا یہ مصرعہ محل نظر ہے.....

'' مدفن مرا طیبہ میں بنے اب کے برس بھی ''

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر ہندو عقیدے '' آواگون'' یعنی کئی جنم کی بات کر رہا ہے، اسی لئے بار بار اس کا مدفن بن رہا ہے۔ اس سلسلے میں ایک پاکستانی اسکالر پروفیسر شکیل احمد ضیا (جن کی تالیف اسلامیات حصہ دوم ستر کی دہائی میں جامعہ کراچی کے طلباء پڑھتے تھے) کی کتاب کے صفحہ نمبر ۳۱۰ سے ایک اقتباس پیش ہے:

''کتب احادیث میں روایات صحیحہ کے ساتھ ساتھ اس قسم کی حدیثیں بھی موجود ہیں جن کی صحت پر ایمان لانے کے بعد کوئی شخص ہرگز مسلمان نہیں رہ سکتا مثلاً مشکوٰۃ شریف میں امام بخاری کی حسب ذیل روایت کفر صریح کی حامل ہے۔

عن ابی هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه و سلم بعثت من خير قرون بنى أدم قرنا فقرنا حتى كنت من القرن الذى كنت منه (رواه البخارى)

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''مجھ کو بنی آدم کے بہترین طبقوں میں قرن کے بعد قرن (یعنی ہر قرن) میں پیدا کیا گیا ہے، یہاں تک کہ میں اس قرن میں ہوا جس قرن سے کہ میں ہوں'' (بخاری) (مشکوٰۃ شریف، مترجم اردو، جلد سوم صفحہ ۱۲۹، باب فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، طبع کردہ قرآن محل، کراچی)

یہ حدیث کسی ایسے شخص کی وضع کردہ معلوم ہوتی ہے جو ہندوؤں کے عقیدہ تناسخ (آواگون) کا قائل ہوگا، میں اپنی تمام دینی اور علمی ذمہ داریوں کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ جو اس کے تمام معنوی مضمرات کو سمجھ لینے کے بعد بھی اس پر ایمان رکھتا ہے، وہ صریحاً کافر ہے۔ (شکیل احمد ضیا)''۔ غالباً اسی روایت کا سہارا لے کر مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروؤں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دوسرا جنم قرار دیتے ہیں (نعوذ باللہ)

مشہور ہے کہ ''باخدا دیوانہ باش و با محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوشیار'' یعنی نعت کہتے وقت بہت احتیاط کرنی

چاہئے لیکن حمد میں بھی بے احتیاطی کی مثال موجود ہے۔احمد ندیم قاسمی کی حمد کے اشعار دیکھئے۔

میں تیرا فن ہوں، یہی فن ترا غرور ہُوا
تری انا کا مری ذات سے ظہور ہوا
ترے وجود کو وحدت ملی تو مجھ سے ملی
تو صرف ایک ہوا جب میں تجھ سے دور ہوا
یہ اور بات ، رہا انتظار صدیوں تک
مگر جو سوچ لیا میں نے، وہ ضرور ہوا

جب تک انداز بیاں میں عاجزی نہ ہو، حمد، مناجات یا نعت نہیں کہی جا سکتی۔حضرت علی کرم اللہ وجہ تو فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ارادوں کی تکمیل نہ ہونے سے ذات باری تعالیٰ کو پہچانا جبکہ شاعر موصوف فرماتے ہیں ''مگر جو سوچ لیا میں نے، وہ ضرور ہوا''

ایک طبقہء فکر ایسا ہے جو ''خالص حمد'' کا قائل ہے، اسے حمد میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر یا مناجات کا انداز گوارا نہیں! وہ یہ حقیقت بھول جاتا ہے کہ کلمہء طیبہ میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا ذکر ایک ساتھ موجود ہے۔یہ کلمہ افضل الذکر کہلاتا ہے۔کیا ایسے لوگ صرف آدھا کلمہ پڑھ کر مومن ہونے کا دعویٰ کر سکتے ہیں؟

قرآن مجید میں اکثر مقامات پر حمد اور نعت کے مضامین ساتھ ساتھ بیان ہوئے ہیں یعنی۔

ذکر جب اپنا کیا ، ذکر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی کیا
حمد اور نعت کی قرآن میں یک جائی ہے

اسی طرح قرآن پاک کی پہلی سورہ، سورۃ الفاتحہ حمد اور مناجات کی یک جائی کا مظہر ہے، اس لئے ایسے کلام پر تنقید برائے تنقید درست نہیں ہے۔

نعت گو شعراء میں ایک طبقہ نعت کہتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تُو ، تم ، اُس وغیرہ کے استعمال کو یکسر ممنوع سمجھتا ہے اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کی سختی سے مذمت کرتا ہے۔یہاں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ ہمارے اکابرین نے اسے معیوب اور خلاف ادب نہیں سمجھا ہے۔ویسے بھی اعمال کا دار و مدار نیت پر ہوتا ہے جو شعراء ان الفاظ کو استعمال کرتے ہیں ان کی نیت نیک ہوتی ہے، جو اس سے پرہیز کرنا چاہیں ضرور کریں لیکن دوسروں پر طعن و تشنیع نہ کریں۔بقول احمد صغیر صدیقی ''بات وہی حسن نیت کی ہے اور اسے سبھی جانتے ہیں''۔شمس تبریزی، علامہ اقبال اور مولانا ظفر علی خان

کے (بالترتیب) یہ اشعار دیکھئے۔

شمس تبریزی چہ داند نعت تو پیغمبرا ﷺ
مصطفی ﷺ و مجتبیٰ ﷺ و سید اعلیٰ توئی

جھلکتی ہے تری امت کی آبرو اس میں
طرابلس کے شہیدوں کا ہے لہو اس میں

پھوٹا جو سینۂ شب تار الست سے
اس نور اولیں کا اجالا تمھیں تو ہو

مولانا احمد رضا خان بریلوی کے نعتیہ کلام میں تو اس کی بے شمار مثالیں ہیں۔ صبیح رحمانی کی نعت کا یہ خوب صورت شعر دیکھئے۔

قطرے کو بحر کر دیا، ذرے کو آفتاب
جس پر نگاہ پڑ گئی اُس خوش نگاہ کی

اسی طرح حمد ونعت میں لفظ ''عشق'' کے استعمال پر بھی بہت سخت اعتراض کیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ لفظ قرآن اور حدیث میں نہیں ہے لیکن قرآن اور حدیث میں کسی لفظ کا نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ لفظ قبیح اور مردود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا نام ستار نہ قرآن پاک میں ہے اور نہ صحاح ستہ میں لیکن بے شمار مسلمانوں کا نام عبدالستار ہوتا ہے کیونکہ اللہ کو ستارالعیوب کہتے ہیں۔ بھارت سے شائع ہونے والے جریدے ''جہان نعت'' کے ایک قلم کار حلیم حاذق نے حمد ونعت میں لفظ ''عشق'' لانے والوں کو جاہل شعراء کے نام سے یاد کیا ہے، کیا موصوف حکیم الامت علامہ اقبال کو بھی جاہل شعراء میں شمار کرتے ہیں جن کے کلام میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں، چند حوالے دیکھئے۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق /// عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی
اقبالؔ! کس کے عشق کا یہ فیض عام ہے /// رومی فنا ہُوا، حَبَشی کو دوام ہے
اذاں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی /// نماز اس کے نظارے کا اِک بہانہ بنی
بے زیارت سوئے بیت اللہ پھر جاؤں گا کیا؟ /// عاشقوں کو روز محشر منہ نہ دکھلاؤں گا کیا؟
عشق کا دل بھی وہی، حسن کا جادو بھی وہی /// ملت احمد مرسلؐ بھی وہی، تو بھی وہی
عشق کی، عشق کی آشفتہ سری کو چھوڑا /// رسم سلمانؓ و اویس قرنیؓ کو چھوڑا
عشق دمِ جبرئیل، عشق دلِ مصطفیٰ /// عشق خدا کا رسول ﷺ، عشق خدا کا کلام

کمال عشق و مستی ظرف حیدرؓ /// زوال عشق و مستی حرف رازی
بولا امیر فوج کہ وہ نوجواں ہے تو /// پیروں پہ تیرے عشق کا لازم ہے احترام
پوری کرے خدائے محمد ﷺ تری مراد /// تنا بلند تیری محبت کا ہے مقام !

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں، بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

موجودہ دور کی مثالیں دیکھئے۔

نصاب مکتب عشق نبی ﷺ انوکھا ہے
کہ پڑھئے دل سے تو لکھئے کتاب آنکھوں سے (سجاد سخن)

عزیز احسن اپنی نعتیہ نظم "مدینہ پاک سے رخصت ہوتے وقت" کے ایک شعر میں کہتے ہیں۔

بھیڑ تھی عاشقوں کی ہر جانب /// تھا ہر اک، اِک نگاہ کا طالب

اسی نظم کا ایک اور شعر دیکھئے۔

آتش عشق پھونک دے دل کو /// میں مروں تو بقیع مدفن ہو

***

تین نعتیہ اشعار

زاہدہ خاتون شیروانیہ:۔

میں اور بارگاہِ رسالت پناہ کی
اے دل کہیں نہ ہو یہ غلطی نگاہ کی

ادا جعفری:۔

جب نگاہوں میں نکہتوں کی سی خو تب انہیں سوچنا
دردِ محرابِ جاں، آنکھ ہو با وضو تب انہیں سوچنا

شاہدہ حسن:۔

حکم یزداں سے ملا، اذنِ پیمبرؐ سے ملا
مجھ کو مدحت کا ہنر میرے مقدر سے ملا

***

ڈاکٹر تابش مہدی

ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵

نعت : مفہوم اور تقاضے

حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدالانبیاء و المرسلین، خاتم نبوت و رسالت، فخر موجودات، رحمۃ للعالمین اور ہادیِ حیات و کائنات ہیں۔ آپ کا مقام و مرتبہ کسی محدود خطۂ ارض، کسی خاص عہد یا کسی ایک قوم و برادری کے لیے نہیں بل کہ ہر خطہ و ملک اور ہر زمانے کے ہر قوم و برادری کے لیے ہے۔ آپؐ خیر البشر ہیں اور آپؐ کی اُمت خیر الامم کے لقب سے یاد کی جاتی ہے۔ آپؐ پر نازل ہونے والا اللہ کا کلام ہر عہد اور ہر قرن کے لیے دستور کائنات و منشورِ حیات ہے۔ آپ ہی پر اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (آج میں نے تمھارے لیے تمھارے دین کو مکمل کر دیا) کی آیۂ محکم نازل ہوئی اور آپ ہی پر اللہ تعالیٰ، فرشتے، جنّ اور انسان درود و سلام بھیجتے ہیں۔ إِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِیِّ، یٰٓأَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْماً۔ (الاحزاب:۵۶) (اللہ اور اس کے فرشتے درود و سلام بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی نبی پر درود و سلام بھیجو)۔ اصطلاحِ عام میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اقدس میں ادا ہونے والے ہر منظوم جذبے کو نعت کہا جاتا ہے۔ یہی نعت کی مختصر اور جامع تعریف ہے۔

نعت گوئی کا مشغلہ ایک پاکیزہ اور مبارک مشغلہ ہے۔ یہ مشغلہ نہایت سہل و آسان بھی ہے اور سخت مشکل و دشوار بھی۔ آسان اِس لیے کہ نعت گوئی کے لیے کسی خاص صنف یا زبان کی قید نہیں ہے۔ ہر زبان اور ہر صنف میں نعت کہی جا سکتی ہے۔ کہی گئی اور کہی جا رہی ہے۔ نعت غزل کے فارم میں بھی کہی جا سکتی ہے اور نظم کے فارم میں بھی۔ قطعہ و رباعی کی شکل میں بھی نعت کہی جا سکتی ہے اور مثنوی، مثلث، مربع، مخمّس اور مثمن کی صورت میں بھی۔ اِن تمام اصناف میں نعتیں موجود ہیں۔ حتیٰ کہ معریٰ، آزاد اور نثری نعتیں بھی دیکھنے میں آئی ہیں۔ غرض کہ ہر صنف اور ہر زبان میں شعرا نے ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی عقیدت، محبت اور وابستگی کا اظہار کیا ہے۔

نعت گوئی دشوار اس لیے ہے کہ دوسری اصنافِ سخن کی طرح یہاں یکسر آزادی یا بے قیدی نہیں

ہے۔ یہاں زبان و بیان اور فن ولُغت پر کامل عبور اور دست رس کے ساتھ ساتھ فکر و خیال کی طہارت، عقیدے کی پختگی اور شریعت اسلامیہ کے حدود و قیود کی پابندی ناگزیر ہے۔ نعت میں شاعر نہ تو اپنے افکار و خیالات کو بے لگام چھوڑ سکتا ہے اور نہ موضوع کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی اُسے جرأت ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں اچھے اور باکمال غزل گویوں اور نظم نگاروں کی ایک طویل فہرست ہے، مگر اچھے اور قابلِ ذکر نعت گو شعرا کی تعداد کم سے کم تر ہے۔ عرفیؔ نے کہا ہے:

عرفی مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحراست
آہستہ کہ رہ بردمِ تیغ است قدم را

نعت میں عبد و معبود اور خالق و مخلوق کے فرق و امتیاز کو ملحوظ رکھنا پڑتا ہے۔ یہاں نہ شاعری سے کام بنتا ہے اور نہ نری عقیدت و محبت سے۔ نعت میں جوش و ہوش کو معتدل اور ہم آہنگ رکھنا پڑتا ہے۔ بسا اوقات شاعر جوش و ہوش میں توازن نہ ہونے کی وجہ سے نعت کو حمد بنا دیتا ہے۔ یہ بڑا نازک موقع ہوتا ہے۔ سچ کہا ہے کسی نے:

باخدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوش یار

ہمارے اُردو کے شعرا نے نعت گوئی کے ذیل میں جو بے احتیاطیاں کی ہیں، ان کے تفصیلی ذکر کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔ کسی نے رسالت کو حدِ اُلوہیت میں داخل کر دیا تو کسی نے "احمد بے میم" کا شگوفہ چھوڑا، کسی نے ذاتِ رسالت مآب ﷺ کو وجہِ تخلیق کائنات ثابت کر کے "محمدؐ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا" کا نعرہ بلند کیا تو کسی نے آپؐ کے زلف و کاکل اور عارض و رخسار کا ذکر کچھ اِس طرح کیا کہ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ آپؐ کو محض ایک معشوقِ بازاری بنا کے رکھ دیا۔ نعت کے نام پر ہمیں اِس طرح کے اشعار بھی ملتے ہیں:

سُنبلِ پیچاں، گیسوے پُرخم صلی اللہ علیہ وسلم
عاشقِ رب، معشوقِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم

اور اِس طرح کے بھی:

بندے سے ہو ثنائے محمدؐ مجال کیا
ترسٹھ برس لباسِ بشر میں خدا رہا
محمد نے خدائی کی، خدا نے مصطفائی کی
کوئی سمجھے تو کیا سمجھے، کوئی جانے تو کیا جانے

ایک بہت بڑے نعت گو نے تو یہاں تک کہہ دیا:

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ ہمیں لینا ہے، لے لیں گے محمدؐ سے

گزشتہ صدی کے ایک صوفی شاعر نے کہا ہے:

وہی جو مستویِ عرش تھا خدا ہو کر
اُتر پڑا ہے مدینے میں مصطفی ہو کر

البتہ عربی کی نعتیہ شاعری ہمیں عقیدہ و فکر کی اِن گم راہیوں سے پاک اور منزّہ ملتی ہے۔ وہاں محبت کا اظہار بھی ملتا ہے اور عقیدت کا بھی۔ لیکن سب کچھ حدودِ ادب میں رہ کر۔

طَلَعَ البَدرَ عَلَیْنَا
مِن ثَنیاتِ الوِداع

وَجَبَ المشکر علمنا
ما دعا اللہ داعِ

ایّہا المبعوثُ فینا
جئتُ بالامر المطاعِ

(کوہِ وداع سے چاند طلوع ہوا، ہم پر اللہ کا شکر واجب ہے، جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں۔ اے وہ، جس کو ہمارے درمیان مبعوث کیا گیا ہے، آپ ایک ایسا دین لائے ہیں، جس کی اطاعت کی جانی چاہیے)

نحن جوار من بنی النجار
یا حبذا نمحمد من جار

(ہم بنو نجار کی لڑکیاں ہیں اور محمدؐ کتنے اچھے ہم سایہ ہیں)

یہ وہ اشعار ہیں، جو مدینہ منورہ کی پردہ نشیں لڑکیوں نے اُس موقع پر والہانہ انداز میں گائے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مکّے سے ہجرت کر کے مدینے تشریف لائے تھے۔ اِن اشعار میں رسولِ کائنات سے کامل اور والہانہ وابستگی و شیفتگی کا مظاہرہ ملتا ہے۔ اِن اشعار کو ہم عربی کی نعتیہ شاعری کی خشتِ اوّل کہہ سکتے ہیں۔ اس کے بعد اس روایت کو ارتقا ہوا تو اس طرح کے شعر کہے گئے:

روحی المفداء لمن اخلاقه شهدت
بأنه خير مولود من البشر

عمت فضائله كل العباد كما
عَمَّرَ المدينه ضوء الشمس والقمر

لو لم يكن فيه أيات مبينة
كانت بديهيه لغنى عن الخبر

(میری روح اُس مقدس ہستی پر فدا ہے، جس کے اخلاق واطوار اِس بات پر شاہد ہیں کہ وہ بنی نوع انسان میں سب سے افضل ہے۔ اِن کے کمالات وفضائل کا چشمۂ فیض تمام بندوں کو بلا امتیاز اُسی طرح سیراب کررہا ہے، جس طرح آفتاب وماہ تاب کی ضیا باریاں۔ اگر اس صداقت پر مہر ثبت کرنے والی نشانیاں نہ ہوتیں تو خود اس کی ذات اس کی صداقت کے لیے کافی تھی)

یہ اشعار حضرت عبداللہ بن رواحہ کے ہیں۔ صحابہ کرامؓ میں بہ کثرت ایسے نام ملتے ہیں، جنھوں نے اپنی شاعری میں آپ کی سیرت واخلاق کو موضوع بنایا ہے اور آگے چل کر یہی چیز ان کی شناخت بن گئی۔ ان میں حضرت علیؓ، حضرت حسان بن ثابتؓ، حضرت کعب بن زہیرؓ اور حضرت خنساؓ کے اسمائے گرامی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

میری مذکورِ بالا معروضات کا یہ مطلب ہرگز نہ لیا جائے کہ صحیح اور پاکیزہ نعت سے اُردو شاعری کا دامن یکسر خالی ہے اور اس کی تمام تر نعتیہ شاعری غلوے عقیدت اور فکری مضلات سے عبارت ہے۔ ہند و پاک کے شعرا میں متعدد نام ایسے بھی ملتے ہیں، جنھوں نے نعت کے معاملے میں دل کو کبھی پاسبانِ عقل سے آزاد نہیں ہونے دیا۔ اِس ذیل میں شفیق جون پوری، حمید صدیقی لکھنوی، ماہر القادری، عامر عثمانی، اقبال سہیل، فضا ابن فیضی، ابوالوفا عارف شاہ جہاں پوری، نعیم صدیقی، شہباز امروہوی، بلالی علی آبادی، نسیم احمد فریدی، حفیظ تائب، مظفر وارثی، اعجاز رحمانی، علیم ناصری، ابوالمجاہد زاہد، طاہر تلہری، والی آسی، ہمسر قادری، تسنیم فاروقی، افسر امروہوی، سیفی امروہوی، ساجد صدیقی لکھنوی، ناوک حمزہ پوری، رباب رشیدی، ابرار کرت پوری، ساجد امروہوی، جنید اکرم فاروقی، زبیر ابن سیفی، سع امروہوی، رئیس الشاکری، سراج اجملی اور رئیس نعمانی کے اسمائے گرامی قابلِ ذکر ہیں۔ یہ اُردو کے وہ خوش نصیب شعرا ہیں، جنھوں نے نعت گوئی میں اپنی پہچان بنائی ہے۔ انھوں نے اپنی نعتوں میں رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت وعقیدت کا مظاہرہ کیا ہے، شعروں میں آپؐ کی سیرت و کردار کو سمونے کی کوشش کی

ہے اور اُن تمام زلّات و مضلّات سے ان کی شاعری کا دامن کافی حد تک پاک ہے، جن کا تذکرہ گزشتہ سطور میں کیا گیا ہے۔

میرے نزدیک نعت کا معاملہ دماغ کا نہیں دل کا ہے۔ نعت کو نعت ہی رہنا چاہیے۔ اللہ کے اخری رسول حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت، عقیدت اور قلبی تعلق کے منظوم اظہار کا نام نعت ہے۔ چوں کہ عقیدت و محبت کے اظہار میں محبوب کے اوصافِ حمیدہ کا بھی ذکر آ جاتا ہے، اس لیے اس کی بھی گنجایش ہے کہ حیاتِ طیبہ کے ان مہکتے گوشوں کا بھی ذکر آ جائے، جو صرف اور صرف آپؐ کے لیے مخصوص ہیں۔ صحابہ کرامؓ کا بھی ذکر کسی نہ کسی نوع سے آ جانا چاہیے کہ وہ آپؐ کے حسنِ تربیت کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ بل کہ سچی بات تو یہ ہے کہ ذکرِ صحابہؓ کے بغیر نعت گوئی کا حق ادا نہیں ہوتا۔ لیکن نعت کے حوالے سے تحریکوں، تنظیموں اور نظریوں کی تبلیغ کرنا، میرے نزدیک نعت گوئی کے مزاج سے میل نہیں کھاتا۔ نعت کو صرف رسولِ کائنات کی عقیدت و محبت کے اظہار، آپ کی سیرت و کردار کے بیان اور آپ کی پاکیزہ درس گاہ کے فیض یافتگان کے اجمالی تذکرے تک محدود رکھنا چاہیے۔ یہی حقیقی نعت گوئی ہے۔

***

نامور شاعرہ شاہدہ لطیف کا نعتیہ مجموعہ "نگاہِ مصطفےٰ"

کتاب کا پیش لفظ ممتاز ناقد ڈاکٹر ریاض مجید نے لکھا ہے اور مضامین معروف شاعر اور مقتدرہ قومی زبان کے صدر نشین افتخار عارف اور معروف نعت گو شاعر جناب قمر وارثی نے لکھے ہیں۔ قمر وارثی لکھتے ہیں کہ سچ پوچھیئے تو شاہدہ لطیف کے عرق ریز مطالعے اور بالخصوص حیرت انگیز مشاہدے سے سجی ہوئی نعتیں ایک ایسی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہیں جنھیں اُردو نعتیہ ادب میں ایک نئے باب کا اضافہ کہا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر ریاض مجید پیش لفظ میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ پہلے شاہدہ لطیف کی تحریریں، صحافتی تقاضوں' سفر ناموں کی رنگارنگی اور دلچسپیوں کی مظہر تھیں، اب شاہدہ کے تخلیے یادِ حرم سے آباد ہیں۔ یہ خاص عطائے ربی ہے کہ وہ دنیاداری میں پھنسے ہوئے شب و روز میں کچھ لمحے اپنے بندوں کو اپنی یاد میں بسر کرنے کی توفیق بخش دیتا ہے۔ اس سے پہلے شاہدہ لطیف کے سات شعری مجموعے 'معجزہ' 'میں پاکستانی ہوں' 'معرکہ' 'کشمیر' 'محبت ہو نہ جائے' 'برف کی شہزادی' 'اُف یہ برطانیہ' اور 'بیت اللہ پر دستک' شائع ہو کر ملک اور بیرونی دُنیا میں اپنی شناخت بنا چکے ہیں اور اُن کی کتابوں کی رونمائیاں بھی ملک اور بیرونی ممالک میں ہو چکی ہیں۔ اس کے علاوہ کرنٹ افیئر میں 'پاکستان میں فوج کا کردار' 'امریکہ اسلام اور عالمی امن' ناول میں 'سات قدیم عشق' کلاسک میں 'حکایات کا انسائیکلو پیڈیا' اور 'دُنیا کے سات عجوبے' میدانِ سخن میں اپنی جگہ بنا چکے ہیں۔ ***

ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتحپوری ایڈوکیٹ

ساکن لال حویلی، امام گنج، ابونگر بالمقابل جی-آئی-سی-فتحپور(یوپی) رابطہ:9415157070

فنِ نعت گوئی : چند غور طلب نکات

نعت، شعروشاعری کی ایک مقدس گرانمایہ، اہم اور کارآمد صنف سخن ہے۔اس میں شاعر کا محورِ فکر، محسنِ انسانیت، افضل الخلائق، سببِ تخلیق کائنات، خاتم الانبیاء والرسل اور محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات گرامی اوراس کے متعلقات ومنسلکات ہوتے ہیں، جس کے بابرکت طفیل کے باعث کائنات کی ہر شئے عدم سے وجود میں آئی ہے۔نعت میں اس عالی قدر شخصیت کی عظمت وفتوت اور رحم وکرم کا شعری بیان ہوتا ہے، جس کی بابت خالقِ کائنات نے فرمایا ہے: ''انك لعلیٰ خلق عظیم''، یعنی آپؐ اخلاق کی بلندی پر فائز ہیں۔

نعت کی راہ اس لیے دشوار گزار اور سنگلاخ ہے کیونکہ اس میں جادۂ اعتدال وتوازن سے ذرہ کے برابر کی لغزش یا ایک لمحہ کے لیے افراط یا تفریط کی زد میں بھٹک جانا باعثِ خسران وموجبِ ہلاکت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر شاعر کے ہاتھوں ذات اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، 'قاب قوسین اوادنیٰ' کی حد بندی توڑ کر الوہیت میں مدغم ہوجاتی ہے، تو یہ شرک ہے اور اگر عیاذاً باللہ نا عت تفریط کی حد میں آگیا، اور منبعِ نعت کی ہلکی سی ہلکی تنقیص ہوگئی، تو وہ خسر الدنیا والاخرۃ کی حدود ونفور میں داخل ہوجائے گا۔

نعت کے باب میں ہر مہتم بالشان شاعر نے اپنی عجز بیانی کا اعتراف کیا ہے۔یہ سلسلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہوتا ہوا عراقی تک اور عراقی سے عرفی تک اور عرفی سے غالب تک چلا آرہا ہے۔ان عظیم شعراء کے مضامینِ اعترافِ عجز ملاحظہ ہوں :

فاللہ یعلم شانہٗ وھو العلیم بیانہ
یا رب صحح سقمہ بالفضل دمر جرمہ
(حضرت علیؓ)

خدا آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان جانتا ہے اور وہ آپؐ کے بیان سے باخبر ہے۔
خدایا اس (بیان) کے نقائص درست فرمایئے اور فضل وانعامات سے کوتاہیوں کی بیخ کنی کردیجئے۔

چوں شدم عاجز ز مدح احمدِ محمودِ خلق
باز گردم بردرِ قدوس اکبر متحیر
اے مقدس ذات تو از وصف ہر ناپاک و پاک
وی منزہ ذات از نعت نادان خبیر

(عراقی: کلیات، عراقی صفحہ ۶، مطبع نامی منشی نول کشور، کانپور ۱۳۲۶ھ/۱۹۱۹ء)

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کہ آں ذات پاک مرتبہ دانِ محمد است

(کلیات فارسی غالبؔ)

نعت عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی وصف اور صفت ہیں، نعت کا اپنے اصلی معنی میں استعمال نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان اقدس واطہر سے المشکوٰۃ المصابیح میں خادمِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ کی خالہ حضرت رمیصہؓ کے پسر ارجمند حضرت انسؓ بن مالک کی زبان سے ہوا ہے، جس میں آپ رسالتماب محمد امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک یہودی سے فرمایا تھا کہ کیا تو، تورات میں میری نعت، صفت ومخرج کا تذکرہ پاتا ہے؟ اور اس کے انکاری جواب پر اس یہودی کے لڑکے نے اثباتی جواب دیتے ہوئے عرض کیا'' واللہ یا رسول اللہ ان نجدلك فی التوراۃ نعتك و صفتك و مخرجك'' (المشکوٰۃ المصابیح صفحہ ۵۱۸، مطبع مجیدی پریس کانپور، والبیہقی فی دلائل النبوۃ) حدیث کے عربی الفاظ کا ترجمہ: بخدا یا رسول اللہ! میں تورات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخرج یعنی جائے ہجرت کا تذکرہ پاتا ہوں۔

حضرت علیؓ کے اقوالِ مبارکہ میں نعت کے اسم فاعل ناعت کا استعمال ہوا ہے (نعتیہ شاعری کا ارتقاء، مصنفہ راقم، صفحہ ۲۲، مطبوعہ ۱۹۸۸ء)

شعر وشاعری کی اصطلاح میں نعت اس صنف شاعری کو کہتے ہیں، جس کا مطمحِ فکر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی اور اس کے متعلقات ومنسلکات ہوں۔ اس حصہ نعت میں بہت وسعت ہے۔ نعت اظہارِ مدعا کے ہر دو طریق نظم ونثر کو مشتمل ہے، لیکن شعری اصطلاح میں نعت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلقات اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق ومحبت کا شعری بیان ہے۔

قرآن کریم میں آپ کا اسم گرامی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف چار مقامات پر مرقوم ہے: (۱) پارہ ۴، سورۃ

آلِ عمران، (۲) پارہ ۲۲، سورہ الاحزاب (۳) پارہ ۲۶، سورہ محمد (۴) محمد رسول اللہ پارہ ۲۶، سورہ فتح۔
بقیہ مقامات پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اوصاف سے یاد کیا گیا ہے۔ کہیں یا ایھا المزمل (اے کملی والے) کہہ کر پکارا گیا ہے، کہیں یا ایھا المدثر کے محبوب لفظ سے تخاطب کیا گیا ہے، کہیں پر یا ایھا الرسول (اے رسول) کے معزز لفظ سے یاد کیا گیا ہے، اکثر مقامات پر اس اکمل فرد انسانی اور صفاتِ عبدیت کے اس مکمل نمونے کا ذکر اس طور پر کیا گیا ہے کہ نہ نام نامی لیا گیا ہے اور نہ کسی وصف ہی سے پکارا گیا ہے، بلکہ خالقِ کونین نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عبد کے محبوب لفظ سے تخاطب فرمایا ہے: سورہ اسریٰ میں سبحان الذی اسریٰ بعبدہ، سورۂ جن میں انہ قام عبداللہ، سورۂ کہف میں الحمد للہ الذی انزل علی عبدہٖ، سورہ فرقان میں تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہٖ، سورۂ نجم میں فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ وغیرہ۔

توراۃ، زبور اور انجیل کتب سماویہ کے علاوہ دیگر صحف سماویہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکر خیر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسم مبارک سے کیا گیا ہے۔ ہندوؤں کی مقدس کتاب (ویدوں) میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکر مبارک فراشس لفظ سے کیا گیا ہے جو عربی لفظ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سنسکرت متبادل ہے۔

واضح ہو کہ نعت کے دو اجزائے ترکیبی (۱) وصف اور (۲) اظہارِ محبت و عقیدت ہیں۔

اللہ پاک نے اپنی مقدس کتاب القرآن الحکیم کی سورۃ الحجرات کی دوسری اور تیسری آیات مقدسہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور تکلم کے آداب بتلاتے ہوئے فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور اپنی آوازیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آواز پر بلند نہ کرو، ورنہ تمہارے تمام اعمال حسنہ ضائع ہو جائیں گے۔ لہٰذا نعت میں معنی کے علاوہ الفاظ میں بھی نرمی ہونی چاہیے۔ ایسے لفظوں سے اجتناب لازم ہے، جن میں بے ادبی کا اشتباہ ہو۔ یہ ایک متفقہ عقیدہ ہے کہ گنبد سبز کا وہ حصہ، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا جسمِ اطہر ہے، کعبۃ اللہ سے افضل ہے اور مسکن نبی ہونے کے باعث مدینہ، مکہ سے بہتر ہے۔ نعت خوانی اور نعت نویسی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعظیم و تکریم کا مکمل لحاظ رکھا جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے متعلق الفاظ، صفات، تراکیب و ضمائر ایسی استعمال کی جائیں جو معظم و مکرم اور رفیع و بلند و بالا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مقام اتنا بلند و بالا ہے کہ بقول شاعر:

"ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا"

عالمِ نعت کا عام مقولہ ہے:

"باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار"

عرفی نے بھی کہا ہے:

عرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا ست
آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قدم را

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان اقدس میں اوّلین نعت، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جدامجد جناب عبدالمطلب نے کہی تھی۔ اس کے بعد وہ نعتیہ اشعار آتے ہیں جنہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی والدہ محترمہ نے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے درجۂ علیا کی بابت جناب حلیمہ سعدیہ کے سامنے پڑھے تھے، لیکن باقاعدہ طور پر اولین نعت، جس میں نعت کے اجزائے ترکیبی موجود ہیں، وہ نعت ہے، جسے تبع یمنی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادت سے تقریباً ایک ہزار قبل صفحۂ قرطاس پر رقم کیا تھا، جس کے چار اشعار آج بھی محفوظ ہیں۔ ولادت نبوی کے تقریباً چالیس سال بعد کی مرقومہ نعت، جس کے تخلیق کار، حضرت خدیجہ کے چچازاد بھائی حضرت ورقہ بن نوفل، عالمِ تورات وزبور وانجیل ہیں، ایک باقاعدہ منظم ومفصل نعت ہے۔ اس نعت کے نو اشعار آج تک محفوظ ہیں۔ یہ نعت زمانی اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضرت خدیجہؓ سے پیشتر کی ہے۔ نعتِ ورقہ کے بعد کی نعتوں میں، سراقہ بن جشم، جناب ابوطالب ومیمون بن قیس اعشیٰ کی نعتیں اہم اور مقصدی ہیں۔

اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں سے سبعہ معلقہ کے باہنر شاعر کے فرزند حضرت کعب بن زہیر بن ابی سلمیٰ کو یہ اختصاص حاصل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کے قصیدہ، قصیدہ بانت سعاد کو از اول تا آخر پسند فرمایا اور قصیدہ کے اختتام پر اپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ کاش تم اس میں انصار کا ذکر خیر کرتے، کیوکہ وہ اس کے مستحق ہیں، جس کے احترام میں حضرت کعبؓ نے اس قصیدہ میں گیارہ اشعار مزید کہہ کر قصیدہ بانت سُعاد میں اشعار کی تعداد انہتر کردی، جس کی موجودہ نوعیت یوں ہے (۵۱) اشعار نعت نبوی میں (۷) نسبتِ مہاجرین میں اور (۱۱) منقبت میں۔ اس نعتیہ قصیدہ کا ایک اختصاص یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس قصیدۂ نعت کے ۵۱ ویں شعر پر شاعرِ موصوف کو بیساختہ، اپنی چادر اتار کر پہنادی۔ اہل لُغت چادر کو بردہ کہتے ہیں، اس لیے یہ قصیدہ "قصیدہ بردہ" کے نام سے بھی مشہور ہے۔ عربی زبان میں بردہ بے ناپ کے کرتہ کو بھی کہتے ہیں۔ اس قصیدہ کو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ آپ نے اس قصیدہ

کے اکیانویں شعر میں اصلاح بھی فرمائی۔ حضرت کعبؓ کے ۵۱ویں شعر کی حیثیت قبل اصلاح یوں تھی۔

ان الرسول لسیفٌ یسفاء به   مهندین سیوف الهند مسلول

نبی معظم معلم علام الغیوب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں ''سیف'' کو ''نور'' سے اور ''الھند'' کو ''اللہ'' سے بدل کر نعت کے اس شعر کے مفہوم کو ''فرش'' سے ''عرش'' پر پہنچا دیا۔ اس اصطلاح میں یہ اعتقادانہ نکتہ بھی پنہاں ہے کہ اصلاح میں استاد کو شاگرد کے کلام میں کم سے کم تغیر کے ذریعہ اصلاح کے فرائض انجام دینے چاہیے۔ اصلاح سے پیشتر شعر میں یہ خامی تھی کہ سیف کا تلازمہ ضوء نہیں، قطعہ (کاٹ) سے اور 'مھند' اس سیف قاطع کو کہتے ہیں جو ہندوستان میں بنی ہو، بایں ہیست ''سیوف الھند'' میں حشر کا عیب ہے، ضوء کا تلازمہ نور ہے۔ اصلاح کے بعد شعر کے معنی ہوئے: بے شک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، وہ نورالٰہی ہیں، جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے، آپ اللہ پاک کی وہ ہندوستانی تلوار ہیں، جو کھینچی ہوئی ہے۔

شعرائے عہدِ نبوی کی تعداد ۱۸۱ ہے، جس میں سے ۱۲ کا تعلق طبقۂ نسواں سے ہے (المجموعۃ النبھانیۃ فی المدائح النبویہ از شیخ یوسف بن اسمٰعیل النبھانی ج ۲، ص ۲۷۵، مطبوعہ ۱۳۰۲ھ البیروت)۔

عہد نبوی کے شعراء میں حضرت حسان ابن ثابت الانصاری کو شاعرِ نبیؐ ہونے کا افتخار حاصل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موصوف کو کفار مکہ کے ہجویہ اشعار کے جواب دینے کے لیے ایک انٹرویو کے بعد منتخب فرمایا تھا۔ آپؓ کے لیے مسجد نبوی میں منبر رکھا جاتا تھا جس پر کھڑے ہو کر آپؓ نعت خوانی کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان سے فرمایا تھا: مشرکین مکہ کی ہجو کرو، اللہ پاک جبریلؑ کے ذریعہ تمہاری مدد فرمائیں گے۔

ایران کی نعتیہ شعری اس لیے اہم ہے، کیونکہ اس میں جس والہانہ پن اور عشق کا دفور ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ایران کا پہلا شاعر فردوسیؔ ہے۔ فردوسیؔ کے بعد ایران کے مشہور فارسی شعراء، سنائی، خاقانی، نظامی، عطار، رومی، عراقی، سعدی، جامی اور قدسی ہیں۔ ان حضرات نے کافی معیاری نعتیں کثیر تعداد میں لکھی ہیں۔

نعت ہندوستان آ کر بہت چمکی۔ اردو اور ہندی کے پہلے شاعر ملا داؤد سے لے کر، آج تک ہر بڑے شاعر نے اس موضوع پر بہت اچھی اور کافی دیدہ زیب نعتیں کہی ہیں۔

***

علیم صبا نویدی

266-ٹرپلی کین ہائی روڈ، چینئی -- 600005

اُردو میں نعت گوئی کا فن : ایک تاریخی جائزہ

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اس ساری کائنات میں بعد خدا سب سے بزرگ اور سب سے زیادہ قابلِ ستائش ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک میں جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ معروف ہیں اس کی معنی ہی سب سے زیادہ ''حمد کئے گئے'' یا ''سراہے گئے'' ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی طیبہ کا ایک ایک گوشہ ایسا ہے جس کو ابھارے رکھنے کے لیے حق تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ساری باتیں پہلے ہی سے طے کر رکھیں جب کہ آپ کو مبعوث نے ہونے میں ایک بڑے زمانے کو بیتنا تھا۔ اس بزرگ ترین ہستیٔ کائنات کی مداحی کا کام سب سے پہلے حق تعالیٰ نے ادا کیا اور آپ کے اسمائے گرامی کو طے کر رکھا۔ حق تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے جو باتیں ہونی تھیں اور جو باتیں اس کے سوا کسی کے علم میں نہیں تھیں ان کے مطابق زمانوں میں انبیاء مبعوث کئے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی تمہید کہے جا سکتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کلام نازل کیا گیا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ تھا۔ قرآن پاک کی زبان دنیا کی تمام زبانوں سے زیادہ فصیح و بلیغ تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان عرب کے سب فصیح ترین ادباء سے افضل ترین تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں اور قرآن شریف کے کلام میں بڑا فرق ہے۔ اس سے بات کا اندازہ چلتا ہے کہ قرآن شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر ایسے محفوظ رہا کہ اس کا حرف حرف بالترتیب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد رہا۔ یہ حافظہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کو نصیب نہ ہوا۔

اس کی تعریف میں بندوں کے پاس کوئی زبان نہیں ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شیداؤں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جیسی بھی تعریف و تحمید بیان کی ہے وہ بندوں کی بساط بھر بات تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے دور میں شعراء نے آپ کی شان میں شعر کہے ہیں اور جلیل القدر صحابہ کرامؓ نے بھی آپ کی تعریف کو اپنے لیے لازم قرار دیا۔ جاہلیت کے دور میں جو شاعری تھی وہ بڑی ہی فصیح تھی۔ امرء القیس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے چالیس سال پیشتر باحیات تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو شاعروں کا سرتاج کہا مگر چونکہ اس نے جہالت کے زمانے کو دیکھا تھا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں یہ بھی کہا کہ وہ جہنمی

شعراء کا سپہ سالار بھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شاعری کو پسند فرمایا مگر اس میں جو مواد ہے اس کے مطابق شاعروں کو دو زمروں میں بانٹ دیا جیسا کہ قرآن شریف نے بھی ان کی تقسیم بندی کی، قرآن شریف نے یہ کہا ہے: ''الشعراء یتبیعون الغاوٗن یقولون مالا تفعلون'' اور یہ بھی کہا گیا کہ وہ ''تلامیذ الرحمٰن'' بھی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو عبس کے مشہور شاعر عنترہ کا ایک شعر سنایا گیا جس کا مفہوم ہے: ''میں نے بہت سی راتیں محنت و مشقت میں بسر کی ہیں تاکہ میں اکلِ حلال حاصل کروں''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شعر کو بہت پسند کیا ہے اور صحابہ کرامؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ کسی عرب کی تعریف نے میرے دل میں اس کا شوقِ ملاقات نہیں پیدا کیا۔ لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ اس شعر کے لکھنے والے میرا دل بے اختیار چاہتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مدحت عنترہ سے یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: بالخصوص اس شاعری کو جس میں موزونیت و برجستگی ہو! جو واقعیت و صداقت کی آئینہ دار ہو! جو کذب و مبالغہ سے بری ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان میں بھی شعر و سخن کا چرچا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب اور حضرت ابوبکرؓ و عمر و حضرت علیؓ وغیرہم نے بھی شعر کہے ہیں۔ حضرت علیؓ کا ایک پورا دیوان تھا۔ ان کے علاوہ لبید بن ربیعہؓ، زبیر بن ابی سلمٰیؓ، عباس بن مرداسؓ، متمم بن نویرہؓ، حسان بن ثابتؓ، عبداللہ بن رواحہؓ، کعب بن زبیرؓ اور ابن زیدیؓ وغیرہم اپنی شاعری کے لیے بہت ممتاز و مشہور تھے۔ ان میں نعت گو شعراء کی حیثیت سے ابوبکرؓ و عمرؓ، علیؓ، عبداللہ بن رواحہؓ، کعب بن زبیرؓ اور حسان بن ثابت کے نامہائے گرامی لئے جاسکتے ہیں۔

حضرت کعب بن زبیرؓ کا قصیدہ ''بانت سعاد'' سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف کی تھی۔ یہ لوگ صرف اپنے قول ہی کے سچے نہیں تھے بلکہ اعلیٰ کردار کے بھی مالک تھے اور ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت اور عقیدت تھی اور ان کی نعتیں دل کی گہرائیوں سے ادا ہوئی تھیں۔ کبھی کبھی فرطِ محبت سے وہ بے قابو ہو جاتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں روک دیتے تھے۔ واقعات بدر سے متاثر ہو کر مدینہ کی لڑکیاں جب دف بجاتے ہوئے اشعار گاتی تھیں تو ان کے ایک مصرعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ٹوک دیا جس کے ایک مصرعی کا مفہوم یہ تھا: ''ہم میں ایسے نبیؐ ہیں جو کل کی باتیں جانتے ہیں'' تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ وہ اس کو چھوڑ کر باقی ترانہ گا سکتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جابر بن سمیرہؓ نے بیان کیا کہ وہ ایک سو سے زیادہ مجالس شعراء میں شریک ہو چکے تھے جن میں جاہلیت کے واقعات بھی ہوتے تھے۔ امیہ بن صلت ایک پُر گو شاعر تھا اور اس کا کلام سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ وہ اسلام قبول کرنے کے موڑ پر آ گیا تھا (مگر اس نے یہ نصیبہ نہیں پایا) حضرت حسان بن ثابتؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر

بٹھا کر ان کے قصائد سنے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت کعب بن مالک ؓ اور حضرت حسان بن ثابت ؓ سے گذارش کی کہ وہ دشمنان اسلام کے ہجویہ اشعار کا جواب اشعار میں دیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ مومن تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور زبان سے بھی''۔

آج کل ایک زمرہ ایسا ہے جو نعت گوئی کو مستحسن نہیں سمجھتا اور اس کے خلاف اول فول بکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شاعری کو بھی سراہا اور قصائد اور نعتوں کو بھی پسند فرمایا۔سیرت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطالعہ کرنے والوں پر یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ شاعری کے تعلق سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا قیاس تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسی شاعری پسند کرتے تھے۔حضرت حسان بن ثابت ؓ کو منبر پر بٹھا کر جو کلام سنا تھا وہ یقینی طور پر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے وابستہ تھا۔حمد وسلام ونعت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسند تھے۔

اردو نعت گوئی پر جب نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ یہ فن عربی وفارسی کی وساطت سے اردو میں رائج ہوا۔عربوں سے اہل فارس نے استفادہ کیا اور ان دونوں زبانوں سے اردو کا گہرا ربط ہونے کے باعث نعت گوئی کا چلن عام ہوا۔اردو میں نعت گوئی اس وقت سے ہے جب کہ اردو میں شاعری کی بنا پڑی تھی۔ہم دیکھتے ہیں کہ ہر دور میں نعت گو شعراء موجود رہے ہیں۔یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ کوئی ایسا اردو شاعر نہیں گذرا ہے جس نے نعت نہ کہی ہو۔

گیارہویں صدی ہجری اردو شاعری کی باقاعدہ شروعات کی صدی تھی اور اس میں پہلا صاحب دیوان شاعر محمد قلی قطب شاہ تھا۔اس نے نعت کی ایک مستقل ہیئت متعین کی۔یوں تو نویں صدی ہجری میں بھی بعض صوفی شعراء کے کلام میں نعتیہ اشعار ملتے تھے مگر باقاعدہ نعت گوئی نہیں تھی، خوب محمد چشتی کی مثال دی جاسکتی ہے۔جنہوں نے مثنوی ''خوب ترنگ'' لکھی تھی مگر محمد قلی قطب شاہ کے دیوان میں بہت سی غزلیں نعتیہ کلام کی حامل تھیں اور دیگر غزلوں میں بھی نعتیہ اشعار اور مقطعے ملتے ہیں۔ملاّ وجہی، ابن نشاطی، نصرتی وغیرہ نے نعتیہ مثنویاں تحریر کی ہیں۔ اسی دور میں منظور سیرت نگاری کا بھی آغاز ہوا۔

بارہویں صدی ہجری میں ولی دکنی نے شاعری میں نئی روایات کا آغاز جو کیا تو پوری اردو دنیا اس کے زیر اثر آگئی اور ولی دکنی کا دور دور تک شہرہ ہوا۔ولی دکنی نے نعتیہ غزلیں، قصیدے، نعتیہ رباعیاں، نعتیہ مخمس اور مستزاد کہہ کر ایک عالم کو متاثر کیا۔اسی دور میں قاضی محمد، بحری اور سید محمد فراقی کے نامہائے گرامی ملتے ہیں جو زندگی بھر نعتیں ہی کہتے رہے۔اسی صدی میں مرزا محمد سودا کا نام آتا ہے جنہوں نے دکن کے باہر اپنا سکّہ جمایا تھا اور پورا شمالی ہندان سے گونج رہا تھا۔ولی سے سودا تک آتے آتے اردو

شاعری کی زبان ہی میں نہیں بلکہ اردو شاعری میں بھی کافی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔سوداؔ نے نعتیہ قصیدوں میں اپنا ہنر دکھایا ہے۔یہ قصیدے اردو کی باضابطہ نعتیہ شاعری کے نمونے کہے جاسکتے ہیں۔

تیرہویں صدی ہجری میں ہمیں بہت ہی مشہور غزل گوشعراء ملتے ہیں جن کی میری وسالاری میر تقی میرؔ کے حصہ میں آئی تھی۔میرؔ نے غزلوں میں اپنا سکہ بٹھادیا تھا انہوں نے غزل ہی کی ہیئت میں نعتیں کہی ہیں۔مگر اس صدی کے نصف عرصے تک شمال میں نعت گوئی کو پوری طرح باضابطہ طریقے سے نہیں برتا گیا۔شعراء کے دواوین میں چیدہ چیدہ شعر ہی نعتیہ ڈھنگ کے ہوتے تھے۔میر تقی میرؔ کے علاوہ، اسمٰعیل شہید دہلوی نے مثنوی میں، کرامت علی شہیدی نے اور مومن دہلوی نے قصائد میں نعتیہ اشعار کہے ہیں۔اس صدی کے اختتام میں غالبؔ نے بھی نعتیہ اشعار کہے ہیں۔تبرکاً ہی سہی شعراء نعتیہ اشعار کو اپنے دیوان میں شامل کر لیتے تھے۔یہ نمونے پوری طرح فنی نمونے ثابت ہوتے ہیں اور نعت گوئی کو مستقل فن کی حیثیت عطا کرنے میں یہ نمونے کام آئے اور نعت گوئی نے آگے چل کر ایک فنی حیثیت حاصل کر لی۔اس ضمن میں ہم نے مولانا کفایت علی کافیؔ مرادآبادی اور مولانا غلام امام شہید کے نام سب سے پہلے لے سکتے ہیں۔انہوں نے آنے والے نعت گوشعراء کے لیے ایک فضا سازگار کی ہے۔اردو نعتیہ شاعری میں مضمون آفرینی، دل آویز طرز بیان اور غنائیت اور جمالیت کے پہلو اجاگر ہوئے۔اسی دور میں ہمیں ایک اور اہم نعت گوشاعر کا نام یقینی طور پر لینا چاہیے اور وہ ہیں حافظ لطف علی خان بریلوی۔غزل میں نعت گوئی کی روایت کو سب سے پہلے برتنے والے شاعر کی حیثیت سے ان کا نام بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

اس دور کے تسلسل میں ہمیں پھر دو اہم ترین نام نعت گوشعراء کی حیثیت سے لیتے ہیں۔کیونکہ ان سے ایک نئے دور اور ایک نئی روایت کا آغاز ہوتا ہے وہ امیرؔ مینائی اور محسنؔ کاکوروی۔ان کے باعث نعت گوئی کا فن اپنے کمال کو پہنچ گیا اور اردو شاعری کو ان سے بڑا وقار حاصل ہوا۔امیرؔ مینائی نے نعت گوئی کے علاوہ دیگر اصنافِ سخن نے بھی طبع آزمائی کی مگر محسن کاکوروی نے نعت گوئی کی طرف زیادہ دھیان دیا اور بڑی حد تک اسی صنف سے تمام عمر لگے رہے۔

امیرؔ مینائی ایک مذہبی اور صوفی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔آپ نے نعتیہ شاعری میں دلچسپی دکھائی تھی تو اس کی اہم وجہ ان کی ذہنی تربیت تھی اور اہل عرفان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح معنوں میں احترام اور عقیدت ہوتی ہے۔اس کے علاوہ ان کا صنف نعت سے فطری لگاؤ بھی تھا اور طبیعت بھی اس کے لیے سازگار پائی تھی۔سن ۱۸۵۷ء میں وہ آشوب انگیز ہنگاموں سے پریشان ہوکر جب کاکوری

میں پناہ گزین ہوئے تو ان کی ملاقات محسنؔ کاکوروی سے ہوئی اور دونوں کے مزاج میں جو مماثلت تھی اس کے باعث وہ ایک دوسرے کے قریب ہوئے اور امیر مینائی پر محسن کاکوروی کا گہرا اثر پڑا جس کی وجہ سے امیر مینائی نے نعت گوئی میں مزید دلچسپی لی اور ان کی غزلوں میں بھی اکثر نعتیہ اشعار آجاتے تھے۔ محسن کاکوروی کو بچپن ہی سے شعر گوئی میں دلچسپی پیدا ہو گئی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ جب محسن کی عمر ابھی ۹ سال ہی کی تھی خواب میں زیارت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے۔ پھر کیا تھا عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا دل بھر گیا اور نعتیہ اشعار کہنے لگے تھے۔ آپ کا کلام ''کلیاتِ محسن'' کے نام سے شائع ہوا جس میں تمام تر کلام نعتیہ تھا۔ ان میں قصیدے، مثنویاں، مسدس، رباعیاں اور غزلیں تھیں اور یہ سارا کلام نعتیہ تھا۔ موصوف کا قصیدہ لامیہ ''مدیح الرسلین صلی اللہ علیہ وسلم'' بہت مشہور ہوا۔ ان میں بے مثال اشعار ملتے ہیں۔ ان اشعار سے اردو میں نعتیہ شاعری کو ایک نئی راہ ملی، زبان و اظہار اور احترام و ایثار میں پوری عُلویت ملتی ہے۔ ان میں پاکیزگی کی فضا اور والہانہ اور عاشقانہ وارفتگی کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ محسنؔ کاکوروی تک نعتوں کی صنف نے جو سفر کیا وہ اس موڑ پر آکر پوری طرح ادب عالیہ کا آئینہ بن گئی۔ محسنؔ کے دور میں اور محسنؔ کے باعث نعت گوئی حصولِ سعادت اور تسکین دل کا ذریعہ بن گئی اور اس دور کے شعراء کو محسنؔ کاکوروی نے نعت گوئی کا بہترین اسلوب سکھایا اور یہاں سے اردو صنف نعت صالح و سالم سفر پر رواں دواں ہو گئی۔

محسنؔ کاکوروی کے بعد جب جدید شاعری کا چلن شروع ہوا تو ہمیں مولانا حالیؔ، مولانا شبلیؔ، نظم طباطبائی، مولانا ظفر علی خان، علامہ اقبال جیسے بزرگ شعراء کی ایک بھرپور جماعت ملتی ہے۔ اس جماعت نے پرانی روش اور انداز سے ہٹ کر نعت گوئی میں ذکر و سوانح رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا رواج عام کیا۔ حالیؔ کی مسدس ''مدو جزر اسلام''، ''عرضِ حال بجناب سرور کائنات''، شبلی کی منظوم ''سیرت النبیؐ''، نظم طباطبائی کے قصائد ''ذکر بعثت و فتح مکہ''، ''قصیدۂ معراج''، ہجرت، غزوۂ بدر، قصیدۂ احزاب، خیبر اور حنین وغیرہ تخلیقات پڑھنے کو ملتی ہیں۔

مولانا ظفر علی خان کی نعتوں نے ہندوستان میں ایک دھوم مچادی اور یہ نعت جس کا آغاز ''وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں'' تھا، ملک کے بچے بچے کی زبان پر رائج ہو گیا۔ ظفر علی خان میں جذبات کی فراوانی تھی اور وہ نعتوں میں جذبہ کو سمو کر لوگوں کو محظوظ کرتے تھے۔ اس کے بعد ڈاکٹر محمد اقبال کی شخصیت سے ہمارا سابقہ پڑتا تھا اور جن کی شاعری اظہار و بیان اور ادبی شان کے باعث ادب عالیہ میں جگہ پاگئی اور اقبال کی اس شاعری کا صلہ یہ ملک بھر میں اقبال شناسی ایک روشی

خاص وعام ہوگئی۔اقبال نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ تعلق کو اپنے انداز میں یوں بیان کیا:

کافر ہندی ہوں میں دیکھ مرا ذوق و شوق
دل میں صلوٰۃ و درود، لب پہ صلوٰۃ و درود

ان کی نعتیہ نظم ''ذوق وشوق'' اردو نعت گوئی کا گویا نقطۂ عروج ہے۔

نعتیہ شاعری کے اس دور سے متصل ہی ہمیں بہت سے نعت گو شعراء ملتے ہیں مثلاً مولانا احمد رضا خان بریلوی (جن کا نعتیہ دیوان ''حدائقِ بخشش'' تین جلدوں میں ہے)، اقبال سہیل (نعتیہ دیوان ''ارمغانِ حرم'')، سیماب اکبر آبادی (نعتیہ مجموعہ ''سازِ حجاز'')، امجید حیدر آبادی (نعتیہ رباعیات)، بہزاد لکھنوی (نعتیہ مجموعے ''نغمۂ نور''، ''کیف وسرور''، ''چراغ نور''، ''نعتِ حضورؐ'' اور ''ثنائے حبیبؐ'')، حمید صدیقی (مجموعہ ''گلانگ حرم''، ''دبستان حرم'')، ضیاء القادری (نعتیہ مجموعہ ''تجلیاتِ نعت'')، ماہر القادری (مجموعۂ کلام ''ذکر جمیل''، ''نغماتِ ماہر'' اور ''فردوس'' میں نعتیہ کلام)، شفیق جونپوری (مجموعہ کلام ''سفینہ''، ''فانوس'' اور ''حرمین'' میں نعتیہ کلام)، حفیظ جالندھری (''شاہنامہ اسلام'' میں نعتیہ مضامین والے بند) وغیرہ۔ان تمام کے ہاں بالالتزام اور کہیں نعتوں کی چیدہ چیدہ نظمیں بڑی ہی وقیع کوششیں ہیں۔ان سب کے ہاں نعت کے فن کو اپنی اپنی شاعرانہ صلاحیتوں اور سب سے بڑھ کر حضور کی ذات اقدس سے والہانہ شفقت ومحبت کے باعث جو جلا ملی ہے وہ کسی بھی طرح فن نعت گوئی کے ذکر میں انداز کرنے والی بات ہرگز نہیں ہے۔ سبھوں نے یکسوئی سے اس فن کے فروغ میں اپنے طور پر جو کردار نبھانا تھا، نبھایا۔

ان عظیم شعراء کے علاوہ بھی بہت سے شعراء ہیں جنہیں نظر انداز ہی نہیں کیا جا سکتا مثلاً بیدم شاہ وارثی، اخترؔ شیرانی، احسان دانشؔ، شورش کاشمیری، مولانا عبدالباری آسی، شاکر نائطی، آسی پرپاتوری، معینی اجمیری کے نام بھی فن نعت گوئی میں بہت وقیع ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد بھی ہندو پاک کے شعراء میں نعت گوئی کا رجحان عام رہا اور شاید ہی کوئی بدنصیب شاعر ہوگا جس نے اس طرف دھیان نہ دیا ہو۔ہم اس ضمن میں شمالی ہند میں نشور واحدی، عامر عثمانی، عروج قادری، حفیظ بنارسی، عمیق حنفی، کلیم عاجز، حفیظ میرٹھی، وحید اشرف، قمر سنبھلی، سیفی سرونجی، بیکل اتساہی، ساجد صدیقی، والی آسی، طلحہ برق، طفیل احمد مدانی اور جنوبی ہند میں فدوی باقوی، راہی فدائی، حافظ باقوی، دانش فرازی، مختار بدری، جمیل الدین قادری، علیم صبا نویدی، محمد علی اثر، اسد ثنائی، عاجز ترچناپلوی، مشیر النساء، مرغوب ترچناپلوی، آمر کلیمی، نادر ترپاتوری، ابوالبیان حماد وغیرہم کسی

طرح بھول نہیں سکتے۔ خصوصی طور پر ابوالمجاہد زاہد، افسر بھوپالی، قمر سنبھلی، عزیز بگھروی، رؤف خیر، مسعود جاوید ہاشمی، علیم صبانویدی، راہی فدائی وغیرہم ایسی شخصیات ہیں جنہوں نے بے شمار نعتیں کہیں ہیں اور جو باحیات ہیں اور اب بھی نعتیں کہہ رہے ہیں۔

تمام اصنافِ سخن میں نعتیں کہی گئیں اور کہ جارہی ہیں۔ قصیدہ نگاری میں بھی نعتیہ مضامین کو سمویا گیا ہے۔ اس ضمن میں پاکستانی دور کے قصیدہ نگاروں کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ان میں عبدالعزیز خالد، جعفر طاہر، حافظ مظہرالدین، خالد احمد، عبداللہ قادر، حافظ محمد افضل فقیر، حافظ لدھیانوی، قمر انبالوی، غلام رسول ازہر، علیم ناصری، سرور سہارنپوری، خالد بزمی اور نظیر لدھیانوی کے نام لئے جاسکتے ہیں۔ مثنوی نویسوں میں سید منیر علی جعفر، ملک منظر حسین منظور، سید یزدانی جالندھری کی نمائندگی ہوئی ہے۔ مسدس میں جوش کے بعد محشر رسول نگری، احسان دانش، صہبا اختر، سیف زلفی، قیصر بارہوی، انور مسعود، رحمان کیانی اور آسی ضیائی کے نام قابل ذکر ہیں۔

گیت کے ڈھنگ میں بھی نعتیہ کالم سامنے آیا ہے۔ اس میں خصوصی طور پر مظفر وارثی، فراز حامدی، عنبر بہرائچی، ابراہیم اشک، بیکل اتساہی اور حسنیٰ سرور کے نام لیتے ہیں۔ پابند نظموں کے طرز کے لیے کرم حیدری، جلیل عالی جیسے شعراء کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ مضمونِ سیرت میں مولانا امانی پلی کنڈوی، فدوی باقوی، دانش فرازی، راجہ عبداللہ خان نیاز کے نام لے سکتے ہیں۔ نظمیں کے انداز میں نعتیہ کلام کہنے والے شعراء میں منور بدایونی، اختر الحامدی، عبدالمجید سالک، شورش کاشمیری، ناصر کاظمی، بشیر حسین ناظم اور ناصر زیدی وغیرہم کی نمائندگی ہوتی ہے۔ آزاد نظم کے اسلوب میں نعتیہ تجربہ کرنے والوں میں مختار صدیقی، عبدالعزیز خالد، عارف عبدالمتین، جیلانی کامران، ادا جعفری، نعیم صدیقی، ظہور نظر، قیوم نظر، امین راحت چغتائی، اظہر نفیس، محسن احسان، امجد اسلام امجد، قمر ہاشمی، رشید قیصرانی، پروین شاکر، سائمہ خیری، ناہید قاسمی، تحسین فراقی، جعفر بلوچ اور الطاف قریشی کے نام بالخصوص لئے گئے ہیں۔ اور نثری نظم میں نعت لکھنے والوں میں علیم صبانویدی کا نام سرفہرست ہے۔ ان سب میں ایک ہیئت جو سبھوں نے پسند کی ہے وہ ہے غزل کی ہیئت اور اس میں سارے اردو شعراء شریک ہیں۔ کسی کا نام ترک کیا ہی نہیں جاسکتا۔ اس طرح نعت گوئی اردو کی ایک اہم ترین صنف ہے جو رہتی دنیا تک جاری رہے گی اور اس کو کبھی زوال آ ہی نہیں سکتا اور آنا بھی نہیں چاہیے۔ یہی امید ہے کہ قدرت خود اس کی محافظ رہے گی۔

***

پروفیسرڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی

سابق صدر شعبہ اردو، انجمن آرٹس اینڈ سائنس کالج، بھٹکل؛ مدیر: ماہنامہ "پیش رفت" نئی دہلی

نعتیہ شاعری کے آداب اور اسالیب

....(یہ بات عیاں ہے کہ) عصر حاضر کے اکثر جدیدیت پسند ادباء و ناقدین نے نعت کو باضابطہ صنف سخن نہیں مانا ہے۔ چنانچہ جب میں اس موضوع پر پروفیسر وہاب اشرفی (مرحوم) کی نگرانی میں تحقیقی مقالہ سپرد قلم کر رہا تھا تو یہ بحث سامنے آئی تھی اور میں نے استاذ محترم سے فکری اختلاف ظاہر کیا تھا۔ جناب اشرفی ایک نہایت شریف النفس، وسیع النظر اور عالی ظرف انسان ہیں (تھے)، افہام و تفہیم، علمی دیانت داری اور رواداری اُن کے مزاج کا حصہ (رہا) ہے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں نہ صرف میرے ساتھ ہر طرح کا تعاون کیا بلکہ مجھے کھلی چھوٹ دی (تھی) کہ میں اپنے مخصوص فکری زاویہ اور ادبی رویہ کے تحت اس موضوع کا مطالعہ کروں۔ اس بارے میں اور بھی بہت سی اچھی باتیں ہیں جو میں کسی دوسرے مناسب موقع پر اِن شاءاللہ تحریر کروں گا۔

اُردو شاعری کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں، ایک غزل اور دوسری نظم۔ غزل اپنے مخصوص تمدنی مزاج، تہذیبی کردار اور والہانہ عشقیہ مضامین کی وجہ سے ایک مکمل اور اہم صنف سخن کی حیثیت رکھتی ہے تو دوسری طرف اس صنف نے اپنے مخصوص تکنیکی اور ہیئتی نظام کی مقبولیت اور دلکشی کی وجہ سے ایک توانا ہیئت کا بھی کام دیا ہے۔ ان معنوں میں غزل ایک صنف سخن بھی ہے اور ایک شعری ہیئت بھی۔ اسی طرح اُردو شاعری کی دوسری اہم قسم نظم ہے۔ نظم تسلسل خیال اور موضوعات کی رنگارنگی کی وجہ سے پہچانی جاتی ہے اور مختلف شعری ہیئتوں میں اس کا اظہار ہوتا ہے۔ اس وجہ سے نظم اُردو شاعری کی ایک اہم صنف قرار دی گئی۔ اس کی صنفی شناخت نہ بالکل یہ موضوع پر منحصر ہے اور نہ کسی خاص ہیئت پر۔ نظم کے جہاں موضوعات لامحدود ہیں وہیں اس کی ہیئتیں بھی بے حد متنوع ہیں۔ اسی طرح اُردو شاعری میں یہ دونوں اہم قسمیں مختلف موضوعاتی صنف اور متنوع ہیئتی شناخت رکھتی ہیں۔ اس سلسلہ میں دو اصطلاحیں ''صنف'' اور ''ہیئت'' ہمارے سامنے ہیں، لیکن جناب شمیم احمد نے اپنی کتاب ''اصناف سخن اور شعری ہیئتیں'' میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

اُردو اقسام شعر کی شناخت اور درجہ بندی کے لئے کسی منطقی اصول سے کام نہیں لیا گیا، اکثر اصناف وہ ہیں جو اپنی مخصوص اور متعینہ ہیئت کی بنا پر صنف کا درجہ اختیار کر گئیں اور ہیئت ہی ان کی صنفی شناخت قرار پائی۔ اس کے برعکس چند اصناف ایسی بھی ہیں جو محض اپنے مخصوص موضوع کی وجہ سے صنف کے درجہ پر پہنچیں اور موضوع ہی اُن کی اصل شناخت کا درجہ ہے۔ اس صنفی تناظر میں بلاشبہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ نعت اُردو شاعری کی ایک اہم موضوعی صنف سخن ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ نعت جیسی اہم اور مقبول شاعری کو اصناف سخن میں شامل نہ کرنا بڑی زیادتی ہے۔ اس زیادتی کی وجہ غالباً وہ انتہا پسندی ہے جو ہمارے ناقدین کسی صنف کا تعین محض ہیئت کی بنا پر کرتے رہے ہیں اور نعت خالص دینی، اخلاقی اور موضوعاتی شاعری رہی ہے۔ بات یہ ہے کہ بعض اقسام شعر مثلاً قصیدہ، غزل اور نظم کی صنفی شناخت موضوع اور ہیئت دونوں ہی وسیلوں سے ہوتی ہے اور بعض صنف سخن جیسے مثنوی، رباعی، ترکیب بند وغیرہ صرف شعری ہئیتیں ہیں، اور اسی طرح اُردو شاعری کی دو اہم صنف مرثیہ اور نعت ہے۔ ان دونوں کی صنفی شناخت خالص موضوع پر مبنی ہے۔ جہاں تک مرثیوں کا تعلق ہے تو انیس و دبیر کے مرثیوں کی بے پناہ مقبولیت کی وجہ سے بڑی حد تک ''مسدس'' کی ہیئت اس کی پہچان میں داخل ہوگئی اور واقعہ یہ ہے کہ نعت کی مقبولیت مرثیہ سے زیادہ رہی اور اس کی مقبولیت کا کچھ یہ عالم رہا ہے کہ اکثر شعراء نے مختلف شعری ہئیتوں میں نعت کے تجربوں سے اُردو شاعری کو مالا مال کیا۔

اُردو شاعری کے آغاز سے لے کر آج تک اُردو کا شاید ہی کوئی مسلمان بدنصیب شاعر رہا ہو جس نے نعتیہ اشعار نہ کہے ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی نے خاص شغف اور لگاؤ کے ساتھ کہے ہیں اور کسی نے محض تکلفات سے کام لیا ہے، کسی نے تواتر و اہتمام سے اس کام کو انجام دیا ہے اور کسی نے گاہے گاہے طبع آزمائی کی ہے۔ نعت گوئی کی اس مقبولیت اور اس کی بے پناہ وسعت کے کئی اسباب و محرکات ہیں جن کا تذکرہ ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے اپنی کتاب میں تفصیل سے کیا ہے۔ جناب ناوک نے بجا فرمایا ہے کہ ''نعت گوئی کیلئے بعض حلقوں سے جو ایمان کی شرط عائد کی گئی ہے اُسے میں یکسر مسترد تو نہیں کرتا لیکن مکمل اتفاق بھی نہیں کرتا۔'' شاید اس لئے کہ اُردو شاعری کی ابتداء اور ارتقاء میں غیر مسلموں کا بڑا حصہ ہے اور نعتیہ شاعری کے ہر دور میں کمیت اور کیفیت دونوں اعتبار سے اُن کا معیار بہت بلند ہے اس سلسلہ میں حال ہی میں نور احمد میرٹھی (کراچی) کی ایک کتاب بہ عنوان ''بہر زماں بہر زباں'' شائع ہوئی ہے جو انہوں نے بڑی محبت سے مجھے بھجوائی تھی۔ 680 صفحات پر ساڑھے تین سو غیر مسلم نعت گو شعراء کے عالمی تذکرہ پر مشتمل ہے، جو دراصل مصنف کا عظیم کارنامہ ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ عصر حاضر

میں مختلف مکاتب فکراور دبستان ادب کے معتبر ترقی پسند، جدید اور جدید تر شعراء تسلسل سے نعتیہ شاعری کرر ہے ہیں، ان میں فیض احمد فیض سے لے کر احمد ندیم قاسمی، احمد فراز، قتیل شفائی، سرشار صدیقی، حفیظ تائب، انور سدید اور عطاء الحق قاسمی وغیرہ تک سامنے کے چند نام ہیں۔ پھر ہند و پاک میں جتنے ادبی رسائل نکل رہے ہیں خواہ وہ ارض پاک کے فنون، نقوش، سیپ اور سیارہ ہوں یا ہندوستان کے ادبی ماہنامے، ان سب کے آغاز میں نعتوں کا بڑا حصہ اہتمام کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے۔ نعت کی یہ بے پناہ مقبولیت رسول مقبول حضرت محمد مصطفی کی شخصیت کا اعجاز نہیں تو اور کیا ہے۔

اب آیئے آدابِ نعت کی طرف، جس پر جناب ناوک نے اپنے اس مضمون میں تفصیل سے اظہار خیال کیا ہے اور خاص طور سے شعراء کو شرک و بدعت سے اجتناب کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کلام اللہ کی کچھ موٹی موٹی باتیں بیان کی ہیں، جنہیں نعت گوئی کے وقت پیش نظر رکھنی چاہئیں۔ اس سلسلہ میں مجھے نوجوان محقق ڈاکٹر شمس بدایونی کی ایک مختصر سی کتاب یاد آرہی ہے جو 1988 میں ''اُردو نعت کا شرعی محاسبہ'' کے عنوان سے شائع ہوئی تھی اور انہوں نے اسی وقت اپنے خط کے ساتھ تبصرے کے لئے مجھے بطور خاص بھیجی تھی، اس کتاب میں پہلی بار اُردو نعت کے حوالہ سے غیر مشروع اور مشروع موضوعات کی وضاحت کتاب وسنت کی روشنی میں کی گئی ہے۔ جناب ناوک حمزہ پوری نے اپنے مضمون کا اختتام ایک شعر پر کیا ہے، جس کے متعلق وہ لکھتے ہیں ''یہ شعر بظاہر تو بے ضرر سا لگتا ہے بلکہ میں نے اکثر احباب کو اس شعر پر سر دھنتے دیکھا ہے لیکن غور کیجئے تو اللہ اور اس کے رسول دونوں کی شان میں گستاخی ہے، تخیل کی وادیوں میں شاعر اس طرح بھٹکا ہے کہ اللہ اور رسول دونوں کو اُردو کی روایتی غزلیہ شاعری کا عاشق و معشوق سمجھ بیٹھا ہے'':

ایک دن عرش پہ محبوب کو بلوا ہی لیا
ہجر وہ غم کہ خدا سے بھی اُٹھایا نہ گیا

مجھے معلوم نہیں یہ شعر کس کا ہے ویسے اُردو نعت میں ایسے اشعار بھرے پڑے ہیں مثلاً بیخود دہلوی کے یہ دو شعر دیکھئے:

خدا بھی حسینوں کو رکھتا ہے دوست
محمد سا محبوب اس کا ہے دوست
نبی پر ہوا حسن کا اختتام
کہ معشوق خالق تھے خیر الانام

آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبوبیت ایک مسلمہ امر ہے اور جزو ایمان ہے اور اسی لئے نعتوں میں اس کا ذکر مستحسن ہے لیکن اکثر و بیشتر اُردو نعت میں معشوقیت کے روایتی تصور کو پیش کیا گیا ہے جو بالکل غلط ہے۔ چنانچہ حضور کی محبوبیت کو دنیاوی جذبات عشق و محبت پر قیاس کر کے انہیں نعتوں میں نظم کرنا کسی طرح درست نہیں۔ اسی طرح اور بھی بہت سے مضامین ہیں مثلاً آنحضور کا مختار کل ہونا، قاب قوسین یعنی دو کمانوں کے فاصلہ کا تصور، آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا علم غیب، عرش اعظم کا تصور، میم کا پردہ وغیرہ وغیرہ۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں ڈاکٹر شمس بدایونی نے مفید گفتگو کی ہے۔ بہر حال یہ معاملات نازک ہیں اور ان کے بارے میں نعت گو شعراء کو محتاط رویہ اختیار چاہیئے۔

واقعہ یہ ہے کہ نعت گوئی اک بڑا مشکل اور نازک فن ہے اس موضوع کا حق ادا کرنا آسان نہیں، ذرا سی لغزش انہیں کہاں سے کہاں پہنچا سکتی ہے، چنانچہ فارسی کا یہ مشہور شعر اسی احساس کا نتیجہ ہے:

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن ، کمال بے ادبی ست

ایمان وعقیدہ اور عشق و محبت کی ہم آہنگی اور خلوص و وابستگی کے بغیر کوئی شاعر نعت کا ایک شعر نہیں کہہ سکتا۔ عرفی جیسا خود پسند شاعر بھی جب اس میدان میں آتا ہے تو کانپ اُٹھتا ہے، اس کے نزدیک نعت کہنا تلوار کی دھار پر چلنا ہے:

عرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا ست
آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قدم را

اب سوال یہ ہے کہ اس عمومی احساس کے باوجود کہ نعت گوئی کا فن گویا پل صراط کا سفر ہے جس میں قدم قدم پر لغزش پا کا خطرہ ہے، خدا اور رسول کے مابین فرق و امتیاز کی جو فصیل ہے وہ عام طور پر ملحوظ نہیں رکھی گئی ہے آخر اس افراط و تفریط کا سبب کیا ہے؟ میرے خیال میں اس کا بنیادی سبب رسالت محمدی سے محبت وعقیدت کا وہ روایتی، رسمی اور محدود تصور ہے جو امت مسلمہ میں آج بھی رائج ہے۔ جس کے نتیجہ میں عام طور پر نعت کا موضوع شمائل و سراپا نگاری، یاد مدینہ میں شب و روز کی بیقراری، اذن حضوری کا انتظار، دوری و مجبوری میں سرشاری کی کیفیت۔ کسی کو کائنات کا ہر ذرہ خوشبوئے مدینہ سے معطر محسوس ہوتا ہے، کسی کا دل خواب میں روضۂ اطہر کی زیارت سے منور ہے، کوئی مدینہ پہنچ کر وطن واپسی کے بجائے اسی شہر میں پیوند خاک ہونا چاہتا ہے، یہ اور اس نوع کے جذبات و کیفیات نے موضوع نعت کو بلاشبہ رنگا رنگی اور دلکشی و دل آویزی عطا کی ہے، مگر شعراء کا یہ شعری رویہ انکو قدیم نعتیہ

روایات سے جوڑے ہوئے ہے اور اسی انداز فکر سے نعتوں میں مبالغہ، غلو اور اغراق کے عناصر در آئے ہیں۔ دراصل فراوانیِ جذبات اور وفور شوق انہیں کہیں سے کہیں لے جاتا ہے۔

دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سرسید اور ان کے رفقاء حالی وشبلی نے اُردو ادب میں دور جدید کا آغاز کیا، جب اُنہوں نے شعروادب کو نئے اسالیب، نئی ہئیتوں اور نئے موضوعات سے ہمکنار کیا اور شعر کا رشتہ ''فردیت'' کے بجائے ''اجتماعیت'' اور ''داخلیت'' کے بجائے ''خارجیت'' سے جوڑا تو تمام اصناف سخن کے ساتھ نعت کے موضوع کو بھی وسیع کینوس ملا۔ اب حالی اور ان کے رفقاء کی نعت حضور اکرم سے صرف عقیدت ومحبت کے اظہار تک محدود نہیں رہی بلکہ اسے وسیلۂ اصلاحِ سیرت و کردار بھی بنایا گیا۔ حالی کی عرض حال:

اے خاصۂ خاصان رسل وقت دعا ہے
امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے

کے بعد تو جدید نعت گویا عصری مسائل اور ملی شعور کا مرقع بن گئی، ملت کے معاملات، دربار رسالت میں استمداد واستغاثہ اور فریادوں کا بیان شروع ہوگیا۔ اسی کے ساتھ سیرت کے پیغام کو عام کرنے اور مقاصد نبوت کو فروغ دینے کی تحریکی ضرورت کا احساس شدت اختیار کرتا گیا۔ لہٰذا ادب اسلامی سے وابستہ شعراء نے تحریکی ضرورت کو بطور خاص پورا کیا۔ گذشتہ نصف صدی میں ایسے ہم فکر شعراء کا ایک کارواں اردو ادب میں جادہ پیما ہوا، نعت گوئی کے میدان میں اس جہت سے گامزن چند شعراء کا بھی ذکر کریں تو ماہر القادری، شفیق جونپوری، حفیظ جالندھری، نعیم صدیقی، عروج قادری، عامر عثمانی، ابوالمجاہد زاہد، حفیظ میرٹھی، کلیم عاجز، حفیظ بنارسی، عزیز بگھروی، مسعود جاوید ہاشمی، قیصر الجعفر ی، تابش مہدی اور ابوالفاروق شعور اور رؤف خیر کو ہم فراموش نہیں کر سکتے جن کے نعتیہ مجموعۂ کلام شائع ہو چکے ہیں، یہ فہرست اور طویل ہو سکتی ہے جو ہمارا مقصود نہیں۔ کہنا صرف یہ ہے کہ اسلامی ادب کا فروغ ان شعراء کا مقصد اور نعت میں عشق رسول کو اتباع رسول سے مشروط کرنے کا جذبہ ان شعراء کا رہنمار ہا ہے۔

نعت کے ذریعہ سیرت محمدی کو عام کرنے اور پیغام رسالت کو دنیائے انسانیت تک پہنچانے کا رجحان ماضی میں بھی ملتا ہے جس کی طرف خوبصورت اشارہ مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے بھی کیا ہے، ایک اقتباس دیکھئے:

''نعت گوشعراء اردو میں کثرت سے ہو چکے ہیں اور بعض کو شہرت عام، سند امتیاز بھی دے

چکی ہے، مثلاً محسن کاکوروی اور آسی غازی پوری، لیکن ان حضرات نے عموماً مناقب کے صرف خارجہ پہلوؤں پر قناعت کی ہے اور انکو بھی کثرت تکرار نے کسی قدر بے لطف بنا دیا ہے۔ رخ انور کی تابانی، گیسوئے اقدس کی سیاہی، ابروئے مبارک کی کجی وغیرہ گنتی کے چند بندھے ہوئے مضامین ہیں، انہیں اُلٹ پھیر کر یہ حضرات ہمیشہ باندھتے رہتے ہیں، محمد علی جوہرؔ کی شاعری چونکہ رسمی و تقلیدی نہیں اس لئے انہوں نے اس باب میں بھی اپنے لئے ایک نئی راہ کا انتخاب کیا۔''

بیسویں صدی کے آخری دہائی میں بلکہ اکیسویں صدی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی جہاں علم وفن اور سائنس کی دنیا میں رونما انقلابات کے تناظر میں ہر محاذ پر نئی حکمت عملی وضع کرنے کی ضرورت کا احساس اہل دانش اور صاحبان بصیرت حضرات کو ہوا ہے۔ نعتیہ شاعری کا میدان اس سے اچھوتا نہیں رہ سکتا، یہی وجہ ہے کہ آج نعت گوئی کے نئے اسالیب او آداب کی ضرورت و اہمیت کا احساس تقریباً تمام نعتیہ حلقوں میں ہونے لگا ہے۔ خاص طور سے ارض پاک میں نعت گوئی کے کئی ادارے اور رسالے سرگرم عمل ہیں، کراچی سے ''نعت رنگ'' اور ''دنیائے نعت'' کے نام سے ششماہی کتابی سلسلہ جاری ہے، جس کے بیشتر شمارے مجھے موصول ہوئے ہیں، ان رسالوں میں نعت کے نئے موضوعات اور نئے تقاضوں پر تواتر کے ساتھ لکھا جارہا ہے۔ پچھلے دنوں جناب عزیز احسن کے مضامین کا سلسلہ ''اُردو نعت اور جدید اسالیب'' کے عنوان سے ''نعت رنگ'' میں شائع ہوتا رہا ہے بعد میں رسالہ کے مدیر جناب صبیح رحمانی نے انہیں ایک کتاب کی صورت میں شائع کردیا اور یہ کتاب بطور خاص مجھے عنایت کی۔ اس کتاب میں بھی نعت کا یہ افادی پہلو نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عصر حاضر میں نعتیہ فکر ایک متفقہ رجحان بن چکا ہے۔ نعتیہ تحریک کا یہ ایک مثبت پہلو ہے جسے کبھی نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔

محمد حسن عسکری کے ایک بیان پر تبصرہ کے بعد عزیز احسن لکھتے ہیں:

''...... بعد کے حالات نے یہ ثابت کردیا ہے کہ بین الاقوامی معاشرے کے سامنے اسلام کی عملی تصویر پیش کرنے کے لئے لازمی ہے کہ دین کو محض صوفی کی نگاہ سے نہیں بلکہ مجاہد کی نگاہ سے دیکھنے اور دکھانے کی کوشش کی جائے، کیوں کہ مجاہد آلات حرب اور سامان حیات سے دست بردار نہیں ہوتا، اس حوالہ سے دیکھا جائے تو حضور اکرم کے اسوۂ مبارک کا عملی پہلو ہر وقت سامنے رکھنا ہوگا اور ظاہر ہے کہ جب آپ کے عمل کی بات آئے گی تو انسانیت کو

آپ کی ذات گرامی سے پہنچنے والے فوائد بھی سامنے آئیں گے۔ عجیب بات یہ ہے کہ عسکری صاحب کو (اس وقت کے مخصوص حالات میں بالوجوہ) نعت کے جس پہلو پر اعتراض تھا، بعد کے نعت گو شعراء میں اسی طرز کو اپنانے کا رجحان بڑھتا چلا گیا اور آج تقریباً ہر نعت گو حضور اکرم کی ذات والا صفات کے ان احسانات کا تذکرہ کرتا ہے، جن کے زیر اثر انسانیت کو فلاح دین و دنیا نصیب ہوئی ہے۔''

''دنیائے نعت'' (کراچی) اہل تصوف اور صاحبان ارادت کا نمائندہ رسالہ ہے، اس کے مدیر نوجوان نعت خواں اور نعت گو شاعر جناب عزیز الدین خاکی ہیں، میرے صوفیانہ پس منظر اور خانقاہی نظام سے نسبت کے باعث شاید مجھ سے تعلق خاطر رکھتے ہیں، اسی لئے اپنی تمام کتابیں اور رسالے مجھ جیسے دور افتادہ کو بھیجتے رہتے ہیں۔ ''دنیائے نعت'' کا تازہ شمارہ بابت مارچ 2004ء اس وقت ہمارے پیش نظر ہے، اس میں پروفیسر منظر ایوبی کا ایک وقیع اور نہایت مبسوط مقالہ ''نعت نگاری اور عہد حاضر کے تقاضے'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ اب میں اپنی اس طویل گفتگو کا اختتام پروفیسر ایوبی کے اس مضمون کے آخری پیراگراف پر کرتا ہوں، جو اُن کے پورے مضمون کا خلاصہ بھی ہے اور میری ان تمام خامہ فرسائیوں کا حاصل بھی :

''جہاں تک نعت گوئی سے معاشرے کی اصلاح، تہذیب معاشرت، سماجی برائیوں کے انسداد، عظمت انسانیت کا فروغ اور اشاعت و تبلیغ دین کا کام لینے کا تعلق ہے، اس بارے میں اُردو نعت گو شاعروں کا وہ طبقہ (جو اگرچہ دیگر مکاتب فکر کے حامل نعت گویوں کے مقابلے میں محدود ہے) قابل صد تحسین بھی ہے اور قابل پذیرائی بھی، جن کی مذہبی و دینی موضوعات پر مشتمل فکری کاوشیں بالخصوص نعتیں مذکورہ بالا افادی تقاضوں کی مکمل طور پر آئینہ دار ہیں اور جو سردار انبیاء کی اسوۂ حسنہ اور سیرت طیبہ کو اپنی شاعری کا بنیادی موضوع بنائے ہوئے ہیں۔ وقت کا تقاضہ ہے کہ ہمارے نعت گو شعراء مغرب کی ثقافتی اور تہذیبی یلغار سے اپنے ماحول اور معاشرے کو محفوظ رکھنے، نئی نسلوں اور الحاد گزیدہ افراد کی کردار سازی کے لئے صرف اور صرف سرکار دو عالم کی ذات اقدس اور کردار و عمل کو محور فکر بنائیں کہ ان کی تقلید و اتباع کے بغیر عالم اسلام نہ اپنے موجودہ مسائل حل کر سکتا ہے اور نہ اپنی آخرت سنوار سکتا ہے''۔

***

ڈاکٹر محمد معروف شاہ

سرینگر۔کشمیر۔رابطہ:7780806027

نعت نغمۂ زندگی ہے !!
(فیض احمد فیضؔ کے خصوصی حوالے سے)

ادب عالیہ کی ہر تعریف کا زندگی کے اثبات سے مشروط ہونے پر نقادوں اور ادیبوں کا اجماع ہے۔ایمانیات کا مقدمہ و مقصود بھی زندگی کی حسن کاری، تخلیقیت اور نکھار ہے۔زندگی کی معراج اس کے بے پایاں حسن اور خطہ کی باز یافت ہے۔شاعری شعور کی اعلیٰ وارفع و بسیط صورتوں اور سطحوں کی عرفان کا نام ہے شعر عرفان ذات کی بے پناہ مسرتوں ہو کے سوتوں کی یافت سے پیدا شدہ نغمہ ہے۔زندگی کی ہم آہنگی، نغمگی جاودانی، وجد آفریں حرکت کی حرف وصورت میں مقید اور چھلکتی تصویر کا نام شاعری ہے۔ شعر زندگی کی تبسم ریز خود کلامی ہے جو اپنے کو اپنے ہی وضع کردہ آئینے میں دیکھنے کی لذت سے پیدا ہوتی ہے۔جب زندگی اپنے ہونے پر فخر اور تشکر کے جذبے سے مملو ہو تو شاعری پیدا ہوتی ہے۔جب زندگی اپنے عشق میں یونہی تڑپ اٹھے اور یونہی اس کو کسی اور کی ادا سے قرار بھی آئے اور جب موت کا بھی اس کو اپنا تحقیق کرنے اور عظمت بنوانے سے نہ روک سکے اور جنت اسی کی مہمانی اور جلوہ گری کا نام قرار پائے اور خدا اس کی گہرائی اور گیرائی کی علامت ہو اور ہر شئے اسی کے وساطت سے پاری ہو اور ہماری ہر کاوش اور ہر آدرش کی غایت اور ہماری فلاح کو ماپنے کا آخری اور حتمی پیمانہ زندگی یا ہونے کا فرحت بخش احساس یا اقبال کے الفاظ میں خودی کا استحکام اور مذہبی یا کلامی زبان میں اخلاق عالیہ یا صفات الٰہیہ پیدا کرنا اور اس کے طفیل دیدار خداوندی کی بے بہا دولت کا حصول ہو۔تو زندگی کی مدح سرائی اور اپنے ہونے پر تشکر کا عمیق جذبہ، سرمستی و رعنائی اور نتیجتاً محبت کی فراوانی ہمارا وظیفہ حیات کیوں نہ ہوں۔ زندگی باوجود آپ اپنے تعریف کا تقاضا کیوں نہ کرے تو ایک محمود ہے موت وعدم کے مقابلے میں جس کے طفیل ہر مظہر ممکن ہے اور جلوۂ ذات وجلوہ صفات دل ولنگاہ کو خیرہ کئے ہوئے ہیں اسلامی اور سری روایت میں وجود کے مرکز یا قطب یا اصل الصول کا نام نور محمد یا حقیقت محمدیہ ہے چونکہ وجود ہی خود محمود

ہوسکتا ہے محمدؐ کا نام جس کے معنی تعریف کیا ہوا ہے، اسی حقیقت کا اظہار ہے اور ساری کائنات ان کے صفات یا مقدس ناموں کی جلوہ گری اور عکس ہے نعت وجودی کونیاتی سطح پر زندگی کا اپنے آپ کو خراج تحسین کا نام ہے۔ درود وسلام زندگی کو اپنی تمام بوقلمونی اور رنگ آرائی کے ساتھ قائم و دائم رکھنے کی خواہش اور عمل کا نام ہے۔ ادب وفن، فکر وفلسفہ، علم وہنر، سب کی تلاش اور غائت عرفان ہستی اور تزئین زندگی ہے۔

آیہ کائنات کا معنی دیریاب تو
نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو

نعت اس معنی دیر یاب کو پانے کی مسرت کا نغمہ ہے اس لحاظ سے فن اور علم دونوں کی معراج، ادب عالیہ یا اعلیٰ شاعری کی پہچان ہی جہاں حمد و نعت سے ہے۔ شاعر کا سب سے بڑا کارنامہ یا وظیفہ فن حامد و محمود و محمد کی شایان شان مدحت ہے اور اس کے صلے میں روح کی آسودگی و بالیدگی وسلامتی ہے اس کا انعام ہے۔ کچھ ادباء وشعرا عام معنوں میں خدا بیزار ہوسکتے ہیں یا خدا کے تئیں بے باکی اور گستاخی کی جرأت کرسکتے ہیں۔ با محمدؐ ہوشیار کی شرط سب کے لیے ہے۔ کوئی خود کو یا لوگ اس کو کتنا سیکولر یا مارکسٹ کہیں، نعت کہنے سے کوئی مفر نہیں بلکہ گہرائی میں (وجودی سطح پر) دیکھیں تو نعت زندگی کے باطن کی جس کا نام نامی محمدؐ ہے، نعت کہنا ان کی اولین کوشش اور اسی کا خراج ادب وفن کی لاج ہے۔ ادب وفن کے سارے معجزات جس پر ساری انسانیت کا غیر مشروط ایمان ہے نور نبی اور اس کی ضیا پاشی کے مرہون منت ہیں۔ فیض احمد فیض پر ان کی دہریت اور جدلی مادیت پر ایمان کی شہرت یا الزامات کے باوجود ان کی نعت اعلیٰ پایہ کی ہے اور انہوں نے خاص معنوں میں نعت کہی۔ کیوں نہ کہتے، شاعری کا سارا فیض اور فیضان اور اعلیٰ شاعری کی تگ و دو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گیسوئے تابدار کو اور تابدار کرنے سے ہی عبارت ہے۔ شاعر فطرت کی طرح لالے کی حنابندی کا کام کرکے قلب ونظر اور ہوش وفرد شکار کرتا ہے اور قاری کی داد وصول کر کے زبان حال سے الحمد للہ کہلواتا ہے۔ زندگی کی ساری حسن خیزی اور عطر بیزی اور جلوہ سامانی کو شعور اور زبان دینے کا نام شاعری ہے اور نعت اور درود وسلام اسی زندگی کے حسن کو سلام کرنے کا نام عمل ہے۔

تقریباً سب بڑے ترقی پسندوں اور جدیدیوں نے نعت لکھی ہے اور جنہوں نے نہیں لکھی ان کے کلام میں نعتیہ عناصر مفقود نہیں۔ ن۔م۔ راشد نے بھی نعت لکھی اگرچہ انہیں موت کے بعد بھی اسلامی رسوم کے برخلاف جلائے جانے کی ضد تھی۔ مجاز کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تئیں عقیدت کا واقعہ کتنے ہی

عاشقان رسول کے لیے قابل رشک ہے۔ کشمیری شعراء میں ایک یا دو نام ہی ملیں گے جنہوں نے نعت نہ لکھی ہو اگر چہ ٹھیک مارکسی بھی رہے ہوں۔ کمیونسٹ ترقی پسندوں کی سرخیل حسرت موہانی کی نعت سے کون واقف نہیں۔

فیض کی نعت ٹھیک اسلامی سری اور سیکولر تشبیہی قالبوں میں لکھی گئی ہے۔ ان کی نعت فارسی میں لکھی گئی ہے اس کی وجہ ایک رائے کے مطابق فارسی سے زیادہ شان نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رعایت ہے اور اس پر اختتام کرنا اور ان کا غالباً آخری کلام ہونا سب اس کی دلالت کرتے ہیں۔ غالب نے بھی ٹھیک یا عام معنی میں نعت لکھنے کی جرأت بہت کم کی اور جو گنتی کے اشعار لکھے ہیں ان پر نعت کی روایت ختم۔ غالب کا ماننا تھا کہ نعت خوانی اصل میں خدا کا ہی حق ہے۔ ثنائے خواجہ ہم سے کہاں ہوسکتی ہے؟۔ نعت خوانی کا حق ادا کرانے یا کرنے کے لیے خدا جیسا ہونا پڑتا ہے اور الفاظ سے کچھ کہنا نہیں بلکہ کچھ سہنا پڑتا ہے۔ چونکہ خدا عیسیٰؑ کے بقول محبت کا نام ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ خاموشی اور سوز محبت کے درد کی زبان اس کے زیادہ شایان شان ہے اور فیض نے اسی زبان کی ترجمانی کرنے کی کوشش کی ہے۔ جو حسیت اور فکر مندرجہ ذیل اشعار میں ظاہر ہوتی ہے اور جس کی تائید فیض کی زندگی و کردار سے ہوتی ہے، نرمی، نیستی جیسے نمایاں عناصر اس کا نتیجہ ہیں، ادب یا فن کو وظیفہ حیات یا عبادت یا دوسرے الفاظ میں ادب کو نعتیہ بنانا ہے۔

میرا درد نغمہ بے صدا　　مری ذات ذرۂ بے نشاں
میرے درد کو جو زباں ملے　　مجھے اپنا نام و نشاں ملے
مری ذات کا جو نشاں ملے　　مجھے راز نظم جہاں ملے
جو مجھے یہ راز نہاں ملے　　مری خامشی کو بیاں ملے
مجھے کائنات کو سروری　　مجھے دولت جہاں ملے

(شہر شہر یاراں)

ذات کا تحقق اور نشاں ملنا ذرہ بے نشان ہونے پر منحصر ہے اور محمدؐ سے وفا اور محبت سے جو دو جہاں کی سروری ملنے کو بھی اپنی ہستی مٹانے کے لیے اور انہیں دو جہاں سے زیادہ عزیز رکھنے پر منحصر کیا گیا ہے۔ نعت لکھنے کا مقصد محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل خود بھی محمود ہونے کا استحقاق پانا ہے جو ظاہر ہے صرف وجود کے لیے ممکن ہے۔ سوز محبت میں جلنا ہی امر ہونا ہے خدا کو پانا محبت کی آگ کے دریا میں ڈوبنے کے مترادف ہے۔ اس کے پانے کے بعد پھر کس دعا کی ضرورت رہتی ہے۔

آیئے ہاتھ اٹھائیں ہم بھی ہم جنہیں رسم دعا یاد نہیں
ہم جنہیں سوز محبت کے سوا کوئی بت کوئی خدا یاد نہیں

ضیائے حسن سے بقا ملنے کی بات نعتیہ شاعری اور نعت کی مابعد الطبیعیات کا اہم نکتہ ہے۔ فیض کے ہاں اس بقا کی تلاش بہت سے پیرائیوں میں ملتی ہے بشمول مندرجہ ذیل کے

ضیائے حسن سے ظلمات دنیا میں نہ پھر آؤں
گزشتہ حسرتوں کے داغ میرے دل سے دھل جائیں

خدا حاضر کا ابدی لمحہ ہے جس میں مستقبل و ماضی محو ہو جاتے ہیں۔ اسلامی سریت کا حقیقت محمدیہ کا تصور اور صوفی کا ابن الوقت ہونا اور اس طرح زناری زماں و مکاں سے خلاصی نعتیہ شاعری کے اہم عنصر کے طور پر سب جانتے ہیں۔ فیض کے ہاں یہی تمنا ہے ؎

میں آنے والے غم کی فکر سے آزاد ہو جاؤں
مرے ماضی و مستقبل سراسر محو ہو جائیں
مجھے وہ اک نظر اک جاودانی نظر دے

فیض کی اکثر دعائیں نعتیہ ادب کے ذیل میں گنی جاسکتی ہیں۔ نعتیہ ادب کا بیش قیمتی حصہ ان التجاؤں پر منحصر ہے جن میں نہاں خانہ دل کی ویرانی کو گلزار وارم بنانے کی سعی ہے اور کسی کے جلوؤں سے بزم زندگی جنت بداماں بنانے کی استدعا ہے۔ معصوم تبسم کی فراوانی کی بات ہو یا بیش قیمت غم ہائے محبت اور اس حسن کی تمنا جس میں جنبش پنہاں اور وہ حسن جس کا تصور بشر کا کام نہیں، اور ان کے تناظر میں تابندگی، دیدہ تر، صبا صورت رقص، فکر سود وزیاں اور منت ایں وآں سے چھٹکارے کی بات سب اس حسیت کی غماز ہیں جو ایک نعت گو شاعر میں کلیدی کردار کی حامل ہے۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کرنے کے لیے جہاں کا غم اپنا لینے کی ہمت چاہیے اور غم الفت کی احسان کی بات اور عاجزی اور غریبوں کی حمایت سیکھنی پڑتی ہے اور سرد آہوں ورخ زرد کے معنی بھی اور مایوس نہ ہونے کی عزیمت بھی۔ شکوہ شکایت کرنے والے جڑ جڑاہٹ کے شکار اور طیش میں آنے والے نعت لکھنے اور اس کا حق ادا کرنے کے اہل کہاں۔ فیض میں جیسا کہ شیر محمد حمید اور اشفاق احمد نے لکھا اور خود انہوں نے اپنے کلام کی گواہی ثبت کی، یہ ساری اہلیتیں تھیں جن کا التزام نعت گو کی شخصیت میں ہونا چاہیے۔

غم جہاں ہو رخ یار ہو کرو مست عدو
سلوک جس سے کیا ہم نے عاشقانہ کیا

جب کام سے عشق ہو اور عشق کام ہو تب دنیا جنت کا عکس معلوم ہوتی ہے اور انسان مدح کے آسمانی خوان پر نئی زندگی نئی رمق پاتا ہے۔ ابراہیم جوشوا ہشل نے لکھا ہے کہ انسان مدح سے زندگی پاتا ہے اور ایکھارٹ نے کہا ہے کہ انسان کے لیے زندگی بھر صرف ایک دعا کی ضرورت ہے اور وہ ہے اے خدائے برتر ہر چیز کے لیے تیرا شکر۔ جب کسی کے لیے ہم سراپا سپاس ہوں یا وہ مدح کے قابل ہو تو دل اس کے خیال میں ڈوب کر زندگی کو جینے کی نئی لذت نئی معنویت ملتی ہے۔ نعت اسی زندگی کی مدح سرائی ہے جس میں نہ سوال وصل نہ عرض غم نہ حکایتیں نہ شکایتیں ہوں، جس میں ہم راضی بہ رضا ہوں اور ہر شئے میں جلوہ یار ہمیں کشاں کشاں کھینچ کر دل و نگاہ کی سرمستی و رعنائی کی دولت بے بہا عطا کراتی ہے۔، وجودی تصوف جو فیض کو شعور روایت میں اہم ہے، دوسرے یا غیر میں خدا پانے کی بات کرتا ہے اور اس سے سارے رشتے حیات بخش ہو جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سارے رشتوں میں مٹھاس پیدا ہوتی ہے۔ نعت نبی ہر مقدس رشتے کی لاج رکھنے کا عزم ہے۔ Nature Mysticism جو کچھ رومانوی شعراء کے ہاں ہمیں ملتا ہے سے آگے وہ سریت ہے جس میں رشتے تقدس کا ہالہ پہنتے ہیں۔ بعض نے فطرت کے مقابلے میں انسانوں سے زیادہ لگاؤ پیدا کرنے کی بات کی ہے۔ نعت زندگی کے لیے تشکر پیدا کرنے کی دعوت ہے۔ فیض کی نظم ''زندگی'' زمزمہ حیات ہے اور اس لیے زبان حال سے تشکر کی نمائندہ مثال ہے۔

زندگی کی رفعتوں کو پانا اور حیات آفرینی کو وظیفہ حیات بنانا نعتیہ ادب کا مقصود ہے۔ اپنے آپ کی پہچان انسان کامل صلی اللہ علیہ وسلم کے آدرش کے تناظر میں اس مقصود کو حاصل کرنے کے لیے نسخہ کارگر ہے۔ دین و شریعت، تصوف، کلام، شاعری اور فلسفہ سب زندگی کی حنابندی اور تحمید و توصیف کے نغمے ہیں۔۔۔

***

السلام اے شاہِ خوباں السلام
نازش و رشکِ حسیناں السلام
شہر یارِ عالم حسن و جمال
تاجدارِ دین و ایماں السلام
روئے تو آئینۂ اسرار حق
راز دارِ سرِ یزداں السلام

جسٹس رانا بھگوان داس

عبد اللہ سلمان ریاض

26, Haines Road, 1st Floor, Egyptian Block, Bangalore -560051

نعت گوئی اور اُس کے آداب

نعت عربی کا لفظ ہے جس کا مادہ ''ن، ع، ت'' ہے۔ یہ لفظ عام طور پر وصف اور بیان کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے چناں چہ نعت کے لغوی معنی صفت، وصف، جوہر، تعریف، خاصیت، گُن اور خوبی کے ہیں۔ خصوصاً جب کسی چیز کی تعریف میں مبالغے سے کام لیا جائے تو اس وقت نعت کا لفظ بولا جاتا ہے۔ نعت کا لفظ ہر اس انسان کے لئے بھی استعمال ہوسکتا ہے جو نہایت خوبرو، نہایت عمدہ، حسین وجمیل، معزز اور سبقت لے جانے والا ہو لیکن اصطلاحاً ''نعت'' اس نظم کو کہتے ہیں جس میں شاعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار کرتا ہے۔ نعت کہنے والے کو ''ناعِت'' کہتے ہیں۔

''نعت'' کا لفظ احادیث میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف، محامد ومحاسن میں مستعمل نظر آتا ہے۔ مثلاً حضرت انس سے مروی بیہقی کی روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا نبی کی خدمت کیا کرتا تھا۔ وہ ایک مرتبہ بیمار پڑ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ اس کا باپ سرہانے بیٹھا ''تورات'' پڑھ رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''اے یہودی! ھَلْ تَجِدُ فِی التَّوْرَاۃِ نَعْتِیْ'' (کیا تم تورات میں میری نعت کو پاتے ہو؟) اس نے جھوٹ بولتے ہوئے کہا: ''نہیں''۔ لڑکے نے فوراً سچ بولا: ''بَلٰی وَاللہِ یَا رَسُوْلَ اللہِ! اِنَّا نَجِدُ لَکَ فِی التَّوْرَاۃِ نَعْتَکَ''۔

ہاں! اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! ہم تورات میں آپ کی نعت (تعریف وتوصیف) پاتے ہیں۔

ثابت ہوا کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نعت کا لفظ اپنی تعریف کے لئے استعمال کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے پہلے یہ لفظ آپ صلی اللہ علیہ سلم کے وصف کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے استعمال کیا ہے۔ البتہ عربی سے فارسی اور فارسی سے اُردو زبان تک پہنچتے پہنچتے یہ لفظ ایک خاص مفہوم سے وابستہ ہوگیا، یعنی ایسے اشعار (بلکہ تحریریں بھی) جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف ہو، انھیں ''نعت'' کہا جاتا ہے۔

شاعری میں نعت گوئی کا فن دیگر اصناف سخن کے بالمقابل کئی ایک وجوہ سے خصوصیات کا حامل اور

کافی اہمیت وفوقیت رکھتا ہے۔ کیوں کہ نعت کا موضوع آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے جس میں نعت گو آپ کے اوصاف سے بحث کرتا ہے اگر وہ خدا اور رسول کے اوصاف کے درمیان باہمی فرق کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کرنے میں تجاوز سے کام لیتا ہے تو وہ شرک کا مرتکب ہوسکتا ہے جو ظاہر ہے انتہائی نازک مرحلہ اور کٹھن منزل ہے۔

اصناف سخن میں موضوع کے اعتبار سے ''حمد'' کو اوّلیت حاصل ہے اس کے بعد ''نعتِ نبیؐ'' ہے۔

نعت گوئی اسلام کے ابتدائی دور سے آج تک ہر زبان کے شعرا کا وطیرہ رہا ہے، اردو شعروادب میں اس صنف کا ذخیرہ وافر مقدار میں موجود ہے۔ نقادانِ فن کا متفقہ فیصلہ ہے کہ نعت گوئی بڑا مشکل مرحلہ ہے یہ جانتے ہوئے بھی ہمارے شعرا مدحِ نبی کرنے میں پیچھے نہیں رہے، بلکہ نعت گوئی کو باعث نجات ومغفرت جان کر اس وادیٔ دشوار گذار سے گذرتے ہی رہے اور گذرتے ہی رہیں گے۔ ہم یہ جانتے ہیں کہ اس دشوار گھاٹی سے بغیر کسی لغزش کے گذر جانا ہر کسی شاعر کے بس کی بات نہیں، نعت گوئی اردو شاعری کی اعلیٰ ترین قدروں میں شمار ہوتی ہے۔ اس کا تعلق چوں کہ اس ذات اقدس سے ہے جس ذات اقدس نے صدیوں کی تاریک دنیا کو انسانیت اور تہذیب کے سورج کا اجالا بانٹا، جس کے بارے میں شاعر نے کہا ہے: ع .... بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

نعت گوئی یوں تو بہت آسان لگتی ہے لیکن غور سے چشم دل وا کر کے دیکھئے تو بہت مشکل کام ہے۔ چوں کہ شاعر کو نعت کہتے وقت اس کا پاس ولحاظ رکھنا از حد ضروری ہے کہ آداب شریعت بھی اس کے ہاتھ سے نہ چھوٹیں اور آداب عشق رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس کے دل ودماغ معمور ہوں۔ اسی لئے مشہور فارسی شاعر عرفی نعت گوئی کے متعلق کہتے ہیں:

عُرفؔی مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا است
آہستہ کہ رہ بروم تیغ است قلم را

اے عرفی! اتنی تیزی نہ دکھا! یہ نعت کا راستہ ہے، کوئی صحرا نہیں ہے کہ آنکھیں بند کر کے دوڑتا چلا جائے گا۔ یہ راستہ بہت کٹھن ہے اور اس کی کیفیت تلوار کی دھار پر چلنے کا نام ہے۔

نعت گوئی یقیناً تلوار کی دھار پر چلنے جیسا ہے۔ یہ بہت اہم مقام ہے یہاں بہت سنبھل سنبھل کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ مشہور مداح رسول شاعر ڈاکٹر تابش مہدی کے بقول:

یہ ارض نعت ہے تابش سنبھل سنبھل کے چلو
وفورِ شوق میں کوئی نہ بھول ہوجائے

مدحتِ نبوی اور نعتِ رسول فنی اعتبار سے ایک نازک مقام ہے۔ اس کی نزاکت کو پیشِ نظر نہ رکھا جائے تو عبدیت، الوہیت میں بدل جاتی ہے۔ مضمون کا انتخاب، لفظوں کی موزونیت، لب و لہجے کی پاکیزگی، ادب و احترام کی فضا، عبد و معبود میں رشتے کا تعین، بعد از خدا بزرگ تو ئی قصہ مختصر کا ادراک، رحمت و شفاعت کی حدود، توسل، استغاثہ اور استمداد کی شرعی نوعیت، غلو آمیز ضلالت اور عجز آمیز اہانت کا احساس، حفظِ مراتب کا خیال، منصبِ نبوت کا تقدس، ادب و احترام کے تقاضے، مضامین کی پاکیزگی اور اندازِ بیان کی نفاست و لطافت، یہ سب تقاضے مل کر نعت گوئی اور مدحت نگاری کو شاعر کے لیے پلِ صراط بنا دیتے ہیں۔

بہ قول مولانا احمد رضا خان بریلویؒ: ''حقیقتاً نعت شریف لکھنا بہت مشکل کام ہے، جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر شاعر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے، جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے، غرض حمد میں یک جانب کوئی حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔'' (الملفوظ، حصہ دوم۔ ص ۳)

نعت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے دنیوی محبوبوں کے لئے استعمال کئے جانے والے الفاظ جیسے بلم، صنم وغیرہ استعمال کرنا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے سراسر منافی ہیں۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تخاطب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی لینا، یعنی یا محمد صلی اللہ علیہ وسلمؐ کہہ کر خطاب کرنا ادب واحترام کے خلاف ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی نام سے نہیں بلکہ المُدَّثِّر، اَلمُزَّمِّل، النّبی اور الرّسول کے الفاظ سے خطاب کیا ہے جب کہ دوسرے انبیاء کو مخاطب کرتے ہوئے ان کے ذاتی ناموں ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ، زکریا، یحیٰ علیہم السلام سے خطاب کیا ہے۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ''یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' کہہ کر پکارنے والوں کو بیوقوف، نادان اور ''الجاہلون'' کہا ہے۔ چناں چہ سورۂ حجرات میں ارشاد فرمایا، مفہوم: ''بے شک وہ لوگ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں، ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔''

مگر اسے کیا کہیے کہ بعض لوگ عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں مگر ان چیزوں کا خیال نہیں کرتے۔ لہٰذا اس ضمن میں نعت گو شعرا کو قرآن کریم کے ارشاد: وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ''اور ان کی تعظیم و توقیر کرو'' کی پیروی کرنی چاہئے۔ اور ایسی چیزوں سے گریز کرنا چاہئے جو نبی کی شان کے خلاف ہو۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عظیم صدیوں سے شاعروں اور ادیبوں کے لیے ذریعہء اظہار عقیدت بنی ہوئی ہے۔قصیدۂ نبوی خواہ نظم میں ہو یا نثر میں سب کا مقصود حصول خوشنودیٔ مصطفیٰ ہے اور وہ اس لیے کہ خوشنودیٔ مصطفیٰ ہی عین رضائے خدا ہے کیوں کہ ثنائے مصطفیٰ صرف بندگان خدا ہی کو نہیں بلکہ خود خالق کائنات کو بھی محبوب و منظور ہے۔

کتاب و سنت کی یہی وہ روشن تعلیمات ہیں، جن کے باعث صحابہء کرام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور دعوت سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہ تھی۔اپنے ربّ کی خوشنودی اور رضا اور اپنے محبوب از جاں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اتباع سے وہ سرشار تھے۔سیرت نبوی اور اسوۂ صحابہؓ میں وہ سیکڑوں مواقع اور واقعات درج ہیں جو آپ کی ذات سے والہانہ شیفتگی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کے سامنے سرِ تسلیم خم کئے رکھنے کا ذوق و شوق ظاہر کرتے ہیں۔اسی وجہ سے نعت گو شعرا نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کو نعت کی اساس اور بنیاد کا درجہ دے دیا، اس لئے نعت گو شاعر کے لئے ضروری ہے کہ وہ آپ سے والہانہ محبت، عقیدت اور شیفتگی رکھتا ہو۔شاعر جس قدر آپ کی محبت میں سرشار ہوگا، اسی قدر اس کے کلام میں کیف اور اثر پیدا ہوگا۔نعت کی دل آویزی، دل کشی اور خوبی کے لئے محبت رسول شرط و لازم ہے۔نعت کے موضوع کی مناسبت سے الفاظ کے انتخاب میں بھی ایک پاکیزگی اور شائستگی ہونی چاہئے۔نعت کے لوازمات میں ادب و احترام کے بہت سے پہلو ہیں جن کا تعلق موزوں زبان و بیان، انتخاب الفاظ، تشبیہ و استعارہ اور انداز تخاطب سے ہے۔نعت کی مجموعی فضا کو ادب و احترام کے ان جذبات عالیہ سے سرشار ہونا چاہئے جن کی نعت متقاضی ہے۔دراصل نعت ہے شان رسالت کا ادب و احترام۔نعت کے اظہار میں ایسی تشبیہ یا استعارے سے گریز کرنا چاہئے جس سے نعت کی پاکیزگی اور شائستگی متاثر ہوتی ہے۔

خلاصہء کلام یہ ہے کہ مدائح رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور نعتِ نبوی میں تجاوز عن الحد کی گنجائش نہیں ہے۔آپ کی تعریف کا ایسا انداز اپنایا جائے کہ جس سے کسی دوسرے نبی یا رسول کی تنقیص نہ ہو۔مضامینِ سیرت اور موضوعاتِ مدحت تاریخی صداقتوں کے حامل اور ان کی پیش کش کا اسلوب مبالغے سے دور اور فطرت کے قریب ہونا چاہئے۔

سیرت نبوی اور مدحت مصطفوی کا عربی زبان میں منظوم اظہار خود عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہو چکا تھا۔بعض حضرات نے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے قبل کی مدحیہ شاعری کا بھی سراغ لگایا ہے۔قدیم صحف سماوی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور بعثت کے حوالے سے بہت سی پیشین گوئیاں

موجود ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد کعب بن لوئی سے منسوب ایک قصیدے کا ذکر ملتا ہے کہ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا ذکر موجود ہے۔

اُردو شعرا نے تقریباً تمام اصناف سخن اور جملہ بحور میں اس محبوبِ جہاں کے جمالِ دل رُبا اور معمولات و تعلیمات کو کیسے کیسے پیرائے میں پیش کیا ہے۔ کہیں سوانحی تفصیلات ہیں تو کہیں معجزات کا بیان ہے۔ کسی جگہ شمائل کا ذکر ہے تو کسی جگہ غزوات کو منظوم کیا گیا ہے۔ کائنات کی یہ عجیب دل نواز شخصیت ہے کہ جس کے خصائص و خصائل کا بیان ہر دور میں نو بہ نو اسالیب میں پیش کیا گیا اور مستقبل اس کے حضور متنوع جہات نذرانہ ہائے عقیدت پیش کرتا رہے گا۔ گزشتہ دو سو سالوں میں میلاد اور مدحت کے موضوعات کے علاوہ مستقلاً سیرت و سوانح پر کافی مقدار میں کتابیں شائع ہوئی ہیں جن کا احاطہ کرنا اس مختصر مضمون میں ممکن نہیں۔

عرب شعرا کے تتبع میں دیگر زبانوں خصوصاً فارسی میں بہت زیادہ نعتیہ قصائد اور نعتیں کہی گئی ہیں۔ اس سلسلے میں ہمیں عطار، رومی، نظامی، جامی، خسرو، فیضی، سعدی، عرفی، قدسی اور دیگر بے شمار شعرا نظر آتے ہیں جن کے نعتیہ کلام میں محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سمندر موجزن ہیں۔ انھیں سمندروں سے نعت حبیب کبریا کے بادل اٹھے اور ہماری اُردو شاعری کو سیراب کرتے چلے گئے۔ دکن سے اُردو شاعری کی موجیں شمالی ہند کی جانب بڑھیں تو دیگر اصناف سخن کے ساتھ نعت و منقبت کے دھارے بھی گلستانِ ادبِ اُردو میں موجیں مارنے لگے۔ ولی دکنی سے لے کر امیر مینائی تک اُردو شعراء کی ایک کھیپ ہمیں نعت سرائی کرتی نظر آتی ہے۔

M. : 9341378921, E : salman_pbh@rediffmail.com

***

تکمیل معرفت ہے محبت رسولؐ کی
ہے بندگی خدا کی امانت رسولؐ کی

تسکینِ دل ہے سرورِ کون و مکاں کی یاد
سرمایۂ حیات ہے الفت رسولؐ کی

انسانیت محبتِ باہم شعور و فکر
جو چیز بھی ہے سب ہے عنایت رسولؐ کی

کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ

رضوان احمد

صحافی ومصنف-پٹنہ

نعت گوئی کا فن اور اس کے تقاضے

نعت گوئی فن شاعری کے زیور کا نگینہ ہے۔نعت کا فن بہ ظاہر جس قدر آسان نظر آتا ہے بباطن اسی قدر مشکل ہے۔ایک طرف وہ ذات گرامی ہے جس کی مدح خود رب العالمین نے کی ہے، دوسری طرف زبان اور شاعری کے جمالیاتی تقاضے ہیں۔اس لیے نعت کا حق وہی ادا کرسکتا ہے جو محبت رسول ﷺ سے سرشار ہو اور یہ وصف وہبی ہے۔ جسے اللہ توفیق دے وہی نعت کہہ سکتا ہے ایک طرح سے یہی کہا جائے گا---ع--- آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں

لفظ نعت (ن ع ت) عربی زبان کا مصدر ہے اس کے لغوی معنی کسی شخص میں قابل تعریف صفات کا پایا جانا ہے۔نعت حضور سرور کائنات ﷺ کی تعریف وتوصیف کے لیے خاص ہے۔اردو میں شاید ہی ایسی کوئی صنف سخن ہو جس میں نعتیں نہ کہی گئی ہوں۔اس لیے اس کے اسالیب طے شدہ نہیں ہیں۔اس طرح سے اس کا دائرہ بہت وسیع ہوجاتا ہے۔مگر سب سے اہم تقاضا محبت رسول ﷺ سے سرشاری کا ہے۔شاہ معین الدین ندوی اپنی کتاب ''ادبی نقوش'' میں رقم طراز ہیں:

''نعت کہنا آسان بھی ہے اور مشکل بھی۔محض شاعری کی زبان میں ذات پاک نبی ﷺ کی عامیانہ توصیف کردینا بہت آسان ہے، لیکن اس کے پورے لوازم وشرائط سے عہدہ برآ ہونا بہت مشکل ہے۔ حب رسول ﷺ کے ساتھ ساتھ نبوت کے اصلی کمالات اور کارناموں، اسلام کی صحیح روح، عہد رسالت کے واقعات اور آیات واحادیث سے واقفیت ضروری ہے جو کم شعراء کو ہوتی ہے۔اس کے بغیر صحیح نعت گوئی ممکن نہیں۔نعت کا رشتہ بہت نازک ہے۔اس میں ادنیٰ سی لغزش سے نیکی برباد گناہ لازم آجاتا ہے۔اس پل صراط کو عبور کرنا ہر شاعر کے بس کی بات نہیں۔یہ وہ بارگاہ اقدس ہے جہاں بڑے بڑے قدسیوں کے پاؤں لرز جاتے ہیں''۔

شاہ معین الدین ندوی نے نعت گوئی کے لیے شاعر کا صاحب بصارت اور صاحب بصیرت ہونا اولین شرط قرار دیا ہے۔کیوں کہ حضور سرور کائنات ﷺ کی ذات مقدس، نبوت اور عبدیت کے کمال

پر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مدح رسول اور ذکر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اعلیٰ وارفع قرار دیا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ورفعنا لك ذكرك (اور ہم نے تمہارے ذکر کو بلند کیا)۔ خالق جس کی تخلیق پر نازاں ہوں اور مدح سرائی فرمائی ہو اس کی ثناخوانی انسان سے کہاں ممکن ہے۔ کیوں کہ ذات مقدس کو وجہ تخلیق کائنات ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس لیے الفاظ پر کتنی ہی قدرت کیوں نہ ہو شاعر اپنے آپ کو عاجز پاتا ہے اور یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ---- ع ----- بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔

نعت گوئی کی بنیادی شرط ہے، محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فنا ہو جانا اور فنا کس طرح ہو؟ ایک مجلس میں آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کوئی انسان اس وقت تک مومن نہیں بن سکتا جب تک میری ذات اس کے لیے ماں، باپ، اولاد، سب سے زیادہ محبوب نہ بن جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ وہاں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ جناب والا کی ذات ستودہ صفات والدین اور اولاد سے زیادہ محبوب ہے، لیکن ابھی یہ کیفیت نہیں ہے کہ میں آپ کی ذات کو اپنی جان سے بھی زیادہ پیارا سمجھوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی ایمان کی تکمیل نہیں ہوئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ کے دل پر ضرب کاری لگی اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توجہ سے دل کی کیفیت بدل گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ خدا کا شکر ہے اب دل میں کیفیت پیدا ہوئی کہ جناب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی مجھے اپنی ذات سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اب تمہارا ایمان مکمل ہو گیا۔ اس فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رو سے ایک مومن کی تکمیل ایمانی کے لیے اس کے قلب کی یہی کیفیت ضروری ہے کہ اس کے اندر مکمل سپردگی ہو۔

نعت گوئی کا محرک قرآن کریم ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے حبیب کی شان میں جو الفاظ استعمال کیے اس کا ثانی تو ہو ہی نہیں سکتا۔ انسان ضعیف کی کیا بساط ہے۔ جو لب کشائی کرے۔ ایک سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علامہ احمد رضا خاں بریلوی فرماتے ہیں: قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی۔

مولانا رؤف امروہوی کہتے ہیں:

لکھوں کیا وصف شاہ انس و جاں سے
زباں اللہ کی لاؤں کہاں سے

علامہ محسن کاکوروی کہتے ہیں:

ادھر مخلوق میں شامل ادھر اللہ سے واصل
خواص اس برزخِ کبریٰ میں ہے حرف مشدد کا

ایک اور شاعر کا اعتراف ہے:

حدیثوں میں خدا کا ذکر ان کا ذکر قرآن میں

خدا کے مدح خواں وہ ہیں خدا ہے مدح خواں ان کا جس کا ثنا خواں اللہ تعالیٰ ہے وہاں انسان کیا جسارت کر سکتا ہے؟ لیکن اپنے محبوب کی مداحی کرنے سے خود کو روک بھی نہیں سکتا۔ اس لیے نعت کا ورودِ مسعود ہوا اور ہمارے شعرا نے اس کے لیے آسمان سے زمینیں تراشیں۔

نعت گوئی کا آغاز حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیات طیبہ میں ہو چکا تھا۔ اس ذیل میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ کا نام نامی اسم گرامی خصوصیت سے لیا جاتا ہے۔ جنھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں بے شمار نعتیہ اشعار کہے۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے حق میں دعا فرمائی۔ ان کے لیے اپنے سامنے منبر رکھوایا۔ اسی سے نعت گو کے اعلیٰ وارفع مقام کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حیات طیبہ کے دور میں جن صحابہ کرام نے نعتیں کہیں ان میں حضرت حمزہ بن عبدالمطلب، حضرت عبدالرحمن بن رواحہ، حضرت عباس بن عبدالمطلب، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت فاطمہ، حضرت کعب بن زبیر، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ، اور ابن حسین حضرت زین العابدین کے نام نامی اسم گرامی آتے ہیں۔ عرب کے شعرا نے فن نعت گوئی کو بام عروج پر پہنچا دیا تھا۔ مگر ہندوستان کے شعرا بھی اس میں پیچھے نہیں رہے اسی لیے شاعر مشرق علامہ اقبال نے اس سرزمین کے بارے میں کہا تھا:

میرِ عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

یہ کہنا مشکل ہے کہ ہندوستان میں نعت گوئی کا آغاز کب ہوا۔ کبیر داس نے ایک دوہے میں لکھا ہے:

عدد نکالوں ہر چیز سے چوتن کر لو وائے
دو ملا کہ پچگن کر لو بیس کا بھاگ لگائے
باقی بچے کے نوتن کر لو دو اس میں دو اور ملائے
کہت کبیر سنو بھئی سادھو نام محمد آئے

اسی طرح گرو گرنتھ میں آتا ہے:

میم محمد من توں من کتابہ چار
من خدائے رسول نوں سچا ای دربار

ان کے علاوہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، خواجہ معین الدین چشتی سنجری اجمیری، حضرت شمس

الدین تبریز، شاہ بوعلی شاہ قلندر پانی پتی، خواجہ نظام الدین اولیا، حضرت امیر خسرو نے بھی نعتیں کہی ہیں۔

ہندوستان کے اردو اور فارسی شعرا میں نہ صرف مسلمان بلکہ اہل ہنود نے بھی نعتیں لکھی ہیں۔ ان میں کئی تو ایسے ہیں جن کے نعتیہ کلام کے دواوین بھی موجود ہیں۔ نور میرٹھی نے ہندو نعت گو شعرا پر ایک کتاب مرتب کی ہے۔ جس کا نام ہے "بہ ہر زماں، بہ ہر زباں"۔ جس میں 326 ہندو نعت گو شعرا کا ذکر ہے اور ان کی نعتیں یکجا کر دی گئی ہیں۔

اردو میں شاعری کی ابتدا عرض دکن سے ہوئی۔ اسی لیے سلطان قلی قطب شاہ اور محمد شاہ کو اردو کے پہلے نعت گو شاعر ہونے کا فخر حاصل ہے۔ ان کے کلام کا خاصا حصہ نعت رسول ﷺ پر مشتمل ہے۔ اسی لیے ولی دکنی کے دور سے لے کر عہد جدید کے شعراء تک نعت گوئی کا سلسلہ برابر قائم ہے اور اردو کا ہر شاعر نعت کہنا اپنے لیے باعث سعادت تصور کرتا ہے۔ علامہ احمد رضا خاں بریلوی اگرچہ عالم دین تھے مگر ان کی شہرت نعت گو کی حیثیت سے بھی ہے۔ انہیں عربی و فارسی اور اردو کے علاوہ ہندی زبان پر بھی قدرت حاصل تھی اور ان کی ایک نعت اس قدر مشہور ہے کہ ان کا ذکر آتے ہی اس کے اشعار زبان پر آ جاتے ہیں:

لم یات نظیر ک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا
یا شمس نظرت الی لیلی چو بہ طیبہ رسی عرضے بکنی
توری جوت کی جھلجھل جگ میں رچی موری شب نے نہ دن کو ہونا جانا
انا فی عطش و سخاک اتم اے گیسوئے پاک اے ابر کرم
برسن بارے رم جھم رم جھم دو بوند ادھر بھی گرا جانا

علامہ محسن کاکوروی نے بے معنی مبالغہ آرائی اور لفظوں کی صنعت گری سے احتراز کر کے سیدھے سادھے انداز میں نعتیہ قصیدے لکھے۔ اردو نعت گوئی میں کرامت علی خاں شہیدی، مولانا الطاف حسین حالی، علامہ اقبال، منیر شکوہ آبادی، امیر مینائی، سحر لکھنوی، اصغر گونڈوی، بہزاد لکھنوی، حفیظ جالندھری، حفیظ تائب، حمید صدیقی، ماہر القادری جیسے نام ہیں جو معتبر اور معروف ہیں۔ ان کے علاوہ غیر مسلم شعرا میں پنڈت دیا شنکر نسیم، چھنولال دلگیر، پنڈت ہری چند اختر، گوپی ناتھ امن، نوبت رائے نظر، پنڈت امر ناتھ آشفتہ دہلوی، بھگوت رائے راحت کاکوروی، مہاراجہ کشن پرساد، پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی،

رگھوپتی سہائے، فراق گورکھپوری، اوم پرکاش، باقر ہوشیار پوری، تلوک چند محروم، تربھون ناتھ زار زتشی دہلوی، کنور مہندر سنگھ بیدی سحر، بال مکند عرش ملسیانی، پریم لال شفا، کالی داس گپتا رضا، جگن ناتھ آزاد، آنند موہن گلزار دہلوی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

دور حاضر میں بھی نعتیہ شعرا کی بہت بڑی تعداد ہے۔ خاص طور سے پاکستان میں نعت گوئی کو کافی عروج حاصل ہوا ہے۔ وہاں نعتوں پر تحقیق کا بھی خاصا کام ہوا ہے۔ پاکستان کے نعتیہ شعرا میں حفیظ تائب، عبدالعزیز خالد، مظفر وارثی، مشکور حسین یاد اور ریاض مجید نے نعت کو نیا رنگ و آہنگ دیا ہے اور نئی لفظیات سے آراستہ کیا ہے۔ اگرچہ بظاہر نعت گوئی آسان لگتی ہے لیکن کہا جاتا ہے کہ اگر اللہ اگر توفیق نہ دے تو نعت گوئی انسان کے بس کا کام نہیں ہے۔ حضرت شیخ سعدی کا مشہور واقعہ ہے کہ انہوں نے مدح رسول میں تین مصرعے کہے۔ کوشش کے باوجود چوتھا مصرعہ نہ ہوتا تھا اور سخت پریشان تھے۔ ایک شب انہیں خواب میں بشارت ہوئی۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنفس نفیس موجود ہیں اور شیخ سعدی سے فرماتے ہیں سعدی تم نے تین مصرعے کہے ہیں ذرا سناؤ۔ شیخ سعدی نے تینوں مصرعے سنائے اور خاموش ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ مصرعہ بڑھا لو۔ صلو علیہ و آلہ۔ اور یوں حضرت شیخ سعدی کی نعتیہ رباعی مکمل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس رباعی کو شرف قبولیت بخشا اور اس طرح شیخ سعدی نعت گو شعرا میں ممتاز ہو گئے۔ اس رباعی کے چار مصرعے ہمیشہ توصیف مدح رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرتے ہیں۔

بلغ العلیٰ بکماله
کشف الدجیٰ بجماله
حسنت جمیع خصاله
صلوا علیه و آله

لیکن جب نعت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات آتی ہے تو پھر اس قطعے پر آ کر ختم ہو جاتی ہے:

یا صاحب الجمال و یا سید البشر
من وجهك المنیر لقد نور القمر
لا یمکن الثنا کما کان حقه
بعد از خدا بزرگ توئی قصه مختصر

***

ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی
سروے نمبر 39 / پلاٹ نمبر 14 / نیا اسلام پورہ، مالیگاؤں، ناسک 423203، مہاراشٹر، انڈیا

نثری نعت : ایک تعارف

نعت عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی وصف و خوبی اور تعریف و توصیف کے ہیں۔ لیکن عُرفِ عام میں نعت؛ رسول اللہ ﷺ کی ثناوستایش اور تعریف و توصیف بیان کرنے والی منظومات کو کہا جاتا ہے۔ یوں تو نعت کا لفظ مستقل ایک موضوع یا مضمون کا احاطہ کرتا ہے اور جب یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو وہ تمام خزائن اور ذخائر مراد ہوتے ہیں جو حضور رحمتِ عالم ﷺ کے فضائل و مناقب، شمائل و خصائل، اخلاق و کردار، تعریف و توصیف اور مدح و ثنا پر مشتمل ہوتے ہیں۔

تنقیدِ نعت کے حوالے سے تحقیق و تفحص میں مصروف پاکباز اہل علم و قلم کے بیان کردہ نعت کے معنی و مفہوم اور تعریف و توصیف کی روشنی میں یہی کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہر وہ ادب پارہ جس میں حضور اقدس ﷺ کا ذکر ہو، مدح ہو، ثنا ہو، تعریف و توصیف ہو، سراپا کا بیان ہو، شبیہ و شمائلِ اقدس کی لفظی تصویر کشی ہو، عادات و اخلاق کا بیان ہو، فضائل و محاسن جمیلہ کا اظہار ہو، حضور ﷺ سے خطاب ہو، آپ سے استغاثہ و فریاد ہو، عقیدت و محبت کے جذبات کی ترجمانی ہو، مقصد و بعثتِ نبوت کا تذکرۂ خیر ہو یا ذاتِ رسالت مآب ﷺ کا ذکرِ جمیل ہو۔ الغرض ہر وہ ادبی کاوش جو اپنے قاری یا سامع کو مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کی طرف متوجہ کرے اور قرب کا احساس پیدا کرے چاہے وہ نثری ہو یا نظمی بلاشبہ "نعت" ہے۔

میثاق النبیین نعت النبی ﷺ کا نقطۂ آغاز ہے۔ قرآن حکیم کے مطالعہ سے یہ پتا چلتا ہے کہ لاکھوں برس پہلے ابھی دنیا بھی آباد نہ ہوئی تھی، ابھی نورِ محمدی (ﷺ) دنیا میں ظہور پذیر بھی نہ ہوا تھا کہ دنیا میں آنے والے ہزاروں پیغمبروں سے ان کے پروردگار جل جلالہٗ نے ایک تاریخی اور یادگار عہد لیا۔ خود ربِّ کائنات جل جلالہٗ اس عہد کو ان الفاظ میں یاد دلا رہا ہے:

اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے ان کا عہد لیا......

"جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ رسول کہ تمہاری

کتابوں کی تصدیق فرمائے تو ضرور ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور اس کی مدد کرنا'' ......
......فرمایا: ....''کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا؟'' ....سب نے عرض کیا: ....''ہم نے اقرار کیا'' ....فرمایا: ....''تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں۔'' [1]

میثاق النبیین کے نام سے یاد کی جانے والی یہ عظیم الشان محفل نعت کی اولین محفل تھی جس کا امیر خود ربِ کائنات جل جلالہ تھا۔ اور محفلین میں انبیا و رسل تھے۔ اس امر سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اور قرآن میں اس محفل کے ذکر خیر کو نثری نعت کے زمرے میں شمار کر سکتے ہیں ۔ عالمِ ارواح کی اس مہتم بالشان محفل کا نقشہ کھینچتے ہوئے طوطیِ ہند امیر خسرو نے کیا خوب کہا ہے۔

خدا خود میرِ مجلس بود، اندر لامکاں خسرو
محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) شمعِ محفل بود شب جاے کہ من بودم

میثاق النبیین کے بعد حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک انبیا و مرسلین اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان رکھنے والے افراد کو اس حقیقت کا علم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو پیدا فرمایا اور پھر اسی نور سے کائنات کی ہر چیز پیدا فرمائی۔ اور یہ خوش خبری سنائی کہ لوحِ محفوظ پر سب سے پہلے لکھے جانے والے نہ صرف اعلیٰ مرتبت ہوں گے بلکہ نورِ ازل بھی کہلائیں گے اور خاتم الانبیاء (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے طور پر اس دنیا میں تشریف لائیں گے۔ آپ کی ولادتِ باسعادت کا وقت متعین تھا۔ لیکن آپ کا ذکرِ خیر ہر دور میں ہوتا رہا۔ آسمانی صحیفوں اور کتابوں میں بھی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کی خوش خبریاں اور بشارتیں موجود ہیں۔ انجیل برناباس کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے آنکھ کھولی تو فضاؤں میں ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' لکھا ہوا دیکھا ۔ تحریر دیکھ کر وہ بڑے حیران ہوئے، بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ کیا مجھ سے پہلے بھی انسان تھے؟ اس بارگاہِ عالی سے جواب آیا :

''اے میرے بندے آدم! تمہارا آنا مبارک ہو۔ میں تجھ سے کہتا ہوں کہ تو پہلا انسان ہے جس کو میں نے پیدا کیا ہے اور جس کا نام تو نے دیکھا وہ تیرا ہی بیٹا ہے لیکن وہ آج سے سالوں بعد اس دنیا میں آئے گا اور میرا پیغمبر ہوگا۔ اس کے لیے میں نے تمام چیزیں پیدا کی ہیں۔ وہ جب آئے گا تو دنیا کو روشن کردے گا۔ یہ وہی ہے جس کی روح تخلیقِ کائنات سے ساٹھ ہزار برس پہلے ایک آسمانی نور کی شکل میں تھی۔'' [2]

حضرت آدم علیہ السلام نے یہ سن کر رب تعالیٰ کے حضور التجا کی کہ کلمۂ طیبہ کے دونوں جز ان کے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں پر آجائیں۔ خدا کی شان سیدھے ہاتھ کے انگوٹھے پر ''لاالٰہ الا اللہ'' اچانک ظاہر ہوا اور الٹے ہاتھ کے انگوٹھے پر ''محمد رسول اللہ''۔ یہ دیکھتے ہی آپ نے بے تابانہ انگوٹھوں کو چوم لیا اور فرمایا: ''مبارک ہو وہ دن جس دن تو اس دنیا میں تشریف فرما ہو۔''[3]

علاوہ ازیں دیگر انبیائے کرام نے بھی اپنی اپنی امتوں کو حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا مژدہ سنایا ہے۔ بعثتِ نبوی سے تقریباً ڈھائی ہزار برس پہلے حضرت یعقوب علیہ السلام نے بشارت دی :

''شیلون (نبی الامان) کے ہاتھ پر بنی اسرائیل کا ملک اور شریعت ختم ہو جائے گی۔''[4]

حضرت داؤد علیہ السلام کیا فرما رہے ہیں؟ سنیے سنیے:

''وہ آرہا ہے۔ وہ زمین کی عدالت کرنے کو آرہا ہے۔ وہ صداقت سے جہاں کی اور اپنی سچائی سے قوموں کی عدالت کرے گا۔''[5]

اور سنیے سنیے اللہ کے حضرت اشعیاہ علیہ السلام کیا فرما رہے ہیں:

''☆ اے آسمان کان بن جا! اور اے زمین خاموش ہو جا!

☆ اے پہاڑو! سب دم بخود ہو کر سنو!

☆ بنی اسماعیل میں سے ایک پیغمبر پیدا کروں گا جو بہرے کانوں کو سننے والا بنا دے اور اندھی آنکھوں کو بینا کر دے۔

☆ جو دل پردے میں چھپے ہوئے ہیں ان کے پردے اتار پھینکے اور باہر لے آئے اس کی پیدائش کی جگہ مکہ ہوگی اور اس کی ہجرت کی جگہ طیبہ ہوگی۔[6]

ولادتِ نبوی سے دو ہزار برس پہلے موسیٰ علیہ السلام نے آپ کی بشارت دی اور آپ کی مندرجہ ذیل نشانیاں بیان فرمائیں :

''(1) وہ غیب کی خبریں بتائیں گے۔

(2) حضرت اسماعیل (علیہ السلام) کی اولاد ہوں گے۔

(3) میری شریعت کو منسوخ کریں گے۔

(4) بے پڑھے ہوں گے۔

(5) امانت دار ہوں گے۔

(6) کسی کو قتل نہیں کریں گے۔''[7]

انجیل برناباس میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام سے جب پوچھا گیا کہ آنے والے رسول کا کیا نام ہوگا، تو آپ نے فرمایا:

''اس کا نام محمد ہوگا، کیوں کہ اللہ نے جس وقت اس کی روح پیدا کی یہی نام رکھا اور اس نور کو ایک آسمانی نور میں رکھا تھا اور فرمایا تھا...... محمد انتظار کیجیے کیوں کہ میں تیری خاطر جنت، دنیا اور بہ کثرت مخلوق پیدا کروں گا، جس پر آپ کو گواہ بناؤں گا...... جو تجھ پر سلام بھیجے گا اس پر سلام بھیجا جائے گا۔''[8]

اور انجیل یوحنا میں یوں ہے کہ:

''ساری چیز اس کے وسیلے سے پیدا ہوئیں، جو کچھ پیدا ہوا ہے اس میں سے کوئی چیز بھی اس کے بغیر پیدا نہیں ہوئی...... اس میں زندگی تھی اور وہ زندگی آدمیوں کا نور تھا۔''[9]

ہر دور میں انبیا علیہم السلام آپ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی آمد آمد کی بشارتیں دیتے رہے اور آرزوئیں کرتے رہے۔ چناں چہ تعمیرِ کعبہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا:

''اے رب ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول انھیں میں سے کہ ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انھیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انھیں خوب ستھرا فرمائے۔ بے شک تو ہی ہے غالب حکمت والا۔[10]

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ آخری اعلان فرمایا:

''اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ اپنے سے پہلی کتاب توریت کی تصدیق کرتا ہوا اور اُن رسول کی بشارت سناتا ہوا جو میرے بعد تشریف لائیں گے، ان کا نام ''احمد'' ہے۔''[11]

حضرت یعقوب اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کے علاوہ حضرت عیسیٰ، حضرت اشعیاہ، حضرت دانیال، حضرت ابراہیم واسماعیل، حضرت ارمیاہ، اور حضرت ہبقوق علیہم السلام نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد آمد کی عظیم خوش خبریاں سنائیں۔ یہ بشارتیں ولادتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل، ایک سے ڈھائی ہزار برس کے درمیان سنائی گئیں۔ مذکورہ بالا حوالوں سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہونچتی ہے کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی آمد کا انتظار تمام انبیاے کرام کی امتوں اور نیک بندوں کو تھا۔ یہی وجہ ہے کہ احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادتِ باسعادت کے بعد شاہِ حبش نجاشی، عبداللہ بن سلام، کعب احبار، سلمان فارسی (رضی اللہ عنہم) کہ علماے یہود و نصاریٰ میں تھے۔ ان حضرات نے توریت، انجیل اور انبیاے کرام کی بشارتوں

اور پیش گوئیوں کی تصدیق کی اور مشرف بہ اسلام ہوئے اور ان میں شاہِ حبش نجاشی کے علاوہ جملہ حضرات کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبتِ بابرکت نصیب ہوئی جس پر تمام موجوداتِ عالم کو بے پناہ رشک ہے۔

آسمانی کتب توریت، زبور، انجیل اور دیگر آسمانی صحائف میں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادتِ باسعادت کا تذکرۂ خیر موجود ہے ان تذکروں کو ہم نثری تہنیت نامے قرار دے سکتے ہیں۔ ولادتِ باسعادت سے قبل اور بعد حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف وتوصیف اسی طرح جاری رہی اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلانِ نبوت کا حکم دیا اور وحی کے ذریعہ آپ پر قرآنِ کریم نازل کیا تو ساری دنیا نے دیکھا کہ وہ ایک مکمل ضابطۂ حیات ہونے کے ساتھ ہی اللہ رب العزت کی عظمت اور وحدانیت کا آئینہ دار ہے اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح وستائش کا مظہر بھی۔ خالق کائنات نے اس مقدس کتاب میں جگہ جگہ اپنی حمد وثنا بھی فرمائی ہے اور اپنے حبیب پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت وصفات بھی بیان کی ہیں۔ جو کہ نثری نعت کے بہترین نمونے ہیں؛ چند آیاتِ طیبات خاطر نشین ہوں :

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاس (اے محبوب ہم نے تم کو نہ بھیجا مگر ایسی رسالت سے جو تمام آدمیوں کو گھیرنے والی ہے۔ سورہ سبا آیت 28)

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِیۡم (بے شک تمہاری خوبو بڑی شان کی ہے۔ سورہ قلم آیت 4)

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَلٰكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖن (محمد تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں، ہاں! اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے۔ سورہ احزاب آیت 40)

اِنَّآ اعطینٰك الكوثر (اے محبوب بیشک ہم نے تمھیں بیشمار خوبیاں عطا فرمائیں۔ سورہ کوثر آیت 1)

لاتَرۡفَعُوۡآ اَصۡواتَكُمۡ فَوۡقَ صوتِ النَّبی (اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے۔ سورہ حجرات آیت 2)

قد جآءَكُم مِنَ اللّٰهِ نورٌ وَّ كِتابٌ مُّبين (بے شک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب۔ سورہ مائدہ آیت 15)

يَآ اَيُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرۡسَلۡنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا (بیشک ہم نے تمھیں بھیجا حاضر وناظر اور خوشی اور ڈر سناتا۔ سورہ فتح آیت 8)

وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَك (اور ہم نے تمھارے لیے تمھارا ذکر بلند کردیا۔ سورہ انشراح آیت 4)

وَلَو اَنَّہُمۡ اِذ ظَلَمُوا اَنفُسَہُمۡ جَآءُوكَ فَاسۡتَغۡفَرُوا اللہَ وَاسۡتَغفَرَ لَہُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللہَ تَوَّابًا رَّحِيمًا (اور وہ جب اپنی جانوں پر ظلم کریں، تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔سورہ نسآء آیت 64)

وَمَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوَىٰ اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ يُوحىٰ (اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انھیں کی جاتی ہے۔سورہ نجم آیت 3/4)

وَمَا اَرسَلنٰكَ اِلَّا رَحمَةً لِّلعالَمِين (اور ہم نے تمھیں نہ بھیجا، مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔سورہ انبیاء آیت 107) (تراجم از: کنزالایمان)

یہاں نثری نعت کے نمونے کے طور پر چند آیات ہی نقل کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے مگر حق تو یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآنِ کریم میں بے شمار مقامات پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ خیر کیا ہے اور ان پر خود درود وسلام بھی بھیجا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ایک بالکل ہی منفرد انداز میں اپنے محبوب کی تعریف یوں بھی کی ہے کہ لَا تَجعَلُوا دُعَآءَ الرَّسُولِ بَينَكُمۡ كَدُعَاءِ بَعۡضِكُمۡ بَعۡضًا (رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے۔سورہ نور آیت 63)......

..........ایسی اعلیٰ شان اور بلند وارفع مرتبہ اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے محبوب کو بخشا۔ یہ بات قرآن شریف سے اس طرح ثابت ہے کہ خالقِ کائنات نے ''یا آدم، یا موسیٰ اور یا عیسیٰ'' کے انداز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب نہیں کیا بل کہ انھیں بڑے احترام سے ''یا ایھا الرسول، یا ایھا النبی، یا ایھا المزمل، یاایھا المدثر'' وغیرہ کہہ کر پکارا ہے۔اور بلاشبہ انھیں ایسی شان اور وجاہت عطا کی ہے جو کسی دوسرے کے حصے میں نہیں آئی۔ یہاں یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ قرآنِ کریم سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت بھی ہے اور کامل واکمل ترین اوّلین درس گاہِ نعت بھی۔

واضح ہو کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ باسعادت کے بعد اور بچپن سے عالمِ شباب تک آپ کو جتنے لوگوں نے بھی دیکھا آپ کی تعریف وتوصیف بیان کی۔ان کلمات کو بھی نثری نعت کے زمرے میں رکھا جاسکتا ہے۔اس ضمن میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی پیکر سے متعلق عرب کی بدّو خاتون اُمِ معبد کے اس بیان کو بہ طورِ مثال پیش کرنا غیر مناسب نہ ہوگا جو اس نے اپنے خاوند کو دیا :

''ام معبد کہنے لگی۔ میں نے ایک ایسا مرد دیکھا جس کا حُسن نمایاں تھا، جس کی ساخت بڑی خوب صورت اور چہرہ ملیح تھا۔ نہ رنگت کی زیادہ سفیدی اس کو معیوب بنا رہی تھی اور نہ گردن

اورسر کا پتلا ہونا اس میں نقص پیدا کر رہا تھا۔ بڑا حسین، بہت خوب رو۔ آنکھیں سیاہ اور بڑی تھیں، پلکیں لانبی تھیں۔ اس کی آواز گونج دار تھی۔ سیاہ چشم۔ سرگین۔ دونوں ابرو باریک اور ملے ہوئے۔ گردن چمک دار تھی۔ ریشِ مبارک گھنی تھی۔ جب وہ خاموش ہوتے تو پُر وقار ہوتے۔ جب گفتگو فرماتے تو چہرہ پُرنور اور بارونق ہوتا۔ شیریں گفتار۔ گفتگو واضح ہوتی نہ بے فائدہ ہوتی نہ بے ہودہ۔ گفتگو گویا موتیوں کی لڑی ہے جس سے موتی جھڑ رہے ہوتے۔ دور سے دیکھنے پر سب سے زیادہ بارعب اور جمیل نظر آتے۔ اور قریب سے سب سے زیادہ شیریں اور حسین دکھائی دیتے۔ قد درمیانہ تھا۔ نہ اتنا طویل کہ آنکھوں کو بُرا لگے۔ نہ اتنا پست کہ آنکھیں حقیر سمجھنے لگیں۔ آپ دو شاخوں کے درمیان ایک شاخ کی مانند تھے جو سب سے سرسبز و شاداب اور قد آور ہو۔ ان کے ایسے ساتھی تھے جو ان کے گرد حلقہ بنائے ہوئے تھے۔ اگر آپ انہیں کچھ کہتے تو فوراً تعمیل کرتے۔ اگر آپ انہیں حکم دیتے فوراً بجالاتے۔ سب کے مخدوم۔ سب کے محترم۔" [12]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خداداد حسن و جمال کے بارے میں دو چار یا دس بیس کی یہ رائے نہ تھی بل کہ ہر وہ شخص جس کو قدرت نے ذوقِ سلیم کی نعمت سے نوازا ہوتا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر اسی طرح مسحور ہو جایا کرتا اور ہر ایک کی زبان سے بے ساختہ آپ کے حسن و جمال کی تعریف نکلنے لگتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دیکھتا سو جان سے قربان ہونے لگتا دوست، دشمن، اپنے اور بیگانے میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا۔ اسی طرح حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ بے مثل و بے نظیر خطبہ جو آپ نے نجاشی بادشاہ کے دربار میں پیش فرمایا تھا وہ بھی نثری نعت کا اعلا نمونہ اور عمدہ شاہ کار تصور کیا جاتا ہے؛ ذیل میں اردو ترجمہ نشانِ خاطر فرمائیں :

"اے بادشاہ! ہم جاہل قوم تھے، بتوں کی پوجا کیا کرتے۔ مردار کھایا کرتے اور بدکاریاں کیا کرتے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بے رحمی کا سلوک کرتے ہم میں سے طاقت ور، غریب کو کھا جایا کرتا۔ ہمارا یہ ناگفتہ بہ حال تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ہم میں سے ایسا رسول بھیجا جس کے نسب کو بھی ہم جانتے ہیں جس کی صداقت، امانت اور عفت سے بھی ہم اچھی طرح آگاہ ہیں اس نے ہمیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دی۔ کہ ہم اس کو وحدہٗ لاشریک مانیں۔ اور اسی کی عبادت کریں اور وہ پتھر اور بت جن کی پوجا ہم اور ہمارے آباواجداد کیا کرتے تھے ان کی بندگی کا پٹہ اپنی گردن سے اتار پھینکیں۔

اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم سچ بولیں۔امانت میں خیانت نہ کریں۔رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ہم سائیوں کے ساتھ عمدگی سے پیش آئیں ۔ برے کاموں سے اور خوں ریزیوں سے باز رہیں۔اس نے ہمیں فسق وفجور، جھوٹ بولنے، یتیموں کا مال کھانے، پاک دامن عورتوں پر جھوٹی تہمت لگانے سے منع کیا اور ہمیں حکم دیا کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔کسی چیز کو اس کا شریک نہ بنائیں۔نیز اس نے ہمیں یہ حکم دیا کہ ہم نماز پڑھیں زکوٰۃ دیں اور روزے رکھیں۔'' [13]

نثری نعت کے ذیل میں بخاری شریف، مسلم شریف، ابن ماجہ، نسائی شریف، مشکوٰۃ شریف اور ترمذی شریف کے ابوابِ فضائل نیز مختلف اقسام کے درود شریف وغیرہ شمار کیے جاتے ہیں۔اردو زبان میں امام العلماء مولانا نقی علی خاں بریلوی (والدِ ماجد امام احمد رضا بریلوی) کی ''تفسیر سورۂ الم نشرح'' اور ''سرور القلوب'' کی بعض عبارتیں تو نثر میں نعت نگاری کی ایسی اعلیٰ ترین مثالیں ہیں کہ پڑھتے ہوئے کیف آگیں جذبات سے روح وجد کر اُٹھتی ہے۔''تفسیر سورۂ الم نشرح'' کی ایک خاصی طویل، عشق و محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صفاتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پُرلطف بیان سے معمور عبارت خاطر نشین فرمائیں، جو نثری نعت کے ایک عمدہ شاہ کار سے کم نہیں، اس کا ایک ایک فقرہ اپنی جگہ خود ایک مکمل اور بہترین نعت ہے :

''سرورِ بنی آدم......روحِ روانِ عالم......انسان عین وجود......دلیلِ کعبۂ مقصود......کاشفِ سرِّ مکنون......خازنِ علمِ مخزون......اقامتِ حدود واحکام......تعدیلِ ارکانِ اسلام......امامِ جماعتِ انبیا......مقتدائے زمرۂ اتقیا......قاضیِ مسندِ حکومت......مفتیِ دین وملت......قبلۂ اصحابِ صدق وصفا......کعبۂ اربابِ حلم وحیا......وارثِ علومِ اولین......مورثِ کمالاتِ آخرین......مدلولِ حروفِ مقطعات......منشائے فضائل وکمالات......منزلِ نصوصِ قطعیہ......صاحبِ آیتِ بینہ......حجت حق الیقین......تفسیر قرآنِ مبین......تصحیح علومِ متقدمین......سندِ انبیاومرسلین......عزیزِ مصرِ احسان......فخرِ یوسفِ کنعان......مظہرِ حالاتِ مضمرہ......مخبرِ اخبارِ ماضیہ......واقفِ امورِ مستقبلہ......عالمِ احوالِ کائنہ......حافظِ حدودِ شریعت......ماحیِ کفر وبدعت......قائدِ فوجِ اسلام......دافعِ جیوشِ اصنام......نگینِ خاتمِ سروری......خاتمِ نگینِ پیغمبری......فاتحِ مغلقاتِ حقیقت......سرِّ اسرارِ طریقت......یوسفِ کنعان جمال......سلیمانِ ایوانِ جلال......منادیِ طریقِ رشاد......سراجِ اقطار وبلاد......اکرمِ اسلاف......

اشرف اشراف......لسانِ حجت......طرازِ مملکت......نورسِ گلشنِ خوبی......چمن آرائے باغِ محبوبی......گلِ گلستانِ خوش خوئی...... لالۂ چمنستانِ خوب روئی...... رونقِ ریاضِ گلشن...... آرایشِ نگارستانِ چمن...... طرۂ ناصیۂ سنبلستان...... قرۂ دیدۂ نرگستان......گل دستۂ بہارستانِ جنان......رنگ افزائے چہرۂ ارغواں......ترطیبِ دماغِ گل روئی......طراوتِ جوئے بارِ دل جوئی......تراوشِ شبنمِ رحمت......توتیائے چشمِ بصیرت......نسرینِ حدیقۂ فردوسِ بریں......روحِ رائحہ روحِ ریاحین......چمن خیابانِ زیبائی...... بہار افزائے گلستانِ رعنائی......نخل بندِ بہارِ نو آئین......رنگ آمیز لالہ زارِ رنگین......رنگ روئے مجلس آرائی...... رونقِ بزمِ رنگیں ادائی......گل گونہ بخش چہرۂ گل نار......نسیمِ اقبالِ بہارِ ازہار......نکہت عنبر بیزانِ گل زار......نفحۂ مشک ریزانِ موسمِ بہار......اصلِ اصول......سرابستانِ ملکوت......بیخ فروغِ نخلستانِ ناسوت...... فارسِ میدانِ جبروت......شہ سوارِ مضمارِ لاہوت......قمری سرو یکتائی......تدروِ باغِ دانائی......شاہ بازِ آشیانِ قدرت......طاوسِ مرغ زارِ جنت......شگوفۂ شجرۂ محبوبیت......ثمرۂ سدرۂ مقبولیت......نو بادۂ گل زارِ ابراہیم......نورسِ بہارِ جنتِ نعیم...... اعجوبۂ صنعت کدۂ بوقلموں......زینتِ کارگاہِ گونا گوں......لعلِ آب دارِ بدخشانِ رنگینی...... دُرِّ یتیم گوش مہ جبینی......جگر گوشۂ کانِ کرم......دست گیرِ درماندگانِ اُمم...... یاقوتِ نسخۂ امکان......روحِ روانِ عقیق و مرجان......خزانۂ زواہرِ ازلیہ......گنجینۂ جواہرِ قدسیہ......گوہرِ محیطِ احسان......ابرِ گہر بارِ نیساں......لولوئے بحرِ سخاوت و عطا......گہرِ دریائے مروت و حیا ......مشک بارِ صحرائے ختن......گل ریز دامنِ گلشن......غالیہ سائے مشامِ جان......عطر آمیز دماغِ قدسیاں......جوہرِ اعراض و جواہر......منشائے اصنافِ زواہر......مخزنِ اجناسِ عالیہ ......معدنِ خصائصِ کاملہ......مقوم نوعِ انساں......ربیعِ فصلِ دوراں......مکمل انواعِ سافلہ......مربی نفوسِ فاضلہ......اخترِ برجِ دل بری......خورشید سمائے سروری......آبروئے چشمۂ خورشید......چہرہ افروز ہلالِ عید......ہلالِ عیدِ شادمانی......بہارِ باغِ کام رانی...... صفائے سینۂ نیّرِ اعظم......نورِ دیدۂ ابراہیم و آدم......زیبِ نجمِ گلستاں......گلِ ماہ تاب باغِ آسماں......مُشرقِ دائرۂ تنویر......مَشرقِ آفتابِ منیر......شمسِ چرخِ استوا......چراغِ دودمانِ انجلا......مجلیِ نگار خانۂ کونین......سیارۂ فضائے قابَ قوسین......زہرۂ جبینِ انوار ......غرۂ جبہۂ اسرار......عقدہ کشائے عقدِ ثریا......ضیائے دیدۂ یدِ بیضا......نورِ نگاہِ شہود......

مقبولِ ربِّ ودود ...... بیاضِ روے سحر ...... طرازِ فلکِ قمر ...... جلوۂ انوارِ ہدایت ...... لمعانِ شموسِ سعادت ...... نورِ مردمکِ انسانیت ...... بہاے چشمِ نورانیت ...... شمعِ شبستانِ ماہِ منور ...... قندیلِ فلکِ مہرانور ...... مطلعِ انوارِ ناہید ...... تجلی برق وخورشید ...... آئینۂ جمالِ خوب روئی ...... برقِ سحابِ دل جوئی ...... مشعلِ خورتابِ لامکاں ...... تربیع ماہ تابِ درخشاں ...... سہیلِ فلکِ ثوابت ...... اعتدالِ امزجۂ بسائط ...... مرکزِ دائرۂ زمین وآسماں ...... محیطِ کرۂ فعلیت وامکاں ...... مربع نشینِ مسندِ اکتائی ...... زاویہ گزینِ گوشۂ تنہائی ...... مسند آراے ربعِ مسکوں ...... رونقِ مثلثات گردوں ...... معدنِ نہارِ سخاوت ...... منطقۂ بروجِ سعادت ...... اوجِ محدبِ افلاک ...... رونقِ حضیضِ خاک ...... اسدِ میدانِ شجاعت ...... اعتدالِ میزانِ عدالت ...... سطحِ خطوطِ استقامت ...... حاویِ سطوحِ کرامت ...... طبیبِ بیمارانِ ضلالت ...... نباضِ محمومانِ شقاوت ...... علاجِ طبائعِ مختلفہ ...... دافعِ امراضِ متضادہ ...... جوارشِ مریضانِ محبت ...... معجونِ ضعیفانِ امت ...... قوتِ دل ہاے ناتواں ...... آرامِ جاں ہاے مشتاقاں ...... تفریحِ قلوبِ پژمردہ ...... دواے دل ہاے افسردہ ...... مقدمۂ قیاسِ معرفت ...... ممہدِ قواعدِ محبت ...... عقلِ اول سلسلۂ عقول ...... مبدءِ ضوابطِ فروع واصول ...... نتیجۂ استقراے مبادیِ عالیہ ...... خلاصۂ مدارکِ ظاہرہ وباطنہ ...... رابطۂ علت ومعلول ...... واسطۂ جاعل ومجعول ...... مدرکِ نتائجِ محسوسات ...... مہبطِ اسرارِ مجردات ...... جامعِ لطائفِ ذہنیہ ...... مجمعِ انوارِ خارجیہ ...... حقیقتِ حقائقِ کلیہ ...... واقفِ اسرارِ جزئیہ ...... مبطلِ مزخرفاتِ فلاسفہ ...... مثبتِ براہینِ قاطعہ ...... اوسطِ طرفینِ امکان ووجوب ...... واسطۂ ربطِ طالب ومطلوب ...... معلمِ دبستانِ تفرید ...... مدرسِ مدرسۂ تجرید ...... سالکِ مسالکِ طریقت ...... داناے رموزِ حقیقت ...... اثباتِ وحدتِ مطلقہ ...... برہانِ احدیتِ مجردہ ...... خزینۂ اسرارِ الٰہیہ ...... گنجینۂ انوارِ قدسیہ ...... تصفیۂ قلوبِ کاملہ ...... تزکیۂ نفوسِ فاضلہ ...... سرِ دفترِ دیوانِ ازل ...... خاتمِ صحفِ ملل ...... تخمِ مزرعِ حسنات ...... ترغیبِ اہلِ سعادات ...... جمعِ محاسنِ فتوت ...... کفایتِ حوائجِ خلقت ...... ہادیِ سبیلِ رشاد ...... استیعابِ قواعدِ سداد ...... شیرازۂ مجموعۂ فصاحت ...... بہجتِ حدائقِ بلاغت ...... سراجِ وہاجِ ہدایت ...... نسخۂ کیمیاے سعادت ...... تکمیلِ دلائلِ نبوت ...... صحیفۂ احوالِ آخرت ...... منسخ منتہی الارب ...... لُبِ اصولِ ادب ...... بیاضِ زواہرِ جواہر ...... تمہیدِ نوادرِ بصائر ...... مقتداے صغیر وکبیر ...... مفتاحِ

فتحِ قدیر ...... میزبانِ نزل ابرار ...... مفیدِ مستفیدانِ اسرار ...... قلزمِ درِرِ قلائد ...... درجِ جواہرِ عقائد ...... تیسیرِ اصولِ تاسیس ...... روضۂ گلستانِ تقدیس ...... احیاے علوم و کمالات ...... مطلعِ اشعۂ لمعات ...... مقدمۂ طبقاتِ بنی آدم ...... رہ نماے دینِ مسلم ومحکم ...... تشریحِ حجتِ بالغہ ...... تصریحِ واقعاتِ ماضیہ ...... تقریرِ قصصِ انبیا ...... تحریرِ معارفِ اصفیا ...... دلیلِ مناسکِ ملت ...... منتقیِ اربابِ بصیرت ...... وسیلۂ امدادِ فتاح ...... سببِ نزہتِ ارواح ...... خازنِ کنزِ دقائق ...... درِمختارِ بحرِ رائق ...... ذخیرۂ جواہرِ تفسیر ...... مشکوٰۃِ مفاتیحِ تیسیر ...... جامعِ اصول ...... غرائبِ معالم ...... مصدرِ صحاح بخاری ومسلم ...... منظورِ مدارکِ عالیہ ...... مختارِ عقولِ کاملہ ...... ملتقطِ کتابِ تکوین ...... نہایتِ مطالبِ مومنین ...... انسانِ عیونِ ایمان ...... قرۃ عینینِ انسان ...... منبعِ شریعت وحکم ...... مجمعِ بحرین حدوث وقدم ...... خلاصۂ مآرب سالکین ...... انتہاے منہاج عارفین ...... شرفِ ائمۂ دین ...... تنزیہہ شریعتِ متین ...... زبورِ غرائبِ تدقیق ...... تلخیص عجائبِ تحقیق ...... ناقدِ نقدِ تنزیل ...... ناسخِ توریت وانجیل ...... حافظِ مفتاحِ سعادت ...... کشفِ غطاے جہالت ...... واقفِ خزائنِ اسرار ...... کاشفِ بدائعِ افکار ...... عالمِ علومِ حقائق ...... جذبِ قلوبِ خلائق ...... زیبِ مجالسِ ابرار ...... نورِ عیونِ اخیار ...... تہذیبِ لطائفِ علمیہ ...... تجریدِ مقاصدِ حسنہ ...... بیاضِ انوارِ مصابیح ...... توضیحِ ضیاے تلویح ...... حاویِ علومِ سابقین ...... قانونِ شفاے لاحقین ...... معدنِ عجائب وغرائب ...... مدارِ مکارمِ ومناقب ...... نقش فصوصِ حکمیہ ...... منتخب جواہرِ مضیہ ...... عین علم وایقان ...... حصن حصین امتان ...... تبیین متشابہاتِ قرآنیہ ...... غایت بیان اشارات فرقانیہ ...... تنقیح دلائلِ کافیہ ...... تصحیح براہینِ شافیہ ...... زُبدۂ اہلِ تطہیر ...... ملجاے صغیر وکبیر ...... غواصِ بحارِ عرفان ...... زُبدۂ اربابِ احسان ...... مرقاتِ معارجِ حقیقت ...... سلمِ مدارجِ معرفت ...... موضحِ صراطِ مستقیمِ نجات ...... اقصیِ معراجِ اصحاب کمالات ...... قوتِ قلوبِ ممکنات ...... صفاے ینابیعِ طہارات ...... وقایہ احکامِ الٰہیہ ...... افقِ مبینِ انوارِ شمسیہ ...... دستورِ قضاۃ وحکام ...... ایضاحِ تیسیر احکام ...... نورِ انوارِ مطالع ...... تنویرِ منارِ طوالع ...... کمالِ بدورِ سافرہ ...... طلعتِ بوارقِ متجلیہ ...... موردِ فتحِ باری ...... تابشِ نورِ سراجی ...... بحرِ جواہرِ درایت ...... طغراِ منشورِ رسالت ...... عدیمِ اشباہ ونظائر ...... امینِ کنوزِ ذخائر ...... ملخّصِ مضمراتِ عوارف ...... شرحِ مبسوطِ معارف ...... سراجِ شعبِ ایمان ...... برزخِ وجوب وامکان ...... دُرِتاجِ افاضل ...... ملتقی

بحرِ فضائل...... ناطقِ فصلِ خطاب...... میزانِ نصابِ احتساب...... منشاے فیضِ وافی...... مبدءِ علمِ کافی...... تبییضِ دُرِ مکنون...... موجبِ سرورِ محزون...... صرحِ برہانِ قاطع...... نقایہ دلیلِ ساطع...... رافعِ لواے ہدیٰ...... حکمتِ بالغۂ خدا...... ضوءِ مصباحِ عنایت...... معطیِ زادِ آخرت...... عمدۂ فتوحاتِ رحمانیہ...... مخزنِ مواہبِ لدنیہ...... نتیجۂ دلائلِ خیرات...... لمعانِ مطالعِ مسرات...... قاموسِ محیطِ اتقان...... بلاغِ مبینِ فرقان...... نہرِ خیابانِ توحید...... نورِ عینِ خورشید...... شمسِ بازغۂ مشارقِ انوار...... رونقِ ربیع بستانِ ابرار...... شناورِ قلزمِ ملاحت...... آب یارِ جوے لطافت...... تراوشِ ابرِ سیرابی...... ابرِ بہارِ شادابی...... سحابِ دُر افشانِ سخاوت...... نیسانِ گہر بارِ عنایت...... کوثرِ عرصۂ قیامت...... سلسبیلِ باغِ جنت...... آبِ حیاتِ رحمت...... ساحلِ نجاتِ امت...... روحِ چشمۂ حیواں...... آشناے دریاے عرفاں...... محمد شاہدِ دیں جانِ ایماں...... محمد رحمتِ حق لطفِ یزداں...... (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)''

[14]

علاوہ ازیں امام احمد رضا محدث بریلوی کی مختلف تصنیفات کے اقتباسات، مولوی شبلی نعمانی کی نثر ''ظہورِ قدسی''، سید سلیمان علی ندوی کے ''خطباتِ مدراس''، مفتی محمد شریف الحق امجدی کی ''نزہۃ القاری شرح بخاری'' کی مختلف جلدیں، پیر کرم شاہ ازہری کی سیرت پر سات مجلدات کو محیط ''ضیاء النبی'' کی جلد 2/3/4/5، اور پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقش بندی مجددی کراچی کی ''جانِ ایمان'' اور ''جانِ جاناں''، ماہر القادری کی ''دُرِّ یتیم'' اور دیگر کتبِ سیرت وغیرہ نثری نعت کے نہایت خوبصورت اور دل کش نمونوں کے طور پر سامنے آئے ہیں۔ متذکرۂ بالا کتب سے بعض کی عبارتیں ذیل میں ہدیۂ قارئین ہے :

''ہم سر اس کا دیکھا نہ سنا، فرِ رسالت اس سے پیدا، اور افسرِ شفاعت اس پر زیبا، سرفرازانِ عالم اس کی سرکار میں فرقِ ارادت زمینِ انکسار پر رکھتے ہیں اور سرشارانِ بادۂ نخوت اپنی سرکشی اور خودسری سے توبہ کرتے ہیں .... روے روشن زلفِ سیاہ میں نمایاں ہے، یا نورِ بصر مردمکِ چشم سے درخشاں، ماہِ دو ہفتہ پُرنور عارض سے تاباں، شمسِ بازغہ اس کے مدرسۂ تنویر میں شمسیہ خواں، لعلِ بدخشاں کا اس کی رنگینی سے دم فنا اور گلستانِ ارم کا صرصرِ خجالت سے رنگ ہوا۔ اس عارضۂ پُرنور کے عشق میں رنگِ رخسارِ سحر فق ہے۔ اور سینۂ ماہ شق، مراءتِ خیال کو سکتہ، چراغِ صبح سسکتا، مطبخِ گل زار سرد، رنگِ شفق زرد، دلِ شبنم افسردہ، روے گل پژمردہ، دُربا گریاں، مرجانِ بے جان آئینۂ حیران، خورشید سرگرداں،

شمعِ چراغِ سحر، عقیق خون در جگر، لالۂ خونین کفن، قمری طوقِ غم بہ گردن، یاقوت بے دم، لعل زیر بارِ غم، یدِ بیضا دست بردل، تدرو بے تیغِ بسمل، بلبل کو اس گلستانِ خوبی کی یاد میں سبقِ بوستان فراموش، اور مرغِ چمن اس گلِ رنگین کے شوق میں روز و شب نالاں و مدہوش، آئینۂ حلب پر اگر وہ سرِّ عرب عکس افگن ہو سوزِ محبت سے گل جائے، اور ورقِ گل پر اگر وصفِ عارضِ رنگین زیبِ رقم ہو پیرہن میں پھولا نہ سمائے۔ یا ایہا المشتاقون بنورِ جمالہٖ صلوا علیہ وآلہٖ۔'' [15]



''ہاں! جشن کی وہ رات، راتوں کی سرتاج...... رشکِ شبِ قدر،...... نازشِ لیلۃ القدر...... ہاں ! اس رات ستارے چمک رہے تھے...... چاندنی کھل رہی تھی...... نور کی چادر پھیلی ہوئی تھی...... فضائیں مہک رہی تھیں، ہوائیں چل رہی تھیں، خاموشیاں مسکرا رہی تھیں...... وہ آنے والا پیکرِ بشری میں آرہا تھا...... ہاں! رات گذر گئی، وہ آگیا...... صبح ہوگئی، ہر طرف چہل پہل ہے...... ہر طرف خوشیاں ہی خوشیاں ہیں...... ماں خوش ہو رہی ہیں...... دادا عبدالمطلب مسکرا رہے ہیں...... چچاؤں کے دل کی کلیاں کھل رہی ہیں...... خوشی میں باندیوں کے بندھن کھل رہے ہیں...... سدا کے اسیروں کو آزادیاں مل رہی ہیں...... اللہ اللہ! وہ پیارا، ماں کا دُلارا، سیہ کاروں کا سہارا کیا آیا عالم میں بہار آگئی...... اُس کی آمد آمد کی ساتویں دن خوشی منائی گئی...... دادا نے نام رکھا...... محمد...... مگر یہ نام تو قرنوں پہلے رکھا جا چکا تھا......'' [16]



''حسن و جمال کا یہ داتا...... جس نے سارے عالم کو حسن و جمال کی بھیک بانٹی...... جس کے صدقے کائنات کے ذرّے ذرّے پر نکھار آیا...... جو کائنات کا سنگھار ہے...... دیکھیے دیکھیے ، آگے قدم بڑھا رہا ہے...... رُخ سے پردہ اٹھانے والا ہے...... جلوہ دکھانے والا ہے...... مگر وہ تو آدم (علیہ السلام) کی تخلیق سے پہلے بھی نبی تھا...... دیکھنے والوں نے اسے دیکھا بھی تھا...... مگر ہم نے نہ دیکھا تھا...... ہم کو دکھایا جانا تھا...... اسی لیے نا معلوم کب سے اُس کی رسالت و ختمیّت کی بات ہو رہی تھی...... اس کے آنے سے صدیوں پہلے اس کے آنے کی خبریں دی جا رہی تھیں...... ذرا ماضی کی طرف چلیے، دور...... بہت دور...... سنیے سنیے...... نو عمری کا زمانہ ہے، چچا کے ساتھ شام کے سفر پر جا رہے ہیں، اچانک بحیرہ راہب کی نظر پڑتی

ہے، بے ساختہ پکار اٹھتا ہے یہ بچہ وہی نبی ہے جس کی عیسیٰ (علیہ السلام) نے بشارت دی تھی...... پھر جب جوانی میں تجارت کے لیے تشریف لے گئے تو نسطورا راہب کی نگاہ پڑ گئی وہ بھی پکار اٹھا آپ اس امت کے نبی ہیں......'' [17]



''جب وہ جانِ راحت کانِ رافت پیدا ہوا...... بارگاہِ الٰہی میں سجدہ کیا اور ربِّ ھب لی اُمّتی فرمایا...... جب قبر شریف میں اُتارا گیا؛ لبِ جاں بخش کو جنبش تھی، بعض صحابہ نے کان لگا کر سُنا؛ آہستہ آہستہ اُمتی فرماتے تھے...... قیامت کے روز کہ عجب سختی کا دن ہے...... تانبے کی زمین...... ننگے پاؤں...... زبانیں پیاس سے باہر...... آفتاب سروں پر...... سایے کا پتا نہیں...... حساب کا دغدغہ...... مَلِکِ قہار کا سامنا...... عالَم اپنی فکر میں گرفتار ہوگا...... مجْرمانِ بے یار دامِ آفت کے گرفتار...... جدھر جائیں گے سوا نفسی نفسی اِذ ھبوا الیٰ غیری کچھ جواب نہ پائیں گے...... اُس وقت یہی محبوبِ غم گسار کام آئے گا...... قفلِ شفاعت اس کے زورِ بازو سے کھل جائے گا...... عمامہ سرِ اقدس سے اُتاریں گے اور سر بہ سجود ہوکر ''اُمتی'' فرمائیں گے...... وائے بے انصافی! ایسے غم خوار پیارے کے نام پر جاں نثار کرنا اور مدح وستایش و نشرِ فضائل سے اپنی آنکھوں کو روشنی اور دل کو ٹھنڈک دینا واجب...... یا یہ کہ حتی الوسع چاند پر خاک ڈالے اور اِن روشن خوبیوں میں انکار کی شاخیں نکالے......'' [18]



''عبداللہ کے یتیم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی قانونِ فطرت کے مطابق جوان ہو گئے...... وہ جسمانی اعتبار سے بھی انتہائی صحت مند متناسب الاعضاء اور حسین وجمیل تھے...... سپیدی میں سرخی ملی ہوئی رنگت...... دل میں گھر کرنے والی حسین وسیاہ آنکھیں...... کشادہ پیشانی...... موزوں قد...... اور وہ سب کچھ جسے حسن وجمال کی معراج اور دل کشی ورعنائی کا منتہائے کمال کہہ سکتے ہیں...... کسی آدمی کے قدوقامت کی بہت سے بہت تعریف ان لفظوں میں کی جاسکتی ہے کہ وہ سرو قد اور شمشاد قامت ہے...... مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قدِ موزوں کو یہ تشبیہیں اور استعارے چھو بھی نہیں سکتے۔

ترا چو سر نخوانم کہ سرد سرتاپا
ہمہ تن است تو از پاے بسر جانی

لالہ وگل ...... یاسمین ونسترن ...... سنبل ونرگس ...... آفتاب ...... ماہ تاب ...... لعلِ یمن ...... دُرِ عدن ...... مشکِ ختن ...... عنبرِ سارا ...... تبسمِ سحر اور شگفتِ غنچہ ...... انسان کے حسن و جمال اور اس کی خوبی ورعنائی کے یہ تمام استعارے ہیں ...... مگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جمال کی شرح وتفسیر کے لیے یہ سب کے سب استعارے ناتمام ...... ادھورے اور تشبیہ ومماثلت کی سطح سے بہت فروتر ہیں۔

رخِ مصطفٰی ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزمِ خیال میں نہ دکانِ آئینہ ساز میں

جہاں شعروادب کے ان استعاروں اور تشبیہوں کی انتہا ہوتی ہے ...... وہاں سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حسن وخوبی کا آغاز ہوتا ہے ...... محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اپنا جواب ہیں۔

دونوں جہان آئینہ دکھلا کے رہ گئے
لانا پڑا تمہیں کو تمہاری مثال میں [19]



"آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) عالم میں خدا کی تعلیم وہدایت کے شاہد ہیں ...... نیکوکاروں کو فلاح وسعادت کی بشارت سنانے والے مبشر ہیں ...... اُن کو جو ابھی تک بے خبر ہیں، ہشیار اور بیدار کرنے والے نذیر ہیں ...... بھٹکنے والے مسافروں کو خدا کی طرف پکارنے والے داعی ہیں ...... اور کو د ہمہ تن نور ہیں اور چراغ ہیں ...... یعنی آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ذات اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی راستہ کی روشنی ہے ...... جو راہ کی تاریکیوں کو کافور کر رہی ہے ...... یوں تو ہر پیغمبر خدا کا شاہد، داعی، مبشر اور نذیر بن کر اس دنیا میں آیا ہے ...... مگر یہ کل صفتیں سب کی زندگیوں میں عملاً یکساں نمایاں ہو کر ظاہر نہیں ہوئیں ...... بہت سے انبیا تھے جو خصوصیت کے ساتھ شاہد ہوئے ...... جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام وغیرہ بہت سے تھے جو نمایاں طور پر مبشر بنے ...... جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہت سے تھے جن کا خاص وصف نذیر تھا ...... جیسے حضرت نوح علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام بہت سے تھے جو امتیازی حیثیت سے داعی تھے ...... جیسے حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام لیکن وہ جو شاہد ...... مبشر ...... نذیر ...... داعی ...... سراجِ منیر سب کچھ بیک وقت تھا ...... اور جس کے مرقعِ حیات میں یہ سارے نقش ونگار عملاً نمایاں

تھے......وہ صرف محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰت والتحیات تھے اور یہ اس لیے ہوا کہ آپ دنیا کے آخری نبی بنا کر بھیجے گئے تھے......جس کے بعد کوئی دوسرا آنے والا نہ تھا آپ ایسی شریعت لے کر بھیجے گئے جو کامل تھی......جس کی تکمیل کے لیے پھر کسی دوسرے کو آنا نہ تھا......

آپ کی تعلیم دائمی وجود رکھنے والی تھی......یعنی قیامت تک اس کو زندہ رہنا تھا......اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک کو مجموعۂ کمال اور دولتِ بے زوال بنا کر بھیجا......[20]

حواشی و حوالہ جات

۱۔قرآنِ حکیم: سورۂ آل عمران، آیت 81 ۲۔انجیل برناباس: مطبوعہ کراچی، 1978ء، باب 3، ص 50

۳۔انجیل برناباس: مطبوعہ کراچی، 1978ء، باب 3، ص 50

۴۔توریت: تکوین، سفر الاستثناء، مطبوعہ 1944ء، 49

۵۔زبور: ۹۲، ۱۳، بہ حوالہ: علامہ قتیل دانا پوری، محمد رسول اللہ آسمانی صحائف میں مشمولہ: ماہ نامہ استقامت، کان پور، رسول نمبر ۱۹۸۵ ص ۷۹

۶۔محمد افضل شریف: بشارات، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۳ء، ص ۸۱، ۸۲۔ بحوالہ جانِ جاناں: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقش بندی، ص ۴۱، ۴۲ ۷۔توریت: خروج، سفر الاستثناء، مطبوعہ 1944ء، 17:19، 18:20

۸۔انجیل برناس: مطبوعہ کراچی ۱۹۷۳ء، باب ۹۷، ص ۱۲۳، باب ۹۶۔۹۹، ص ۱۱۱۔۱۱۲

۹۔انجیل یوحنا: ۲۔۴ ۱۰۔قرآن حکیم سورۂ بقرہ آیت ۱۲۹

۱۱۔قرآن حکیم سورۂ صف آیت ۶ ۱۲۔پیر کرم شاہ ازہری، علامہ: ضیاء النبی، مطبوعہ دہلی، ج 2، ص 174/175

۱۳۔پیر کرم شاہ ازہری، علامہ: ضیاء النبی، مطبوعہ دہلی، ج 2، ص 365

۱۴۔نقی علی خاں بریلوی، علامہ: تفسیر سورۂ الم نشرح، رضوی کتاب گھر دہلی، ص 4/7

۱۵۔نقی علی خاں بریلوی، علامہ: سرور القلوب بذکرِ المحبوب، فاروقیہ بک ڈپو، دہلی، ص 119/120

۱۶۔محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: جانِ جاناں، رضوی کتاب گھر، دہلی، 1990، ص 49/50

۱۷۔محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: جانِ جاناں، رضوی کتاب گھر، دہلی، 1990، ص 57

۱۸۔احمد رضا بریلوی، امام: مجموعۂ رسائل نور اور سایا، رضا اکیڈمی ممبئی، 1998ء، ص 73

۱۹۔ماہر القادری: دُرِ یتیم، فرید بک ڈپو، دہلی، 2003ء، ص 61

۲۰۔سید سلیمان ندوی: خطباتِ مدراس، ادارۂ مطبوعاتِ طلبہ، اچھرہ، لاہور، 1995ء، ص 23/24

<mushahidrazvi79@gmail.com

***

ماہنامہ الحیات کے چند خاص نمبر (سال 2014 تا 2018)

شمار	نام کتاب / خاص نمبر / خاص اشاعت	مرتب	صفحات	ہدیہ
01	مشرق ومغرب میں قبول اسلام کی لہر (قبولِ اسلام نمبر)	مدیر 'الحیاۃ'	528	150.00
02	داعیِ قرآن، داعیِ خلافت: ڈاکٹر اسرار احمدؒ (ڈاکٹر اسرار احمدؒ نمبر)	" "	432	120.00
03	مشرق ومغرب کی خواتین میں قبول اسلام کی لہر (قبولِ اسلام نمبر)	مدیر 'البنات'	224	128.00
04	ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ: حیات، افکار، افادات	مدیر 'الحیاۃ'	608	400.00
05	'نبی مہربان ﷺ نمبر' ۔۔ 'الحیاۃ' (جنوری 2014ء)	" "	84	020.00
06	'ماہِ صیام نمبر' ۔۔ 'الحیاۃ' (جولائی ۔ اگست 2014ء)	" "	132	025.00
07	'محسنِ انسانیت ﷺ نمبر' ۔۔ 'الحیاۃ' (جنوری 2015ء)	" "	84	020.00
08	'اصلاحِ قلب نمبر' ۔۔ 'الحیاۃ' (مئی 2015ء)	" "	84	020.00
09	'روزہ نمبر' ۔۔ 'الحیاۃ' (جون 2015ء)	" "	84	020.00
10	'تعلیمات نبوی ﷺ نمبر' ۔۔ 'الحیاۃ' (دسمبر 2015ء)	" "	84	020.00
11	'جدید فقہی مسائل نمبر' ۔۔ 'الحیاۃ' (مئی 2016ء)	" "	84	020.00
12	'روزہ: فضائل ومسائل نمبر' ۔۔ 'الحیاۃ' (جون 2016ء)	" "	84	020.00
13	'میلادالنبی ﷺ نمبر' ۔۔ 'الحیاۃ' (اگست ۔ دسمبر 2016ء)	" "	100	020.00
14	'نماز نمبر' ۔۔ 'الحیاۃ' (جنوری 2017ء)	" "	84	020.00
15	'مطالعہ نمبر' ۔۔ 'الحیاۃ' (فروری 2017ء)	" "	84	020.00
16	'دینی مدارس نمبر' ۔۔ 'الحیاۃ' (مارچ 2017ء)	" "	92	020.00
17	'ماہِ رحمت ومغفرت نمبر' ۔۔ 'الحیاۃ' (جون 2017ء)	" "	100	020.00
18	'حج وعمرہ نمبر' ۔۔ 'الحیاۃ' (جولائی 2017ء)	" "	68	020.00
19	'تعمیر شخصیت نمبر' ۔۔ 'الحیاۃ' (ستمبر 2017ء)	" "	84	020.00
20	'مطالعہ احادیث نمبر' ۔۔ 'الحیاۃ' (اکتوبر 2017ء)	" "	84	020.00
21	'سیرۃ النبی ﷺ نمبر' ۔۔ 'الحیاۃ' (دسمبر 2017ء)	" "	100	020.00
22	'قرآنی تعلیمات نمبر' ۔۔ 'الحیاۃ' (جنوری 2018ء)	" "	84	020.00
23	'مضامینِ قرآن نمبر' ۔۔ 'الحیاۃ' (فروری 2018ء)	" "	84	020.00
24	'ماہِ قرآن وغفران نمبر' ۔۔ 'الحیاۃ' (مئی 2018ء)	" "	84	020.00
25	'علامہ انور شاہ کشمیریؒ نمبر' ۔۔ 'الحیاۃ' (جولائی 2018ء)	" "	84	020.00
26	'علامہ احمد رضا بریلویؒ نمبر' ۔۔ 'الحیاۃ' (اگست 2018ء)	" "	84	020.00
27	'علامہ سید مودودیؒ نمبر' ۔۔ 'الحیاۃ' (ستمبر 2018ء)	" "	116	030.00
28	'علامہ محمد ناصر البانیؒ نمبر' ۔۔ 'الحیاۃ' (اکتوبر 2018ء)	" "	84	020.00
29	'محسنِ انسانیت ﷺ نمبر' ۔۔ 'الحیاۃ' (نومبر 2018ء)	" "	84	020.00

نوٹ: زیادہ تعداد میں مفت تقسیم کے لیے خاص رعایتی قیمت ہے، رابطہ فرمائیں : 9906662404

مدیر mail2quddusi@gmail.com

حقیقت نگاری : نعت گوئی کا ایک لازمہ

ممتاز ماہرین و ناقدین نے مبالغے سے پرہیز اور حقائق کے بیان کو نعت نگاری کا ایک اہم لازمہ قرار دیا ہے۔ عام شاعری میں تخیل اور محاکات شعر کے عناصر ترکیبی مانے جاتے ہیں اور ندرت و مبالغہ اس کی روح رواں۔ جہانِ شعر و سخن کا مسلمہ اصول ہے کہ جب تک شعر میں تخیل کی نادرہ کاری اور مبالغہ کی رنگ آمیزی نہ ہو، شعر ایک بادۂ بے کیف اور گل افسردہ بن کر رہ جاتا ہے۔ اس کے برعکس نعت کے مضامین میں تخیل کی جدّت طرازی، مبالغہ کی حسن آرائی اور استعاہ کی رنگینی شجر ممنوعہ بلکہ ام الخبائث تصور کی جاتی ہے۔ نعت نہ تو امراء القیس کے قصیدوں سے کوئی مناسبت رکھتی ہے اور نہ ہی ''مدیحِ کے وجم'' سے۔ عرفی کا شعر ہے ؎

شعراء که نتواں بیک آہنگ سرودن
نعتِ شہِ کونین و مدیحِ کے وجم را

اس شعر میں عرفی نعتِ شہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم اور مدیحِ کے وجم کے فرق سے غفلت نہ برتنے کو کہتے ہیں۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں کا رنگ جُدا، ڈھنگ جُدا اور آہنگ جُدا ہے۔ ''مدیحِ کے وجم'' یعنی بادشاہوں اور فرمانرواؤں کی شان میں جتنا مبالغہ کیا جائے، حُسن سمجھا جاتا ہے۔ مگر نعت میں کوئی بھی بات خلافِ واقعہ ہرگز نہ ہونی چاہیے۔ یہاں ذرا سا مبالغہ بھی سراسر عیب ہو جاتا ہے۔ یہاں طلاقتِ لسان کی جگہ صداقتِ بیان ضروری ہے۔ ہنگامۂ وہم و گمان کی جگہ جوشِ ایمان و ایقان اور آشفتگی و شوریدہ سری کی جگہ محبت و شیفتگی درکار ہے۔ فکر کی پختگی، نظر کی وسعت، قوتِ تمیز، نزاکت احساس اور بیدارئ شعور مطلوب ہے۔

فن نعت میں حقیقت نگاری کی اہمیت بیان کرتے ہوئے ریاض الحسن کہتے ہیں:

''نعت در حقیقت وزن و بحر اور قافیہ ردیف کی حد بندی میں موزونیت الفاظ، سلاستِ زبان اور چستئ بندش کے ساتھ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نغمہ سنجی اور ترانہ سرائی کا نام ہے۔ اس لیے اس میں صداقتِ مضمون، واقعیتِ مفہوم، اور حسن محاکات کے سوا رنگینئ خیال اور ندرتِ تخیل کی

کوئی گنجائش نہیں۔ اربابِ سخن نے مضمون شعر کی اصلیت کو محاسنِ شعری میں سب سے زیادہ اہمیت کا درجہ اور اوّلیت کا رتبہ دیا ہے۔ لیکن اس کے مفہوم کو اتنی وسعت دی ہے کہ حقیقت نفس الامری کی حدود و قیود سے تجاوز کر کے امکان عقلی، تصور شعری اور مسلماتِ شعری کو ہی اس میں شامل کر دیا ہے۔ نعت کی نزاکت اصلیت مضمون کی اس وسعت کی متحمل ہی نہیں اور حقیقت نفس الامری اور واقعیتِ متعینہ سے سرِ مو انحراف کرنا، یہی مسلک نعت گوئی میں ضلال مبین، حرام قطعی اور گناہِ کبیرہ کی حیثیت رکھتا ہے''۔ ۱

اِسی موضوع پر ماہنامہ ''محدث'' لاہور کے ''رسول مقبول نمبر'' (۱۳۹۶ھ) میں عصر حاضر کے سرکردہ علمائے کرام نے ''نعت گوئی کے آداب اور حدود شریعہ'' کے زیر عنوان نعت میں مبالغہ کی شرعی حیثیت سے متعلق روشنی ڈالی ہے۔ نعت گوئی میں مبالغہ آمیزی پر بحث کرتے ہوئے مفسر قرآن مفتی محمد شفیع کہتے ہیں:

''شریعت اسلامیہ میں چونکہ حدود کی رعایت کی بہت زیادہ اہمیت ہے، لہٰذا نعت گوئی میں جھوٹ کی تو بالکل گنجائش نہیں اور ایسا مبالغہ جو حدود جھوٹ میں شامل ہو، وہ بھی جائز نہیں۔ تشبیہ و استعارہ کلام میں استعمال کر لیا جائے تو اس کی گنجائش ہے''۔ ۲

علامہ سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے نعت میں مبالغ کے جواز اور عدمِ جواز کی حدود کو مثالوں سے واضح کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''صرف نعت ہی نہیں، ہر طرح کے کلام میں مبالغہ صرف اس حد تک جائز ہے کہ اس کے پیچھے یا اس کے نیچے اصل حقیقت بالکل چھپ کر یا دب کر نہ رہ جائے، بلکہ سامع و قاری بآسانی سمجھ لے کہ حقیقت نفس الامری کیا ہے، جسے مبالغے کے رنگ میں بیان کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر یہ شعر ہے ؎

حُسنِ یوسفؑ، دم عیسیٰؑ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اس شعر کے پہلے مصرعہ میں مبالغہ تو ہے لیکن دوسرے مصرعہ نے واضح کر دیا ہے کہ مقصود

۱: شعری حسن اور کلام رضاؔ، ریاض الحسن، ص ۱۷
۲: رسول مقبول نمبر، ''محدث'' لاہور ص ۲۰۷

کلام یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات وصفات میں جامعیت اور ہمہ گیری تھی۔

دوسرا شعر یہ ہے ؎

کیا شانِ احمدی کا چمن میں ظہور ہے
ہر گل میں ہر شجر میں محمدؐ کا نور ہے

اس شعر میں ایسا مبالغہ ہے، جس کی اجازت ذاتِ باری کی شانِ وحدانیت وخلاّقیت نہیں دیتی اور اس کے ڈانڈے شرک سے جا ملتے ہیں''۔[1]

مولوی محمد یوسف بنوری کے خیال میں:

''مبالغہ اگر حدودِ شریعہ سے تجاوز نہ کرے تو گنجائش ہے۔ وہ مبالغہ جو کفر وشرک اور صریح جھوٹ پر مشتمل ہو، کسی حال میں درست نہیں''۔[2]

حافظ محمد گوندلوی کی رائے میں ''مبالغہ ایسا جائز نہیں، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقامِ نبوت اور مقام رسالت سے اٹھا کر الوہیت کی حدود میں داخل کر دیا جائے۔ باقی مقام رسالت کے اندر ہر قسم کی تعریف جائز ہے''۔[3]

دراصل نعت نگار کے پیشِ نظر یہ بات رہنی چاہیے کہ نعت ایک ایسے ممدوح (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مدح و ستائش کا نام ہے، جنؐ کی بارگاہ میں مبالغہ آرائی قربت کا وسیلہ نہیں بن سکتی۔ یہاں ایسے بیان کو بھی شرفِ باریابی حاصل نہیں، جو صادق البیانی کے جوہر سے محروم ہو۔ یہاں بقول ساجد صدیقی:

''نہ غلو کی گنجائش ہے اور نہ مبالغہ آرائی کو دخل ہے۔ اس راہ میں منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے پاسِ ادب، سلامت روی اور اعتدال شرطِ اولین ہے''۔[4]

یہی وجہ ہے کہ ناقدینِ نعت نے شعراء کے لیے لازمی قرار دیا ہے کہ وہ تخلیقِ نعت کے دوران تخیل کی پرواز کو شرعی حدود وقیود کے اندر پابند کریں اور حقیقت محمدیؐ کے بیان میں عقائد کی تفصیلات و جزئیات تک کی صحت کا خاص خیال رکھیں۔

***

1: رسول مقبول نمبر، ''محدث'' لاہور ص ۲۰۸

2: رسول مقبول نمبر، ''محدث'' لاہور ص ۲۰۹

3: رسول مقبول نمبر، ''محدث'' لاہور ص ۲۰۹

4: نغمۂ فردوس، ساجد صدیقی، ص ۹

علی محمد عاجز
ماگام، بڈگام (کشمیر)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعت اور دِل کی بات

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسول کریم ﷺ .... اما بعد....... قال اللہ تعالیٰ:
یا ایھا الذین اٰمنوا قولوا قولاً سدیداً

اس آیت میں اہل ایمان کو سیدھی صاف اور غیر مبہم بات کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ جو کہنا ہو ڈنکے کی چوٹ کہہ دو، نہ مغالطہ رہے، نہ ابہام رہے اور حضور ﷺ نے فرمایا: المؤمن مرأۃ المومن۔ مومن مومن کا آئینہ ہے جہاں کہیں داغ دھبّہ خامی کوتاہی دیکھتا ہے اس کی نشاندہی کرتا ہے۔

و قال اللہ تعالیٰ: ان اللہ و ملٰئکتہٗ یصلون علی النبی یا ایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیماً (الاحزاب)

"بے شک اللہ اور اس کے فرشتے حضور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجتے ہیں: اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجا کرو۔"

مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ جو مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے، اللہ اس پر دس بار درود (رحمتیں) بھیجتا ہے۔ صحیح بخاری میں ابوالعالیہؒ سے مروی ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ پر درود بھیجنا یہ ہے کہ وہ فرشتوں کے سامنے حضور ﷺ کی صفات اور خوبیوں کو بیان کرتا ہے اور فرشتوں کا درود آپ ﷺ کے لیے دعا کرنا ہے۔ ابن عباسؓ کے مطابق یہ دعا برکت کی دعا ہے یعنی آپ ﷺ کی شان میں قدر و منزلت میں اور امت میں برکت ہو اور درجات میں بلندی ہو۔ ہماری بھی دُعا ہے کہ

درود و رحمت لمحہ لمحہ روضۂ مطہر پر برسے
روز و شب کی ہر گھڑی میں نبیؐ کے گھر اور قبر پر برسے

عربی لغت میں صلّی کے معنی ہیں: اگلے شخص کے ساتھ مل کر اس کے پیچھے پیچھے آنا یعنی اس کے نقش قدم پر چلنا۔ امیر المومنین سیدنا علیؓ سے روایت ہے:

سَبَقَ رَسُوْلُ اللہِ وَصَلّٰی اَبُوْبَکْرٍ وَثَلَّثَ عُمَرُ وَخَبَطْنَا فِتْنَۃٌ

یعنی رسول اللہ ﷺ پہلے تشریف لے چکے؛ ان کے پیچھے پیچھے ابوبکرؓ اور ان کے پیچھے عمرؓ بھی تشریف لے گئے اور ہم کو فتنہ نے پریشان کر دیا۔ اس روایت سے صلّی کا معنی واضح ہوتا ہے۔

امام قرطبیؒ کی تفسیر میں صلّی کے معنی ہیں: احکام الٰہی سے وابستگی، حدود اللہ کے اندر رہنا اور کتاب اللہ سے چمٹ جانا۔ سورہ علق میں صلّی کے مدّ مقابل تولّی کا لفظ آیا ہے۔ جہاں صلّی کے معنی ہیں احکامات الٰہی کے مطابق صحیح راستہ پر چلنا اور تولّی کے معنی ہیں صحیح راستہ سے منہ موڑنا، روگردانی کرنا۔ جیسا کہ سورہ قیامہ میں بھی اس آیت سے صلّی اور تولّی کا یہ مفہوم واضح ہوتا ہے: فلا صدق ولا صلّٰی ولٰکن کذب و تولّٰی۔ علامہ حمید الدین فراہیؒ کہتے ہیں کہ صلّی کا ایک معنی ہے کسی کی طرف بڑھنا یا متوجہ ہونا یا رخ کرنا (مفردات قرآن)۔

امام راغبؒ کے مطابق صلوا علیہ سے مراد ہے حضور ﷺ کی تعظیم کرنا، دعا دینا، حوصلہ افزائی کرنا۔ اس طرح اللہ کا حکم ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی ﷺ کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں؛ مومنو تم بھی حضور ﷺ کی دعوت کو کامیاب بنانے میں مدد کرو اور اس کی بھرپور اطاعت کرو۔ یہی معنی سورۂ توبہ کی آیت ۱۰۳ کا بھی ہے: وصلّ علیھم ان صلواتك سکن لھم۔ اے نبیؐ ان کی حوصلہ افزائی کرو، ان کو دعا دو، یہ ان کے لیے باعث تسکین ہے۔

طبرانی میں انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے مجھ پر درود بھیجا، وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے اور میں اس پر درود بھیجتا ہوں اور علاوہ ازیں اس کے حق میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔ ماشاء اللہ درود بھیجنے والے پر رسول اللہ ﷺ درود بھیجتے ہیں یعنی اس کے حق میں دعائیں دیتے ہیں۔ اس کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ خوش نصیبوں کے لیے حضور ﷺ کی توجہ اپنی حاجت مبذول کرنے کا اس سے بڑا موقعہ کہاں مل سکتا ہے۔ یہ گویا اللہ کے فرمان فاذکرونی اذکرکم کے مطابق ہے کہ تم مجھے یاد کرو گے ہم تمہیں یاد کریں گے۔ اتنا ہی نہیں، بلکہ یہ سلام پیش کرتے ہوئے رسول رحمت ﷺ سے جواب سلام وصول کرنے کا اعلیٰ ترین بہانہ اور وسیلہ بھی ہے ع

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف

خوب جی بھر کے درود و سلام کی سوغات پیش کرنا پیارے نبی ﷺ کو یاد کرنے کا حق بھی ہے اور احسن طریقہ بھی ہے۔ حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد میں حضور ﷺ کا حق ماں باپ کے حق سے بھی بڑھ کر ہے، جنہوں نے ہمیں کفر و شرک کی نجات سے پاک کر کے کتاب و حکمت کی تعلیم دی اور زندگی کے آداب و اخلاق سکھائے۔ خلوت خانوں سے لے کر جلوت کی محفلوں تک اٹھنے بیٹھنے کے ڈھنگ

سکھائے اور ساری امت کو کھلے عام وہ باتیں بتائیں جو والدین بھی بچوں کو بتا نہ سکتے تھے۔

حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے قرآن مجید کے بارے میں ایک بار فرمایا تھا:

''قرآن اس اعتبار سے بڑا ہی مظلوم صحیفہ ہے کہ جسے دنیا میں اور کوئی کام نہیں ملتا، وہ اس کے ترجمہ وتفسیر میں مصروف ہوجاتا ہے، حالانکہ یہ نہایت ہی نازک اور محتاط ذمہ داری ہے''

احکام ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآن کو بنا سکتے ہیں پاژند(۱)

اقبالؒ کے اس فرمان کے پس منظر میں شاید نعت کی صنف سے بھی یہی سلوک روا رکھا گیا ہے۔ بلکہ قرآن سے زیادہ نعت میں بہت زیادہ تاویل اور شرعی حیلے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ عشق ومحبت کے نام پر نعت کی صنف سخن اس قدر سستی اور ارزان ہوگئی ہے کہ اپنے پرائے، ایرے غیرے ہر کوئی حدود وقیود کی پرواہ کئے بغیر جس طرح چاہے اس فن میں طبع آزمائی کرتا ہے۔ کون مائی کا لال ہے جو اس فن پارہ میں کسی طرح کی گستاخی اور بے ادبی کرنے والے پر انگلی اٹھانے کی جرأت کرسکے، روک ٹوک کا سوال ہی نہیں۔ حد یہ ہے کہ بعض علماء ومشائخ قرآن مجید کو ہدایت ورہنمائی کی کتاب سے زیادہ پیارے نبی ﷺ کی تعریفوں اور نعتوں کی کتاب سمجھتے ہیں۔ قرآنی الفاظ جیسے الٓمٓ، حٰمٓ، طٰہٰ، یٰسین، مزمل، مدثر، والضحیٰ، واللّیل وغیرہ کو نعتیہ شاعری میں سجا کر پیش کرنے والوں کی واہ واہ سے داد دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک قرآن کا موضوع انسان نہیں بلکہ حضور ﷺ ہیں؛ وہی مطلع ہیں، وہی مضمون ہیں اور وہی مقطع ہیں۔ کاش ہم کبھی کبھی مذکورہ نامی قرآنی سورتوں میں سرسری اور سطحی طور جھانکنے کے بجائے ان کی آیات پر غور وفکر کرتے تو ہماری کایا پلٹ جاتی۔ ہماری آنکھیں کھل جاتیں، دل ودماغ انگڑائی لیتے اور بدن پر کپکپی طاری ہوجاتی کہ شاید ہم ان چونکا دینے والے الفاظ کو الٹا معنی پہناتے ہیں، جو ہمیں خواب خرگوش سے بیداری اور یومِ آخرت کی جواب طلبی سے قبل از وقت آگہی دینے کے لیے نازل ہوئے۔ ہم نے ذرائع نشر واشاعت میں، شعر وسخن اور نعت ومنقبت کی مجلسوں میں اپنی تخلیقات پر عش عش اور مکرر مکرر سنتے ہوئے اور مناسب دام ونام کماتے ہوئے زندگی کے قیمتی لمحات کھودیئے۔ تصوف کے نام پر نعت گوئی، منقبت خوانی، مدح سرائی، قصیدہ گوئی اور قوالی کی محفلوں میں شرکاء کی دل بہلائی کرتے ہوئے جو کچھ ملا، وہ ہمارے کس کام کا؟ کوئی فقیر ملت اللہ کو حبیب اور حضور ﷺ کو محبوب قرار دیتا ہے؛ کوئی درویش خدا مست اللہ کو محبوب اور حضور ﷺ کو حبیب سمجھتا ہے؛ کوئی عرش وفرش پر

---

(۱) زرتشت کی مذہبی کتاب "اوستا" کی تفسیر کا نام

ایک ہی ذات کو اوپر نیچے کرتے ہوئے دیکھتا ہے۔ ان کے خیال میں ام الکتاب اسی طرح حضور ﷺ پر نازل ہوئی تھی، جس طرح باقی انبیاء کرام پر کتابیں نازل ہوئیں۔ ان کتابوں میں بھی حضور ﷺ کا ذکر ہے، تعریفیں ہیں اور اس آخری کتاب میں بھی حضور ﷺ کی تعریفیں اور خوبیاں بیان کی گئی ہیں۔

جو حال سابقہ امم کا اپنی کتابوں سے تھا، وہی حال اس امت کی اکثریت کا اس کتاب سے ہے۔ وہ بھی انبیاءؑ کو اللہ کے بیٹے قرار دیتے تھے اور یہ بھی حضور ﷺ کے بارے میں غلو کے شکار ہیں۔ ان کے خیالات وافکار میں حمد ونعت کا خلط ملط تحریری ریکارڈ جگہ جگہ دستیاب ہے اور نئی نسل اس کی تقلید کو اپنی شان گردانتی ہے۔ باقی کتاب میں کیا ہدایت واحکامات ہیں، اللہ جانے اور اس کا رسول ﷺ جانے۔ خیر القرون سے بہت دور ہو کر کہیں یہ امت بھی اہل کتاب کے نقش قدم پر تو نہیں جا رہی ہے؟ جس کی پیش گوئی پیارے نبی ﷺ نے فرمائی ہے۔ سورہ یاسین وطٰہٰ مزمل ومدثر وغیرہ میں کون سے عشقیہ مضامین نظر آتے ہیں۔ وہاں تو توحید ورسالت، روزِ آخرت، نیکوکاروں کے لیے بشارت اور نافرمانوں کے لیے وعید، سابقہ امتوں اور پیغمبروں کا حال وغیرہ عبرت آموز واقعات کا بیان ہوا ہے، جن سے ہم ایصال ثواب کی رسم پوری کرتے ہوئے آنکھیں موند لیتے ہیں اور چشم پوشی کرتے ہیں۔ ہم نفس کے پیچھے پڑے ہیں۔ جہاں بھی ہمیں میٹھی میٹھی دعوتیں ملیں گی، موٹی موٹی رقمیں ملیں گی؛ کندھوں پر شال، سر پر پگڑی پہنائی جائے گی، ہماری آؤ بھگت اور استقبال ہوگا، ہمارے نام کے نعرے لگائے جائیں، تو ہم دنیا میں مہمان خصوصی ہو کر بھی وہاں کے مہمان خصوصی بن جاتے ہیں اور ہوا کا رخ دیکھ کر کشتی کھینے لگتے ہیں ؎

جانتا ہوں ثوابِ طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

نعت کا وجود قدیم زمانے کی کتب وصحائف میں محفوظ ہے، جن میں حضور ﷺ کی خداداد خوبیوں کا ذکر ہے، لیکن نعت گوئی اسلام کی دعوت کے آغاز میں اس دور میں منظر عام پر آگئی، جب کفار ومشرکین حضور نبی کریم ﷺ کی بعثت اور دعوت اسلامی کے خلاف شاعروں کی ہجو گوئی سے مدد لینے لگے۔ انہوں نے ایک منفی محاذ قائم کیا اور دین حق کی مخالفت میں ہر سطح پر دوڑ دھوپ کرتے رہے۔ ان میں زیادہ تر قریش قبیلہ کے شعراء عمرو بن عاص، ابوسفیان، عبداللہ وغیرہ پیش پیش تھے، جو پیارے نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے متبعین کی ہجو بیان کرتے تھے۔ ہجو گوئی میں پہلے وہ بیہودہ وفحش باتیں نہیں کہتے تھے، لیکن جس کی ہجو کرتے تھے، اس کا مذاق وتمسخر اڑاتے اور سماج میں اس کی حیثیت کو گرانے کی کوشش کرتے تھے۔ بعد میں وہ جھوٹ اور فحش گوئی پر بھی اتر آتے تھے۔ جب یہ لوگ کذب بیانی اور بیہودہ گوئی سے مسلمانوں کی دل آزادی کر کے سخت ایذائیں پہنچانے لگے تو ہجو گوئی کے ردِ عمل

میں صحابہؓ نے حضور ﷺ سے جوابِ ہجو کی اجازت چاہی۔ آخر ہجرت مدینہ کے بعد جب مسلمانوں کے خلاف قریش اور کفار مکہ کا غم وغصہ پہلے سے زیادہ بڑھتا گیا تو حضور ﷺ نے بطورِ اجازت صحابہؓ سے فرمایا کہ جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مدد ہتھیاروں سے کی ہے، انہیں کیا چیز روکے رکھی ہے کہ وہ اپنی زبانوں سے ان کی مدد نہیں کرتے۔ مطلب یہ تھا کہ مدافعت اور حفاظت کے طور پر کیوں نہ تم لوگ اپنی زبان کھول کر ہجو گوئی کا توڑ کرو اور ان کی برائیوں کا جواب اچھائیوں سے دو۔ اس طرح زبان اور ہاتھ کو استعمال کر کے تمہارے قول وفعل میں ہم آہنگی پیدا ہوگی اور جہاد بالسیف کے ساتھ جہاد باللسان بھی جاری رہے گا۔ تم کفر وشرک کی تاریکیوں کو اسلام اور توحید کے نور سے کافور کرتے رہو۔ یہ حکم سن کر حسان بن ثابتؓ، عبداللہ بن رواحہؓ اور کعب بن مالکؓ میدان میں آگئے اور وہ ہجو گوئی کا جواب ہجو سے نہیں، بلکہ نعت گوئی سے دیتے رہے۔ مسجد نبوی میں حسان بن ثابتؓ حضور ﷺ کی شان میں ان کی خوبیوں اور صلاحیتوں کا ذکر کرتے تھے۔ یوں اس زمانے میں نعت گوئی اسلام کے حق میں دفاعی ہتھیاروں کا کام کرتی رہی۔ سفر وحضر اور غزوات میں سخنور صحابہ کرامؓ مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے اور جذبات میں جوش اور ولولہ پیدا کرتے تھے ع

خوشا وہ دور کہ یثرب تھا مقام جس کا

عصر حاضر میں نعت گوئی غلو اور افراط وتفریط کی شکار ہے۔ ناقدین اس کے لوازمات اور مقتضیات پر درس دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نعت گوئی اتنی آسان نہیں، جتنی لوگ سمجھتے ہیں، بلکہ یہ نہایت مشکل اور نازک کام ہے، جو ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ یہ تلوار کی تیز دھار کو پار کرنے کی مانند ہے، جس سے آگاہ لوگ آگے بڑھنے اور چڑھنے کی ہمت نہیں کر سکتے۔ نعت گوئی میں جذبات کے سر پر شریعت کی تلوار لٹکتی رہتی ہے، جس کی گہری چوٹ کبھی مندمل نہیں ہوسکتی۔ ان میں کچھ لوگ اپنی بیان کردہ کسوٹی پر پرکھنے میں اوروں کو نصیحت خود میاں فضیحت کے مصداق دکھائی دیتے ہیں۔ کتاب وسنت اور شریعت کے حدود پھاندتے چلے جاتے ہیں۔ جذبات میں شعائر اسلام کی بے قدری اور بے حرمتی کا ارتکاب کرتے ہیں اور گروہی عصبیت اور مکتبی منافرت کے زیر اثر نازیبا اور نامناسب کلمات کا استعمال کرتے ہیں۔ ہمارے اسلاف نعت گوئی میں اس درجہ محتاط، مخلص اور معتبر تھے کہ ایک ایک لفظ پھونک پھونک کر استعمال کرتے تھے تاکہ الوہیت اور عبدیت، مختار اور محتاج، بحر اور نہر، عرش اور فرش کے درمیان فاصلہ اور فرق بدستور قائم رہے۔ مقتدی کی غلطی سے کوئی مسئلہ نہیں ہوتا، لیکن امام اگر غلطی کرے تو سب پر سجدہ سہو واجب ہوجاتا ہے۔ زبانی، اخلاقی اور مالی لحاظ سے اگر قوم کا رہبر گر جاتا ہے تو پوری قوم اس کی تقلید میں بلندی سے

پستی کے کھڈ میں گر جاتی ہے۔

اخلاق حسنہ کی تعلیم دینے والے پیغمبر کریم ﷺ کی امت بدزبان، بداخلاق اور حرام خور نہیں ہوسکتی، وہ سب کچھ برداشت کرسکتی ہے لیکن پیارے نبی ﷺ کی کسی بھی طرح کی توہین کو برداشت نہیں کرسکتی؛ الّا یہ کہ دین کے لبادہ میں گندم نما جوفروش گردش دوران کے ہاتھوں ان کے سروں پر سوار نہ ہوجائیں۔ حضور ﷺ عالی مقام کی مرتبت میں تفریط کی جرأت شیاطین بھی نہ کرسکے ہیں، لیکن افراط اور غلو کے بھنور میں بہت سارے لوگ دانستہ یا نادانستہ طور پر پھنس گئے۔ اس لیے کہ وہ عشق ومحبت اور عقیدت کی آڑ میں حد سے تجاوز کرنے کو گناہ کی جگہ ثواب اور توہین کی جگہ ایمان ویقین اور اعتقاد کا نام دیتے رہے۔ صرف نام پر قربان ہونے والے کبھی وہ کام کرنے کے لیے بھی آمادہ ہوتے، جس کے لیے حضور ﷺ نے اپنی ساری زندگی وقف کردی تھی، ایسا ہوتا تو کیا ہوتا۔ پہلے اگر ہجو میں جھوٹی باتیں بیان ہوتی تھیں تو آج نعت سے لِمَ تقولون ما لا تفعلون کی تفسیر عیاں معلوم ہوتی ہے۔ پہلے اگر نعت جہاد فی سبیل اللہ میں ایک مؤثر ہتھیار تھی، آج یہ مجلسوں اور محفلوں میں دل بہلانے اور زبانی ومالی داد تحسین حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ اکثر مقامات پر قرآن وحدیث کا ذکر کرنے کی بجائے جمعہ کے اہم موقعوں پر نعت خوانی اور منقبت خوانی کے ساتھ درود ودُعا سے کام نبھایا جاتا ہے۔ فاسعوا الیٰ ذکر اللہ کی اذان میں ما قال اللہ و ما قال رسول اللہ ﷺ کی جگہ سامعین کو ما قال ناعت سنا سنا کر ہفتہ بھر کے لیے جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے۔ اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات وہدایات سنانے کے بدلے بندوں کے فرمودات گوش گذار کئے جاتے ہیں اور سورۂ جمعہ کی تلاوت کے بعد بھی مطلوبہ اہمیت و افادیت سے تغافل برتا جاتا ہے۔ نعت (گوئی/نگاری/خوانی) کی اہمیت اپنی جگہ مسلمہ ہے، لیکن نعت خطبۂ جمعہ کا نعم البدل نہیں۔ اللہ کے گھر میں اللہ کا کلام ہی پڑھا جاتا ہے، نہ کہ اپنا کلام سنایا جاتا ہے۔ یہاں جن باتوں کی اصلاح مقصود تھی، ان پر پردہ ڈالا جاتا ہے اور جن باتوں پر پردہ ڈالنے کا حکم تھا، ان کو سرعام اچھالا جاتا ہے۔ بڑے بڑے علماء، علامہ اور مولانا حضرات کی موجودگی میں الٹی گنگا بہائی جاتی ہے۔ اور صورتحال یہ ہے کہ ؂

گذر گیا اب وہ دور ساقی کہ چھپ چھپ کے پینے والے
بنے گا سارا جہاں میخانہ ہر کوئی بادہ خوار ہوگا

ہمارے نبی ﷺ محمد بھی ہیں، محمود بھی ہیں، حامد بھی ہیں، احمد بھی ہیں۔ آپ ﷺ ہماری

نعتوں اور تعریفوں کے محتاج نہیں۔ آپ ﷺ امت کی اصلاح و درستگی، ہدایت و رہنمائی، راست روی اور فرمانبرداری اور مغفرت و بخشش کے لیے شب و روز اللہ کی بارگاہ میں دعا گو رہتے تھے۔ ہم اگر واقعی سدھر جائیں؛ راستباز اور متقی بن جائیں تو ہماری ہر بات اور نعت حضور ﷺ کی خوشی و فرحت کا باعث ہوگی؛ ورنہ آپ ﷺ آج بھی ہم گنہگاروں کے لیے رب ذوالجلال کے حضور صراط مستقیم پر گامزن ہونے اور خطاؤں کی بخشش کے لیے سر بسجود رہتے ہیں۔ ہم دنیا میں پیارے نبی ﷺ کی ہدایت اور رہنمائی، تعلیم و تربیت اور آخرت میں آپ ﷺ کی وسالت اور شفاعت کے سخت محتاج ہیں، جہاں نفسی نفسی کا عالم ہوگا؛ نہ باپ اپنے بیٹے کا ہوگا؛ نہ زوجہ اپنے شوہر کی ہوگی۔ یَوْمَ یفر المرءُ من اخیہ و امہٖ و ابیہٖ و صاحبتہٖ و بنیہ لکل امریٍٔ یومئذ شان یغنیہ (عبس)۔ جھوٹ بولنے والے، وعدہ خلافی کرنے والے، خیانت اور بد دیانتی کرنے والے، خوشامد اور جھوٹی تعریفیں کرنے والے، حضور ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب کرنے والے، ارکان اسلام کی پابندی سے بھاگ جانے والے اور سنتوں کے مقابلے میں بدعات کو ایجاد کرنے والے حضور ﷺ کی کیا تعریف و توصیف بیان کر سکتے ہیں؟۔

نعت گوئی کا راستہ تبلیغ دین اور محبت رسول ﷺ کا راستہ ہے، جسے خلفائے راشدینؓ، انصارؓ و مہاجرینؓ، تابعینؒ و تبع تابعینؒ، شہداءؒ و صالحینؒ اپنا کر چلے۔ اس میں زبان و بیان سے زیادہ قلب و جگر کے خون کا عمل دخل ہے۔ نعت گوئی کے دروازے میں داخل ہونے سے پہلے کتاب و سنت کے علم و ادب سے داخلہ ٹکٹ حاصل کرنا لازمی ہے۔ یہاں مصنوعی دیوانگی اور جنون کا ڈھونگ رچانے والے بے نقاب ہو جاتے ہیں۔ یہ کسی معشوقہ کی غزل گوئی، کسی بادشاہ یا نواب کی قصیدہ گوئی یا احبار و رھبان کی مروجہ مدح سرائی سے منزہ، پاک اور بالاتر کام ہے۔ شعر میں عاشق اور شاعر اور شاگرد و مرید، کذب بیانی، مبالغہ آمیزی، تصنع اور خوشامد سے کام لیتے ہیں، تا کہ وہ ان سے اپنا کام برآمد کریں۔ یہ سارے جذبات غلط خیالات اور جھوٹ پر مبنی ہوتے ہیں، جن میں کوئی حقیقت نہیں ہوتی اور حضور ﷺ نے علانیہ طور واضح فرمایا ہے کہ جھوٹ ہلاکت کا باعث ہے اور جھوٹے لوگ میری امت سے خارج ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے جا تعریفیں کرنے والوں کے منہ میں خاک جھونک دو۔ حضور ﷺ کی شان کو حد سے زیادہ بڑھانا بھی ایسا ہی گناہ ہے، جیسا کہ گھٹانے اور تنقیص کا گناہ ہے۔ والذین اٰمنوا اشد حباً للہ کے مصداق اہل ایمان سے دانستہ یا نادانستہ ایسے گناہ کبھی سرزد نہیں ہو سکتے۔ یہ کام مومنوں کا نہیں، یہود و نصاریٰ کا ہو سکتا ہے، کیونکہ یہ امت اُمتِ وسط ہے؛ معتدل امت ہے، جو عدل و انصاف

پر قائم رہنے والی ہے۔ ''باخدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہشیار'' کی تاکید میں اکابرین امت نے پیارے نبی ﷺ کی ہدایات کے مطابق اسی اتار چڑھاؤ سے دور رہنے اور احتیاط برتنے کی صلاح دی ہے۔

حضور ﷺ کو اللہ پاک نے پوری امت مسلمہ کو آداب و اخلاق کی تعلیم دینے کے لیے بحیثیت معلم مبعوث فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: انما بعثت معلماً۔ ادبنی ربی فاحسن تادیبی۔ ایک روایت میں ہے بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔ اللہ نے پہلے سے ہی آپ ﷺ کو اس کی تربیت دی تھی اور انك لعلی خلق عظیم یعنی خلق عظیم سے نوازا تھا۔ ناقدین ''باخدا دیوانہ باش'' پر معترض ہیں کہ کیا ایسے استاد اور معلم کو مبعوث کرنے والے رب ذوالجلال کے ساتھ بے احتیاطی اور دیوانگی کرنا کسی بندے کے شایان شان ہوسکتا ہے؟ جو علی العظیم خدا سب سے اعلیٰ و بالا ہے۔ بندوں پر ماں باپ سے زیادہ مہربان اور رحم والا ہے۔ جب حضور ﷺ کے ساتھ کمال ہشیاری کی ضرورت ہے تو اللہ کے ساتھ کیوں نہیں۔ اللہ معبود ہے اور حضور ﷺ عبدہٗ ہے۔ خاص مقام عبدیت پر فائز ہیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس مقام پر فائز ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کبھی تکیہ لگا کر آرام کے ساتھ کھانا نہیں کھایا، بلکہ آپ ﷺ فرماتے تھے: اکل کما یأکل العبد واجلس کما یجلس العبد۔ میں اس طرح کھاتا ہوں جس طرح کوئی غلام کھاتا ہے اور اس طرح بیٹھتا ہوں جس طرح غلام بیٹھتا ہے یعنی میں اللہ کا غلام ہوں، میرا کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا آقا و مولا کے سامنے ایک وفادار اور فرض شناس غلام کی طرح ہے۔ کیا ہمارا بھی یہی حال ہے؟۔ اگر یہ دیوانہ باش مقولہ صحیح ہے تو پھر (اصلی) دیوانوں پر شریعت اور حدود کا نفاذ کیوں نہیں؟۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، قربانی وغیرہ عبادات کے لیے دیوانہ اور مجنون نہ ہونا شرط کیوں ہے؟۔ بیت اللہ میں داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں رکھنا اور نکلتے وقت بایاں پیر رکھنا کیوں لازم ہے؟۔ اس لیے کہ دین عقل اور ادب کا نام ہے جو قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ کے مطابق اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے عشق و محبت تک اتباع رسول کے راستے پہنچادیتا ہے۔ زبانی جمع خرچ اور خراج عقیدت پیش کرنے سے کسی کا دنیاوی مفاد و مادی منفعت وابستہ ہو تو اس سے زیادہ توہین کیا ہوسکتی ہے؟ جبکہ یہ ایمان اور محبت کے سراسر منافی ہے۔ اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه۔ آمین یارب العالمین

تم پہ ہوں لاکھوں درود، اربوں سلام //// روز و شب، ظہر و عصر، صبح و شام

***

حافظ مقصود احمد ضیائی

جامعہ ضیاء العلوم، پونچھ، جموں وکشمیر

نعت گوئی اور آدابِ نعت نگاری

دنیا میں میں صرف ایک شخصیت ایسی ہے کہ جو کردار و عمل کا وہ نمونہ ہے کہ جس کے دربار میں انسانیت کو امان ملی اور وہ نبی آخر الزماں تھے، جو ان اوصاف حمیدہ اور اخلاق فاضلہ سے متصف تھے جس کا ذکر قرآن پاک نے مختلف عنوانات و پیرائے بیان میں کیا ہے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت و عقیدت رکھنا ایمان کا جز اور ایمان کامل کی نشانی ہے، اہل ایمان مختلف انداز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عقیدت و محبت کا اظہار کرتے ہیں، اظہار محبت کا ایک ذریعہ نعت گوئی بھی ہے، نعت گوئی کا سلسلہ خیر القرون کے دور سے ہی جاری ہے، نعت کے لغوی معنی تو مدح سرائی تعریف و توصیف کے ہیں، لیکن عربی سے فارسی اور اردو تک آتے آتے اس لفظ کا اصطلاحی مفہوم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ کی مدح سرائی کے لیے مختص ہوگیا، مطلب یہ کہ وہ اشعار جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت کا اظہار کیا جائے، یا آپ کے محاسن بیان کیے جائیں، اصل نعت تو وہ ہے، جس میں پیکر نبوت کے صوری محاسن کے ساتھ کار نبوت، مقصد نبوت سے دل بستگی پائی جائے، صرف رسمی عقیدت کا اظہار نہ ہو، بلکہ آپ ﷺ سے ایک قلبی تعلق موجود ہو، خواہ وہ مدح یا خطاب بالواسطہ یا بلاواسطہ ہو، یا وہ شعر، نظم، غزل، قصیدہ، مثنوی، رباعی، مثلث، مخمس ہو یا مسدس ہو، لیکن نعت کے ذریعے کلام کی معنوی قدر و قیمت کا دار و مدار اس کے نفس مضمون پر ہے، جس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی جو اہمیت نوع انسانی اور جملہ موجودات کے لیے نمایاں کرتا ہو، صحیح طور پر نعت کہلانے کی مستحق ہوگی، اصل نعت تو وہ ہے کہ اس کے الفاظ سننے کے بعد ہمیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ان کی صفت نبوت، کار رسالت، کار نبوت، یا جذبہ عشق رسول کی طرف لے جائے، آداب نعت میں ضروری ہے، کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب کا پورا پورا حق ادا ہو، اس منزل کا ہر مسافر ہر قدم پر انتہائی نازک مرحلہ سے گزرتا ہوا اپنی منزل کی جانب گامزن رہتا ہے ایسا بھی ممکن ہے کہ تخیل کی نادرہ کاری اور مبالغہ کی رنگ آمیزی اسے راہ اصحاب سے منحرف کردے اور کہیں

افراط کا شکار ہو کر الہ اور عبد کے درمیان فرق کو نظر انداز کر دے جو انتہائی خطرناک راستہ ہے، اس لیے کہ نبوت و عبدیت کا کمال اس میں نہیں کہ بندے کو خدائی اختیارات سونپ دیئے جائیں بلکہ اس کا اصل کمال یہ ہے کہ نبی جامہ بشریت میں رہتے ہوئے عبدیت اور نبوت کا ایسا کامل نمونہ ہو کہ اس کے بعد کوئی درجہ تصور میں نہ آسکے، نعت میں بھی الفاظ کے پیچ وخم کی وجہ سے نعت گو کہیں سے کہیں پہنچ سکتا ہے، نعت کہنا بظاہر جتنا سہل اور آسان لگتا ہے، بباطن اتنا ہی مشکل کام ہے، اس لیے کہ نعت بھی قرآن اور حدیث پاک کے اسرار و رموز سے بالائے طاق نہیں ہوسکتی، لہذا معیاری نعت وہی ہوگی، جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی، ظاہری و باطنی اوصاف حمیدہ اور محاسن کو بیان کیا جائے اور شرعی حدود میں نعت گوئی کا حق ادا کیا جائے، لیکن اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و محاسن کی جگہ دیگر شخصیات کے اوصاف و خصائل بیان کیے جائیں، اس کلام کو نعت کہا جائے یقیناً یہ گن نعت کے ساتھ بے انصافی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کے مترادف ہوگی، اس لیے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ وہ عظیم ہستی ہیں، کہ جنہیں "بعد از خدا توئی قصہ مختصر" سے یاد کیا جاتا ہے جن کے ذکر سے زبانوں کو حلاوت ملتی ہے روح فرط مسرت سے جھوم اٹھتی ہے جن کے دم سے چمن آدمیت سرسبز و شاداب ہے تاریخ آدمیت سرفراز اور گلشن شرافت سدا بہار ہے جو سردار انبیاء ہیں سرتاج اتقیاء ہیں جو حسینوں میں احسن جمیلوں میں اجمل شریفوں میں اشرف اور باعث تخلیق کائنات ہیں ایسی عظیم الشان ہستی کے ساتھ کسی عام انسان کو تعریف و توصیف میں شریک کرنا کیوں کر جائز ہوسکتا ہے بلکہ یہ نعت گوئی کے ساتھ سراسر ناانصافی ہوگی، اور عشق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مجروح کرنے کی مذموم کوشش ہوگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتوں کا کیا ٹھکانہ کہ جن کا نام اللہ رب العزت ہمیشہ اپنے نام کے ساتھ ذکر فرمائیں۔

بہر حال جس طرح دعاؤں کے باب میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی حمد و ثنا میں کوئی افراط و تفریط نہیں ملے گی، ٹھیک اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں صحابہ کرام کی بیان کردہ مدح یا تعریف میں بھی کوئی مبالغہ اور افراط و تفریط نہیں ملے گی، یہ اس امر کی زندہ شہادت ہے کہ حمد اور نعت کے مضامین کا عین شریعت کے معیار کے مطابق ہونا لازمی ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے، کہ یہ دو اصناف کلام بہت مشکل اور انتہائی نازک ہیں، بہ ہر کیف مضمون نعت میں غلو کے جو مفاسد ہوسکتے ہیں، ان میں سب سے بڑا مفسدہ عقیدہ کا ہے کہ نعت گو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو نبوت و رسالت کے منصب اور مرتبہ پر رکھ کر اس کے شایان شان اوصاف و مناقب اور کمالات کا ذکر رہا ہے، یا پھر الوہیت

کے مقام پر رکھ کر اس کے مناسب کمالات اور صفات کا، اور ایسے شعراء کی بھی طویل فہرست ہے، کہ جنہیں شعر و شاعری سے اشتغال پسند نہیں تھا البتہ مختلف اوقات میں وہ فی البدیہہ اشعار کہہ دیا کرتے تھے، ایسے شعراء کے کہکشانی سلسلہ کی ایک اہم کڑی امام ہمام ابو عبداللہ محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی تھے، زبان و ادب میں جن کی مجتہدانہ شان کا یہ عالم تھا، کہ مشاہیر ادبا و شعراء ان سے رجوع کرتے تھے، نظم و نثر میں ایسی مہارت کے مالک تھے کہ ایک بار خود فرمایا کہ

لولا الشعر بالعلماء یزری
لکنت الیوم اشعر من لبید

شعر گوئی کا پیشہ اختیار کر لینا علماء کے لیے عیب کی بات نہ ہوتی تو میں آج لبید سے بڑا شاعر ہوتا، معروف ادیب اصمعی شہادت دیتا ہے، اخذت شعر ہذیل عن الشافعی میں نے قبیلہ بنو ہذیل کے اشعار امام شافعی سے سیکھے ہیں، آپ کے اشعار حکمت و موعظت اور اخلاقی تعلیم کا خزانہ ہیں، اور بہت سے اشعار تو قرآن عظیم الشان کی آیات کے ترجمان ہیں، آپ کا جامع کلمات پر مشتمل پر از حکمت نثر کتابوں میں محفوظ ہے، جس کو پڑھنے والا محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، فصاحت، بلاغت، ادب، لغت، اور عروض وقوافی کے قوانین کے ساتھ مدح، ذم، مراثی، عشق، فخر، حماسہ، مقابلہ اور اغراض فاسدہ و مقاصد غیر مرضیہ پر کلام کرنے والے شعراء تو تاریخ عرب میں ان گنت مل جائیں گے، مگر معانی، حکمت، وعظ، عبرت، مکارم، اصلاح، اعتدال، اور بلند اخلاق و کردار کے مضامین پر مشتمل اشعار کہنے والے امام شافعی کی طرح خال خال ہی نظر آئیں گے، ان کا جو مطبوعہ دیوان ہے، اس کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کسی جریر، کسی فرزدق اور کسی اخطل سے کم پایے کہ شاعر نہ تھے، امام شافعی کے اشعار کو ادب اسلامی کا بہترین نمونہ کہا جا سکتا ہے، طالبان علوم کے لیے حفظ کرنے کے قابل ہیں۔

آخری بات: میں مبارک باد پیش کرتا ہوں" جہان حمد و نعت" کے سرپرست جناب پروفیسر مرغوب بانہالی، اور مدیر محترم ڈاکٹر جوہر قدوسی صاحبان؛ اور ان کے رفقاء کار کو، کہ وہ انہماک و لگن اور فکر مندی کے ساتھ" جہان حمد و نعت" کو چار چاند لگانے کے لیے مصروف عمل ہیں۔ امید ہے کہ" جہان حمد و نعت" کا یہ شمارہ بھی سنگ میل کی حیثیت سے سامنے آئے گا اور اسے علمی حلقوں میں خوب پذیرائی ملے گی۔ علمی و ادبی حلقوں کے ذمہ داران سے بھی گزارش ہے کہ وہ موصوف کی علمی و ادبی کاوشوں کو اپنی عالمانہ التفات سے نوازتے ہوئے مدارس اسلامیہ عربیہ اور اسکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں کے کتب خانوں تک رسائی ترغیب و تحریک کے ذریعہ ممکن بنائیں اور یہی ان کی کاوشوں کا حق بھی ہے۔ ***

باب

تدبّرات

حمد ونعت:

عکسِ تحقیق ، نقشِ تنقید

[حمدیہ ونعتیہ شاعری پر تحقیقی وتنقیدی مضامین]

ڈاکٹر شکیل شفائی

بمنہ، سری نگر، کشمیر

حضرت حسان بن ثابتؓ دربارِ رسالت میں

حضرت حسان بن ثابتؓ دربارِ رسالت کے بلند پایہ اور عظیم المرتبت شعراء میں سے تھے۔ آپؓ نے بحکم صاحبِ رسالت ختمی مرتبت ﷺ مسجد نبوی کے منبر پر آقائے نامدار ﷺ کی مدحت بیان کی۔ امام ترمذیؒ نے اپنی سنن میں نقل کیا ہے:

عن عائشة قالت: كان النبى ﷺ يضع لحسان منبراً فى المسجد يقوم عليه قائماً يفاخر عن رسول الله ﷺ أوقالت: ينافح عن رسول الله ﷺ ويقول رسول الله ﷺ : انّ الله يؤيّد حسان بروح القدس ما يفاخرأو ينافح عن رسول الله ﷺ (ترمذی)

''حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت حسانؓ کیلئے مسجد نبوی میں منبر لگواتے جس پر حضرت حسانؓ کھڑے ہوجاتے اور رسول اللہ ﷺ کے حسب ونسب اور نبوی کمالات کے بارے میں فخریہ اشعار پڑھتے یا رسول اللہ ﷺ کی کفار سے مدافعت کرتے۔ آپؐ فرماتے: ''جب تک حسان میری نعت پڑھتے ہیں یا میرا دفاع کرتے ہیں، تب تک حضرت جبریلؑ ان کی مدد فرماتے ہیں۔''

حضرت حسان قادر الکلام شاعر تھے۔ انہوں نے کافی طویل عمر پائی۔ بادشاہوں کے دربار دیکھے۔ امراء کی صحبتیں اٹھائیں۔ مجالس کی رنگینی دیکھی۔ عیش وعشرت کے ماحول میں اوقات گذارے لیکن جب اسلام کے دائرے میں داخل ہوئے تو ان کا نقطہ نظر پوری طرح بدل گیا۔ انہوں نے اپنے کلام کے ذریعے نہ صرف رسول اللہ ﷺ کا دفاع کیا یا ان کی منقبت کی بلکہ توحید کا پیغام دیا، جنگ کے نقشے سمجھائے۔ تاریخ بیان کی، صحابہ کی سیرت پر روشنی ڈالی۔

حضرت حسانؓ کا کلام فنی لحاظ سے بھی بلند پایہ مانا گیا ہے۔ حنا الفاخوری ان کے شعری عواطف پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

"حسّان شاعر شديد التأثر، قوى العاطفة يفوته التأنى الذهيرى ولهذا ترى شعره يتدفع تدفعاً، متبعاً فى ذلک الطبع والفطرة لاالصنعة والتعمل۔" (تاريخ الأدب العربى ص ۲۳۸)

"حضرت حسان کے کلام میں شدت تاثر ہے۔قوتِ احساس ہے۔ان کے کلام میں غور وفکر کے تکلفات نہیں۔ان کے کلام میں آمد کا احساس اُبھرتا ہے نہ کہ آورد کا۔اپنے شعری تجربے میں وہ طبیعت وفطرت کی پیروی کرتے نظر آتے ہیں نہ کہ تصنع وتکلف کے۔"

آگے لکھتی ہیں:

"وانّنا نلمس فى كلام حسان أثراً للدين الجديد والقرآن وذلک ظاهر فى المعانى الجديدة من ارتياح الى المصير وتفصيل بعض العقائد و الشعائر من توحيد و تنزيه وثواب و عقاب۔ وذلک ظاهراً يضاً فى الألفاظ التى اعطاها الاسلام ايحاءً جديداً، دلالةً جديدةً ونثرها حسان فى شعرہ ولقد حق بعد ذلک أن يقال انّ حساناً هو مؤسس الشعر الدينى فى الاسلام۔" (ص ۲۳۸)

"حسان کا کلام جدید معانی میں ہمیں جدید دین (یعنی اسلام) اور قرآن سے اثر پذیر معلوم ہوتا ہے۔ان کے کلام میں توحید وتنزیہ اور ثواب وعقاب کی تفصیل بھی ملتی ہے۔یہ کیفیت ان الفاظ میں بھی ظاہر ہوتی ہے جو اسلام نے نئے معانی ودلائل کے ساتھ جاری کئے ان کو حسان نے شعر کے قالب میں ڈال دیا۔پس یہ کہنا صحیح ہے کہ حسان جدید اسلامی شاعری کے موجد تھے۔"

ابوعبیدہ حضرت حسان کی شاعرانہ زندگی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"كان شاعر الأنصار فى الجاهلية وشاعر النبى (ﷺ) فى النبوة وشاعر اليمن كلها فى الاسلام۔"

(دیون حسان بن ثابت ۲۷ مرتبہ مولانا اویس سرور)

"حضرت حسان زمانۂ جاہلیت میں انصار کے شاعر تھے، اور زمانۂ نبوت میں نبی محترم ﷺ کے شاعر تھے اور زمانۂ اسلام میں پورے یمن کے شاعر تھے"

آگے لکھتے ہیں:

"أجمعت العرب على أنّ حسان أشعر أهل المدد"

''اہل عرب کا اس پر اتفاق ہے کہ خانہ بدوشوں میں سب سے بلند پایہ شاعر حسان بن ثابت ہیں''

اصمعی نے حضرت حسان کو ''فحل من فحول الشعراء'' قرار دیا ہے۔ ابن سلام حضرت حسان کے بارے میں لکھتے ہیں۔ ''کثیر الشعر جیدہ''۔ اچھے اور عمدہ اشعار کثرت سے کہنے والے شاعر۔ عبدالملک بن مروان جو کہ زبان اور اہل زبان کا حاکم تھا، جب اُس نے حضرت حسان کا یہ شعر سنا۔

''یغشون حتی ماتھر کلابھم
لا یسئلون عن السواد المقبل''

''ان کے پاس اس کثرت سے مہمان آتے ہیں کہ ان کے کتے اب نئے مہمانوں پر نہیں بھونکتے۔ یہ ان کی سخاوت کا عالم ہے کہ وہ اب کسی نئے آنے والے مہمان کے بارے میں نہیں پوچھتے کہ یہ کون ہے، کہاں سے آیا ہے۔ بلکہ یہ اسے ہر حال میں نوازتے ہیں''۔

تو وہ بول اٹھا ''انّ أمدح بیت قالته العرب بیتُ حسان ھذا''۔ ''اہل عرب میں مدح میں جتنے اشعار کہے ہیں ان میں حسان کا یہ شعر سب سے بہتر ہے''

ایمان لانے کے بعد حضرت حسانؓ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کو وقف کیا۔ آپؐ کی نعتیں کہیں، آپ کا تذکرہ بلند کیا، آپؐ کے اوصاف انتہائی خوبصورتی کے ساتھ بیان کئے۔ آپ کا دفاع کیا۔ جنگ میں آپؐ کی سیرت کے مرقعے پیش کئے۔ صحابہ کی مدح کی، اُن کی بہادری کے افسانے سنائے۔ حضرت حسان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے بے حد عشق تھا۔ وہ رب العالمین کی بارگاہِ قدسی میں آپؐ کے اعلیٰ وافضل مقامِ عبدیت و رسالت کے اسرار سے بھی واقف تھے۔ آپؐ کی فرقت کا کس درد بھرے لہجے میں تذکرہ کرتے ہیں۔

کنت السواد لناظری
فعمی علیک الناظر
من شاء بعد ک، فلیمت
فعلیک کنتُ أحاذر

''آپؐ میری آنکھ کے پتلی تھے، یعنی میری آنکھوں کی بینائی تھے۔ آپؐ کے پردہ فرمانے سے میری آنکھیں اندھی ہوگئیں۔ آپؐ کے وصال کے بعد ہمیں بھی دنیا سے رخصت ہو جانا چاہئے۔ آپؐ کے بعد اب زندہ کون رہنا چاہے گا، میں اسی دن سے ڈر رہا تھا کہ آپؐ سے جدائی اختیار نہ کرنا پڑے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف میں ایسے الہامی شعر کہے جو بچے بچے کی زبان پر جاری ہوئے۔ ان دوشعروں میں آپؐ کے حسنِ حجلۂ ناز کا بیان بھی ہے، آپؐ کی کاملیت کا ذکر بھی ہے، آپؐ کے لاثانی ہونے کا اعتراف بھی ہے، الفاظ کی عطر بیزی، ترکیب کی نگہت آفرینی، عبارت کی بندش و چستی، مضمون کا اچھوتا پن، واقعی ان نعتیہ شعروں کو بارگاہِ فلک پائیگاہ کے قابل بناتا ہے۔

وأحسن منك لم ترقط عيني
وأجمل منك لم تلد النسآء
خُلقتَ مُبرَّأً من كلِّ عيبٍ
كأنّك خلقتَ كما تشآء

حضرت حسانؓ رسول محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع ضرور کرتے ہیں لیکن وہ نعت گوشاعر ہونے کی حیثیت بھی خوب سمجھتے ہیں۔ نعت کے معنی عربی میں ''صفت'' کے ہیں۔ صفتِ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے معنی ہوں گے ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف حمیدہ اور خصائل پاکیزہ کو شعری اسلوب میں بیان کرنا۔ حضرت حسان کی شاعری میں یہ دونوں پہلو کامل صورت میں نظر آتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

وقال اللهُ قد أرسلتُ عبداً
يقولِ الحق ان نفع البلآئُ

البلاء کے معنی معجم الوسیط میں یہ دیئے گئے ہیں: ''المحنة تنزل بالمرء ليختبر''۔ امتحان کے لئے آدمی پر نازل ہونے والی آزمائش۔

حضرت حسانؓ کا یہ فرمانا: ''یہ رسول حق بات کہتے ہیں، اگرچہ آزمائش نفع ہی دے۔''

اس کا مطلب یہاں ترغیبی آزمائش کا ذکر ہورہا ہے کہ اس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی کتنا ہی دنیاوی لالچ دے یہ حق بات کہنے سے باز نہیں آتے۔

یہ بات معلوم ہے کہ ترہیبی آزمائش سے زیادہ سخت ترغیبی آزمائش ہوتی ہے۔ بالخصوص اُس شخص کیلئے جو غربت وافلاس اور مصائب وشدائد کا نشانہ ہو۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر آزمائش میں ثابت قدمی کا جو اُسوہ پیش کیا امر واقعہ یہ ہے کہ یہ اُسوہ اُن تمام لوگوں کیلئے روشنی کا کام دیتا ہے جو راہِ خدا میں آزمائشوں کی بھٹی میں ڈالے جاتے ہیں۔

نعت کہنا نعل در آتش کے مصداق ہے۔ یہ محض اشک شوئی کا کام نہیں بلکہ حزم واحتیاط اور مال اندیشی کے آگے سپر اندوختگی کا امتحان بھی ہے۔ حضرت حسان جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات اقدس کو

بیان کرتے ہیں تو یہ صفات آپؐ کی شانِ مطہر کے قرین بھی ہوتے ہیں۔ ان میں واقعیت ہوتی ہے، محبت کا رس ہوتا ہے، عقیدت کی آمیزش ہوتی ہے۔ ایک جگہ ابوسفیانؓ کو مخاطب بناتے ہیں۔ اسلام لانے سے قبل ابوسفیان نے ایک بار آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے شانِ ارفع میں کچھ گستاخانہ کلمات یا اشعار کہے تھے۔ حسان فرماتے ہیں:

هجوتَ مباركاً براً حنيفا
امين الله شيمتُهُ الوفاء

''تو نے نہایت برکت والے، نیک اور صرف اللہ کی طرف اپنا رُخ اختیار کرنے والے کی بُرائی کی ہے۔ حالانکہ یہ شخص جس کی تم بُرائی کرر ہے ہو زمین پر اللہ کا امین ہے وفا جس کے اخلاق حسنہ کا حصہ ہے۔''

اس شعر میں ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت عمدہ تعریف بیان کی دوسری طرف ابوسفیان پر بھی چوٹ کی کہ دیکھ جو شخص ان صفات عظیمہ کا حامل ہے اس کی بُرائی کرنے سے خود تمہارا ہی وقار مجروح ہوا۔ پھر کہتے ہیں:

فمن يهجو رسول اللهِ منكم
ويمدحه وينصرهٗ سواء

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس نہایت بلند و برتر ہے۔ اب اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ ان کی تعریف بیان کی جائے یا کوئی ان کی برائی بیان کرے۔ جس طرح کوئی سورج کی تعریف کرے یا اُسے گالی دے تو اس سے سورج کو کیا فرق پڑے گا سورج ہر صورت روشنی و تابناک ہے۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے اعلیٰ وارفع ہیں کہ تعریف سے ان کی شان میں اضافہ ہو یا بُرائی سے اُن کی شان میں کوئی کمی واقع ہو۔ مادح ان کی مدح سے خود بلند ہوتا ہے اور قادح اُن کی قدح سے خود پستی میں گر جاتا ہے۔ خود حسان ہی نے اس حقیقت سے نقاب کشائی کی ہے:

ما ان مدحت محمداً بمقالتي
ولكن مدحت مقالتي بمحمد

آگے فرماتے ہیں:

فانَّ أبى ووالده و عرضى
لعرضِ محمد منكم وِقاء

میری اور میرے باپ داداؤں کی عزت آپؐ کی عزت پر قربان۔

روایت میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شعر سماعت کیا تو فرمایا۔

وقاک الله یا حسانُ النار

اے حسان اللہ آپ کو دوزخ سے بچائے۔

حضرت حسان کا ایک نعتیہ قصیدہ بہت معروف و مشہور ہے۔ اس کے حوالے سے چند معروضات پیش کی جاتی ہیں۔ اس سے معلوم پڑتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کیمیا اثر سے حسان کا آبگینۂ طبع کس طرح متاثر ہوا، کیسے انہوں نے شائستہ اعتناء کے ساتھ آپؐ کی بارگاہ میں قاصدِ فرخندہ فال بن کر نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مہر نبوت عطائی ہوئی تھی۔ اس کی مختلف تفصیلات کتب سیر و تواریخ میں آئی ہیں۔ حضرت حسان فرماتے ہیں:

اغرُّ علیه للنبوة خاتم

من الله مشهود یلوح ویشهد

آپؐ پر مہر نبوت چمک رہی ہے جو اللہ کی طرف سے آپؐ کے سچے نبی ہونے کی گواہی دیتی ہے۔
کسی بھی شخص کا اسلام تب تک معتبر نہیں جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے ساتھ ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی بھی نہ دے۔ ورفعنا لک ذکرک کا اظہار اس طرح بھی کیا گیا کہ اذان میں شہادتِ توحید اور شہادت رسالت کو جمع کیا گیا۔ حضرت حسان نے اس پر کیا خوبصورت شعر کہا:

وضمّ الا له اسم النبی الی اسمهٖ

اذا قال المؤذن فی الخمس اشهد

پہلے مصرعے میں اس طرف اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق اللہ تعالیٰ سے نہایت قوی ہے۔ آپؐ کی اتباع ہی میں اللہ تعالیٰ کی اتباع مضمر ہے۔ صحیح بھی یہی ہے کہ رسول زمین پر اللہ کا ترجمان ہوتا ہے۔ اللہ کے کسی بھی حکم کی تفہیم نبی کی ہدایت کے بغیر ممکن ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اپنے نام سے جوڑ دیا اسی طرح آپ کا اسم گرامی بھی اپنے مبارک نام سے مشتق کیا۔ یہ واضح قرینہ ہے اس حقیقت کا کہ رسول پر ایمان کے بغیر اللہ پر ایمان لانا بھی نافع نہیں۔ فرمایا:

وشقّ له من اسمهٖ لیجلّه،

فذو العرش محمود، هذا محمد

لیجلہ کے لفظ پر غور کریں۔ تا کہ آپؐ کی قدر افزائی ہو۔ آپؐ کی عزت میں اضافہ ہو۔ آپؐ کی عظمت کا شہرہ چہار دانگ عالم میں پھیلے۔ آپؐ کی تعظیم وتوقیر عالم پر آشکارا ہو۔

محمود اور محمد کے درمیان لفظی مناسبت وموافقت پر بھی غور کیا جائے۔ جس طرح اللہ کی تعریف مطلوب و مستحسن ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف بھی بذاتہٖ مقصود ومطلوب ہے۔

نعت گوئی میں یہ پہلو بھی شامل رہتا ہے کہ آپؐ کی دعوتی سرگرمیوں کا ذکر مبارک کیا جائے۔ یہ اس لئے کہ آپؐ کے منصب رسالت کا صحیح تعارف لوگوں کو حاصل ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کے لئے اسوۂ کاملہ ہیں۔ آپؐ کی امت ایک داعی امت ہے۔ آپؐ کے مقدس اسوہ کو سامنے رکھ کر ہی دعوتی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکتی ہے۔ آپ جس وقت تشریف لائے وہ شرک وکفر کی گرم بازاری کا زمانہ تھا۔ کنکر پتھر غرض ہر چیز پوجی جاتی تھی۔ لوگ ہدایت سے مایوس ہو چکے تھے۔ حضرت حسان اس تاریخی حقیقت کو اپنے معجز رقم اسلوب میں بیان کر رہے ہیں:

نبیٌّ أتانا بعد یأس وفترة
من الرسل والأوثان فی الارض تُعبد

"جب انسان ہدایت سے ناامید ہو چکے تھے رسولوں کی آمد کا وقفہ طویل ہو چکا تھا اور روئے زمین پر بتوں کی پوجا کی جاتی تھی۔ تو اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو رسول بنا کر بھیجا۔ حسان آپؐ کو روشن چراغ اور ہادی قرار دیتے ہیں۔ آپؐ کو ایک تیز دھار والی تلوار سے تشبیہ دی ہے:

فأمسی سراجاً مستنیراًهادیاً
یلوح کمالاح الصیقل المُهَنّد
و أنذرنا ناراً و بشر جنّةً
وعلّمنا الاسلام فالله نحمدُ

"الصیقل المهند" میں ایک عجیب نکتہ ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ الصیقل المهند کے لفظی معنی ہیں ہندوستانی تلوار جس کی دھار بہت تیز ہو اور جس کی چمک آنکھوں کو خیرہ کردے۔ میدانِ جنگ میں ایسی تلواروں کو بہت پسند کیا جاتا ہے۔ کیوں کہ جب یہ تلواریں فضا میں لہراتی ہیں تو دشمن پر رعب طاری ہو جاتا ہے۔ اس تشبیہ کے ذریعے یہ بتلانا مقصود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قویٰ بہت مضبوط

ہیں۔ وہ بہت دور بین اور دور رس نگاہ رکھتے ہیں۔ اُن کے ہر کام سے ہدایت کی روشنی پھوٹتی ہے۔
''سراج''، ''مستنیر'' اور ''مھند'' کے الفاظ سے اس شعر میں بصری پیکر تشکیل پائے ہیں۔

حضرت حسان کی نعتیں تکلفات سے بری ہیں۔ وہ سیدھے سادے الفاظ میں سامنے کی حقیقت بیانی کرتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے کلام کی سادگی نے سپاٹ پن پیدا کیا ہے یا کلام کا جمالیاتی پہلو متاثر ہو گیا ہے۔ الفاظ کی دروبست، تراکیب کی خوبصورتی، تشبیہات کی ندرت، واقعات کی نرگسیت، معانی کا عمق حسان کی شاعری کے بنیادی اوصاف ہیں۔ وہ میدانِ جنگ کا نقشہ اتنی خوبصورتی سے کھینچتے ہیں کہ نگاہوں میں جنگ کی تصویریں رقص کرنے لگتی ہیں۔ غزوۂ بدر کے موقعے کی تصویر اس طرح پیش کی ہے:

ماضٍ علی الھول رکاّب لما قطعوا

اذا الکماۃُ تحاموا فی الصنادید

''کود پڑتے ہیں خطرے میں وہ شہسوار جب صفیں درہم برہم ہو جاتی ہیں اور بڑے بڑے زرہ پوش بھی بہادر سواروں کی پناہ لینے لگتے ہیں۔

درج ذیل شعر کی تشبیہ میں گو انوکھا پن نہیں ہے لیکن چاند کا معززین کو چمکانا نیا مضمون ہے:

وافٍ وماضٍ شھابٌ یستضاء بہٖ

بدز انار علی کلِّ الاما جید

''وفا کرنے والا، دشمن کے صفوں پر چڑھائی کرنے والا، ایسا روشن ستارا جس سے لوگ روشنی حاصل کرتے ہیں، ایسا کامل چاند جسکی روشنی معززین کو بھی چمکاتی ہے۔''

مبارک کضیاء البدر صورتُہ

ما قال کان قضاءً غیر مردود

''برکت والا، جس کی صورت چاند کی طرح چمک رہی ہے، وہ جو بھی کہیں وہی قانون ہے اور اُسے ٹالا نہیں جا سکتا ہے۔ (یا وہ جو بھی کہیں وہی اٹل تقدیر بن جاتا ہے)

حسان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت و معیت بہت عزیز تھی۔ آپؐ کی تعریف میں قلم کی روانی شباب کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

والله ربی لا نفارق یا جداً
عفّ الخلیقة ما جدّ الامجاد
متکرماً ید عو الی ربّ العلی
بذل النصیحة رافع العماد

''بخدا میں عزت والے کو کبھی نہ چھوڑوں گا جس کے اخلاق نہایت پاکیزہ ہیں جو شرفاء میں بھی شریف ہے، نہایت اکرام والا بزرگ رب کی طرف بلانے والا، انتہائی خیر خواہ اور اعلی حسب ونسب والا۔''

درج بالا مضمون میں مختصراً حضرت حسان بن ثابتؓ کی نعت گوئی پر خامہ فرسائی کی گئی۔ حضرت حسان کے اشعار ملت اسلامیہ کا عظیم سرمایہ ہیں۔ ان اشعار میں رسول محترم ﷺ کی حیات مبارک کے تمام اہم گوشوں کی تصویریں ملتی ہیں۔ یہ ایک مستند تاریخ بھی ہے، معتبر دستاویز بھی ہے۔ اُس مقدس معاشرے کے مرقعے کلامِ حسان میں بکھرے پڑے ملتے ہیں جس کی پرچھائی بھی اب تا قیام قیامت نظر نہیں آسکتی۔ یہ عشق رسول ﷺ کی حکایت بھی ہے، آپؐ کے حمائل وشمائل بھی ہیں۔ آپ کا سراپا بھی ہے۔ کلامِ حسان کا تفصیلی مطالعہ ہر دور میں ہوا ہے۔ لیکن جدید اسلوب میں ابھی تک کلامِ حسان کی شعری، فکری اور فنی قدروں کی گرہ کشائی نہیں ہو پائی جو نقادانِ وقت پر ایک قرضہ ہے۔

مولانا محمد اویس سرور نے اپنے مرتب کردہ ''دیوان حضرت حسان بن ثابت انصاریؓ'' کے پیش لفظ میں بڑی خوبصورت بات لکھی ہے:

''دیوان حسان بن ثابت کے تفصیلی اور دقیق مطالعہ کے بعد بندہ کی رائے یہ ہے کہ دینی اور عصری جامعات میں دیوانِ حسانؓ کو بطور نصاب شامل کیا جائے۔ تاکہ طلبہ امت مسلمہ کے اس عظیم شاعر کی لاجواب شاعری کو پڑھیں اور اسلامی ادب سے کما حقہ آشنا ہوسکیں۔ حضرت حسان بن ثابتؓ کی شاعری جاہلی اور اسلامی ادب کا حسین امتزاج ہے اسے پڑھ کر یقیناً وہ فوائد حاصل کئے جاسکتے ہیں جو خالصتاً جاہلی ادب کی کتابیں پڑھا کر حاصل نہیں ہوسکتے۔ اس پر مستزاد ان اشعار کی نورانیت اور وہ جذبہ ہے جس کے تحت یہ اشعار کہے گئے۔'' (صفحہ نمبر ۱۱)

***

غلام علی گلزار
رعناواری، سعدہ کدل، سرینگر، کشمیر

کشمیری مراثی میں حمد ونعت کا شرعی معیار

قصیدہ گوئی اور نعت گوئی میں جوہری فرق یہ ہے کہ نعت گوئی میں ادب واحترام کا احساس، ثواب اور گناہ کے اعتقادی ادراک سے مربوط ہوتا ہے۔ قصائد میں زمین وآسمان کے قلابے ملانے کا رجحان عام سی بات ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی قصیدہ گوئی کا بڑا چرچا تھا۔ بڑے شعراء اس میں حصہ لیتے تھے۔ الہامی کلام کی فصاحت وتاثیر کے آگے اس کی لسانی بلاغت ماند پڑگئی اور تخیلات کی پرواز کا غرور مٹ گیا۔ جب سورہ الکوثر نازل ہوئی، تین مختصر آیات کے اس متن کو حضرت ابوذر غفاریؓ نے لکھ کر دیوار کعبہ پر لٹکا دیا۔ عرب کے ملک الشعراء نے اسی بحر میں اس کے نیچے لکھ دیا: ''ما ھٰذا کلام البشر''۔ عربی میں نعت سے مراد ہے باوصف ہونا، سبقت لے جانا۔ قصیدہ ملوث ہوتا ہے، نعت اس سے مختلف ہے، اسی لیے (نعت کا استعمال) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مخصوص ہو چکا ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعریف وتوصیف کے ساتھ، اُن سے عشق ووابستگی اور شریعتِ اسلامی کی پاسداری کا احساس نعت گوئی میں اظہار وبیان کے اندر خصوصیت پیدا کرتا ہے اور احتیاط کی حِس کو بیدار رکھتا ہے۔

اسلامی عقائد میں وسالت وشفاعت کا تصور موجود ہے، لیکن اس کو قرآنی معارف وشرائط کے پس منظر میں سمجھنا ضروری ہے۔ قرآن کا واضح ارشاد ''مَن ذالذی یشفعُ عِندَہٗ اِلا باِذنِہٖ'' الوہیت وتوحید کے اصل منبع کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اسباب مُسبب کی طرف، ماہیت وجود کی طرف، وجود موجود کی طرف، حصولی اور کسبی مشاہدات ومطالعات موجِو اصلی وازلی کی طرف ملتفت کرتے ہیں۔ توسل ورجاء اور التجا میں اس اصل کو مدنظر رکھنا، نعت ومناجات کے اظہار وبیان میں حدود کا خیال رکھنا لازم ہے۔

رثائی ادب میں چونکہ فراق وارادت کا جذبہ تخیل وتخلیق کے اندر کارفرما ہوتا ہے، اس لیے قصیدہ گوئی کے مقابلے میں، اظہار کے اندر احتیاط اور حدادب کی پابندی کا ہونا فطری تقاضا ہے۔ واقعہ کربلا کے سلسلے میں جو مرثیے لکھے جاتے ہیں، ان میں عموماً، امام زین العابدین حسین بن علیؑ اور حضرت زینبؓ بنت علیؑ کی اُن مجالس کے سبک کے آثار پائے جاتے ہیں، جن کا انعقاد، مذکورہ واقعہ کے بعد شام ومدینہ میں ہوا تھا۔

ان مجالس کا بیان چار حصوں پر مشتمل ہوتا تھا: حمد، نعت، مدح (منقبت)، درد (مصائب)۔ یعنی پہلے حصہ میں توحید کا بیان، حصۂ نعت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظمت و سیرت کا ذکر، تیسرے حصہ مدح میں اہل بیت اطہار کا ذکر اور چوتھے حصہ میں آل نبیؐ پر کربلا میں ڈھائے گئے مظالم و مصائب کا بیان۔ کشمیری مراثی میں یہی سٹائل اختیار کیا گیا ہے۔ عموماً یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ کشمیری شعراء نے نعتیں بہت کم لکھی ہیں، یہ صحیح نہیں ہے۔ صوفی شعراء اور کشمیری مرثیہ نگاروں کا نعوت لکھنے میں بڑا حصہ ہے۔

مرثیہ خوانی یا ماتم داری، اور مرثیہ گوئی کی صوابدید کو خلط ملط کرنا مناسب نہیں ہے۔ کوئی اگر مرثیہ خوانی کی مجلس میں شرکت نہیں کرتا ہے، اس بنا پر مرثیہ گوئی کے ساتھ جڑے محاسن کو نظر انداز کرنا عدم توجہی کے مترادف ہے۔ جان بوجھ کر کشمیری مراثی میں فصیح و بلیغ کلام کے اندر شامل حمد و نعت کی مشترکہ اساس سے استفادہ کی راہ مسدود کرنا خیانت ہوگی۔

مرثیہ خوانی کی لگن اور جذبہ سے سوء استفادہ کر کے، کشمیر میں بہت سے پروفیشنل واعظین و ذاکرین نے اس کو گروہ بندی یا پیر مریدی کا ذریعہ بنایا ہے، حتیٰ کہ یہاں سیاست کرنے والے حلقے ماتمی جلوسوں کی (تاریخی) یادگار کو اپنے اپنے کھاتے میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے ردعمل یا اس کی پاداش میں ''مرثیہ گوئی'' کے بلیغ کلام سے چشم پوشی اخلاقِ ادب کے برعکس ہے۔ کوئی ادارہ نعتیہ کلام پر کام کرتا ہے، اسے کشمیری مراثی کے ''حمد و نعت'' پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے۔ ہر مرثیہ میں حمد و نعت کا ایک ایک حصہ مخصوص ہوتا ہے۔ قوانین و قواعد شریعت میں جو اصول و حدود بیانِ توحید اور بیان توصیف (نعت) کے لیے واضح ہیں، ان کا عموماً اور کما حقہٗ خیال رکھا گیا ہے۔ مغل دور سے ڈوگرہ دور تک کشمیر میں مرثیہ گو شعراء نے جو مرثیے لکھے ہیں، ان کے حمد و نعت کے حصص سے اہل اسلام عموماً عقیدہ و اخلاق کے مفاہیم و معارف کے لیے اور ماہر لسانیات مجموعاً زبان و ادب کے سُبک و ثبات کے لیے استفادہ کر سکتے ہیں۔

کشمیر کے ایک نامور مصنف اور مورخ حکیم غلام صفدر ہمدانی (متوفی ۱۹۷۴ء) نے منتخبہ کشمیری مراثی پر مشتمل ایک مجموعہ بہ عنوان ''اوش تہ آب'' ترتیب دیا ہے، اس میں سے چند اقتباسات درج کئے جائیں گے، تا کہ کشمیری مراثی میں حمد و نعت کے بلیغ خزانہ کی موجودگی کا اندازہ ہو سکے۔ کشمیری مرثیہ کا ایک خاص سبک pattern ہے، ہر بند (جس کو کشمیری میں چھیر کہا جاتا ہے) چند اجزاء پر مشتمل ہوتا ہے، جو بحر اور صوت (کے لحاظ سے) مختلف ہوتے ہیں :

(i) برخاست: یعنی کلام کا اٹھانا، آغاز (آواز اونچی، بحر لمبا)

(ii) دُنبالہ: برخاست کے عنوان کی توضیح وحوالہ (ملایم آواز، بحر متوسط)

(iii) گتھ: عنوان کی مترنم تشریح (کئی ہم وزن جملوں/مصرعوں کی تکرار)

(iv) نشست: یعنی کلام کا بٹھانا، ایک دو اختتامی جملے (حاصل conclusion پر مشتمل)۔

ایک مرثیہ کے چار حصوں (حمد، نعت، مدح، مصائب) کے لیے کم از کم ایک ایک یا کئی بند ہوتے ہیں۔ حمد کے پہلے بند کے بعد نعت کا حصہ مخصوص اسلام کے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف، سیرت واخلاق کو اجاگر کرتا ہے۔

چند اقتباسات:

(۱) سلطان سکندر (شاہمیری) کے دور کے ایک گمنام شاعر کے ایک مرثیہ کا پہلا مختصر بند (حمد) اس طرح ہے:

چھکھ بے عدیل خالقہِ عادلو درگاہہ چانے چھِ گدا بادشاہ
ژے باذِل تہِ ساری چھِ سآیلو رازق العباد چھِ چآنی صفتاہ
واتہ نہِ گنہ ہَس چآنِس گمانو بلند شانہِ بے نشانو
اسی چھِ بندہ تہِ ژِے سون خدایے ژِے نعم الوکیل، نعم المولا، نعم النصیر یا جبار

(حوالہ: ''اوش تہِ آب''، نشریہ ۲۰۰۹ء)

اُردو روپ:

اے خالق تو بے نظیر واحد جس کی عدالت عیاں ہے
تیری ہی بارگاہ میں بادشاہ بھکاری کی طرح مانگنے والے ہیں
تو ہی عطا کرنے والا ہے اور سب سائل ہیں
بندوں کو روزی دینے والا یہ تیری ہی صفت ہے
بصر تیرے وجود کو درک کرنے سے عاجز ہے (لاتدرک الابصار)
تو بلند و بے نیاز ہے (کفواً احد)
ہم تیرے بندے ہیں اور تو ہمارا رب
تو ہی نعم الوکیل، نعم المولا، نعم النصیر، اے جبّار

(۲) مغل دور کے ایک بڑے عالم اور شاعر مولوی عبدالحکیم کے مرثیہ سے، حمد کے بند کے ان چند مصرعوں کو، جو نعتیہ بند سے سلسلہ کو ملاتے ہیں، پیش کیا جاتا ہے:

بوڈ چھُ دریائے وحدت مومنو
تتھ واقف بیہ نو کونہہ گو
شاہ نبینٛ تہِ مرسلن پتھ گو
ڈیشتھ حمدِ کہِ آب چھ گت ہَو
اوس آگر ہو ثمیک دو
جگرِ محمد رسول اللہؐ
درائے ژور دریاو تمے نشہ دو
کرِکھ گتھ حضرت سنز درویشی دو
اکھ صبر تہِ قناعت دو
بییہ فقر تہِ شہادت ہو
یم ژور دریاو ہو
زیونے دو۔ چیے ساری امام حسینؑ کرتھ بسم اللہ

(حوالہ: ''اوش تہِ آب''، صفحہ ۹۴)

اردو روپ:

اے مومنین! دریائے وحدت بیکران ہے جس کی اتھاہ گہرائیوں سے کوئی واقف نہ ہوا۔ انبیاءؑ و مرسلینؑ کی راہ کے پیچھے (چل کر) شاہ ولایت (حضرت علیؑ) نے موجِ حمد کی روانی کے منبع کو محمد رسول اللہؐ کے جگرِ مبارک میں پالیا۔

(۳) خواجہ حسین میر (موضع ماگام) پٹھان دورِ حکومت کے آخری برسوں کے دوران مرثیہ گو شاعر کی حیثیت سے بہت مشہور ہوئے۔ اُن کے ایک مرثیہ بہ عنوان ''مضمونِ نور'' سے حمد کے بند کو پیش کیا جاتا ہے۔

یا نور السمٰوات والارض! نور چون ہرجا کران تجلّی، ذرہ ثمیک شمس الضحیٰ
اے سیتی ہر شئے سپُن مُنجلی، پرتوا اکھ چھُس بدر الدجا
کورتھ عالم روشنیے، یُتھِ چا نی حکمت ڈیشنیے!
تھاوِتھ وحدژ پننہِ نئے کثرت گواہ
شوبی ثنا پاک ذاتس
ژ تیوٗا پانے بے نیازا

(حوالہ: ''اوش تہِ آب''، صفحہ ۱۹۸)

اردو روپ:

اے آسمانوں اور زمین کے نور! تیرا نور ہر جگہ کو روشن کرتا ہے، اس کا ایک ذرہ چمکتا سورج ہے،
جس سے ہر چیز روشن ہو جاتی ہے، اس کا ایک پرتو ماہ تابان ہے۔
تو نے عالم کو روشن کر دیا، تا کہ تیری حکمت کا مشاہدہ کیا جائے۔
کثرتِ مخلوقات (Diversity of creation) کو اپنی احدیت کا گواہ بنا دیا۔
ساری تعریف تیرے لیے سزاوار ہے۔
تو ہی بس ایک بے نیاز ہے (باقی سب عاجز و محتاج ہیں)

(۴) حبہ کدل (باباپورہ) سرینگر کے منشی محمد یوسف اور مُلاّ حکیم عبداللہ نے ڈوگرہ راج کے ابتدائی دور میں مشترکہ طور پر ایک مرثیہ بہ عنوان ''دُزدی'' لکھی ہے۔ اس میں سے پہلے ''حمد'' کے بند سے برخاست کے چند مصرعے اور نشست کا ایک شعر پیش کر کے، پھر نعت کے بند کو پیش کیا جاتا ہے:

برخاست: یااللہ رٹھتم رہزَن ہوس وہوانشہِ دین وایمانک کالاہ۔ [کالاہ: فارسی لفظ: سامان، اثاثہ]۔
دنبلہِ: راتھ دوہ نفسک قطاع الطریق چھُم درپے۔ [قاطع الطریق: راہ کاٹنے والا، ڈاکو]
ہاوتم بدرقہٕ توفیق   اصلَس نمہِ پے

نشست: کریام پوشیدِ گونہہ، یُتھنہِ کانہہ سپد یم آگاہ
روزِ پردتتہ کیاہ یتہِ آسَنم پئن بندگواہ

اردو روپ:

(برخاست): اے اللہ! میرے دین وایمان کے اثاثہ کو ہوا و ہوس کے رہزن سے بچا کے رکھ لے، رات دن نفسِ امارہ راہ مستقیم کے تعلق کو کاٹنے پر تُلا رہتا ہے۔
پیمانہٕ توفیق سے آگاہ کر دے تا کہ اصل کا پتہ لگا سکوں۔

(نشست):   میں نے چھپ چھپ کر گناہ کئے، تا کہ کوئی آگاہ نہ ہو پائے
وہاں کیا چھپ کر رہے گا، جہاں پر بند و باز و گواہی دیں گے!

مضمون: ''دُزدی'' سے نعتیہ بند کے چند اشعار [یہ نعتیہ بند طویل ہے، اختصار سے یہاں کام لیا جاتا ہے]۔

برخاست (۱):

لَنا چھم چھٔپَن جائے دولت خانہٕ رسالت پناہؑ   کرہٕ یم خلاص ان شاء اللہ

دُنبالہ: چھُم تھند ےنقدِ اخلاصہِ بَرتھ دلک کیسے ۔ [کیسہ: جھولی: جیب]
محشرکہِ میدانہِ چھُم راَچھ سُویے۔

برخاست (۲): آسہ یَس تُھند داغِ بندگی ڈیکس دَزُن تُسند دوزخہِ کہِ نارہ چھُ محالاہ
سہٕ دست نگرکرُن چھا مجال عذابہِ کین موکلہِ نَے تھند ے دستہِ دس بدس، تہی دست موکلہ نَے

اردوروپ: لیکن رسالت پناہؐ کا دولت کدہ میرے لیے جائے پناہ ہے۔
ان شاء اللہ اس سے نجات کی امید ہے
اُن سے عشق کے سرمایہ سے میری جھولی بھری پڑی ہے (مراد دل)
میدان محشر میں وہی باعث حفاظت ہے
جس کی پیشانی پر اُن کی غلامی کا نشان کندہ ہو، ناممکن ہے کہ وہ دوزخ کی آگ میں جلے
عذاب پر مامور فرشتے اس کو قابو نہیں کریں گے،
آپؐ کے ذریعے ناداروں کو خلاصی ملے گی!

(۵) مہاراجہ گلاب سنگھ کے دورِ حکومت میں مُلا حکیم محمد عظیم (بابا پورہ حبہ کدل) اعلیٰ پایہ کے عالم، طبیب اور ادیب تھے۔ اُن کے ایک مرثیہ ''مضمونِ شِیر'' (دودھ) میں ''حمد'' کے بند سے چند منتخب مصرعے:

(الف) یا اللہ! بیانِ ثناچون شیرین شِیرا لَبَن بہِ امیگ دَہن، شکرلَبَن
اتہ زیوَن بستگی پیرکارنے گویا طفل شیرخوار نیے

اردوروپ: اے اللہ! تیری ثنا کے بیان سے دودھ کی مٹھاس کی لذّت سے بہت زیادہ لذّت کا احساس ہوتا ہے جس کے اظہار کی طاقت سے کہنہ مشق اہل کلام بھی عاجز ہیں، جیسے وہ طفل شیرخوار ہوں!
(لبن عربی میں دودھ کو کہتے ہیں، فارسی میں لب ہونٹ کو کہتے ہیں، کشمیر میں ''لبَن'' سے مراد ''پائیں گے'' ہے، یہ لفظ ایک جملہ میں تین معنوں میں آیا ہے)۔

(ب) پروردگار چھکھ کیاہ سبب سازا چھُ آسان تھوِ پینے وُنہ شیرخوار
ژِہ چھُھس مادرِ پستان بری بری تھاوان
ہیچھناوان دایہ تربیت چون دودچون طفلس خامیے [دایہ تربیت: جبلی رجحان]

اردوروپ: تو کتنا سبب ساز ہے کہ جنم لینے سے پہلے ہی طفلِ شیرخوار کے لیے
تو اُس کی ماں کے تھنوں کو بھر بھر کر رکھتا ہے
دودھ چوس کر پی لینے کی تربیت تُو نے ننھے بچہ کی جبلت میں پہلی ہی رکھی ہوتی ہے۔

(٦) مہاراجہ رنبیر سنگھ کے دورِ حکومت کے ایک مشہور عالم اور مصلح مرثیہ نگار میرزا ابوالقاسم (گنڈ خواجہ قاسم، ضلع بارہمولہ) کے مرثیہ 'مضمونِ نماز' سے حمد اور نعت کے دو بند پیش کئے جاتے ہیں:

(i) حمد: کورُتھ مُکلفن تکلیف معبودا — حَیَّ عَلَی الصلوٰۃ تتھ سیت فلاح چھُ میون صلاح

اَمرِ اَقیموا الصلوٰۃ ایمانے — محتضرس تہٕ نھی از اَیمانے

آس بندگی بندن نش مقصودا — ژ نہٕ محتاج تتھ میہٕ تہٕ رحمت سبحان اللہ

دوٗپتھ یم بہٕ بدل ڈیلشکھ بہٕ نمانِے، تمن بے شک امانِے

اردو روپ: اے ہمارے معبود! مکلف (مسلم) پر تو نے ذمہ داری عائد کی۔
"حَیَّ عَلَی الصّلوٰۃ"، جس کے ساتھ میری فلاح ونجات وابستہ ہے۔
اقیموا الصلوٰۃ (نماز قائم کرو) کے حکم پر میرا ایمان ہے، محتضر کے لیے بھی اشارہ سے پڑھنے کی تاکید ہے۔
بندوں سے بندگی مقصود تھی، اسی لیے اُن کو پیدا کیا
تو اس کا محتاج نہیں، سبحان اللہ، یہ آپ کی رحمت ہے کہ
تو نے کہا ہے کہ جن کو دل سے نماز ادا کرتے پاؤں، اُن کو امان ہے

(ii) نعتیہ بند کے چند اشعار۔

سوزُتھ زاہدن رُکناعابدن مُقتدا — عالمک قبلا کعبہ محمد رسول اللہ

تَس قابِ قوسینُک قراۃ قرانِے — سوزُتھ اقرا القرا اقورانِے

شہید تھاوِتھن وحدژ شاہدا — تمی گوڈ پورا اشہدان لا الہ الا اللہ

تُرن زندگی بندگی روٗس گرانے — گرُ حان سجدہ پیٹھ وُتھن تَس گرانے

[گرانے: گھڑی بھر بھی نہیں، گراں گذرنا)

اردو روپ: تُو نے (اے اللہ!) زاہدوں کے لیے معیار کردار اور عابدوں کے لیے رہنما بھیج دیا۔
عالَم کا قبلہ کعبہ (سرور کائنات) محمدؐ رسول اللہ
اُن کی شان معراج میں قاب قوسین پر بیان کی گئی۔ پڑھنے والی کتاب قرآن، تلاوت کے حکم کے ساتھ نازل کی گئی...... اُن کو بحیثیت شہید اپنی وحدت پر شاہد رکھا
جس نے سب سے پہلے پڑھا "اشہدان لا الٰہ الا اللہ"
آپ (حضورؐ) نے لمحہ بھر بھی اپنی زندگی تیری بندگی کے بنا نہ گذاری۔ تیرے شُکرانہ میں سجدہ سے اٹھنا گراں گذرتا تھا۔

***

رئیس احمد صمدانی

شیخ محمد ابراہیم آزادؔ کی حمد نگاری

حمد سے مراد اللہ تبارک وتعالیٰ کی تعریف، حمد وثنا کا مطلب بھی خدا کی تعریف، حمد صرف اور صرف خدا کے لیے مخصوص ہے جب کہ ثنا انسان کی بھی ہوسکتی ہے۔حمدِ باری تعالیٰ کی ابتدا تخلیق کائنات کے آغاز سے ہی ہوئی۔ زمین وآسمان کی ہر ہر چیز اللہ کی پیدا کردہ اور اس کے تابع اور فرمانبردار مخلوق ہے۔ ابتدائے آفرینش سے اللہ کی یہ مخلوق اپنے رب کی حمد اور پاکیزگی بیان کر رہی ہے اور کرتی رہے گی۔ اللہ کی ہر مخلوق اپنے مالک کی حمد کرتی ہے۔ شاعری کی یہ صنف یعنی حمد خالق کائنات کی مدح وثنا کے لیے مخصوص ہے۔ خواجہ حسن نظامی نے ادب کی اس صنف کو'روح ادب' قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے از خود اپنی حمد قرآن کریم میں بیان کی۔ متعدد قرآنی آیات مثال کے طور پر سورۂ فاتحہ، سورۂ اخلاص، سورۂ البقرہ میں موجود آیۃ لکرسی اور دیگر کئی سورتوں میں حمد باری تعالیٰ بیان کی گئی ہے۔ حمد ابتدا ہے ہر چیز اور ہر کام کی۔ شاعر ہو یا نثر نگار وہ حمد باری تعالیٰ کو اپنی تخلیق کا نقطہ آغاز تصور کرتا ہے اس عمل کو وہ اپنا فرض اولین خیال کرتا ہے اور نثر یا نظم کے صورت میں اپنی تخلیق بیان کر کے اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور توبہ و استغفار کرتا ہے۔ حضرت آدام علیہ السلام اور اماں حوا کی توبہ بھی اپنے مالک کی حمد و استغفار کے نتیجے میں قبول ہوئی۔ مخلوق کا کام اللہ کی حمد وثنا بیان کرنا اور توبہ واستغفار کرنا ہے اسے قبول کرنا اسی مالک کائنات کا کام ہے انسان اس کی بندگی کا حق کسی طور ادا نہیں کرسکتا۔ اس میں اتنی سکت، ہمت، صلاحیت ہی نہیں، حمد ایک وسیع تر موضوع ہے انسان کوشش تو کرسکتا ہے لیکن اس کی سچائی اور پاکیزگی کا حق ادا کرنا اس کے بس کی بات نہیں۔ حق تو کسی طور ادا نہیں ہوسکتا لیکن انسان اپنی دانش میں، صلاحیت کے مطابق اپنے پیدا کرنے والے کی عظمت وصفات کو عاجزی، انکساری، سعادت مندی، عقیدت ونیاز مندی کے ساتھ اپنے دلی احساسات کا اظہار کبھی نظم میں اور کبھی نثر میں کرتا ہے۔ شاید ہی کوئی ادیب یا شاعر ایسا گزرا ہو جس نے حمد باری تعالیٰ نہ کہی ہو۔ جسے اللہ نے حرف وقلم سے رشتہ جوڑنے کی سعادت بخشی ہے اس نے اول اول اپنے مالک کی حمد سے ہی اپنے علمی وادبی سفر کا آغاز کیا ہے۔ شیخ محمد ابراہیم آزادؔ کا نعتیہ دیوان ''ثنائے محبوب خالق دیوان آزادؔ'' کا آغاز بھی حمد باری تعالیٰ سے ہوا ہے۔ آزادؔ صاحب بھی اپنی عبدیت

کا اظہار کرتے ہوئے اپنے پروردگار کی حمد اس طرح بیان کرتے ہیں۔

اللہ تو نے خاک کو انسان بنا دیا
انسان کیا بنا یا مسلماں بنا دیا
مطلع نے حمد کے مجھے سحباں بنا دیا
مطلع نے نعت کے مجھے حساں بنا دیا
آزادؔ نام جپتے ہیں اُس بے نیاز کا
رحمت سے جس نے ہم کو مسلماں بنا دیا

انسان کو کائنات کے ایک ایک ذرے میں اللہ کی کبریائی اور اس کا جلوہ دکھائی دیتا ہے۔ آزادؔ نے اسے کس خوبصورت انداز سے اپنے اس شعر میں بیان کیا ہے۔

جلوے جلوے میں لگا رہتا ہے پردا تیرا
پردے پردے میں نظر آتا ہے جلوا تیرا

آزادؔ نے بعض موقع پر نعت سے حمد پیدا کی۔ فرماتے ہیں۔

جب عالم امکاں ہی میں تو سب سے سوا ہو
تو جس کا ہو بندہ وہ بھلا کیوں نہ خدا ہو

حمد کے ایک شعر میں آپ نے پروردگار کے حوالے سے کیا خوب خیال پیش کیا ہے۔

کیا بات تیری قدرتِ والا کی اے قدیر
کن کہہ کے جس نے عالمِ امکاں بنا دیا
قطرے کو تو نے گوہر خوش آب کر دیا
ذرے کو تو نے مہرِ درخشاں بنا دیا

اپنی ایک حمد میں آزادؔ خالق کائنات کی حمد سرائی میں کہتے ہیں۔

سب کچھ تیری قدرت میں ہے سب علم میں تیرے
حاضر رکھا ہر شے کو بنا کر نہ بنا کر

حق تعالٰی کی رحمت کا ذکر آزادؔ نے اس طرح کیا۔

ظاہر ہے کہ رحمت ہے تیری عدل سے بڑھ کر
نیکی کو لکھا جاتا ہے دس درجے بڑھا کر

رحمت کا ہے رحمت کے لیے توبہ بہانہ
عصیاں کو مٹا دیتی ہے نیکی کو لکھا کر

باری تعالیٰ کے ذکر کی فضیلت کے حوالے سے آزادؔ نے کیا خوب کہا ہے۔

کیا بتائے کوئی اے ذکر فضیلت تیری
جب کہ مذکور ہے مذکور سے محبت تیری
نقش ہے دل پہ ترا سِکّہ زبان پر تیرا
جسم پر حکم ترا جاں پہ حکومت تیری
تری تعریف ہے قرآن میں کیا کیا مذکور
کیا کیا مذکور حدیثوں میں ہے مدحت تیری
رات دن شام و سحر جاگتے سوتے ہر دم
ہے یہ ارشاد کہ کثرت سے ہو کثرت تیری

پانچ نمازوں اور اسلام کے پانچ بنیادی ارکان کا نقشہ کیا خوب پیش کیا ہے۔

پنج نوبت ہے تری پانچ یہ رُکنِ اسلام
اللہ اللہ یہ تری شان یہ شوکت تیری
تجھ سے آباد مساجد ہیں کعبہ معمور
عرش پر شان تری کُرسی پہ طلعت تیری

***

••••••••••••••••••

پھیلا اُفق پہ نور رسالت مآب کا
ہیبت سے منہ اُترنے لگا آفتاب کا

سیاحِ عرش ، سائرِ کون و مکاں ہے تو
روح الامیں ہے نام ترے ہم رکاب کا

سردار گوربخش سنگھ مخمور جالندھری

***

علیم صبا نویدی
266-ٹریپلی کین ہائی روڈ، چینئی --600005

محمد علی اثر کی حمدیہ اور نعتیہ رباعیات

ڈاکٹر محمد علی اثر کی زندگی کا بیشتر حصہ اردو کی تدریس میں بیت گیا۔ اس عرصہ میں بھی آپ نے اردو ادب کی ہر صنف کا گہرا مطالعہ کیا اور اپنے طور پر خوب استفادہ بھی کیا۔ موصوف کا رجحان تحقیق کی طرف رہا ہے۔ پھر بھی آپ کے اندر ایک شاعر تھا جو ہر وقت آپ سے مطالبہ کرتا رہا کہ آپ شعری تخلیقات کی طرف بھی دھیان دیں۔ آپ نے بیشتر غزلیں اور نظمیں ہی کہی ہیں مگر فن رباعی گوئی نے بھی آپ کو اپنی طرف مائل کیا اور تقاضہ کیا کہ وہ رباعی گوئی میں بھی طبع آزمائی کریں۔

ڈاکٹر محمد علی اثر نے حمدیہ اور نعتیہ رباعیات کہنے میں اس لیے پہل کی کہ آپ کو اپنی آخرت کی عافیت بھی مطلوب تھی۔ آپ زبان کے معاملہ میں ہمیشہ سہل پسند رہے ہیں۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ ادقیت اور اس کی بلاغت سے گھبراتے ہیں۔ جو بات سہل زبان میں ادا کی جاسکتی ہے اس میں بھی بلا کی کشش ہوتی ہے۔ حضرت داغ کی مثال اس سلسلے میں ہمارے سامنے ہے۔

جو رباعیات پیش نظر ہیں ان میں بعض جگہ طباعت کی اغلاط ہیں اور موصوف اس کی ذمہ داری سے بری ہیں۔ جو اغلاط سے مبرا رباعیات ہیں وہی زیر غور ہیں۔ آپ نے اپنی حمدیہ رباعیات کا آغاز یوں کیا ہے:

کوئی نہیں معبود فقط تیرے سوا
تو ایک ہے یکتا ہے یگانہ ہے خدا
دنیا نہ بنی تھی تو فقط تو ہی تھا
دنیا نہ رہے گی تو فقط تو ہوگا

...

اللہ مالک دیکھوں کی دریا دیکھوں
دیکھوں میں سیہ شب کہ سویرا دیکھوں
ہر چیز پتہ دیتی ہے تیرا خالق
ہر چیز میں میں تیرا ہی جلوہ دیکھوں

ان رباعیات میں حقائق بیانی ہی سے کام لیا گیا ہے۔ یہاں فکری پرواز نہیں۔ بعض مصرعوں میں آپ نے ذہن کے ساتھ دل کو شامل کیا ہے۔ ان کی اس روش میں قدرے دمیدہ رنگ احترام و عقیدت بھی عود کر آیا ہے۔ حمدیہ رباعیات میں نہ جانے کیوں ڈاکٹر محمد علی اثر نے تلقینی ڈھنگ کی رباعیات مرتب کی ہیں۔ غالباً اللہ کی یاد دلانا اور اس کی مرضی سے بعید کاموں سے قاری کو روکنا بھی آپ نے حمد ہی کا جزو مانا ہے۔ قاری اس طرح کی رباعیات کو حمدیہ قرار نہیں دے گا۔

تکلیف بھی راحت کا سبب ہوتی ہے	ہاں! ویسے مگر صبر طلب ہوتی ہے
اللہ نے رکھا ہے ہر اک کام کا وقت	عُجلت تو اثرؔ سوئے ادب ہوتی ہے

...

دیکھو ذرا اندھوں کا عصامت چھینو	محتاج فقیروں کی غذا مت چھینو
ٹوٹے نہ کہیں تم پہ عذابِ اللہ	سر سے کسی عورت کی رِدا مت چھینو

حمد کے تحت مناجات کی گنجائش ہے کیونکہ اللہ اپنے بندوں کو اس سے مانگنے کا خود حکم دیتا ہے۔ محمد علی اثر کا مناجاتی انداز ملاحظہ کیجیے۔

کلفت میں گرفتار ہوں اللہ مرے	اک بندۂ بیمار ہوں اللہ مرے
کیا چیز ترے بس میں نہیں ہے مالک	صحت کا طلب گار ہوں اللہ مرے

...

مطلوب ہے عقبیٰ میں بلندی مجھ کو	دنیا بھی ملی جتنی ہے ملتی مجھ کو
رستے سے ترے میں نہ ہٹوں گا یکسر	توفیق رہے بس یہ الٰہی مجھ کو

موصوف کی نعتیہ رباعیات میں بھی حقیقت نگاری کے ساتھ عقیدت و احترام کی آمیزش کا خیال رکھا گیا ہے۔ ان میں بعض رباعیات پر صاد بھی لگائی جاسکتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے القاب کا ذکر بھی عبادت ہے۔ اکثر رباعیات میں القاب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے کام لے کر موصوف نے عقیدت و احترام کی حدوں کو وسیع کیا ہے۔

ہیں آپؐ منور بھی مطہر، اطہر	اے شاہِ امم، ختم رسل، خیر بشر
بیشک ہے یہ انعام خدا عقبیٰ میں	اللہ نے جو آپؐ کو بخشا کوثر

...

حامد بھی ہیں ساجد بھی رسولؐ عربی	مشہود بھی شاہد بھی رسولؐ عربی

احمدؐ بھی محمدؐ بھی رسول عربی
ناچیز اثرؔ نعتِ نبیؐ کہتا ہے

•••

طٰہٰ بھی مدثر بھی وہ آقا ہیں اثرؔ
یٰسں بھی، طاہر بھی وہ آقا ہیں اثرؔ
ہاں قاسم و ناصر بھی وہ آقا ہیں اثرؔ
جھولی مری بھر جائے سدا ان کے طفیل

ان رباعیات میں بھی استدعا اور رحمت رسالت مآب کی طلب سے اثرؔ نے نعت گوئی کے لوازمات کا بھرپور خیال رکھا ہے اور عجز وانکساری کو اپنا وطیرہ بنایا ہے۔

اللہ کا احسان ہے بطحا دیکھا
اپنی ہی ان آنکھوں سے مدینہ دیکھا
وہ روضۂ جنت وہ سنہری جالی
آقاؐ کا تصدق ہے کہ کیا کیا دیکھا

•••

ہے گنبدِ خضرا مری آنکھوں میں ابھی
ہے روضہ نبی کا مری آنکھوں میں ابھی
میں موند کے رکھتا ہوں اثرؔ آنکھوں کو
ہے نور کا دریا مری آنکھوں میں ابھی

•••

نورانی فضا اور معطر وہ ہوا
مٹی میں بھی اللہ نے رکھی ہے شفا
پہنچادے مجھے پھر سے مدینہ اللہ
جیتے جی وہاں پایا ہے جنت کا مزا

•••

ہر سانس میں آقاؐ کا بیاں اچھا ہے
مہکار ہے سانسوں کا جہاں اچھا ہے
اللہ بھی خوش ذکر نبی سے ہے اثرؔ
ہر دم ہو یہی وردِ زباں اچھا ہے

ڈاکٹر محمد علی اثرؔ کی صالح طبیعت اور آپ کے اندر اپنے نبی کی امت میں سے ہونے کا جو اطمینان اور سکون ہے وہ ان رباعیات سے ظاہر ہے۔

بس حمد احد میں سر جھکائے یہ قلم
نعت احمد میں لطف پائے یہ قلم
اللہ قلم میرا یہی چلتا ہی رہے
سانسوں کا مری ساتھ نبھائے قلم

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی یہ آرزو پوری ہو اور وہ خالص حمد و نعت گو شاعر کی حیثیت سے معروف رہیں۔

***

پروفیسر ڈاکٹر محمد حیات عامر حسینی

شعبہ فلاسفی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

کشمیری شاعری میں نعتیہ عناصر

(علمدارِ کشمیرؒ کے عارفانہ کلام کے حوالے سے)

نوٹ: زیرِ نظر مقالہ اصل میں بطورِ خاص "جہانِ حمد و نعت" کے لیے تحریر کیا گیا تھا لیکن کسی طرح یہ پاکستان میں پہلے ہی شائع ہوگیا، جس کے لیے میں ادارہ "جہانِ حمد و نعت" سے معذرت خواہ ہوں... عامر

..... نعت (لکھنا) عنایتِ ربانی ہے اور جسے عنایتِ ربانی ہو جائے، وہی نعت لکھ سکتا ہے۔ عنایتِ ربانی کے لیے دیوانگی ضروری ہے۔ ہر دیوانہ نعت نہیں لکھ سکتا، لیکن ہر دیوانہ نعت کا ہی دیوانہ ہوتا ہے۔

عظیم فلسفی و ریاضی دان وایٹ ہیڈ نے کہا ہے کہ مغرب کا سارا فلسفہ افلاطون کے فلسفہ کا فٹ نوٹ (حاشیہ) ہے۔ اسی طرح میرا دعویٰ ہے کہ کشمیر میں اسلامی تہذیب، روحانیت، روحانی شخصیت اور ان کی تعلیمات اور اعلیٰ شاعری، حضرت میر سید علی ہمدانی اور حضرت علمدار کشمیری (شیخ العالم، شیخ نور الدین نورانی) کی تعلیمات و اعمال کا محض ایک حاشیہ ہیں۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اس حقیقت اور ان دو صاحبانِ صبر و رضا کی عظمت کا بہت گہرا احساس کشمیر کے روحانی شہنشاہ حضرت شیخ حمزہ مخدوم سلطان العارفین کو تھا اور اس کا اظہار اس بات سے ہو جاتا ہے کہ جب جب وہ چرار شریف جاتے تو کرالہ پورہ پہونچ کر اپنے نعلین اتار دیتے اور برہنہ پا جناب علمدار کشمیر شیخ العالم کی آخری آرامگاہ پر حاضر ہوتے۔

جنت نظیر کشمیر اور کشمیری زبان و ادب کا سب سے بڑا نام اور اس کا مظہر شیخ نور الدین نورانی ہیں، جنہیں کشمیری پیار سے علمدار کہتے ہیں۔ حضرت نبی کریم ﷺ کی محبت میں دیوانہ اور آپ ﷺ کے پیغام صفا و مصفا کو کشمیر کی رگ و پے میں اتارنے والی آپ ہی کی عظیم شخصیت ہے۔ سبط نبی حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی نے جس پیغام کو لایا اور جس عظیم تہذیب کی بنیاد رکھی، اس کو ایک تناور درخت اور زندہ وجود بنانے والی شخصیت آپ ہی کی ہے۔ آپ نے اسلام کے حقیقی پیغام کو کشمیری زبان میں منتقل کیا اور اسے کشمیر کی زرخیز مٹی اور کشمیریوں کی تڑپتی روح میں اتار دیا۔ ایک نسخۂ کیمیا کو عملی دوا میں تبدیل کیا۔ آپ کی شخصیت اور آپ کا کلام دونوں اس کا مظہر ہیں۔ کشمیری زبان کو دیومالائی خرافات سے پاک

کر کے اسے پاکیزہ اور حرکی تصورات سے ایک زندہ زبان میں تبدیل کردیا۔آپ کی نعت ایک پاکیزہ خوشبوار پھول کی طرح انتہائی سادہ، محبت وعقیدت سے بھرپور اور معانی سے لبریز ہونے کے ساتھ ساتھ ان تمام حدود کو سامنے بھی لاتی ہے جونعت جیسی انتہائی مشکل صنف سخن کے لیے ضروری ہیں۔

نعت لکھنا تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے۔ایک معمولی انحراف، غلو یا اظہار انسان کو نہ صرف ایمان سے خارج کرسکتا ہے بلکہ اُسے جہنم کی آگ کا ایندھن بنانے کے لیے کافی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت مآب شخصیت کی توصیف وتعریف ہزار ہا نزاکتوں، محبتوں، نفاستوں اور محبتوں کی متقاضی ہے اور کشمیر کی مجروح ومقہور سرزمین پر علمدار سے بڑا اس کا نمائندہ کون ہوسکتا ہے۔

حمد ونعت کا آغاز اس جنت نظیر وادی میں اسی وقت ہوا تھا، جب یہاں آئے ہوئے پہلے مسلمان نے نماز اور درود پڑھے۔درود وسلام تو نعت کی اصل شکل ہے اور اسی کا حکم اللہ پاک نے دیا ہے:

ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیماً

لیکن کشمیر میں نعت کا آغاز بحیثیت ایک فن اور تہذیبی مظہر سبط نبی حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی کی تشریف آوری کے ساتھ ہوا۔آپ نے خود بہت اعلیٰ پایے کی نعتیں لکھیں اور یہ فارسی زبان میں ہیں۔لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور تبلیغ کے ان مٹ اثرات ونقوش لافانی ہیں۔وہ تو ہمارے محسن اور رہبر ہیں اور ہماری نئی اسلامی تہذیب کے بنیادگزار۔علمدار کشمیر حضرت شیخ نورالدین نورانی جناب سید گرامی کے نورو پیغام میں رنگ گئے اور اس رنگ کو انہوں نے ہمارے آباء واجداد کی روحوں کی مٹی میں اتار دیا۔اپنی سادہ اور منفرد زبان اور رسیلے اشعار سے دین حق اور ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پناہ محبت اور اپنی قوم کو جہنم سے نجات دلانے کا درداُن کے وجود کا دوسرا نام ہے۔انہوں نے جس شعری زبان اور شعری روایت کا آغاز کیا، وہ کشمیر کی اسلامی تہذیبی روایت اور ہمارے وجود اور زبان کا انمول خزانہ ہے، جس سے کشمیر ہر زمانے میں فیض یاب ہوتے رہیں گے۔

آپ کی نعت کے منفرد محاسن کا یوں خلاصہ کیا جاسکتا ہے:

ا۔اس کی بنیاد اللہ پر ایمان اور توحید ورسالت کی انتہائی اور منفرد فہم ہے۔

ب۔اس بات کا شعور کہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے بعد بزرگ ترین وجود اقدس ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تمام کائنات اور مخلوقات کے لیے رحمت، رہنما ورہبر اور شفیع ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جو آپ کی اتباع میں پوشیدہ ہے، ایمان کی اصل ہے۔

آپ (شیخ العالمؒ) مجسم انقلاب رحمت تھے اور آپ کا طریق طریقہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھا۔

آپ ﷺ نے نبی اور آپ ﷺ کے اصحاب کاملین خصوصاً خلفائے راشدین اور اہل بیت طاہرین خصوصاً جناب سیدہ کونین نور چشم رحمۃ للعالمین حضرت فاطمہ الزہراؓ کی سنت اور تعلیمات اور رسول اقدس ﷺ سے آپ کی محبت کا برملا اظہار کیا اور اسی کو وجہ نجات قرار دیا۔

آپ نے مشرکانہ تہذیب کو مٹانے اور اس کے اثرات اور اس کی تعلیمات کو زائل کرنے کے لیے رسول اکرم ﷺ کی سنت راشدہ پر عمل پر زور دیا اور اسے اپنی زندگی میں داخل کر کے ملت کشمیر کے سامنے ایک عظیم مثال قائم کردی۔ جبھی تو یہاں انہیں علمدار کہا جاتا ہے۔ وہی ہیں، جنہوں نے اہل کشمیر کو ہدایت کی راہ دکھائی، اس کا عملی نمونہ پیش کیا اور انہیں اللہ اور نبی ﷺ اور آپؐ کے اہل بیت اطہار اور اصحاب کبارؓ سے جوڑا اور انہیں اس عظیم کامیابی کی راہ دکھائی جس کے لیے یہ دنیا ایک کھیتی ہے۔

آپ ﷺ منبع ہدایت ہیں، رحمۃ للعالمین ہیں اور نمونہ کامل ہیں کیونکہ آپ ﷺ ہی ان اقدارِ عالیہ کا عملی نمونہ ہیں جو صفات الٰہیہ کی مظہر ہیں۔ ان اقدار عالیہ کو اخلاقی معیارات کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ قرآن پاک ان کو'اعمال صالحہ' بھی کہتا ہے۔ انہیں 'سنات' بھی کہا جاتا ہے اور اسلامی تہذیب کے سب سے بڑے فلسفی اور روحانیت کے نکتہ دان امام ابوحامد محمد الغزالی نے انہیں 'منجیات' کہا ہے کہ یہی اعمال حضرت نبی کی تعلیمات کا خلاصہ ہیں اور یہی انسان کو انسان بناتے ہیں۔ اور اسلام انہی روحانی اصولوں اور اقدار کی بنیاد پر، جن کی اصل توحید و رسالت و معاد و خلافت الٰہیہ ہے، انسان کی تعمیر چاہتا ہے۔ یہ اسے دونوں جہانوں میں کامیابی عطا کرتے ہیں اور اس کامیابی کا آخری سرا دیدار خداوندی ہے، جو رسول ﷺ کی اطاعت کے بغیر ممکن نہیں۔ جو محمد ﷺ سے دور ہوا، وہ اللہ سے دور ہوا اور جو اللہ سے دور ہوا، وہ ناکام و نامراد ہوا، چاہے اس کا دنیاوی مرتبہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔ نجات کی کنجی اور محور حضرت رسول خدا ﷺ کی ذات گرامی اور آپ کا اتباع ہے۔ اسی لیے شیخ الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا تھا کہ ہم کسی ایسے تصوف (روحانیت) کو نہیں مانتے، جس کی اصل توحید اور سنت رسول ﷺ نہ ہو۔ وہ تمام روحانیت جھوٹ فریب اور دھوکے کے سوا کچھ نہیں، جس کی بنیاد توحید اور رسول اکرم ﷺ پر غیر متزلزل ایمان اور آپ ﷺ کی محبت نہ ہو۔

آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں، آپ امام المتقین ہیں، آپ ہادی، مبشر اور منذر ہیں۔ آپ تمام انبیاء کے تاجدار ہیں۔ اب کوئی رسول، کوئی نبی، کوئی کتاب اور کوئی ہادی، کوئی مبشر و منذر اور امام نہیں آئے گا۔ ہدایت کے تمام دروازے بند ہیں، باب رحمت للعالمین کے سوا۔ اس لیے یہ کہنا کہ روحانیت ایک عالمی مظہر ہے اور ہر مذہب میں ہے، محض ایک فریب ہے۔ کیونکہ رسالت و نبوت کا خاتمہ اور اللہ کی طرف

سے اس کا اعلان اس بات پر مہر تصدیق ثبت کرتا ہے کہ اب کوئی نئی ہدایت نہیں آنے والی، اور تمام ہدایت نامے منسوخ کر دیئے گئے اور اب صرف ایک لافانی نسخہ کیمیا ہے اور اس کا لانے والا لافانی وجود مقدس، یعنی قرآن حکیم اور محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسی بات کا اظہار جناب شیخ العالم نے یوں کیا ؎

قرآن پران کونو مودکھ قرآن پران گیہ نو سور
قرآن پران زندہ ،کتھ رودکھ قرآن پران دود منصور

وحدۃ ادیان کا تصور نبوت اور قرآن کے کلی خلاف ہے، کیونکہ قرآن صرف اسلام کو آخری اور برحق دین مانتا ہے جسے دوسرے ادیان پر غالب کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ خیال رہے کہ وحدۃ انسانیت اور احترام اور محبت انسانیت قرآن پاک کی اساسی ہدایت ہی کی دلیل ہے۔

حضرت علمدار کی تمام توجہات کا مرکز حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدسؑ اور صحیفہ رشد و ہدایت قرآن حکیم ہے۔ کسی تعصب کے بغیر ان کی زندگی اور شاعری کا مطالعہ اس بین حقیقت کو سامنے لاتا ہے کہ آپ کی تمام فکر و عمل کے یہی دو منارہ نور ہیں اور آپ بغیر کسی کج روی کے حضرت رسالت پناہ کو اپنا ملجا و ماویٰ مانتے ہیں اور ان کے دربار عالی میں اپنی تمنائیں آرزوئیں پیش کرتے ہیں ؎

داوٗ گراوٗ میانہ نتہ حضرتس عرضی میانہِ ہوند مضمون
پاری پاری لگہ ہس مہر نبوتس وونی پیوم ژیتس گریکہ وزِ نون

حضرت شیخ العالمؒ نے اپنی نعتوں میں بڑے الٰہیاتی، دینی اور علمیاتی و اخلاقی مسائل کو جس قدر سادہ الفاظ اور اصطلاحات میں سامنے لایا ہے، وہ ان ہی کا خاصہ ہے اور ان کی عظمتِ روحانی کی دلیل بھی۔ آپ نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو شفیع المذنبین کہہ کر پکارا۔ شفیع المذنبین اور شفاعت کبریٰ اس حقیقت کو سامنے لاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء و مرسلین اور ان کی امتوں کی سفارش فرمائیں گے۔ کیونکہ شفاعت کی درخواست تمام پیغمبران عظام کریں گے۔ یہ اس حقیقت کو اظہر من الشمس کرتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات رسالت پناہ افضل الانبیاء والمرسلین ہیں۔ اسی لیے تو سفارش کی درخواست آپ سے ہی کی جاتی ہے۔ اسی بات کا اظہار معراج کے موقعہ پر بیت المقدس میں تمام انبیاء والمرسلین کی امامت سے بھی ہوتا ہے۔ اب آپ خود غور کیجئے کہ افضل الانبیاء والمرسلین اور شفیع المذنبین کی موجودگی میں کسی نئے نبی، نئے امام، نئے مبشر، نئے منذر اور نئی کتاب اور نئے ہدایت نامے کا کیا جواز اور کیا معنی؟

حضرت شیخ کی شاعری ایک حرکی پیغام ہے اور نعت اسی پیغام کی روح ہے۔ اس میں خوف

کو ایک بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ یہ خوف کوئی منفی تصور نہیں بلکہ ایک مثبت اور بامعنی عمل ہے جس کی اصل قرآن پاک کے لفظ تقویٰ میں پیوستہ و پوشیدہ ہیں۔ تصوف کی تاریخ میں حضرت حسن البصری نے اس تصور کو ایک اساسی حیثیت دے دی اور اسے امام غزالی نے ایک مثبت قدر کے طور پر پیش کیا۔ حضرت شیخ کی ساری شاعری اخلاقی اقدار کی پیشکار ہے اور مذہبی و سماجی تاریخ میں وہی حیثیت ہے جو حضرت بغدادی شیخ الطائفہ کو اسلام کی تاریخ روحانیت و تصوف میں۔ اس تصوف اور روحانیت کا مرکز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے جسے اسلامی تصوف ہر صاحب نظر صوفی نے اپنے مخصوص القاب و آداب کے ساتھ یاد کیا۔ وہی نگاہِ عشق و مستی میں اول بھی ہیں اور آخر بھی، وہی طٰہٰ بھی ہیں اور وہی یٰسین بھی۔ وہی صاحب لولاک ہیں، وہی صاحب معراج ہیں، وہی ختمی مرتبت ہیں اور وہی رحمۃ للعالمین اور شفیع المذنبین ہیں۔

نعت کسی بھی زبان میں ہو اور کسی بھی شاعر و فلسفی و صوفی و ولی کی اور صحابہ و آل بیت اطہار کی، اس کا محور آپؐ ہی کی ذات اقدس ہے۔ حضرت شیخ العالم کے حوالے سے اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ آپ کی نعت آپ کے پیغام، آپ کی شاعری اور آپ کے اعمال کی اصل عشق رسول ہے۔ اس کا کسی دوسری غیر اسلامی تحریک یا شخصیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ حضرت شیخ کا طریق اور تحریک 'ریشیت' کے نام سے موسوم ہے لیکن اس ریشیت کی اصل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے اور اس تحریک کے سارے رنگ و روپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی حیات پر نور سے مستعار ہیں۔ حضرت شیخ نے حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اول ریشی کے نام سے کیا ہے۔

اول	ریشی	احمد	ریشی
دویم	حضرت	اویس	آوٗ

اور دوسرا نام اس عاشق رسول کا ہے جسے خود سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام بھیجا۔ اویس قرنی یمن کا رہنے والا تھا۔ یمن وہ خطۂ ارضی جہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشبوئیں آتی تھیں۔ ان کے دو بڑے خصائص ہیں عشق محمدی اور خدمت والدہ۔ قرآن پاک جس کے حقوق کا حقوق اللہ کے بعد تذکرہ کرتا ہے، یعنی والدین، جو انسانی تہذیب اور محبت اور تمام رشتوں کی بنیاد ہیں۔ حضرت شیخ کا اس ریشیت سے کوئی تعلق نہیں، دور کا تعلق بھی نہیں جو شرک اور جسم و نفس کشی میں پیوستہ ہے۔ آپ کے لیے تمام روحانیت، تمام اقدار اور تمام اعمال اور تمام کام کی بنیاد حضرت رسالتمآب کی ذات مقدسہ اور آپ کا لایا ہوا پیغام الٰہی اور آپ کی سنت پر نور ہے۔ اس میں کسی بھی دوسری غیر اسلامی مشرکانہ تہذیب کا کوئی شائبہ بھی نہیں۔

ہا ننرو! ہندین ہنز کامہِ تراوتو
تراوتو پراوتو حق سنز وتھ
حضرت محمد متہِ مشراوتو
اسہِ ئن دوزخس تمن روزِ کتھ

ترجمہ: اے نند! ہندوؤں کے کام یعنی شرک، بت پرستی اور اوہام پرستی کو چھوڑ دے۔ اللہ کے راستے پر گامزن ہو جاؤ۔ اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فراموش نہ کر (یعنی ان کی اطاعت سے غافل نہ ہو) ہمارے تمام غلط اعمال ہمیں جہنم کی طرف لے جائیں گے اور اس سے آپ کا دل پر نور آزردہ ہوگا۔

میری سمجھ میں آج تک یہ بات نہیں آئی کہ جس کا رہبر، جس کا شفیع اور جس کا ہادی رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہو، وہ کسی دوسری تہذیب یا حق سے منحرف شخصیات کی طرف کیسے متوجہ ہوگا۔ اللہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو اسے اندھیرے سے اجالے کی طرف لے آتا ہے اور تمام شیطانی اور مشرکانہ قوتیں اسے اجالے سے اندھیرے کی طرف لے جاتی ہیں۔

شرک اور جھوٹی دیو مالا اور انسان دشمن شیطانی روحانیت کا کسی امتی اور عاشق رسول سے کیا تعلق ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ حضرت شیخ معمولی ساگ پر گزارہ کرتے تھے، پھٹے پرانے کپڑے پہنتے تھے اور اس کا نام لوگوں نے ریشیت رکھ دیا۔ وہ یہ بھول گئے کہ اسلام زہد، ایثار، توکل، محبت واخلاص، سادگی اور پاکیزگی کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام نفس کُشی اور جسم وروح کو تکلیف دینے کو قبیح عمل گردانتا ہے۔ تطہیر جسم و روح اور سماج کے لیے اسلام کے اپنے اصول مصفا ہیں۔ روزہ اس کی بہترین مثال ہے، لیکن روزہ رکھنے کے لیے افطار وسحری لازمی ہیں، ورنہ وہ یہود کا خدا دشمنانہ عمل ہوگا۔ روزہ نفسانی خواہشات پر قدغن لگانے کا نام ہے، نہ کہ نفسانی خواہشات کو مکمل طور پر تج دینے کا۔ فلسفہ روزہ وزکوٰۃ وحج وجہاد اور تزکیہ نفس کو سمجھیے۔ یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام اور پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم ہر عمل میں اعتدال کی تعلیم دیتے ہیں اور تبذیر وانحرافات سے روکتے ہیں۔ اللہ نے پوری کائنات کو بامقصد پیدا کیا اور اس کی تسخیر کے لیے اپنے خلیفہ کو پیدا کیا۔ بامقصد کائنات بامقصد اعمال کی متقاضی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں کے لیے اس طرح کے نظریات اور اعمال جہالت ونادانی اور انسان دشمنی اور اللہ واحد وصمد سے بغاوت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت منبع نور وہدایت ہے، کیمیائے سعادت ہے، صوفیا کی تاریخ عظمت انسانی کی داستان ہے، جس کی روح عشق محمدیؐ ہے۔

حضرت اویس قرنی سے حضرت محی الدین ابن عربی اور خواجہ حسن بصری سے امام غزالی اور شیخ

الطائفہ جنید بغدادی سے حضرت شیخ احمد سرہندی اور حضرت رابعہ بصری سے دید موج تک اور ان کے بعد آنے والے جملہ اصفیاء واولیاء، ابدال واقطاب سب کے لیے حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس وجہ تخلیق، مقصد تخلیق، نور ازل، مینارہ نور، سر اکبر سرمایہ حیات اور مرکز حیات ہے۔ آپؐ سے محبت تمام اعمال اور کامیابیوں کی دلیل اور ضمانت ہے۔ اس فلسفہ اور عمل کی کوئی حیثیت نہیں جس کا منبع نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس نہ ہو۔ غور سے سمجھ لیجئے اسلام کے اصول اساسی توحید، رسالت اور معاد ہیں۔ یہ تینوں عقیدے اور اصول ہر مشرکانہ نظام کے مخالف ہیں۔ ریشیت ہندو مشرکانہ تعلیمات میں پیوستہ ہے۔ تمام وید ریشیوں نے لکھے ہیں اور ہر باب کی ابتداء اگنی کی پوجا سے ہوتی ہے۔ مشرکانہ نظام کا توحیدی نظام حیات سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ یہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ توحیدی نظام میں پیغمبر خدا کو اساسی حیثیت حاصل ہے۔ اور ہر مشرکانہ نظام خصوصاً ہندو مت میں دیو مالا اور دیوی دیوتاؤں کو اساسی حیثیت حاصل ہے۔ خدائے واحد کا کوئی تصور نہیں اور اگر ہے بھی تو وہ انسان کی ہے کہ استغفر اللہ۔

جو لوگ حضرت شیخ العالم کی ریشیت کی بنیاد مشرکانہ ریشیت کو سمجھتے ہیں، انہیں اپنی عقل وفہم پر ماتم کرنا چاہیے۔ حضرت شیخ کی روحانیت وریشیت اور جملہ تعلیمات کی اساسی بنیاد توحید اور رسالت و معاد ہے۔ وہ اخلاقی اور روحانی نظام ہے، جس کا منبعِ صفا رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔ اس کا اظہار ان کے ہر عمل اور شاعری کے ہر لفظ سے ہوتا ہے۔

ذرا ان اشعار، نکات اور توجہات پر غور کیجئے تو آپ کے سامنے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ علمدار حضرت رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہیں اور ان کی مدحت ہی ان کی روحانیت وشعر کی جاتی ہے۔ تمام دین اسلام کی اصل توحید ورسالت ہے اور ان تصورات پر حضرت شیخ نے سب سے زیادہ توجہ مرکوز کی ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو۔ خود اللہ پاک نے انسان کو یہی سکھایا۔ سورۃ الفاتحہ کو دیکھیے، اس کی ابتداء توحید خالص اور اللہ کی صفات ہیں اور اختتام ان صاحبانِ عظمت کا ذکر ہے، جن پر اللہ نے انعام کیا۔ اور یہ پیغمبرانِ عظام اور ان کے امام اور ان میں سب سے افضل اور پوری تخلیق سے افضل ذات اقدس رسالت پناہ ہے جو نعمت کبریٰ بھی ہے اور وجودِ خالص بھی، جس کو اللہ نے نہ صرف اپنی تمام نعمتوں سے نوازا بلکہ جملہ نعمتوں کا قاسم (تقسیم کرنے والا) بنایا۔ تمام نعمتیں، برکتیں اور رحمتیں آپؐ ہی کے وسیلے سے ملتی ہیں اور سب سے بڑی نعمت عرفان حق اور پیغام الٰہی ہے۔

انما انا قاسم واللہ یعطی (بے شک اللہ عطا کرنے والا ہے اور میں تقسیم کرنے والا)۔

توحید خالص کی تبلیغ اور پہچان آپؐ نے ہی عطا کی۔ اسی لیے میرا ہمیشہ یہ رویہ رہا کہ ذکر خدا کر

محبوب کے سوا بے معنی، کیونکہ خود اللہ پاک کا ارشاد ہے کہ:

ولو انهم رضوما اتهم الله ورسوله (توبہ:۵۹)

قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله ویغفرلکم ذنوبکم والله غفور رحیم (آل عمران:۳۱)

آپؐ پر ایمان کلمہ کا اقرار ہے جسے قرآن حکیم شجرہ طیبہ قرار دیتا ہے۔ علمدار کشمیر اس کلمہ طیبہ کو تمام علم کا منبع مانتے ہیں اور یہ تمام علوم کے خزانہ کے برابر ہے۔

لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم حریص علیکم بالمومنین رؤف رحیم (التوبہ:۱۲۸)

اللہ کا رسولؐ اللہ کا محبوب ہے۔ اللہ خود اور اس کے فرشتے اس پر درود بھیجتے ہیں۔ نبی اللہ کی سب سے بڑی نعمت اور انعام ہے۔ ذکر حبیبؐ ہی تمام ذکر اللہ کی بنیاد ہے کہ آپؐ ہی نے انسانیت کو اللہ کی ذات اقدس کا صحیح تصور دیا اور ہدایت کی راہ سکھائی اور اللہ کی معرفت عطا کی، اپنی معرفت عطا کی اور کائنات کی حقیقت بتادی اور تمام نعمتوں کی پہچان عطا کی۔

جناب رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین اور شفیع المذنبین ہیں۔ اللہ کے محبوب ہیں اور تمام جہانوں کی طرف ہدایت لے کر بھیجے گئے۔ ہدایت کا مرکز ہیں اور نجات کے ضامن ہیں۔ ؎

پم خ خدائے تہ رسول سرن
تم سنسارس زنتہ کندے

آپؐ پر ایمان کلمہ طیبہ کا اقرار ہے جسے قرآن حکیم شجرہ طیبہ قرار دیتا ہے۔ علمدار اس کلمہ طیبہ کو تمام علم کا منبع مانتے ہیں اور تمام علوم کے خزانہ کے برابر ہے۔ ؎

علمٕک آگر چھ کلمک معنے
کرٕیہ ہند آگر چھُ معنے کھین

حضرت علمدار کی شاعری میں ایسے کئی الفاظ کا استعمال اُن کے انتہائی گہرے روحانی تجربات، معارف اور ادراک کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ان کی روحانی اور علمی حیثیات اور انکشافات کے تانے بانے ان عظیم صوفیاء سے ملتے ہیں جنہوں نے تصوف کی نظریہ سازی کی، جن میں منصور حلاج اور ابن عربی کا ایک منفرد مقام ہے۔ منصور حلاج نے پہلی بار 'طواسین' میں نور محمدی کے تصور اور اس کی مختلف جہتوں کو سامنے لایا۔ منصور کے بعد امام غزالی نے اس مسئلے پر بحث کی لیکن اس کو ایک پورے فلسفیانہ

اور علمیاتی تناظر میں پیش کرنے والا عظیم مفکر صوفی محی الدین ابن عربی ہے۔

انہوں نے وجود اقدس رسالت ماب کو اسرار النقط ، منطقہ ہیولیٰ ، سرا کبر، اسم اعظم اور سراج منیر قرار دیا اور اس کی تین بڑی جہتوں کو بیان کیا (۱) حقیقت الحقائق (۲) حقیقت محمد یہ اور (۳) انسان کامل ۔ان تینوں جہتوں کی اصل ذات الٰہی ہے۔ ہر پیغمبر کسی ایک صفتِ الٰہی کے زیر اثر ہے، لیکن پیغمبر اعظم و آخر صلی اللہ علیہ وسلم میں تمام صفات آشکار ہو جاتے ہیں۔اس لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بحیثیت حقیقت الحقائق تمام حقائق کی حقیقت کا ادراک رسول محترم و معظم کے ذریعہ ہوتا ہے۔آپ سرِ اسرار ہیں اور تمام تخلیق کا تخلیقی و عقلی سرچشمہ ہیں۔آپؐ عقل اول ہیں اور احدیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ حقیقت محمد یہ اس روحانی حقیقت اور مرکز کی طرف اشارہ کرتی ہے، جس سے تمام پیغمبر منور ہو جاتے ہیں۔ انسان کاملؐ کی حیثیت سے آپؐ کا اسوۂ کاملہ اللہ کی صفات اور اقدار عالیہ کا منبع ہے۔

حضرت شیخ العالم روحانیت کے ان رموز سے واقف ہیں، لیکن انہوں نے شاید اس وجہ سے کہ نظریہ سازی کے بجائے ان کا فریضہ داعی کا ہے، ان پیچیدہ امور کی طرف توجہ نہیں لیکن کہیں کہیں ان کی شاعری میں ایسے الفاظ اور ایسے اشارے ضرور ملتے ہیں جو فلسفہ عرفان و تصوف کے شناوروں کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ یہ شعر ؎

پآری پآری لگِ تس پیغمبرس
یندس دورس رحمت چھ جآری
کآلی یلہ ہکھ لگہ روز محشرس
تس کن وومیدوار آسن سآری
سہ چھ ثقلین بوڈ پیغمبر
ژے تس بووتھ سیر آدنہ
سہ ژے شودِ منہٕ نیووتھ اندر
چھہم ژی تس مہربانہ

پہلا شروکھ (بند) جن پانچ اہم امور کی طرف اشارہ کرتا ہے، وہ یہ ہیں (۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم شفیع المذنبین ہیں (۲) آپؐ رحمۃ للعالمین ہیں (۳) آپؐ کی نبوت آفاقی ہے (۴) آپؐ کی رسالت ہمیشگی کی حامل ہے اور (۵) آپؐ پر ہی نبوت و رسالت ختم ہوئی۔

دوسرا شروکھ (۱) آپؐ کے افضل الانبیاء اور محرم اسرار ازل ہیں۔ (۲) آپؐ اسوہ کاملہ ہیں اور بے

کسوں کے ملجا و ماوی اور حقیقی عبدہٗ اور عظمتوں کا پیکر ہیں۔

نبی صابن کھین تہٖ چین وچھ تہٖ
تریہٖ تریہٖ دوہی کورکھ افطار
کرے تہٖ بندگی کر تموے کشتہٖ
پایہٖ مبارکن دوتکھ آزار
پآری پآری محمد صآب نِس شانس
یُس امتس ہیہٖ پانس سیتی
اتھ کھور تمی ییتہ گنڈی شیطانس
تیمی ئے کُر قرآنس سیتی
محمدؐ تہٖ ژور یار برحق گنزرکھ
تمن نش اندہ نے ساری نیائے
حضرت محمدؐ حقہٖ سند پیورو
دمہٖ دمہٖ جبرئیل یار تس

نعت کا یہ والہانہ انداز صرف شیخ العالم، علمدار ہی کا ہوسکتا ہے، جو عشق و معرفت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم و قرآن میں ڈوب چکے تھے۔ اسی لیے وہ علمدار کہلائے اور ملت کشمیر کے غم خوار بنے اور تمام آنے والی ان پاکیزہ روحوں کے مرشد باصفا ہوئے جن کی امیدوں اور آرزوؤں کا مرکز، روحوں کا سکون، دلوں کا قرار اور آنکھوں کا نور اور سرمایہ حیات صرف اور صرف ذات گرامی اقدس رحمۃ للعالمین و شفیع المذنبین ہیں۔

حضرت میر سید علی ہمدانی اور حضرت علمدار کشمیر نے جس عظیم روحانی اور تہذیبی انقلاب کو بپا کیا، اس کے اثرات ہر شعبہ حیات پر پڑے۔ شعر و شاعری کا ایک نیا حرکی، لطیف اور خوبصورت جہاں آراستہ ہوا، قدیم مشرکانہ روایات اور تصورات کو یخ لخت دفن کردیا گیا اور طویل روحانی و جنگی داستانیں، جن کا تعلق عرب اور ایرانی روایات اور اسلامی تاریخ سے تھا، منظوم پیرایے مین سامنے آئیں۔ صوفی شعراء، جو وحدۃ الوجود سے بہت زیادہ متاثر تھے، نے روحانی و صوفیانہ تجربات کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ حبہ خاتون اور رسول میر نے غزل کو نیا مزاج اور نیا آہنگ عطا کیا۔

حمد و نعت و مناقب اسلامی تہذیب اور شاعری کی روح ہیں۔ صوفی شعراء سے لے کر رومانی جنگی داستان گو شعراء نے حمد و نعت لکھیں اور ان سے اپنی طویل نظموں کا آغاز کیا۔ حضرت میر سید علی ہمدانی کی

آمد سے کشمیری زبان پر فارسی کے واضح اثرات مرتب ہوئے۔ سات سو سال کے اس طویل تاریخی سفر میں کشمیری زبان میں ہزاروں حمد ونعت ومناقب لکھے گئے۔ بڑے قدآور شعراء اور فنکاروں نے حضرت رسالت پناہؐ سے اپنی محبت وعقیدت کا اظہار اپنے شعری پیرایوں میں کیا، لیکن ان میں کئی ایسے صاحبان شعروفن ہیں جن کی شاعری اور نعتیہ شاعری عالمی معیار کی حامل ہے۔ ان کی زبان انتہائی سلیس، شستہ، سادہ اور پاک ہے اور اظہار انتہائی ارفع اور نازک۔ ان میں محمود گامی، سید ثناء اللہ کریری، عزیز اللہ حقانی، اور عبدالاحد نادم انتہائی اہم نام ہیں۔ عبدالاحد نادم کو کشمیر کا جامی کہا جاسکتا ہے۔ جدید دور میں بھی کشمیری زبان میں بہت اہم اور اعلیٰ پایے کی نعتیں لکھی گئیں۔ حضرت علمدار کے بعد حمد ونعت ایک طویل وتحلیلی بحث کی متقاضی ہے، جسے اِن شاء اللہ آگے مباحث میں سامنے لائیں گے۔

اللہ پاک جب کسی پر اپنی رحمت وعنایات وکرم اور مغفرت کے دروازے کھولنا چاہتا ہے تو اس پر ذکر حبیبؐ کے دروازے وا کرتا ہے۔ ذکر حبیبؐ تو خود اللہ اور اس کے فرشتے کرتے ہیں۔ یہ بہت ہی متنوع اور مختلف الجہت عمل ہے۔ یہ خیر کثیر ہے، ذکر حبیبؐ اللہ اور اس کے ان بندوں کے ذکر سے منسلک ہے، جن سے اللہ راضی ہوا اور جنہیں اس نے اپنے انعامات سے نوازا۔

انسان کی اصل کامیابی اللہ کی عبادت اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ومحبت اور اس کے ذکر میں ہے۔ اللہ کا ذکر، ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر ناممکن اور ادھورا ہے، کیونکہ اللہ کی معرفت اور اس کی عبادت وذکر کا طریقہ تو اللہ کے رسول کریم ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی سکھلا دیا ہے۔ * * *

••••••••••••••••••

خدا جو بخش دے مجھ کو، کروں شمس و قمر صدقے
نہیں میری مگر یہ کائنات بحر و بر صدقے

امت کو اپنے نور سے آراستہ کیا
اک نور مستقل ہے جہاں جا کے دیکھیے

ڈاکٹر صغریٰ عالم مرحومہ (گلبرگہ)

••••••••••••••••••

ڈاکٹر تابش مہدی
ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔۱۱۰۰۲۵

بیسویں صدی کے پانچ اہم نعت نگار

1۔۔مولانا ماہرالقادری (۱۹۰۶۔۱۹۷۸)

مولانا ماہرالقادریؒ (۱۹۰۶۔۱۹۷۸) برصغیر کے ممتاز شاعر، ادیب اور ناقد تھے۔ اُردو، فارسی اور عربی کی شعری وادبی روایات پر اُن کی گہری نگاہ تھی۔ زبان وبیان، انشا واملا اور محاورات و روزمرہ کے سلسلے میں وہ کافی حساس تھے۔ ان کے عہد کے بڑے بڑے علما اور ماہرین زبان وفن نے ان کی اِس اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔ بعض نے تو اپنے جاننے اور ماننے والوں کو خطوط کے ذریعے سے یا زبانی طور پر اس بات کی تاکید کی ہے کہ وہ شعروادب کے فنی، لسانی یا عروضی مسائل میں پاکستان میں ماہرالقادری سے رجوع کریں۔ مولانا عبدالماجد دریابادی اس سلسلے میں تین نام لکھتے تھے: خواجہ محمد شفیع دہلوی، ملّا واحدی اور ماہرالقادری۔

ماہرالقادری شاعری اور ادب وتنقید کے ساتھ ساتھ اسلام اور اس کی انقلابی دعوت سے بھی گہرا شغف رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنی پوری ادبی وتنقیدی توانائی خدمتِ دین کے لیے وقف کردی تھی۔ ان کا رسالہ 'فاران' ان کے فکروفن کا کام یاب ترجمان تھا۔ اُس میں شعروادب سے متعلق مضامین بھی ہوتے تھے اور زبان وبیان کی بحثیں بھی اور سیرت رسول، تذکرہ صحابہ، بزرگانِ دین کے حالات اور دعوت وتبلیغ اور اصلاحِ معاشرہ کے موضوع پر قیمتی مضامین ومقالات بھی۔ وہ دعوت وتبلیغ اور اسلام کی انقلابی دعوت کے سلسلے میں مفکر اسلام مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور ان کی برپا کی ہوئی تحریک جماعت اسلامی سے متاثر تھے۔ مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کا قلمی دفاع کرنے والوں میں جو شہرت ہندستان میں مولانا عامر عثمانی اور ان کے مشہورِ زمانہ رسالہ ماہ نامہ تجلی کو حاصل تھی، وہی شہرت پاکستان میں مولانا ماہرالقادری اور ان کے رسالے 'فاران' کو بھی حاصل تھی۔ بیسویں صدی کے جید عالم دین مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے کسی موقعے پر فرمایا تھا:

''ادب وشاعری کا معاملہ بھی کچھ دل کا سا ہے، یہ کامل رہبر بھی ہے اور قاتل رہزن بھی۔ اس کا انحصار اس شمشیرزن پر بھی ہے، جس کے ہاتھ میں دو دھاری تلوار ہو۔ ماہرؔ القادری صاحب انھی خوش قسمت شاعروں اور ادیبوں میں ہیں، جنھوں نے اِس تلوار سے دین کی حمایت کا کام لیا ہے۔ اُنھوں نے اس کو قاتل رہزن بننے کی بہ جاے کامل رہبر بنا دیا ہے۔''

(پرانے چراغ، ص:۲۰۸)

مولانا ماہرؔ القادری ۱۹۰۶ء میں ہندستان کے صوبۂ اُتر پردیش کے مردم خیز ضلع بلند شہر کے ایک چھوٹے سے قصبے کسیر کلاں میں پیدا ہوے۔ اصل نام منظور حسین تھا اور تخلّص ماہرؔ۔ قادری کی نسبت بدایوں کے سلسلۂ قادریہ کے علما سے وابستگی کی وجہ سے اختیار کی تھی۔ نسباً قریشی تھے۔ والدِ محترم کا اسمِ گرامی جناب محمد معشوق علی تھا۔ وہ بھی شعر گوئی کا ذوق رکھتے تھے۔ ظریف تخلّق فرماتے تھے اور سلسلۂ قادریہ سے وابستہ تھے۔ بل کہ ان کی پوری بستی سلسلۂ قادریہ سے وابستہ تھی۔ اسی وجہ سے، اس زمانے میں کسیر کلاں کے اس حصے کو 'قادری باغ' کے نام سے بھی جانا جاتا تھا، جس میں ان کا مکان واقع تھا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ماہر صاحب نے اپنے گاؤں قادری باغ کی وجہ ہی سے قادری کا لاحقہ اختیار کیا۔ میری معلومات کے مطابق یہ درست نہیں ہے۔

ماہر القادری نے علی گڑھ سے اِنٹرنس کیا تھا۔ عربی وفارسی کی تعلیم شخصی طور پر مختلف علما سے حاصل کی۔ علوم دینیہ کے لیے مفتیِ اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع عثمانی دیوبندیؒ سے رجوع کیا۔ ان کے مدرسے کے مختلف علما سے حدیث وفقہ کی کتابیں پڑھیں۔

ماہر القادری آزادی سے پہلے دلّی اور حیدرآباد میں رہے۔ مشہورِ زمانہ ہفت روزہ اخبار مدینہ بجنور سے وابستہ رہے، دربار نظام حیدرآباد سے بھی تعلق رہا، آزادی کے بعد پاکستان چلے گئے۔ وہاں سے ۱۹۴۹ میں ماہ نامہ فاران جاری کیا۔ ماہ نامہ فاران مذہبی حلقوں میں بھی پسند کیا جاتا تھا اور ادبی حلقوں میں بھی۔ 'نقشِ اوّل' 'یادِ رفتگاں' اور 'ہماری نظر میں' اس کے مخصوص اور مستقل کالم تھے۔ 'نقشِ اوّل' کے تحت وہ ملک کے سیاسی، معاشرتی اور بعض دوسرے وقتی مسائل پر اظہارِ خیال کرتے تھے۔ 'یادِ رفتگاں' کے عنوان سے ہر مہینے کسی ایسی مرحوم شخصیت سے متعلق لکھتے تھے، جس سے کسی نہ کسی نوعیت سے ان کا تعلق ہوتا تھا۔ جب اور جس شخصیت پر بھی لکھتے تھے، اس سے متعلق اچھی خاصی معلومات فراہم کرتے تھے۔ اِن مضامین کا انتخاب دو ضخیم جلدوں میں یادِ رفتگاں کے نام سے ہندستان اور پاکستان دونوں جگہوں سے شائع ہو چکا ہے۔ جب کہ 'ہماری نظر میں' کا کالم تازہ علمی وادبی کتابوں اور جرائد ورسائل کے خصوصی

نمبروں پر تبصرے کے لیے مختص تھا۔ یہ تبصرے محض تحسینی یا تبرکی نوعیت کے نہیں ہوتے تھے۔ بل کہ ہر کتاب یا خصوصی شمارے کا وہ بالاستیعاب مطالعہ کرتے تھے۔ قابلِ تحسین چیزوں کی تعریف و تحسین کرتے تھے اور جہاں ان کی نگاہ زبان و بیان یا کسی دوسرے زاویہ نظر سے رکتی تھی، اس کا برملا اظہار کرتے تھے۔ اس سلسلے میں انھوں نے کبھی کسی رعایت و مداہنت کا رویہ نہیں اپنایا۔ اِس قسم کے تبصروں کا ایک جامع انتخاب پاکستان میں ''ہماری نظر میں'' کے نام سے اور ہندستان کے مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز دہلی سے ''ماہرالقادری کے تبصرے'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ ماہرؔالقادری کے تبصروں اور تنقیدی مضامین کی وجہ سے ماہ نامہ فاران کراچی کو جو شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی، وہ کسی دوسرے معاصر رسالے کے حصے میں کم ہی آ سکی ہوگی۔

ماہرالقادری نے شعر و ادب کی متعدد اصناف میں لکھا ہے۔ انھوں نے نثر میں تنقیدی مضامین کے ساتھ افسانے اور ناول بھی لکھے ہیں، سفر نامے اور سیاحت نامے بھی لکھے ہیں اور شاعری میں غزلیں، نظمیں، قطعات اور رباعیات بھی۔ اِن سب میں ان کی متعدد کتابیں بھی شائع ہو چکی ہیں۔ ان کا مقبولِ عام ناول 'دُرِّ یتیم' سیرتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے۔ یہ ناول ہندستان و پاکستان میں لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوا ہے۔ 'کانجی ہاؤس' ان کا اپنے زمانے کا مشہور ناول تھا، ''مے خانے'' کے نام سے ان کے افسانوں کا مجموعہ ہندستان اور پاکستان دونوں جگہوں سے شائع ہوا تھا۔ محسوسات ماہر، نغماتِ ماہر اور جذباتِ ماہر ان کی غزلوں کے مجموعے ہیں۔ فردوس اور ذکرِ جمیل ان کی نعتوں اور اسلامی انداز کی نظموں کے مجموعے ہیں۔ سیاحت نامے، ان کا سفر نامہ عراق و افریقہ ہے۔ جب کہ کاروانِ حجاز ان کا سفر نامۂ حج ہے، جو اب تک ہندو پاک میں لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوا ہے۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ میں نے ان کی مذکورِ بالا تمام کتابیں پڑھی ہیں۔ بل کہ ایک اشاعتی ادارے سے ایڈیٹر کی حیثیت سے منسلک ہونے کی وجہ سے بعض کتابوں کی تدوین و حاشیہ نگاری بھی کی ہے۔ لیکن میں نے جہاں تک اُن کو پڑھا ہے اور ان کے ذہن و مزاج کو سمجھا ہے، وہ یہ کہ اُنھیں خصوصی شغف نعت اور نعت گوئی سے تھا۔ وہ نعت مزاج تھے۔ نعت ان کے مزاج و طبیعت میں رچی بسی ہوئی تھی۔ اُنھوں نے خود بھی ایک جگہ لکھا ہے:

'نعتِ رسولؐ میری گھٹی میں پڑی تھی۔ ہوش سنبھالا تو شعر گوئی کے لیے طبیعت کو موزوں بل کہ آمادہ پایا۔ میں یہ کہتے ہوئے فخر محسوس کر رہا ہوں کہ میری شاعری کی ابتدا حمد و نعت سے ہوئی اور اِن شاء اللہ خاتمہ بھی اِسی پر ہوگا۔'

مولانا ماہرالقادری کی نعتوں میں فکر وخیال کی بلندی بھی ملتی ہے اور عقیدے کی پختگی وطہارت بھی اور اِن سب کے ساتھ ساتھ نغمگی و رعنائی اور شریعت بھی۔ خلوص کی بے پناہ حلاوت، جذبے کی صداقت اور عقیدے کی صحت و درستی ان کی نعت کی شناخت ہے۔ اپنی اس شناخت کے لیے وہ پوری علمی وادبی دنیا میں شہرت رکھتے ہیں۔ انھوں نے کبھی کہا تھا:

کس بیم و رجا کے عالم میں طیبہ کی زیارت ہوتی ہے
اِک سمت شریعت ہوتی ہے، اک سمت محبت ہوتی ہے

یہ شعر ان کے مزاج وطبیعت اور شاعرانہ رنگ وآہنگ کا کامل ترجمان ہے۔ انھوں نے محبت و عقیدت کو کبھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام وفرمان سے بے نیاز نہیں ہونے دیا۔ لیکن یہ بھی واضح رہے کہ ان کی نعتوں میں آپ کو خشک، سپاٹ یا وعظ وتبلیغ کا انداز کبھی نہیں ملے گا۔ جب ہم ان کے ذخیرۂ نعت پر نگاہ ڈالتے ہیں تو اِس قسم کے اشعار بہ کثرت ملتے ہیں:

مرے غم پر زمانے کی ہزاروں عشرتیں قرباں
تصور میں نبیؐ کے آنکھ پر نم ہوتی جاتی ہے

جس پر لاکھوں صحبتیں قرباں
صلِّ علیٰ وہ روے منوّر

نامِ محمدؐ جان ہے دل کی
دل کی دھڑکن بول رہی ہے

مخمور جس شراب سے تھے بوذرؓ و بلالؓ
مجھ کو اُسی شراب کا پیمانہ چاہیے

ترا نُطق وحیِ یزداں، تری بات شرحِ قرآں
ترا نام دل کی تسکیں، ترا ذکر راحتِ جاں
تری ذات سے محبت، ترے حکم کی اطاعت
یہی زندگی کا مقصد، یہی اصلِ دین و ایماں

آپ نے اِن اشعار سے اندازہ کیا ہوگا، کہ اُن کے ہاں عقیدت ومحبت اور شیفتگی اور ربودگی

کے جذبے میں کس درجہ بلندی اور استحکام ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے کہیں بھی اِس جذبے کو آزاد و بے قید نہیں ہونے دیا ہے۔ جن لوگوں نے ماہر القادری کو مذہبی جلسوں، مشاعروں اور نجی مجلسوں میں سنا ہے، وہ بتاتے ہیں کہ وہ جس وقت نعتِ رسول پڑھتے تھے، ان کا پورا وجود محبت و عقیدت کا سراپا بن جاتا، خصوصاً جب آپ ﷺ کا نامِ نامی زبان پر آتا تھا تو ان کی ہچکیاں بندھ جاتی تھیں۔ بسا اوقات تو یہ کیفیت اتنی شدید ہو جاتی تھی کہ شعر مکمل کرنا دوبھر ہو جاتا تھا۔ مشہور مورّخ سید محبوب رضویؒ نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے:

"آزادی سے متصلاً قبل کا زمانہ ہے، قرول باغ دہلی میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کا بیان ہو رہا تھا، میں بھی ان کے رفیقِ سفر کی حیثیت سے اسٹیج ہی پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ حضرت قاری صاحب کے بیان کے دوران میں ایک صاحب جو کہ نہایت خوش لباس اور وجیہہ و شکیل تھے، آئے اور مجمعے میں دوسری یا تیسری صف میں جگہ دیکھ کر بیٹھ گئے۔ حضرت قاری صاحب سیرت رسولؐ پر اپنے انداز میں گفتگو فرما رہے تھے۔ وہ صاحب مسلسل سر جھکائے روتے رہے اور کبھی کبھی بلند آواز سے درود شریف کا بھی ورد کرتے رہے۔ حضرت قاری صاحب نے تقریر ختم کی اور سب سے پہلے اسٹیج سے اتر کر ان صاحب سے بغل گیر ہوے۔ مجمعے کے دوسرے لوگ بھی ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ ماہر القادری تھے۔"

(پندرہ روزہ اجتماع دیوبند کا ماہر القادری نمبر فروری ۱۹۷۹)

مولانا ماہر القادری کی نعتیہ نظمیں ان کی وسعتِ مطالعہ، سیرتِ رسولؐ سے بے پناہ دل چسپی اور ذاتِ رسالت مآب ﷺ سے کامل عقیدت و محبت کا پتا دیتی ہیں۔ اس ذیل میں ان کی نظموں ظہورِ قدسی، صبحِ سعادت، صبحِ انسانیت، پیغمبرِ انسانیت، حریت کاملہ کا مبلغ اور ساقی نامہ کا تذکرہ خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ اُن کے سلام کے یہ اشعار تو مقبولیت کا ریکارڈ قائم کر چکے ہیں:

سلام اُس پر کہ جس نے بے کسوں کی دست گیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی
سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں

سلام اس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا
سلام اس پر جو امت کے لیے راتوں کو روتا تھا
سلام اس پر جو فرشِ خاک پر جاڑے میں سوتا تھا

فارسی کا ایک بہت مشہور شعر ہے:

ہر شام کہ می خوابم بریادِ تومی خوابم
ہر صبح کہ برخیزم، از عشقِ توبرخیزم

جب میں سوتا ہوں تو تیری ہی یاد میں اور تیرا ہی نام لیتے لیتے سوجاتا ہوں اور جب میں بے دار ہوتا ہوں تو تیری محبت و شیفتگی کی کیفیت میں بے دار ہوتا ہوں۔

اِسی بات کو نصر اللہ خاں عزیز نے اِس انداز میں کہا ہے:

مری زندگی کا مقصد ترے دیں کی سرفرازی
میں اِسی لیے مسلماں، میں اِسی لیے نمازی

مقصد مدعا دونوں شعروں کا ایک ہے۔ جب ہم ماہر القادری کے حالات پر نگاہ ڈالتے ہیں، ان کی سیرت کی کتابوں، اس سے متعلق مقالوں، ان کے سفرنامہ حج کاروانِ حجاز اور ان کی نعتیہ شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں تو اِسی قسم کی شخصیت کا سراپا سامنے آتا ہے۔ ان کے خطوط اور بعض دوسرے موضوعات پر نگارشوں میں بھی اِسی کا عکس ملتا ہے۔ حتی کہ اُن کی رحلت کا واقعہ بھی اِسی تاثر کو قائم رکھتا ہے۔

۱۲ مئی ۱۹۷۹ء کو پاکستانی سفارت خانے کی طرف سے سعودیہ عربیہ کے علم پرور شہر جدہ میں ایک مشاعرہ تھا۔ اُس میں پاکستان سے مولانا ماہر القادری کے علاوہ حفیظ جالندھری، جمیل الدین عالی، سرور بارہ بنکوی، اِحسان دانش، اقبال عظیم، رحمان کیانی اور وحیدہ نسیم کو مدعو کیا گیا تھا۔ جب کہ ہندستان سے علامہ انور صابری، استاذ محترم حضرت شہباز صدیقی امروہوی اور ساجد صدیقی لکھنوی مدعو تھے۔ ہندستانی شعرا میں سے صرف ساجد صدیقی لکھنوی نے شرکت کی۔ وہ اُن دنوں وہیں مقیم بھی تھے۔ لیکن استاذ محترم علامہ شہباز امروہوی اور حضرت علامہ انور صابری بعض قانونی پیچیدگیوں کی وجہ سے نہیں شریک ہوسکے۔ مشاعرہ نہایت کام یابی کے ساتھ چلتا رہا۔ پاکستانی شعرا کو تین تین بار دعوتِ سخن دی گئی۔ ماہر صاحب نے کافی دیر تک سامعین کی فرمائش پر اپنی نظموں، غزلوں اور قطعات و رباعیات سے اُنھیں محظوظ کیا۔ ''جمنا کا کنارہ، ماہر القادری کی بہت مقبول نظم

ہے۔ کسی زمانے میں ہندستان کے مشاعروں میں اسے بے حد مقبولیت حاصل رہی ہے۔ اس کی بھی فرمائش کی گئی، یہ فرمائش انھوں نے یہ کہہ کر مسترد کر دی کہ میں اب اس قسم کی چیزیں سنانے سے اجتناب کرتا ہوں۔ ان کے بعد حفیظؔ جالندھری کو دعوت سخن دی گئی، انھوں نے بھی سامعین کی فرمائش پر اپنی متعدد غزلیں سنائیں۔ ان کی یہ غزل تو بے حد مقبول ہوئی:

جوانی کے ترانے گا رہا ہوں
دبی چنگاریاں سلگا رہا ہوں

ہوئی جاتی ہے کیوں بے تاب منزل
مسلسل چل رہا ہوں، آ رہا ہوں

خدا لگتی کہو بت خانے والو!
تمھارے ساتھ میں کیسا رہا ہوں

کسی نے اُس غزل کی فرمائش کر دی، جس کا ایک شعر یہ ہے:

پری رخوں کی زباں سے کلام سن کے مرا
بہت سے لوگ مری شکل دیکھنے آئے

حفیظؔ صاحب نے یہ غزل پڑھنی شروع کی۔ یہ غزل ماہر القادری صاحب کی پہلے سے سنی ہوئی تھی۔ انھوں نے حفیظ صاحب سے ایک شعر کے بارے میں کہا کہ اُسے نہ پڑھیں، کم از کم اِس دیار کا اتنا احترام تو ہونا ہی چاہیے کہ اِس قسم کی باتیں عوام کے سامنے نہ لائی جائیں۔ حفیظ صاحب مسکرائے اور غزل کے دو تین اشعار پڑھنے کے بعد ماہر صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا: مولانا! شعر ملاحظہ فرمائیں، ماہر صاحب سمجھ گئے کہ کس شعر کے لیے انھیں مخاطب کیا گیا ہے، انھوں نے پھر اُنھیں اس شعر کو پڑھنے سے منع کیا۔ لیکن حفیظ صاحب نے ہلکے سے تبسم کے بعد وہ شعر بہت لہک کر پڑھا:

بہشت میں بھی ملا ہے، مجھے عذاب شدید
یہاں بھی مولوی صاحب ہیں میرے ہم سائے

شعر کا دوسرا مصرع پڑھتے وقت حفیظ صاحب نے ماہر القادری کی طرف خصوصیت کے ساتھ اشارہ بھی فرمایا۔ ماہر صاحب نے شعر سنا اور فوراً مائک پر آ گئے۔ کہا: حضرات! حفیظ صاحب کو غلط فہمی ہو گئی۔ یہ کسی اور جگہ گئے تھے، جہاں اُنھیں عذابِ شدید سے دوچار ہونا پڑا۔ بہشت میں 'عذاب' کا

سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

ماہر صاحب کے بیٹھ جانے کے بعد حفیظؔ جالندھری نے قہقہہ لگاتے ہوئے پھر وہی شعر پڑھا اور ابھی وہ شعر مکمل بھی نہ کر سکے تھے کہ ماہرؔ صاحب گر پڑے۔ ان کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ حفیظ صاحب نے ان کی طرف دیکھا اور کہا: ''ماہر صاحب کیا ناراض ہو گئے''؟ مجمعے سے ایک ڈاکٹر آئے، انھوں نے ان کے منہ میں پانی ڈالا۔ پھر وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔ حرمِ کعبہ میں ان کی نمازِ جنازہ ادا کی گئی اور جنت المعلیٰ میں انھیں دفنا دیا گیا۔

یہ توصحیح ہے کہ موت کا ایک دن متعین ہے۔ سب کو اسی کے مطابق اس دنیا سے رخصت ہونا ہے، کسی کو اس کا ذمے دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ لیکن اس واقعے سے حضرت ماہر القادری کی غیرت ایمانی اور دینی و مذہبی قدروں سے متعلق ان کے احساس کی شدت کا اندازہ بہ ہر حال کیا جا سکتا ہے۔ میں اِسے ان کے شریعت اسلامیہ سے غیر معمولی تعلقِ خاطر اور صاحبِ شریعت سے بے انتہا محبت و وابستگی کا مظہر سمجھتا ہوں۔

مولانا ماہر القادری نے اپنی کتاب 'ذکرِ جمیل' میں لکھا ہے:

''خدائے پاک کے ناموں کی قسم رسولِ پاکؐ کے مقدس نام کی لذت و حلاوت کبھی کم نہیں ہوتی۔ جتنی بار بھی ''محمد'' کہیے ایک نیا کیف اور ایک نئی لذت محسوس ہوتی ہے۔ ''محمد رسول اللہ'' سن کر یا کہہ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی کج کلاہیاں بھی مجھے اپنی طرف نہیں کھینچ سکتیں۔''

جب ہم ماہر القادری کی پر کیف نعتوں کو پڑھتے ہیں، سیرت رسولؐ سے متعلق ان کا ناول ''دریتیم'' ان کا سفرنامۂ حج ''کاروانِ حجاز'' اور دوسرے مضامین و مقالات دیکھتے یا ان کی زندگی کے متعدد واقعات پر نگاہ ڈالتے ہیں تو اُن کے اِس بیان کی صدفی صد تصدیق ہوتی ہے۔ ذرّہ برابر بھی شک وشبہ کی گنجایش نہیں باقی رہتی۔

حاصل گفتگو یہ کہ ماہر القادری کی زندگی کی صالحیت، عقیدت و محبت کی فراوانی، جذب و کیف کی شدت اور ان سب کے پہلو بہ پہلو عقیدے کی طہارت، فکر کی نظافت اور نظریے کی صحت و درستی نے ان کی نعتیہ شاعری کو ایک ایسا رنگ و آہنگ عطا کر دیا ہے، جو صرف اور صرف انھی کا حصہ ہے۔ ان کے اِسی رنگ و آہنگ نے اُردو کی نعتیہ شاعری کی تاریخ میں انھیں اس مقام پر فائز کر دیا ہے، جہاں وہ بالکل یکہ وتنہا نظر آتے ہیں۔ بلاشبہ ماہرؔ القادری اُردو کی نعتیہ شاعری کا سنگِ میل اور نئی نسل کے لیے ایک روشن مینار ہیں۔

2۔۔زائرِ حرم حمید صدیقی لکھنوی (۱۹۱۰-۱۹۶۵)

زائرِ حرم حضرت حمید صدیقی لکھنوی (۱۹۱۰-۱۹۶۵)، جنھیں خیامِ ہند حضرت امجد حیدرآبادی نے 'مدینے کی گلیوں والے حمید' کے نام سے یاد کیا ہے۔ گزشتہ صدی عیسوی کے ایک خوش فکر و درویش صفت شاعر تھے۔ انھوں نے نظموں، غزلوں، قطعات اور دوسری اصنافِ شعر میں بھرپور مشقِ سُخن فرمائی ہے اور اُن کے شعری ذخیرے میں اچھی اور معیاری شاعری کے بہترین نمونے ملتے ہیں۔ لیکن اُن کے مزاج و طبیعت کو خصوصی مناسبت نعت گوئی سے تھی۔ اُنھوں نے اپنی پوری شعری وسخن ورانہ صلاحیتوں کو نعت گوئی کے لیے وقف کر دیا تھا۔ نعت گوئی ہی ان کی شناخت بن گئی تھی۔ اِس دنیا سے گزرے ہوئے اُنھیں نصف صدی سے زیادہ کا عرصہ بیت گیا، لیکن اب بھی ان کی نعتیہ شاعری کے چرچے سننے کو ملتے ہیں۔ 'گل بانگِ حرم' ان کی نعتیہ شاعری کا کلیات ہے۔ اب تک اس کے بیسیوں ایڈیشن ہندستان و پاکستان سے شائع ہو چکے ہیں۔ میں نے بعض اہل اللہ کو راتوں کی تنہائی میں اُن کے اشعار پڑھتے ہوئے سنے ہیں۔ ہمارے ایک استاذ حضرت قاری عباد اللہ اعظمی تھے۔ وہ مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوری ثم الہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے قریبی تعلق رکھتے تھے۔ ان سے بیعت بھی تھے۔ پرتاب گڑھ کے مدرسۂ امینیہ کے مہتمم تھے۔ وہ جب نمازِ تہجد کے بعد فجر کی اذان تک 'گل بانگِ حرم' کے اشعار اپنے مخصوص لہجے میں پڑھتے تھے تو پاس پڑوس کے مسلم و غیر مسلم سب نیند سے بیدار ہو کر اُن کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ بڑی بوڑھیاں بہت جلد نیند سے بیدار ہو کر اُن کی نعت سرائی کی منتظر رہا کرتی تھیں۔

حضرت حمید صدیقی کو اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر شاعر پیدا کیا تھا۔ شاعری ان کے مزاج میں رچی بسی ہوئی تھی۔ ہر وہ خوبی جو ایک اچھے اور حقیقی شاعر کی شخصیت کا حصہ ہوتی ہے، ان کے اندر بہ درجۂ اتم موجود تھی۔ جن لوگوں کو ان سے ملنے اور انھیں برتنے کا موقع ملا ہے، وہ اس بات کی شہادت دیں گے کہ خواہ وہ شعر و ادب کی محفلوں میں ہوں خواہ سفر و حضر میں، وہ سراپا اخلاص و محبت نظر آتے تھے۔ سادگی و خاکساری ان کی فطرتِ ثانیہ تھی۔ تصنع اور بناوٹ اُن میں نام کو بھی نہیں تھی۔ ان کی شخصیت کی یہی سب خوبیاں ہم ان کی شاعری میں بھی پاتے ہیں۔ شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ محمد احمد پرتاب گڑھیؒ اور فخرِ مشرق علامہ شفیق جون پوری اپنے احباب و مقربین کو اکثر 'گل بانگ حرم' کے بالاستیعاب مطالعے کی تلقین فرماتے تھے۔ میرے جدِ امجد حضرت میاں ثابت علی ناجیہ پوری رحمۃ اللہ علیہ کے سرہانے یہ کتاب مستقل رہتی تھی۔

علامہ سید سلیمان ندوی نے نعت گوئی کے لیے قلب کو حُبِّ رسول ﷺ سے معمور ہونے کو شرطِ اولین قرار دیا ہے۔ تعبیر واظہار پر قدرت، فصاحت و بلاغت اور شاعری کے جملہ اصول ولوازم کی رعایت و پاس داری کو اس کے بعد رکھا ہے۔ بلاشبہ حمیدؔ صدیقی کے ہاں یہ شرطیں ہمیں بھرپور انداز میں ملتی ہیں۔ محبتِ رسول ﷺ کا عالم یہ ہے کہ آپ ان کی کوئی نعت یا غزل پڑھیے اس کے ایک ایک مصرعے سے محبت اور شیفتگی ٹپکتی ہوئی ملے گی۔ ان کی شاعری کا ایک ایک لفظ ان کی قلبی کیفیت کا مظہر ہوتا ہے۔ قاری ان کی اس کیفیت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔

شمیم روضۂ خیرالبشرؐ نہیں آئی
بہت دنوں سے نسیمِ سحر نہیں آئی

کھڑے ہیں بادہ کشانِ الست جام بہ دست
وہ خم بہ دوش گھٹا جھوم کر نہیں آئی

خدا ہی جانے کہاں کھو گیا ہے دل اپنا
کہ اک زمانے سے کوئی خبر نہیں آئی

نسیم صبح سے کچھ آس تھی سو وہ بھی حمیدؔ
اُدھر گئی تو گئی، پھر اِدھر نہیں آئی

یہ بیس (۲۰) اشعار کی غزل ہے۔ تمام اشعار یکساں کیفیت کے حامل ہیں۔ اِس کے ایک ایک شعر، بل کہ ایک ایک مصرعے سے آپ ذاتِ رسالت مآب ﷺ سے شاعر کی والہانہ وابستگی و ربودگی ابلتی ہوئی محسوس کریں گے۔ یہ کسی ایک نظم، کسی ایک غزل یا کسی ایک نعت کی بات نہیں ہے، ان کی پوری شاعری اِسی وابستگی و وارفتگی کی غمّازی کرتی ہے۔

قابلِ ضبط، غمِ قلب و جگر ہو کہ نہ ہو
رخ سے پردہ تو اُٹھے، تابِ نظر ہو کہ نہ ہو

دل بھر آیا ہے تو، جی کھول کے رو لینے دو
پھر کبھی جوش پہ یوں دیدۂ تر ہو کہ نہ ہو

در و دیوار سے سر پھوڑ کے مرجانے دو
پھر کبھی کوچۂ طیبہ میں گزر ہو کہ نہ ہو

یہ خیال اور بھی دیوانہ کیے دیتا ہے
دیکھیے پھر یہ مدینے کا سفر ہو کہ نہ ہو

یہی بہتر ہے کہ یہ جان تصدق کردوں
ملتفت پھر نگہِ خاص اِدھر ہو کہ نہ ہو

اک نظر دیکھ لو پھر گنبد خضرا کو حمیدؔ
منظر خاص یہ پھر پیشِ نظر ہو کہ نہ ہو

آنے کو آگئے در خیرالبشرؐ سے ہم
اب پھر رہے ہیں کھوئے ہوئے بے خبر سے ہم

دیکھ آئے ہیں، جو چشمِ حقیقت نگر سے ہم
کہتے نہیں ہیں حضرتِ واعظ کے ڈر سے ہم

بے خود ہیں دیدِ روضۂ خیرالبشر سے ہم
کچھ کم نہیں ہیں اب کسی اہلِ نظر سے ہم

پیشِ نظر وہ دورِ مبارک تھا ہر طرف
گزرے حبیبِ پاک کی جب رہ گزر سے ہم
اللہ اکبر! اپنے قدم اور وہ خاک پاک؟
شرمندہ ہیں کہ کیوں نہ گئے چشم و سر سے ہم

عجب سرور کے دن تھے، عجب زمانہ تھا
لبوں پہ انت حبیبی کا جب ترانہ تھا

وہ وقتِ صُبح، وہ ٹھنڈی ہوا، وہ عالمِ شوق
میں سر بہ سجدہ تھا اور قافلہ روانہ تھا

یہ کیا کیا جو گزرنا تھی، وہ گزر جاتی
سرِ نیاز نہ اس در سے پھر اٹھانا تھا

ذرا تو اور رکے ہوتے قافلے والے
کسی غریب کے دل کو نہ یوں دکھانا تھا

شاعر کے دل سے نکلے ہوئے یہ وہ اشعار ہیں جن کو پڑھتے وقت وہ پوری فضا سامنے آجاتی ہے، جن میں رہ کر شاعر نے ان کی تخلیق کی ہے۔

حمید صدیقی کی شاعری میں ایک بڑی مشکل یہ پیش آتی ہے کہ اس کا انتخاب نہیں ہو پاتا۔ پوری نعت یا غزل یکساں کیف و تاثیر رکھتی ہے۔ ہر شعر

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست

کا مصداق ہوتا ہے۔ میں نے چاہا تھا کہ 'گل بانگِ حرم' سے کچھ متفرق اشعار آپ کی خدمت میں پیش کردوں گا، تا کہ آپ کے سامنے پوری شاعری کا مجموعی تاثر آ جائے۔ لیکن بات بن نہیں سکی۔ مجبوراً چند اشعار پیش کردیے۔ آپ دیکھیں گے کہ اِن اشعار میں ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے کامل محبت و وابستگی بھی ہے اور ذوق و شوقِ حضوری بھی اور دیارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جان و دل نثار کردینے کا غیر مشروط جذبہ اور تڑپ بھی۔ یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اظہارِ محبت و وابستگی اور آپ کے شہر و دیار میں جان و دل قربان کر دینے کے جذبے کا مطلب صرف اور صرف یہ ہوتا ہے کہ شاعر شریعتِ رسول کا کامل طور پر پابند اور پاس دار بھی ہے۔ محض زبانی جمع خرچ سے کوئی بات نہیں بنتی۔

اُردو کی نعتیہ شاعری کا ایک بڑا المیہ یہ رہا ہے اور آج بھی ہے کہ بالعموم ہمارے شاعروں اور ناقدوں نے اِس صنف پر سنجیدگی سے توجہ نہیں کی۔ اِسے محض ایک مذہبی عمل قرار دے کر تبرک و تیمّن کے طور پر برتا اور قارئین و سامعین نے بھی بس حصولِ ثواب تک ہی اِسے محدود رکھا۔ بل کہ بعض بے توفیق ناقدوں نے تو اِسے اصنافِ سخن سے ہی خارج کر دیا۔ البتہ نوحوں اور مرثیوں کی خوب پزیرائی کی۔ حمید صدیقی ہمارے اُن شعرا میں ہیں، جنھوں نے نہ صرف نعت کو ایک صنفِ سخن کے طور پر اختیار کیا، بل کہ اس پر پوری توجہ صرف کی، اسے جملہ فنی محاسن سے آراستہ کیا اور اس میں ان تمام شرائط کو ملحوظ

رکھا، جو امت کے معتبر علما نے طے کی ہیں اور جن کی پابندی کے بعد ہی نعت نعت رہتی ہے۔ رئیس المتغزلین حضرت جگر مراد آبادی نے حمید صدیقی کے کلیاتِ سخن 'گل بانگِ حرم' کی تقریظ میں بڑی اچھی بات لکھی ہے۔ لکھتے ہیں:

''حمید صدیقی کے کلام میں جو خلوص و محبت اور کیف و تاثیر موجود ہے، اس سے اِس بات کا پتا چلتا ہے کہ وہ نہ صرف درکِ حقیقت سے بہرہ مند ہیں، بل کہ اپنی ذات میں گم شدہ حقیقت ہونے تک کا امکان بھی رکھتے ہیں۔ ان کی روح حسنِ حقیقی کی تلاش میں سرگرمِ کار رہتی ہے اور ان کا دل تشنۂ عشق میں سرشار۔ اور اب ان کی حاضری بھی حاضری ہے اور غیر حاضری بھی حاضری بن چکی ہے۔''

حضرت جگر مراد آبادی ایک صاحب دل اور دور بیں شاعر تھے۔ انھیں اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی تنقیدی شعور سے نوازا تھا۔ اُنھوں نے حمید صدیقی کی شاعری کو گہرائی سے پڑھنے اور خود حمید صدیقی کی زندگی کا قریبی مطالعہ کرنے کے بعد ہی یہ تاثرات قلم بند کیے ہیں۔ جگر مراد آبادی کے یہ تاثرات ایک آئینہ ہیں، جس میں حمید صدیقی اور ان کی شاعری کو بھرپور انداز میں دیکھا جاسکتا ہے۔

حضرت حمید صدیقی لکھنوی کا اصل نام شیخ عبدالحمید صدیقی تھا۔ وہ فروری ۱۹۱۰ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور ۱۵ر فروری ۱۹۶۵ کو پچپن برس کی عمر میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ان کے والدِ محترم شیخ محبوب علی مرحوم ریلوے میں ملازم تھے۔ وہ ایک دین دار اور خدا ترس شخص تھے۔ انھوں نے اپنے بیٹے عبدالحمید کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ کی۔ ابتدائی تعلیم کے لیے لکھنؤ کے مدرسہ عالیہ فرقانیہ میں داخلہ کرایا۔ یہ مدرسہ کسی زمانے میں فنِ تجوید و قرأت کی اعلیٰ اور معیاری تعلیم کے لیے پورے ملک میں مشہور تھا۔ اس کی یہ حیثیت کسی نہ کسی درجے میں آج بھی باقی ہے۔ حمید صدیقی نے وہاں سے ناظرہ قرآنِ مجید اور فنِ تجوید و قرأت کی تکمیل کی۔ عربی و فارسی ایشیا کی تاریخ ساز درس گاہ مدرسہ نظامیہ فرنگی محل میں پڑھی۔

حمید صدیقی وطناً لکھنوی تھے۔ گویا لکھنؤ والے تھے۔ لکھنؤ کی تہذیب و ثقافت ان کے مزاج کا حصہ تھی۔ ان کا اٹھنا بیٹھنا اور بولنا چالنا سب کچھ لکھنوی تھا۔ لیکن سادگی و خاکساری کا دامن کبھی نہیں چھوڑا۔ شاعری سے اُنھیں بہت کم عمری سے مناسبت پیدا ہو گئی تھی۔ مدرسہ عالیہ فرقانیہ کی طالب علمی کے زمانے سے ہی وہ شعر موزوں کرنے لگے تھے۔ جوں جوں عمر بڑھتی گئی یہ ذوق بڑھتا اور پروان چڑھتا رہا۔ اُس وقت حضرت عزیز لکھنوی کا پورے ملک میں طوطی بول رہا تھا۔ اس عہد کے بڑے بڑے شعرا ان کے حلقہ تلامذہ میں شامل تھے۔ جوش ملیح آبادی بھی انھی کے شاگرد تھے۔ حضرت حمید

صدیقی لکھنوی نے بھی ان کے سامنے زانوے تلمّذ تہ کیا اور باقاعدہ ان کے شاگردوں میں شامل ہوکر شعری و ادبی تربیت حاصل کی۔ اللہ نے انھیں اتنی شہرت و نام وری عطا کی کہ وہ پورے ملک کے مشاعروں خصوصاً نعتیہ مشاعروں میں مدعو کیے جانے لگے۔ اُن کی سادگی، خاکساری اور مزاج وطبیعت کی صالحیت نے انھیں حضرت جگر مرادآبادکا محبوب بنادیا۔ جگر انھیں بے حد عزیز رکھتے تھے۔ فخر مشرق علامہ شفیق جون پوری سے بھی انھیں نیاز مندانہ تعلق تھا۔ یہ دونوں بزرگ جہاں کہیں موقع ہوتا تھا، مشاعروں کے منتظمین کو ان کی طرف ضرور متوجہ کرتے تھے۔

حمیدؔ صدیقی معاش کے لیے لکھنؤ کے مشہور دین پسند تاجر حاجی اصغر علی کے کارخانے سے وابستہ تھے۔ ان کے بھائی اصطفا خاں سے ان کے خصوصی تعلقات تھے۔ پھر وہی ان کے پہلے سفر حج کا وسیلہ بھی بنے۔ ہوا یوں کہ جناب اصطفا خاں حج کے لیے جارہے تھے۔ انھیں رخصت کرنے کے لیے حمید صاحب بھی بمبئی تک تشریف لے گئے۔ وہاں ایک محفلِ نعت میں حمید مرحوم بھی مدعو تھے۔ حمیدؔ صاحب نے نعت پڑھی تو پوری محفل وجد میں آ گئی۔ جب انھوں نے یہ مقطع پڑھا تو ایک کہرام سا برپا ہو گیا:

تڑپ رہا ہے غمِ ہجر سے غریب حمیدؔ
کوئی مدینے کے دارالشفا میں پہنچادے

محفل اختتام کو پہنچی تو حاضرین نے باہم کچھ رازدرانہ انداز میں گفتگو کی اور اصطفا خاں صاحب نے اشارہ کیا کہ حمیدؔ صاحب! آپ بھی سفر حج کے لیے تیار ہو جائیے، اسباب فراہم ہو رہے ہیں۔ پھر اس کے بعد تو حج پہ حج ہوتے رہے۔ کل گیارہ حج اللہ تعالیٰ نے کرادیے۔ ان کے یہ اشعار اُس مخصوص صورتِ حال اور ان کے ذوق وشوقِ زیارت حرمین کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں:

چلے ہیں جانبِ ارضِ حرم لرزیدہ لرزیدہ
محمد اصطفا خاں اور ہم نم دیدہ نم دیدہ

کوچۂ طیبہ میں مرجائیں گے اِن شاء اللہ
ہم حیاتِ ابدی پائیں گے اِن شاء اللہ

جاؤ جاؤ حرمِ پاک کے جانے والو!
ہم بھی اک روز پہنچ جائیں گے اِن شاء اللہ

مبارک باد دے مجھ کو زمانہ
ہوا ہوں جانبِ طیبہ روانہ

وہ خوش آیند آپہنچا زمانہ
کہ دیکھوں گا نبی کا آستانہ

سوے ارضِ طیبہ کھنچا جا رہا ہوں
یہ عالم ہے، جیسے اڑا جارہا ہوں

بہ ذوق و سُرورِ اتم جا رہے ہیں
محبانِ کوے حرم جا رہے ہیں

زہے شاد کامی، خوشا کام رانی
سب احباب مل کر بہم جا رہے ہیں

تمنّا، تصور، تحیر، تبسم
کدھر اس طرح آج ہم جارہے ہیں

یقیں کر دلِ ناشکیبا کہ اب ہم
مدینے خدا کی قسم جارہے ہیں

حمیدؔ اِس کا بھی ہوش ہے یا نہیں ہے
کہاں آج تیرے قدم جارہے ہیں

اپنی قسمت پر ناز کرتے ہوے اور ہوا کو اپنا مدمقابل خیال کر کے ایک جگہ کہا ہے:

صبا اس طرح جھومتی جارہی ہے
کہ جیسے مدینے یہی جارہی ہے

زائرحرم حضرت حمیدؔ صدیقی لکھنوی روحانی طور پر اویس دوراں حضرت مولانا شاہ فضلِ رحماں گنج مرادآبادی کے سلسلے سے منسلک تھے۔ اِسی رشتے سے اُس سلسلے کے مشہور بزرگ حضرت مولانا شاہ محمد احمد پرتاب گڑھی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کا خصوصی تعلق تھا۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنی مجلسوں میں ان کا تذکرہ بڑی محبت کے ساتھ فرمایا کرتے تھے۔ امامِ اہلِ سنت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی سے بھی تعلقِ خاطر رکھتے تھے۔ ان کی مدحِ صحابہ کی تحریک سے جڑے ہوے تھے۔ ۱۶ رمحرم کو

ہونے والے نعتیہ و مدحیہ مشاعرے میں بڑی پابندی سے شرکت کرتے تھے۔ ان کے ذوق وشوقِ زیارتِ حرمین اور کثرت حج وعمرہ کی وجہ سے 'زائرحرم' ان کا لقب بن گیا تھا۔ یہ لقب اتنا مشہور ہوا کہ ان کے نام کے شانہ بہ شانہ چلنے لگا۔ کتنے لوگ صرف 'زائرِ حرم' کے نام سے ہی یاد کرتے ہیں۔ مولانا عبدالماجد دریابادی نے ہفت روزہ 'صدق جدید' کے ۲۷ رفروری ۱۹۶۱ کے شمارے میں لکھا تھا:

''حمید لکھنوی زائرحرم کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ لقب ان کے حق میں اسم با مسمیٰ ہے۔ زیارت حرم ان کی رگ رگ میں بس گئی ہے۔ 'قال'' سے گزرکر 'حال'' بن چکی ہے۔''

بلاشبہ حضرت حمید صدیقی کی نعتیہ شاعری اپنا ایک منفرد انداز رکھتی ہے۔ بل کہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ انھوں نے اُردو نعت کو ایک اہم موڑ دیا ہے۔ نعت گوئی کے سلسلے میں عرفیؔ کا یہ شعر بہت مشہور ہے:

عرفیؔ مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحراست
آہستہ کہ رہ بروم تیغ است قدم را

یہ بات بڑے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ حمید صدیقی نے شدت جذبات اور شوقِ فراواں کے باوجود عرفیؔ کے نکتے کو پیش نظر رکھا ہے۔ انھوں نے منزلِ ادب شناسی سے سرِ مو انحراف نہیں کیا ہے۔ ان کے ہاں ہر بات جچی تلی اور حقیقت پر مبنی ہوتی ہے۔ پڑھتے وقت اکثر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم شاعر کے ہم راہ طیبہ و بطحا کی فضا میں گم ہیں۔

3--علامہ شہباز صدیقی امروہوی (۱۹۱۰-۱۹۸۵)

اُردو کی نعتیہ شاعری کا تذکرہ ایک ضخیم دفتر کا متقاضی ہے۔ محض رواروی میں اِس کا حق ادا نہیں ہوسکتا ہے۔ اُردو و فارسی شاعری پر اگر نگاہ ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ متقدمین میں ہر ایک نے تبرکاً یا تیمناً ہی سہی کچھ نہ کچھ نعتیہ اشعار ضرور کہے ہیں۔ حتیٰ کہ اُن شعرا کے دیوان بھی حمد و نعت سے شروع ہوتے ہیں، جن کی پوری شاعری محض گل و بلبل کی داستاں سرائیوں اور زلف و گیسو کی حکایتوں سے عبارت ہے۔ حافظ شیرازی کے اس شعر سے میرے خیال کی تصویب ہوتی ہے:

روشن از پرتوِ رُویت نظرے نیست کہ نیست
منتِ خاکِ درت بر بصرے نیست کہ نیست

غالبؔ کی بلانوشی کے طرح طرح کے قصے مشہور ہیں۔ ان کی آزادہ روی کے واقعات آئے دن پڑھنے اور سننے میں آتے رہتے ہیں۔ لیکن ان کی نعت کا یہ مقطع آنکھوں سے لگانے کے قابل ہے:

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

غالبؔ سے بہت پہلے شہنشاہِ شاعراں حضرتِ میر تقی میرؔ بھی کہہ چکے ہیں:

دھو منہ ہزار پانی سے، سو بار پڑھ درود
تب نام لے تو اِس چمنستاں کے پھول کا

سلطانِ سخن، مجتہد فکر وفن علامہ شہباز صدیقی امروہوی (۱۹۱۰-۱۹۸۵) گرچہ پوری اُردو دنیا میں ایک طنز نگار شاعر کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ بڑے بڑے ناقدین و مشاہیرِ ادب نے اُنھیں بہ جا طور پر 'اکبر ثانی' کے لقب سے یاد کیا ہے اور ہندستان و پاکستان کے مشاعروں میں بھی وہ ایک طنز نگار کی حیثیت سے ہی مدعو کیے جاتے تھے، لیکن اُن کے تعارف کے اور بھی کئی معتبر و مستحکم حوالے ہیں۔ وہ دبستانِ مصحفیؔ کے ایک نغز گو شاعر تھے۔ غزل گوئی میں اُنھیں یکتائی حاصل تھی۔ مختلف تاریخی، سماجی اور شخصیاتی موضوعات پر ان کی نظموں نے اپنے عہد کے نام ور اربابِ نقد سے داد و تحسین حاصل کی ہے اور پاکیزہ اصنافِ سخن حمد، نعت اور منقبت میں انھوں نے جو قیمتی سرمایہ چھوڑا ہے، اُس سے اُن کی وسعتِ مطالعہ، علمی بصیرت اور کمالِ فن کا اندازہ ہوتا ہے۔ آج کی صحبت میں میں ان کی نعت گوئی کے حوالے سے کچھ عرض کرنا چاہوں گا۔

نعت گوئی محض وسیلۂ اظہار نہیں ہے۔ اِس کا تعلق رسولِ کائنات، محسنِ انسانیت حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے شاعر کی گہری عقیدت و محبت سے ہے۔ عام شعرا میں نعت گو شاعر کا امتیاز یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے دامنِ فکر و خیال کو سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پھولوں سے سجاتا اور معاشرے میں خوش بوئیں بکھیرتا ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ نعت گو اگر محبتِ رسول کی دولت سے مالا مال ہو تو وہ سیرتِ رسول کی خوش بو سے پورے انسانی سماج کو مہکا دیتا ہے اور اگر وہ اِس محبت و عقیدت کی دولت سے محروم ہو تو اس کی شاعری، نعت کی شاعری نہیں، محض فن کاری ہوگی۔ تاج الدین اشعرؔ کے درجِ ذیل قطعے سے اِس رائے کی تصویب ہوتی ہے:

خیال و نطق کی کاوش کا نام نعت نہیں
سخن وری کی نمائش کا نام نعت نہیں

'بہ مصطفی بہ رساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست'
فقط دماغ کی ورزش کا نام نعت نہیں

میں علامہ شہباز صدیقی امروہوی کے ادنیٰ ترین خادموں اور نیازمندوں میں سے ہوں۔ میں نے اُنھیں سفر وحضر میں بھی دیکھا ہے اور چھوٹے بڑے مشاعروں میں بھی۔ میں نے اُنھیں دیکھا بھی ہے، پرکھا بھی ہے اور پڑھا بھی ہے۔ بل کہ لکھا بھی ہے۔ لکھا اس طرح ہے کہ مجھے اس بات کا شرف حاصل رہا ہے کہ میں نے ایک طویل مدت تک ان کے کلام کو لکھا ہے، ان کے کلام کی صاف نویسی کی ہے، صاف نویسی کر کے اخبارات ورسائل میں اُنھیں بھیجا ہے، ان کے خطوط لکھے ہیں اور ان کے پاس آنے والے مبتدی ومعروف وغیر معروف شعرا کے کلام کی ان کی رہ نمائی میں اصلاحیں کی ہیں۔ (اس لیے کہ وہ ۱۹۵۵ میں نابینا ہوگئے تھے۔ لکھنے پڑھنے سے معذور تھے۔) ایسی صورت میں ان کا ہر رنگ اور ان کا ہر مزاج کا کلام میری نگاہ سے گزرا ہے۔ خصوصاً ان کی نعتیہ ومنقبتی شاعری کثرت سے میرے سامنے آتی رہی ہے۔ اس لیے کہ امروہے میں آئے دن طرحی نعتیہ ومنقبتی محفلیں ہوتی رہتی تھیں۔ ہر محفل کے لیے کم سے کم دو مصرعے دیے جاتے تھے۔ موصوف مرحوم ہر مصرعے پر کہتے تھے اور بھرپور کہتے تھے۔ آج کے بہت سے شعرا کی طرح محض دو چار شعر کہنے پر اکتفا نہیں کرتے تھے۔ اِن سب باتوں کے پیشِ نظر میں کامل اعتماد کے ساتھ یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ ان کی نعتیہ شاعری بیانیہ سے آگے بڑھ کر گہرے تخلیقی شعور کا نمونہ فراہم کرتی ہے۔ یہ وہ تخلیقی شعور ہے، جو کسی بھی شاعر میں رسولِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے غیر مشروط عقیدت و وابستگی اور آپ کی تعلیمات سے کامل باخبری کے بغیر نہیں پیدا ہو سکتی۔

احسنِ تقویم کی تفسیر ہے پیکر ترا
ناز کرتا ہے تری صورت پہ خود صورت نگار
تو نے دی دنیا کو اوہام ووساوس سے نجات
فہمِ انساں پر کیے اوصافِ یزداں آشکار
اللہ کی زباں ہے، زبانِ رسولِ پاک
قرآن کا بیاں ہے، بیانِ رسولِ پاک
اِک حرفِ کِذب سے نہ ہوا آشنا کبھی
کیا صدق ترجماں ہے، زبانِ رسولِ پاک
خُم خانۂ حجاز سے نسبت نہ ہو جسے

شہبازؔ زہر اچھا ہے، ایسی شراب سے
انسان کو ملا نہ کبھی جس کا اُور چھور
اُس بحرِ معرفت کے شناور تمھی تو ہو
اللہ نے حبیب کا جس کو دیا خطاب
اللہ کے وہ خاص پیمبرؐ تمھی تو ہو
آگاہِ مصطفٰی ہے فقط عارفِ خدا
بے گانۂ اللہ ہے، بے گانۂ رسولؐ

میں نے دعوی بے دلیل کے الزام سے بچنے کے لیے چند شعر نقل کیے ہیں۔ ان اشعار سے اِس بات کا اندازہ کرنا مشکل نہیں کہ شاعر نے اپنے قلب ونظر کی وارفتگی و شیفتگی اور علمی وفکری بصیرت کو جذب و شوق کی واردات میں تبدیل کر کے شعروسخن کے شائقین کوایک مستحکم و باوقار شعری پیرایۂ اظہار سے آشنا کیا ہے۔ یہی وہ چیز ہے، جسے اہلِ نظر نعتیہ شاعری کا جوہر کہتے ہیں۔ پاکیزہ عقیدت ومحبت کوفنی وعلمی اعتبار کے سانچے میں ڈھالنا طویل مشق ومزاولت، رسولِ کائنات سے گہری وابستگی اور سیرتِ رسول کے وسیع مطالعے کے بغیر ممکن نہیں۔ اِس سلسلے میں مولانا شہبازؔ امروہوی نے خود فرمایا ہے:

جوذکر سے ان کے عاری ہے، جو یاد سے اُن کی خالی ہے
اِک پارۂ آہن ہے وہ زباں، اُس قلب کو پتھر کہتے ہیں

اِسی مزاج کا دوسرا شعر ہے:

دکھا شہبازؔ راہِ نعت میں ہرگز نہ شہبازی
قدم رکھ سر کے بل اِس میں، ادب کا وہ مقام آیا

یہ دونوں شعر علامہ شہبازؔ امروہوی کے اُس نقطۂ نظر کی واضح ترجمانی کرتے ہیں، جونعتیہ شاعری کے سلسلے میں وہ رکھتے تھے اور اِن میں اُن شعرا اور سخن وروں کے لیے تنبیہ بھی ہے، جو محض اپنی فن کاری اور مشاقی کے مظاہرے کے لیے نعت گوئی کرتے ہیں۔ نعت گوئی کے سلسلے میں مولانا کے نقطۂ نظر کو اُن کے اِس شعر سے بھی بڑی وضاحت کے ساتھ سمجھا جاسکتا ہے:

نبیؐ کا عشق پہلی شرط ہے، ایمانِ کامل کی
نہ ہو یہ عشق تو ایمان کامل ہو نہیں سکتا

مولانا اقبال سہیلؔ (۲۸رجنوری ۱۸۸۵۔ ۷رنومبر ۱۹۵۵) کا نام اُردو شاعری کا ایک بڑا نام

ہے۔ رشید احمد صدیقی جیسے ناقدِ فن اور ڈاکٹر ذاکر حسین جیسے دانش ور نے انھیں اپنے عہد کا 'خاقانی' کہا ہے۔ اِن دونوں نے اُنھیں بہت قریب سے دیکھا، پرکھا اور برتا تھا۔ علی گڑھ کے زمانۂ تعلیم میں اِن تینوں کی جوڑی بہت مشہور تھی۔ وہاں کے علمی حلقوں میں یہ اربابِ ثلاثہ کے نام سے یاد کیے جاتے تھے۔ اقبال سہیل یوں تو اردو و فارسی دونوں زبانوں کی ہر صنفِ سخن پر قدرت رکھتے تھے، بڑی اچھی نثر بھی لکھتے تھے۔ تاہم نعت گوئی میں اُنھیں خصوصی امتیاز حاصل تھا۔ جہاں بھی نعت گویوں کا ذکر آتا ہے، اقبال سہیل کا نام شاملِ فہرست ہوتا ہے۔ ایک زمانے میں ان کی ایک طویل نعت 'موجِ کوثر' کو بڑی شہرت حاصل تھی۔ چھیاسی (۸۶) اشعار کی اِس نعت کی ردیف 'صلی اللہ علیہ وسلم' تھی۔ آج بھی اہلِ علم اُسے یاد کرتے ہیں۔ کتنا پیارا ہے، اس کا یہ شعر:

صدرِ اُمم، سلطانِ مدینہ، وہ جس کے کفِ پا کا پسینہ
گل کدۂ فردوس کی شبنم، صلی اللہ علیہ وسلم

اُسی زمانے میں یا اس کے کچھ دنوں کے بعد مولانا شہباز صدیقی امروہوی نے بھی 'صلی اللہ علیہ وسلم' کی ردیف میں ایک طویل نعت کہی، اس نعت کی ایک اہم خوبی یہ ہے کہ اس کے تمام اشعار رسولِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے القاب، خطابات اور اوصاف پر مشتمل ہیں، مثلاً:

صدرِ بزم جملہ پیمبر، صلی اللہ علیہ وسلم
بندۂ خاصِ خالقِ اکبر، صلی اللہ علیہ وسلم
امجد و اشرف، ارفع و اعلیٰ، ابلغ و افصح، اظفر و اشجع
اقدس و اتقیٰ، اجمل و انور صلی اللہ علیہ وسلم
راشد وارشد، صادق و اصدق، حامد و احمد، لائق و الْیَقُ
طیب و اطیب، طاہر و اطہر، صلی اللہ علیہ وسلم
حاکم و احکم، داور ارحم، مرشدِ اکرم، قائد اسلم
رہبر اعظم، ہادیِ اکبر، صلی اللہ علیہ وسلم
مرجعِ ایماں، منبع عرفاں، مطلعِ اِمکاں، مقطع دوراں
لطف و کرم کے مرکز و مصدر صلی اللہ علیہ وسلم
موجِ خطابت، جوے سلاست، بحرِ فصاحت، کانِ بلاغت
نطقِ شیریں، شہد و شکّر صلی اللہ علیہ وسلم

یہ نعت اس عہد کے متعدد قابلِ ذکر رسائل میں شائع ہوئی۔ بڑی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی گئی۔ امامِ اہلِ سنت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنویؒ، مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اور مولانا عبدالوحید صدیقیؒ جیسے اربابِ علم وکمال نے تحسین وتبریک کے خطوط لکھے۔ مولانا اقبال سہیلؔ نے بھی لکھنؤ کے رسالے 'النجم' میں یہ نعت دیکھی۔ اُن کے پاس مولانا شہبازؔ امروہوی کا پتا نہیں تھا۔ انھوں نے مولانا کے نام خط لکھ کر دارالعلوم امروہہ کے ناظم کی معرفت اُسے حوالۂ ڈاک کر دیا۔ خط کا مضمون کچھ اِس طرح تھا:

'صلی اللہ علیہ وسلم' کی ردیف میں بہت پہلے میری بھی ایک طویل نعت اخباروں میں 'موجِ کوثر' کے عنوان سے چھپی تھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ اُسے آپ نے دیکھا یا نہیں، لیکن اِس بات کے اعتراف میں مجھے کوئی تردد نہیں ہے کہ آپ کی تخلیق کئی اعتبار سے بلند ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ آپ بازی لے گئے۔ کیوں نہیں آپ عاشقِ رسول ہیں۔ مجھے اس بات کی بھی خوشی ہے کہ میری اور آپ کی طرزِ شاعری میں بڑی حد تک مماثلت ہے۔

مولانا شہباز صدیقی نے مولانا اقبال سہیل کے اِس خط کو بڑی حفاظت سے رکھا۔ وہ اِسے اقبال سہیل کی خرد نوازی سے تعبیر کرتے تھے۔ فرماتے تھے: یہ مولانا اقبال سہیل کی خردنوازی ہے کہ انھوں نے میری نعت کو زیادہ اہمیت دی۔ ورنہ سچی بات یہ ہے کہ سہیلؔ صاحب کی تخلیق میری تخلیق سے کہیں زیادہ بلند ہے۔

نعت کی شاعری خیر وبرکت کی شاعری ہے۔ دوسری اصناف کا معاملہ یہ ہے کہ اگر شاعر کو کامل طور پر فن پر دست رس نہیں ہے اور زبان وبیان پر قدرت نہیں ہے، تو اس میں وہ ناکام یا غیر معیاری ٹھیرے گا۔ لیکن نعت گو خواہ دوسرے پہلوؤں سے کتنا ہی کم زور یا غیر معیاری ہو، اگر اُس نے نعت کے شعر کہے ہیں اور رسولِ کائنات کے اوصاف کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے تو اس کا دامن اجر وثواب سے ضرور بھرے گا۔ میں نے اس سے پہلے بھی کہیں لکھا ہے کہ نعت کی شاعری آسان بھی ہے اور مشکل بھی۔ آسان تو اس لیے کہ اس کے لیے صنف کی قید نہیں ہے اور مشکل یا نازک اس وجہ سے کہ اس کے لیے طہارتِ فکر اور حدیث وسیرت کا علم ومطالعہ ناگزیر ہے۔ جسے بھی شعر گوئی کا ملکہ ہوگا اور اُسے فنِ شعر سے مناسبت ہوگی، وہ نعت کے شعر کہہ لے گا۔ لیکن غیر معمولی مشق ومزاولت اور اُستادانہ مہارتِ فن کے باوجود نعت گوئی کے مزاج کو سمجھنے میں بالعموم شعرا کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں۔ وہ دوسرے فنون کے لیے توسعی وکاوش کرتے ہیں، لیکن لوازمِ نعت کو سمجھنے اور اس سلسلے کی معلومات حاصل کرنے کے لیے وہ کسی بھی سعی وکاوش کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ عام شاعری میں جدتِ بیان، تشبیہات، استعارات، مبالغوں اور نکتہ آفرینیوں کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے، اِن چیزوں سے شاعری میں حسن پیدا ہوتا ہے۔ لیکن نعت کی

شاعری میں الفاظ کے انتخاب، تشبیہات، تمثیلات اور استعارات کے استعمال اور محاورات وتعبیرات کو برتنے میں اشہب فکر کو سنبھل سنبھل کے چلنا پڑتا ہے اور صریر خامہ کو بے حد احتیاط اور کامل چابک دستی کے ساتھ قدم اٹھانا پڑتا ہے۔ جب ہم اس پہلو سے علامہ شہباز صدیقی امروہوی کی نعتیہ شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں اور اُسے پرکھتے ہیں تو پتا چلتا ہے کہ انھوں نے جس طرح سے شعر وفن میں ریاض کیا ہے اور عروضی ولسانی قدروں کو ملحوظ رکھا ہے، اسی طرح سے انھوں نے نعت کی شاعری میں بھی عقیدہ وفکر پر بھی خصوصی توجہ دی ہے، عربی، فارسی اور اُردو کی قدیم نعتوں کا مطالعہ کیا ہے، ان کی باریکیوں کو سمجھا ہے اور حدیث وسیرت کے ذخیرے سے بھی بھرپور استفادہ کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نعتیہ اشعار موجودہ عہد کی بے شمار نعتوں کے درمیان بڑی آسانی کے ساتھ پہچان لیے جاتے ہیں۔

تیرے عمل کو دیکھ کر ہوش میں پھر وہ آ گیا
بھول چکا تھا آدمی، منصب و مقصدِ حیات
چشم ہے تیری دوربیں، قلب تجلّی آفریں
تیری زباں میں صدق ہے، تیرے قدم میں ہے ثبات
جس کو تری خبر نہیں، جس میں نہیں ترا عمل
ایسا حکیم ہے مقیم، ایسی حیات ہے ممات

یہ ایک نعت کے صرف تین شعر ہیں۔ اِن تین شعروں میں نہایت چابک دستی کے ساتھ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصدِ بعثت بھی بیان کر دیا گیا ہے اور زمانہ بعثت بھی، آپ کی اخلاقی وروحانی قوت کا بھی تذکرہ ہے اور آپ کے نقوشِ قدم سے انحراف کرنے والوں کے اخلاق وکردار کی پستی کا بھی۔ نعتیہ شاعری میں یہ وصف اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے، جب شاعر نے حدیث وسیرت کے مطالعے پر باقاعدہ وقت صرف کیا ہو۔

حضرت شہبازؔ صدیقی امروہوی نے عربی، اُردو، فارسی اور انگریزی چاروں زبانوں میں مہارت حاصل کی تھی۔ ہندستان کے بے شمار لوگوں نے ان سے فارسی ادبیات کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے، امروہے کے دو بڑے مدارس میں وہ فارسی ادب کے معلم رہے ہیں۔ امروہہ اور مضافات کے بیش تر لوگوں نے ان سے اُردو اور انگریزی میں بھی استفادہ کیا ہے، اُردو وفارسی کی ادبیات اور اس کے نعتیہ ذخیرے پر ان کی گہری نگاہ تھی۔ نابینا ہونے کے بعد انھوں نے دینی وعلمی ذخیرے کی طرف سنجیدگی سے توجہ کی اور حدیث وسیرت کی معیاری کتابوں کو پڑھوا کر سنا کرتے تھے۔ حافظہ ایسا تھا کہ

جو چیز بھی ایک بار سن لی، وہ ہمیشہ کے لیے حفظ ہوگئی۔ اردو و فارسی کے بے شمار اشعار نوکِ زبان تھے۔ ان کے عہد کے بڑے علما اور محققین کبھی زبانی اور کبھی خط کے ذریعے سے ان سے شعری استناد اور نظائر حاصل کرتے تھے۔ ان کی اِس خداداد صلاحیت اور مخصوص علمی و تحقیقی ذوق نے ان کے نعتیہ شاعری کو منفرد رنگ و آہنگ عطا کر دیا ہے۔

ہوں مدح خواں جنابِ رسالت پناہ کا
یعنی کہ ترجمانِ کلامِ اللہ کا
اِنساں کو رنگ و نسل کی نخوت سے دی نجات
جائز رکھا نہ فرق سفید و سیاہ کا
ان کی نظر میں شاہ و گدا کا نہیں ہے فرق
رُتبہ جو تاج کا ہے وہی ہے کلاہ کا
شافیِ مطلق جسے کہتا ہے قرآنِ حکیم
نسخۂ اکسیر وہ دُنیا میں لائے مصطفی
کشتیِ اُمت کو ہو کیا بحر عصیاں سے خطر
ناخدا ہے، اِس سفینے کا خدائے مصطفی
جس طرح ذاتِ خدا، ذاتِ خدا کا ہے جواب
مصطفی بھی ہے کہاں کوئی سوائے مصطفی
نظر آئے اُسے قدرت خدا کی
اگر دیکھے کوئی روئے محمدؐ
ترتیب اُن سے پاتا ہے، ہر عہدِ تاب ناکؐ
تاریخ کی ہے جان ہر آنِ رسولِ پاکؐ
ہے اگر قرآنِ ناطق سے عبارت کوئی ذات
ساری دنیا میں نہیں کوئی بہ جُز ذاتِ رسولؐ
وہ شفیع المذنبیں، وہ رحمۃ للعالمیں
مختلف وصفوں کے مظہر ہیں خطاباتِ رسول
بعداز خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

مصداق اِس ثنا کے سراسر تمھی تو ہو

اُٹھتی ہے تلوار ان کی صرف ہنگامِ دفاع
جارحیت سے ہیں کوسوں دور غزواتِ رسولؐ
دشمنِ جاں پر بھی ہو کیوں تیغ اُن کی بے نیام
عفو کی لذّت ہے، وجہ عشرتِ ذاتِ رسولؐ

اِن اشعار میں قاری کے لیے سیرتِ رسول کا علم بھی ہے اور ذاتِ رسول پاک سے محبت و عقیدت کا سرمایہ بھی، ان میں اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے جلوۂ صدرنگ کی جھلکیاں بھی ہیں اور آپ کی اُمت کی قیادت و رہ نمائی کے نقوش بھی، عقیدہ و فکر کی کامل طہارت بھی ہے اور انسانی زندگی کے عرفان کی روشنی بھی اور عہدِ حاضر میں سیرتِ رسول و ذات رسالت م آب صلی اللہ علیہ وسلم کی معنویت و تفہیم بھی ہے اور آپ کی تعلیمات کی صداقتیں اور سچائیاں بھی اور اِن سب کے ساتھ ساتھ شاعر کی وسعتِ علم و مطالعہ کا بھرپور اظہار و اِدراک بھی۔

یہ بات سچ ہے کہ حضرت شہباز امروہوی کی شاعری خصوصاً نعتیہ شاعری اُن کی عربی و فارسی آمیز تراکیب و محاورات کی وجہ سے کبھی کبھی عام قاری کے سر سے گزر جاتی ہے، تاہم اُن کا اسلوب کچھ ایسا ہے کہ اس میں سادگی اور برجستگی کی تاثیر باقی رہتی ہے۔ ہر شعر کے والہانہ پن، شگفتگی اور محبت رسول میں سرشاری و وارفتگی کی شان کچھ ایسی ہوتی ہے کہ قاری یا سامع خود کو شاعر کے شانہ بہ شانہ محسوس کرتا ہے اور کچھ دیر کے لیے وادیِ محبت رسول میں گم سا ہو جاتا ہے۔ اشعار میں پائی جانے والی بیان کی صداقت اور کلام کی ندرت کا اثر تا دیر باقی رہتا ہے۔ اس لیے کہ ان میں جو کچھ ملتا ہے، وہ محض زورِ بیان، قدرتِ کلام یا حسنِ تخیل کا کرشمہ نہیں ہوتا ہے۔ ان میں حقیقت و صداقت کی روشنی ہوتی ہے۔ نمونے کے طور پر محض چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

محمد سرورِ دنیا و دیں ہیں /// گماں اِس میں نہیں کچھ بالیقیں ہیں
صداقت اور امانت کا ہیں پیکر /// لڑکپن ہی سے صادق اور امیں ہیں
اِدھر دلقِ کہن ان کو ہے محبوب /// اُدھر وہ خوگرِ نانِ جویں ہیں
جو روحِ پاک کی بالیدگی کا باعث ہے /// بشر نے پائی وہ آب و ہوا مدینے میں
نکھار دیتی ہے صورت کو مثلِ آئینہ /// جو رخ پہ پڑتی ہے گردِ سفر مدینے میں
فدا ہے صبحِ بنارس، نثار شامِ اودھ /// خو شا یہ جلوۂ شام و سحر مدینے میں

صحابۂ کرام خصوصاً خلفائے راشدین کی محبت و عظمت مومن کے لیے جزوِ ایمان ہے۔ اکثر صحیح العقیدہ نعت گو شعرا نے اپنے شعروں میں اس کا اظہار کیا ہے اور اس کے لیے مختلف و متنوع پیرایۂ اظہار اور تعبیرات و تشبیہات کا استعمال کیا ہے۔ حضرت شہباز صدیقی امروہوی کے ہاں بھی یہ چیز ملتی ہے۔ اِس سلسلے کی اُن کی دو طویل نظموں افضل البشر اور یارِ غار کو کسی زمانے میں کافی شہرت ملی تھی۔ میں یہاں نمونے کے طور پر خلفاے راشدین سے متعلق ان کے تین تین اشعار نقل کرنے پر اکتفا کروں گا:

مرقد میں بھی ہم سائیہ محبوب خدا ہیں
صدیقؓ کے اندازِ رفاقت ہی جدا ہیں
صدیقؓ پیمبرؐ کے خلیفہ ہیں بلافصل
تحقیق کہ وہ سرورِ بزمِ خلفا ہیں
تفسیر اشدا ہیں اگر حضرت فاروقؓ
صدیقؓ بھی تصویرِ جمیلِ رُحماءُ ہیں
عمر فاروقِ اعظمؓ کی حکومت وہ حکومت ہے
کہ نافذ جس میں آئینِ کتاب اللہ و سنت ہے
دُعا ایمان کی ان کے نہ کرتے کس طرح حضرت
نگاہِ جوہری پر ہی عیاں گوہر کی قیمت ہے
اِدھر شعلہ، اُدھر شبنم، اِدھر آہن، اُدھر ریشم
کہیں یہ ان کی سیرت ہے، کہیں وہ ان کی سیرت ہے
نہ ہوا کوئی سخی صورتِ عثمانِ غنیؓ
بڑھ کے حاتم سے ہوئی شہرتِ عثمانِ غنیؓ
مصحفِ پاک، شہادت کا ہے ان کی شاہد
وقتِ ترتیل ہوئی رحلتِ عثمانِ غنیؓ
مرحب فگن و شیر خدا، اشجع و اظفر
خیبر شکن و قلعہ کشا، صفدر وحیدر
دو رشتوں سے کیا قربِ ثلاثہ ہے نمایاں
داماد عمر اُن کے، وہ دامادِ پیمبرؐ

ہیں شہر اگر علم کا سرکارِ مدینہ
بے ریب و گماں در ہیں اسی شہر کا حیدر

حضرت شہبازؔ صدیقی امروہوی نے نعت گوئی کے دوران میں کہیں کہیں اپنے پیش رو اردو و فارسی کے نعت گویوں کو بھی خراج پیش کیا ہے۔ اِس سے جہاں ان کے مزاج کے عجز کا اندازہ ہوتا ہے، وہیں نعت گوئی سے اُن کے والہانہ اور غیر مشروط شغف کا بھی پتا چلتا ہے۔ انھوں نے اپنے ایک طویل سلام میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر آپ کے رفقا کو سلام پیش کرنے کے بعد فرمایا ہے:

السلام اے نعت گویانِ شہ جن و بشر
السلام اے سعدیؔ و جامیؔ، شہیدیؔ و ظفرؔ
السلام اے خواجہ حالیؔ و امیرؔ نام در
السلام اے محسنؔ و حسانؔ و اکبرؔ السلام

ایک نعت کے مقطعے میں فرمایا ہے:

دیتے ہیں، جس کو دادِ سخن محسنؔ و امیرؔ
شہبازِ نعت گو، وہ سخن ور تمھی تو ہو

میں اپنے اِس مختصر سے مضمون میں حضرت علامہ شہباز امروہوی کے فکر اور فن کا احاطہ تو نہیں کر سکا ہوں، اِس میں قلتِ وقت کے ساتھ میری کوتاہ علمی بھی مانع رہی ہے۔ تاہم اِس سے اِس بات کا اندازہ بہ خوبی ہو سکے گا کہ حضرت شہبازؔ صدیقی امروہوی جو پوری اُردو دنیا میں طنز و مزاح کے لیے مشہور تھے، بڑے بڑے ناقدینِ فن نے اُنھیں سلطان سخن کے لقب سے یاد کیا، اُنھیں ایک مجتہد فکر و فن کے طور پر دیکھا اور پرکھا ہے، اکبر ثانی بھی کہا ہے اور زبان و بیان، عروض و فن کے سلسلے میں ان سے استفادہ کیا ہے، وہ نعت گوئی سے کس درجے کا والہانہ شغف رکھتے تھے اور اِس ذیل میں انھوں نے جو کچھ بھی فرمایا ہے، وہ اُردو کی نعتیہ شاعری کا ایک نہایت گراں قدر سرمایہ ہے۔

4۔۔علامہ ابوالمجاہد زاہدؔ (۱۹۲۸۔۲۰۰۹)

علامہ ابوالمجاہد زاہدؔ رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۲۸۔۲۰۰۹) ہمارے عہد کے اُن اساتذۂ سخن میں تھے، جنھیں بہ یک وقت شاعری کی کئی اصناف پر قدرت حاصل تھی۔ لیکن چوں کہ وہ ایک متبحر عالمِ دین تھے،

تفسیر قرآنِ مجید اور احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے انھیں قلبی مناسبت تھی، فقہ پر انھیں عبور حاصل تھا، خصوصاً مذاہبِ ائمہ اربعہ پر ان کی گہری نگاہ تھی اور اِن سب کے ساتھ ساتھ اپنے عہد کے معتبر علما سے انھیں شرفِ تلمذ حاصل تھا اور بڑے بڑے صوفیہ اور اربابِ فضل وکمال کی صحبتیں حاصل تھیں، اِس لیے نعت گوئی سے انھیں خصوصی دل چسپی تھی۔ نعت گوئی اُن کے مزاج میں رچی بسی ہوئی تھی۔ وہ ہر وقت نعت اور اس کے تقاضوں کے بارے میں سوچتے اور غور کرتے رہتے تھے۔ اپنے شاگردوں اور خصوصی ملنے جلنے والوں کو بھی نعت گوئی کے سلسلے میں اپنی معلومات اور اس کے حدود و قیود سے باخبر کرتے رہتے تھے۔ عربی، فارسی اور اُردو کے بے شمار شعرا کے نعتیہ اشعار انھیں یاد تھے۔ اپنی نجی مجلسوں میں بڑی کیفیت کے ساتھ اُنھیں سناتے اور ان کی علمی وفنی باریکیوں کے بارے میں گفتگو فرماتے تھے۔

حضرت ابوالمجاہد زاہدؔ ایک مُحبِّ رسول تھے۔ کبھی کبھی ان کی شخصیت کا یہ اہم پہلو اُس وقت زیادہ ابھر کر سامنے آتا تھا، جب وہ تنہا ہوتے تھے اور ان سے کسی شعر کے سلسلے میں کوئی بات دریافت کرلی جاتی تھی۔ وہ ہر اُس عالم دین، قومی وملی رہ نما اور شاعر وادیب کے قدرداں تھے اور اس کا احترام کرتے تھے، جس کی زندگی میں محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عناصر ملتے ہوں۔ خواہ اس شخصیت کا تعلق کسی بھی مسلک وجماعت سے کیوں نہ ہو اور اپنی عملی زندگی میں وہ شخص کیسا بھی ہو۔

علامہ ابوالمجاہد زاہدؔ اپنی مجلسوں میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلویؒ، مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ فتح پوریؒ، امامِ اہلِ سنت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ، حضرت مولانا وجیہہ الدین خاں رام پوری، فخر مشرق علامہ شفیق جون پوری اور زائر حرم حضرت حمید صدیقی لکھنویؒ کا اکثر ذکر کرتے تھے اور ان کی علمی، ادبی اور عملی زندگی کے اس پہلو کو خصوصیت کے ساتھ بیان کرتے تھے، جس میں کوئی بات محبت رسول سے عبارت ہوتی تھی۔ زائر حرم حضرت حمید صدیقی کے نام پر تو ان کی آنکھیں چھلک پڑتی تھیں۔ مولانا احمد رضا خاں بریلویؒ کا وہ مشہور واقعہ ضرور بیان کرتے تھے کہ مولانا پالکی پر کسی بستی سے گزر رہے تھے، جب اُنھیں معلوم ہوا کہ یہ سادات کی بستی ہے تو پالکی کو رُکوایا، اتر گئے اور جوتوں کو ہاتھ میں لے کر اس بستی کی حدوں کو عبور کیا۔ فرماتے تھے، یہ نسب پرستی نہیں بل کہ محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حسین مظہر ہے۔ اللہ کے محبوب سے غیر معمولی محبت ووابستگی کے بغیر کسی سے ایسا عمل ظہور میں نہیں آسکتا۔

جناب ابرار کرت پوری دلّی کے برگزیدہ شعرا میں ہیں۔ اُنھیں یہاں کے اہلِ علم وادب کے

طبقے میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔میرے غریب خانے پر منعقد ہونے والی نعتیہ و منقبتی محفلوں میں وہ ہمیشہ شریک ہوتے رہے۔ یہ محفلیں بالعموم مولانا ہی کی صدارت میں منعقد ہوتی تھیں۔ علامہ ابوالمجاہد زاہدؔ بھی ابرار صاحب کو بے حد پسند کرتے تھے، ان کے گھر پر منعقد ہونے والی نشستوں میں بھی بڑی پابندی سے شریک ہوتے تھے اور جب بھی ان کا ذکر کرتے تھے، ان کی زندگی کے اِس پہلو کو خصوصی اہمیت دیتے تھے کہ وہ نعت گو ہیں اور اپنے دولت خانے پر نعت کی محفلیں منعقد کرتے ہیں۔ایک بار انھوں نے اپنے ایک شعر میں بھی اپنے اس تاثر کا اظہار کیا ہے:

زاہدؔ! ابرار کرت پوری ہیں کتنے خوش بخت
بن گیا ہے چمنِ نعتِ نبیؐ گھر ان کا

اُستاذِ محترم حسان الہند حضرت علامہ بلالی علی آبادی رحمۃ اللہ علیہ (جو کہ ان کے گہرے دوستوں میں تھے) کا جب بھی تذکرہ فرماتے تھے، آب دیدہ ہوجاتے تھے۔فرماتے تھے اس شخص نے اپنی پوری زندگی صلہ و ستایش سے بے نیاز ہو کر محبت رسول کے فروغ اور اس کی اشاعت کے لیے وقف کردی تھی۔ مجھے مخاطب کر کے فرماتے تھے کہ یہ تمھاری خوش نصیبی ہے کہ تم نے ان کے ساتھ زندگی کا بڑا حصہ گزارا اور ان کی تربیت میں رہے۔ان کا یہ شعر ضرور سناتے تھے۔فرماتے تھے یہ شعر ان کی شیفتگی و وارفتگی کا مظہر ہے:

بلالی رنگ می دارم کہ رنگِ مصطفی دارم
بہ دل حُبِّ محمدؐ چوں بلالِ پارسا دارم

یہ تمام باتیں مرحوم کی اس قلبی کیفیت کا ثبوت ہیں، جن کا گزشتہ سطور میں ذکر کیا گیا ہے۔

یہ بات ذمہ دار علما اور سنجیدہ سخن وروں کی طرف سے بار بار دہرائی جاتی ہے اور آپ سب کے بھی علم میں ہوگی کہ نعت گوئی ایک نہایت نازک صنفِ سخن ہے۔اس کا معاملہ عام اصناف سے بالکل مختلف ہے۔عام اصناف میں زبان و بیان کی پختگی، محاورات و روزمرہ سے واقفیت اور فنی و عروضی چابک دستی پر نگاہ ہوتی ہے، جب کہ نعت میں شاعر پر دوہری ذمے داری ہوتی ہے۔اُسے زبان و بیان پر کامل دست رس، محاورات و روزمرہ سے پوری باخبری اور عروض و فن پر بھرپور دست گاہ کے ساتھ یہ بات بھی دیکھنی ہوتی ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے، شریعت میں اس کی کیا حیثیت ہے، اس کی مدح، ممدوح کے ارشادات و احکام کی کسوٹی پر کس حد تک پوری اترتی ہے اور اس سے ممدوح کے ساتھ محبت و عقیدت کے تقاضے کہاں تک پورے ہو رہے ہیں۔یہاں ایک انچ بھی اِدھر یا اُدھر ہونے کی گنجایش نہیں ہے۔جیسا کہ ابتدائے گفتگو میں عرض کر چکا ہوں کہ علامہ ابوالمجاہد زاہدؔ اپنی

جملہ شاعرانہ وفن کارانہ خصوصیات کے ساتھ ایک جید و متبحر عالم دین بھی تھے۔ تفسیرِ قرآنِ مجید، احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اصول واحکام سے وہ پورے طور پر باخبر تھے، نعت کیا ہے اور اس کے حدود و قیود کیا ہیں اور کس حد تک نعت نعت رہتی ہے اور کہاں پہنچ کر نعت کی معنویت گم ہو جاتی ہے، اِن سب باتوں پر ان کی کامل نگاہ تھی۔ وہ اِن حدود و قیود یا شرائط سے ذرّہ برابر انحراف برداشت نہیں کرتے تھے۔ اُن کے اِس شعر سے میری رائے کی تصویب ہوتی ہے:

حمد اور نعت میں جو فرقِ جلی ہے زاہدؔ
ہاں وہی فرق مٹانا نہیں آتا مجھ کو

علامہ ابوالمجاہد زاہدؔ ہمارے عہد کے اُن نعت گویوں میں تھے، جن کے ہاں فکر اور فن دونوں سطحوں پر بلندی اور تازگی کا اِحساس ہوتا ہے۔ اُنھوں نے نعت میں محض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اظہارِ محبت و شیفتگی پر اکتفا نہیں کیا ہے، بل کہ ان کے ہاں اِس بات کا بھرپور التزام ملتا ہے کہ ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے کامل وابستگی اور حسنِ عقیدت و محبت کے ساتھ آپ کی روشن و تابندہ زندگی کے انمٹ نقوش اور منور و منزہ اخلاق و کردار کے تذکرے بھی ملتے ہیں۔ آپ کی عملی زندگی کے ایسے حالات و واقعات کی طرف اشارے بھی ملتے ہیں، جن سے حساس و باشعور زندگیوں میں عظیم انقلاب رونما ہو جاتا ہے۔ اُنھیں دیکھ کر قاری اپنی زندگی کے رویے اور اپنے گرد و پیش کے حالات پر سوچنے اور ان میں تبدیلی لانے کے بارے میں کم از کم ایک لمحے کے لیے ضرور فکرمند ہو جاتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

آپ بہرِ عیادت گئے اس کے گھر، پھینکتی تھی جو کوڑا سرِ پاک پر
کتنی بد بخت تھی، کتنی خوش بخت تھی، یاد آتی ہے مجھ کو وہ بُڑھیا بہت
وہ تو رحمت ہی رحمت ہیں سب کے لیے، وہ ہوں اپنے قبیلے کے یا غیر ہوں
ان کے کردارِ عفو و کرم کے لیے، فتحِ مکہ کا ہے اِک حوالا بہت
وہ پیمبر بھی تھے، وہ سپاہی بھی تھے، بانیِ سلطنت بھی تھے، حاکم بھی تھے
ان کا ہمتا کوئی بھی نہ مجھ کو ملا، میں نے تاریخِ عالم میں ڈھونڈا بہت
آپ کو مال و زر جو بھی، جب بھی ملا، دوسروں ہی میں تقسیم اُسے کر دیا
اور اپنے لیے اک چٹائی بہت، بے چھنے جو کے آٹے کی ٹکیا بہت
معمارِ تہذیب جہانِ تازہ بسانے آیا تھا

کانٹوں کو گل ذروں کو خورشید بنانے آیا تھا
اس پر سنگِ ملامت برسے، طائف کے کہساروں سے
جو طائف کے کہساروں پر پھول اُگانے آیا تھا
کیسے کیسے وار کیے ہیں، اس پر کالی راتوں نے
جو دنیا پر صبحِ درخشاں بن کر چھانے آیا تھا
اس نے بتایا امن و محبت، عدل و اخوت کا مفہوم
بے معنٰی الفاظ کو وہ معنٰی پہنانے آیا تھا
رات تھی مغرور اپنی ظلمتِ خوں خوار پر
دفعتاً سورج نکل آیا حرا کے غار پر
بس اِک آئینہ ہے، اخلاق و کردارِ محمدؐ کا
اگر بگڑی ہوئی صورت تمھیں اپنی بنانی ہے
منظم کارواں بن کر چل اے امت محمدؐ کی
ترا ٹکڑوں میں بٹ جانا نشانِ بے نشانی ہے
اُجالا ہی اجالا ہے حیاتِ رحمتِ عالم
درخشاں ہی درخشاں ہے کوئی پہلو ہو سیرت کا

میں نے اِختصار کا خیال رکھتے ہوئے یہاں صرف بارہ اشعار نقل کیے ہیں۔ آپ دیکھیں گے ان چند اشعار میں شاعر نے نہایت سادہ الفاظ میں رسولِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی کیسی حسین اور معنٰی خیز سیرت پیش کی ہے۔ اِن میں ظلم و نفرت کے رویے کے باوجود محبت و موانست کا پیغام بھی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجاہدانہ زندگی اور اندازِ حکم رانی کا دل پزیر اور آج کے رہ نماؤں اور قائدین کو آئینہ دکھانے والا نقشہ بھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سادہ اور بے آمیز زندگی کی تصویر کشی بھی ہے اور آپ کی عطا و بخشش کا تذکرہ بھی اور امتِ مسلمہ کو آئینہ محمدی میں اپنی زندگی کو سنوارنے اور اُسے باوقار بنانے کی تلقین بھی۔

حضرت ابوالمجاہد زاہد کی نعتوں میں نبی مہربان حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت کے اظہار کا یہ پاکیزہ اور ستھرا انداز بھی ملتا ہے:

خیرِ [illegible] رحمت عالم، صلی اللہ علیہ وسلم
حسنِ مکمل، عشقِ مجسم، صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ کا اقرار ہے، اِقرار تمھارا
اللہ کا اِنکار ہے، اِنکار تمھارا
تڑپا ہی کرے تشنۂ دیدار تمھارا
اچھا ہے کہ اچھا نہ ہو بیمار تمھارا
اے شاہِ مسیحا نفساں، سرورِ خوباں
آزاد ہے ہر غم سے گرفتار تمھارا

مری زندگی کی کتاب میں فقط ایک تیرا ہی نام ہے
فقط ایک تیرا ہی ذکر ہے، مری داستانِ دراز میں

میں ہرا پیڑ ہوں آپ کے فیض سے
آپ رحمت ہیں غیثُ الندیٰ آپ ہیں
میرے دل میں ہے یہ کس کی جلوہ گری
آپ کا یہ تصور ہے، یا آپ ہیں

ان اشعار میں ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عقیدت ومحبت کا اظہار ملتا ہے۔ ایک ایک شعر سے صرف اور صرف ذاتِ رسالت مآب کو اپنا ہادی ورہبر سمجھنے کا تصور ملتا ہے۔ اقرار و محبت رسول کو اللہ کا اقرار ومحبت قرار دینا، محبتِ رسول میں گرفتار کی عدم صحت کی دعا کرنا تا کہ وہ محبت رسول میں مسلسل تڑپتا رہے، اللہ کے آخری رسول کو شاہِ مسیحا نفساں کہنا وہ اندازِ سخن ہے، جو گہری محبت و عقیدت کے بغیر نہیں پیدا ہو سکتا۔

علامہ ابوالمجاہد زاہدؔ اُس دبستانِ نعت گویاں سے تعلق رکھتے تھے، جو نعت میں کسی نہ کسی پہلو سے ذکرِ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو باعثِ سعادت خیال کرتا ہے۔ انھوں نے ایک عالم وفقیہ کی حیثیت سے دین کے اصل ماٰخذ کا مطالعہ کیا تھا، سیرت رسول اور مدحِ اصحاب رسول کے سلسلے میں اسلاف کے افکار ونظریات پر ان کی عمیق نگاہ تھی اور متعدد راسخ العقیدہ علما اور مفکرین سے ان کے خصوصی روابط تھے، بہ جا طور پر انھوں نے یہ رائے قائم کی تھی کہ اصحابِ رسولؐ کی مدح وتوصیف بہ راہِ راست رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وتوصیف ہے۔ اس لیے کہ جب ہم دنیا میں کسی عام شخص کی تعریف وتوصیف کرتے ہیں تو اس کی تمام تر خوبیوں اور اوصاف کا سہرا بالعموم اس کے استاذ، معلم اور مربّی ہی کے سر جاتا ہے۔ تمام صحابہ کرامؓ بہ راہِ راست رسولِ کائنات کے تربیت یافتہ تھے اور ان کے اندر جو بھی خوبی تھی، وہ یقینی طور پر کائنات

کے سب سے بڑے معلم و مربی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے فیضِ تربیت کا مظہر تھی۔ صحابی کی تعریف ہی یہ بیان کی گئی ہے کہ جس نے بہ حالتِ ایمان صحبتِ رسول پائی ہو اور آپ کی تربیت میں رہا ہو، وہ صحابی ہے۔ ہم جب حضرتِ ابوالمجاہد زاہدؔ کی نعتیہ شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں تو مذکورِ بالا دبستانِ نعت گویانِ کے دوسرے شعرا کی طرح ان کے ہاں بھی بہ کثرت ایسے اشعار ملتے ہیں، جن میں کہیں تفصیلی اور کہیں اجمالی طور پر مدحِ اصحاب رسولؐ کی گئی ہے۔ نمونے کے طور پر چند اشعار ملاحظہ کریں:

تیرے صدیقؓ، فاروقؓ، عثماںؓ، علیؓ، سب کا امت میں اونچا ہے درجا بہت
تیرے اصحاب نے تجھ کو پرکھا بہت، تجھ کو سوچا بہت، تجھ کو چاہا بہت

دلِ ملت و جانِ ملت ہیں زاہدؔ! ہے ان کی فضیلت پہ قرآن شاہد
وہ صدیقِ اکبرؓ، وہ فاروقِ اعظمؓ، وہ عثمانؓ، وہ مرتضیٰؓ اللہ اللہ

عمرؓ، ابوبکرؓ اور عثماںؓ، علیؓ و طلحہؓ، بلالؓ و سلماںؓ
تمھارے پرتو سے سب منور، درود تم پر سلام تم پر

ابوبکر و عمر، عثمان و حیدر وہ ستارے ہیں
کہ جن پر عکس ان کا پڑ گیا، وہ ہو گیا روشن

صدیقؓ و فاروقؓ و عثماںؓ، حیدرؓ، بوذرؓ، سعدؓ، سعیدؓ
شمعِ جمالِ مصطفوی کا ہر پروانہ روشن ہے

علامہ ابوالمجاہد زاہدؔ ۶ / مارچ ۲۰۰۹ کو اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ وہی کیا جو بھی اس دنیا میں آیا ہے اُسے بہ ہر حال یہاں سے ایک دن رخصت ہونا ہے۔ یہاں کسی کو باقی نہیں رہنا ہے۔ لیکن موصوف مرحوم نے شعر و ادب کا جو معتبر سرمایہ چھوڑا ہے، نعتیہ شاعری کو جو پاکیزہ رجحان دیا ہے اور محبت رسول کی جو شمعیں روشن کی ہیں، ان کی تابناکیاں آج بھی باقی ہیں اور آئندہ بھی باقی رہیں گی۔ ان شاء اللہ۔

5۔۔۔ مولانا ثانی حسنی ندویؒ (۱۹۲۵-۱۹۸۲)

اردو شاعری میں نعت گوئی کی روایت اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ اردو شاعری کی ہے۔ ولی دکنی سے لے کر آج تک شاید ہی کوئی قابلِ ذکر شاعر ایسا ہو جس نے نعت نہ کہی ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ اس نے اسے مستقل صنف کے طور پر نہ اختیار کیا ہو۔ چوں کہ نعت کے لیے کسی خاص وزن یا ہیئت کی قید نہیں ہے، اس لیے شعرا نے ہر ہیئت اور ہر وزن میں نعت گوئی کی ہے۔ لیکن اردو شاعری کی تاریخ کا یہ ایک

عجیب المیہ ہے کہ اب تک ہمارے ناقدوں نے اِس پاکیزہ صنفِ سخن کو قابل توجہ نہیں سمجھا۔ دوسری اصناف غزل، نظم، مثنوی، قصیدہ، مرثیہ اور رباعی کے سلسلے میں بے شمار مضامین و مقالات لکھے گئے، کتابیں تصنیف کی گئیں اور جامعات میں ریسرچ اسکالروں سے تحقیقات بھی کرائی گئیں اور مسلسل یہ کام ہورہا ہے، لیکن نعت گوئی پر محض دو چار مضامین ہی نظر آتے ہیں۔ نہ کوئی مستقل کتاب ملتی ہے اور نہ اِس سلسلے میں کسی تحقیق کی ضرورت محسوس کی گئی۔ اِس کی ایک بڑی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ چوں کہ نعت کی کوئی شعری ہیئت نہیں ہے، اس لیے صنفِ سخن کی حیثیت سے اِس پر کام کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ میرے نزدیک اِس 'وجہ' میں کوئی جان نہیں ہے۔ اِس لیے کہ طنزومزاح کی بھی کوئی ہیئت متعین نہیں ہے اور مرثیے کے لیے بھی کوئی خاص ہیئت مختص نہیں ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اِن دونوں موضوعات پر کافی کام ہوا ہے اور ہورہا ہے۔ مسلسل تحقیقی مضامین اور مقالات منظرعام پر آرہے ہیں اور کتابیں لکھی جارہی ہیں۔ میں نعت گوئی کی طرف سے اِس غفلت و بے توجہی کو اُردو تنقید کی بدبختی سے تعبیر کرتا ہوں۔

یہ بات اُردو شاعری کے لیے نہایت خوش آیند ہے کہ ناقدوں کی تمام تر غفلتوں اور عام علمی و ادبی دنیا کی ناقدریوں کے باوجود بے شمار خوش نصیب شعرا اور سخن ور ایسے بھی ہیں، جو اِس پاکیزہ صنفِ سخن سے اپنا رشتہ جوڑے ہوے ہیں۔ بل کہ بعض شعرا نے تو نعت گوئی کے علاوہ کسی اور طرف رخ بھی نہیں کیا اور پوری عمر صلہ و ستایش کی پروا کیے بغیر دامنِ نعت سے وابستہ رہے۔ مشہور علمی و روحانی خانوادے خانوادۂ علم اللّٰہی کے گلِ سرسبز حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنی رائے بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۲۵ـ۱۹۸۲) بھی اُنھی خوش نصیب و باسعادت سخن وروں میں ہیں، جو شعروسخن پر کامل دست رس اور اس کی جملہ اصناف پر بھرپور قدرت کے باوجود حمد و مناجات اور نعت و مناقب کے ہی دامن گرفتہ رہے۔ عام شاعرانہ و سخن ورانہ زندگی کو اپنے لیے پسند نہیں کیا۔ آپ جب ان کی حمدیں، مناجاتیں اور نعتیں پڑھیں گے تو میرے دعوے کی تصویب کریں گے۔

مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ خالص حمد و نعت کے شاعر تھے۔ انھوں نے ہمیشہ اپنی سخن وری کو حمد و نعت سے متعلق رکھا اور اِس شان سے رکھا کہ تمام شاعرانہ قدروں کو ملحوظ رکھا اور دبستانِ لکھنؤ کے فنی و لسانی محاسن کو کبھی آنچ نہیں آنے دی۔ جن محاسن و روایات کو وہ حمد و نعت سے جوڑ سکتے تھے، ان سے کبھی دریغ نہیں کیا۔ پوری علمی و فنی دیانت داری کے ساتھ انھیں برتا۔

نعتیہ شاعری بنیادی طور پر محبتِ رسولؐ اور تبلیغِ حق کا نام ہے۔ لیکن اس کے باوجود مولانا ثانی حسنی نے اپنی مہارتِ فن اور قدرتِ کلام سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ نعت گرچہ موضوعاتی

شاعری ہے، تاہم اسے معیاری اسلوب بیان اور فن کارانہ چابک دستی سے دوسری اصناف یا غیر موضوعاتی سخن وری کے شانہ بہ شانہ بل کہ کسی درجے میں ان پر فائق رکھا جاسکتا ہے۔ مولانا ثانی حسنی کی نعتیہ شاعری فکر کی گہرائیوں، فن کی بلندیوں اور قدرت کلام کی خوبیوں سے مالامال ہے۔ زبان کی سلاست، بیان کی صداقت، بندش کی چُستی، محاوروں کا برمحل اِستعمال اور الفاظ کا بامعنیٰ عالمانہ انتخاب ان کے کلام کی انفرادیت ہے۔ تشبیہات، اِستعارات اور روزمرّہ کا مُناسب و موزوں اِستعمال بھی ان کے ہاں مفقود نہیں ہے۔

نامِ محمد کتنا پیارا
ذاتِ گرامی کتنی عالی
چاند بھی دم بھر تاب نہ لائے
آپ کا چہرہ اِتنا جمالی
جان کا دشمن پھر بھی محبت
جس نے ستایا اس نے دعا لی
قتل جو کرنے آپ کو آیا
سامنے پہنچا، آنکھ جھکالی
کاش مجھ میں طاقت پرواز ہو
اُڑ کے پہنچوں اپنے آقا کے دیار
چھوڑدوں اپنے دلِ بے تاب کو
جب قریب آئے مدینے کا حصار
وہ مومن ہے، جسے ایمان ہو، اُن کی رسالت پر
محبت ان سے جس کو ہے وہی اصلاً مسلماں ہے
جو ان کے ذکر سے معمور ہے، وہ دل ہے پاکیزہ
مبارک ہے زباں، جو مدح میں ان کی گل افشاں ہے
اللہ کے پیمبر، سرتاج انبیا کے
ادنیٰ غلام ان کے ہیں نامی و گرامی

میں نے نمونے کے طور پر مولانا ثانی حسنی کے صرف نو (۹) اشعار نقل کیے ہیں۔ آپ دیکھیں

گے کہ ان میں فکر وخیال کی بلندی بھی ہے اور موضوع کی وُسعت بھی، بیان کی صفائی بھی ہے اور لہجے کی شگفتگی بھی، فنّی ولسانی قدروں کا التزام بھی ہے اور سلاست وروانی بھی۔ نہایت مختصر زمینوں میں اتنی بڑی بات کہی ہے، جس کے لیے دفتر درکار ہوں گے اور اِن سب کے ساتھ ساتھ ہر شعر میں سہلِ ممتنع کی خوبی ملتی ہے، جو بڑی مشق ومزاولت کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ اِس ذیل میں چند اشعار اور ملاحظہ فرمائیں:

آپ خیر الا نام
آپ سب کے اِمام
آپ ختم الرسل
آپ عالی مقام
آپ پاکیزہ دل
آپ شیریں کلام
آپ مہر مُبیں
آپ ماہِ تمام
آپ سب کے حضور
آپ کے سب غلام
ذاتِ عالی صفات
سرورِ کائنات
خاتم الانبیا
صاحبِ معجزات
خوش نوا، خوش ادا
خوش نظر، خوش صفات

آپ دیکھیں کے ہر مصرع بحر مُتدارک کے صرف دو ارکان پر مشتمل ہے، لیکن شاعر نے جو بات کہنی چاہی ہے، وہ مکمل طور پر ادا ہوگئی ہے۔ کسی بھی مصرعے میں نہ ژولیدگی وابہام ہے اور نہ حشو و زوائد۔ نہایت صاف ستھری زبان میں ایک بڑی بات کہنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مولانا ثانی حسنی کی پختہ گوئی اور قادر الکلامی بھی لائقِ ستائش ہے۔ یہ پختگی اور قدرتِ کلام

اس وقت خصوصیت کے ساتھ آتی ہے، جب ہم کسی قدیم شاعر کی فارسی یا اُردو غزل یا نعت پر ان کی تضمین دیکھتے ہیں۔ شاعر کے ہر شعر کے ساتھ وہ تین یا چار مصرعوں کا اضافہ کچھ اس طرح کرتے ہیں کہ قاری یا سامع کو محسوس تک نہیں ہوتا کہ کسی شاعر کے شعر پر مصرعے پہنچائے گئے ہیں۔ ہر شخص بادی النظر میں یہی محسوس کرے گا کہ یہ پورے پانچ کے پانچ یا چھے کے چھے مصرعے ایک ہی شاعر کے ہیں۔

حضرتِ عزیز صفی پوری فارسی کے بڑے بلند پایہ سخن وروں میں تھے۔ تصوف سے اُنھیں خصوصی شغف تھا۔ ان کی غزل کا مطلع ہے:

گشت بے تیغم، بہ عُشوہ تُرکِ نازک پیکرے
خوش بیانے، مہربانے، جانِ جانے، دلبرے

اِس پر حضرتِ ثانی حسنی نے یوں گرہ لگائی ہے:

خاک کا یہ ذرّہ، ذکرِ مہ وشاں کیسے کرے
عشق کے رازِ نہاں کو وہ عیاں کیسے کرے

مدح آقا کی، گدائے بے نشاں کیسے کرے
مُشک سے دھوے زباں کو پھر بیاں ایسے کرے

گشت بے تیغم، بہ عُشوہ تُرکِ نازک پیکرے
خوش بیانے، مہربانے، جانِ جانے، دلبرے

حضرتِ عزیز صفی کا اِسی غزل کا شعر ہے:

کفر سوزے، دل فروزے، خوب رو، آہستہ خُو
پاک دینے، پاک بینے، خوش تر از ہر خوش ترے

مولانا ثانی حسنی نے اِسے یوں نعت کے رنگ میں ڈھالا ہے:

تو ہے بحرِ بے کراں اور میں ذرا سی آب جُو
اے سراپا نور! تو ہے دو جہاں کی آبرو

مرحبا، صلِّ علیٰ، جانِ جہانِ رنگ و بو
قیصریت تیری آمد سے ہوئی ہے زرد رُو
کفر سوزے، دل فروزے، خوب رو، آہستہ خُو
پاک دینے، پاک بینے، خوش تراز ہر خوش ترے

حضرت کرامت علی شہیدیؔ کا بہت مشہور شعر ہے:

تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائر روحِ مقید کا

مولانا ثانی حسنی نے اِس پر دس بندوں میں گرہیں لگائی ہیں۔ان میں سے صرف دو بند ملاحظہ فرمائیں:

مدینے جانے والے! سُن مدینے سر کے بل جانا
کبھی ہوش و خرد کھونا، کبھی کچھ کچھ سنبھل جانا

درِ اقدس پہ کہنا، کہہ کے رونا اور مچل جانا
تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے

قفس جس وقت ٹوٹے طائرِ روحِ مقید کا
حصولِ جاہ و دولت کے لیے دارا و جم نکلے

فنا کرنے ہزاروں کو، لیے تیغِ دو دم نکلے
ترے قدموں پہ صدقے ہونے، لیکن ایک ہم نکلے

تمنا ہے درختوں پر ترے روضے کے جا بیٹھے
قفس جس وقت ٹوٹے طائر روحِ مقید کا

اِن چند نمونوں سے اِس بات کا اندازہ بہ خوبی کیا جا سکتا ہے کہ مولانا ثانی حسنی فکر اور فن دونوں سطحوں پر اپنے ہم عصروں میں اپنی ایک شناخت رکھتے ہیں۔ان کے گلشنِ سخن میں ہر طرح کے پھول ملتے ہیں اور تخیلات و تصورات کی مختلف خوش بوؤں سے ان کی شاعری کا چمنستاں مہک رہا ہے۔لیکن یہ بات بہت واضح طور پر ملتی ہے کہ انھوں نے عشقِ حقیقی و عشقِ مجازی کے تنازعوں سے بلند ہو کر محبت الٰہی اور عقیدتِ رسول کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و عقیدت کا

اظہار بہ کثرت شاعروں اور سخن وروں نے کیا ہے، لیکن مولانا ثانی حسنی کا اندازِ محبت و وابستگی سب سے منفرد ہے۔ ضیافتِ طبع کے طور پر چند اشعار اور پیش کرنا چاہوں گا:

دل کش و خوش تر، نازک پیکر
گوہر و اختر، زیبا منظر
خلق کے سرور، رحمتِ داور
شافع محشر، ساقیِ کوثر
جس کی ثنا قرآن کے اندر
اِنّا اَعطَینٰک الکوثر
ذکر سے ان کے دل کو سکینت
روح بھی شاداں لب بھی معطّر
ذکر خدا کے بعد یقینا
ذکر ہے ان کا سب سے بہتر
جس ذات کا محمدؐ ہے پاک نام نامی
بخشی ہمیں خدا نے اس ذات کی غلامی
وہ شفقتِ مجسم، وہ رحمت دوعالم
کیا ان کی مہربانی، کیا ان کی خوش کلامی
وہ بالیقیں نبی ہیں، تا روزِ حشر سب کے
ہے عام جو نبوت تو فیض ہے دوامی

میں نے حضرتِ ثانی حسنی کی حمدیں بھی پڑھی ہیں اور مناجاتیں بھی اور ان کی نعتیہ شاعری کا بھی مطالعہ کیا ہے اور ان نظموں کا بھی جو انھوں نے کسی دوسرے موضوع پر کہی ہیں۔ اِن سب سے یہی مجموعی تاثر سامنے آیا کہ وہ بنیادی طور پر ایک سچے اور پکے مومن اور محب رسول تھے۔ ان کی پوری شاعری تعلق باللہ اور عقیدتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوبی ہوئی ہے۔ وہ خواہ کسی بھی صنفِ سخن پر قلم اٹھائیں اُس میں تعلق باللہ اور محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عناصر جلوہ گر نظر آتے ہیں۔ یہی ان کی سخن وری کا وہ جوہر ہے، جو انھیں آج کے بے شمار شاعروں، سخن وروں، حمد گویوں اور مداحین رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ممتاز و نمایاں کرتا ہے۔ وہ اپنے اِس وصف کے لیے اسلامی شاعری کی تاریخ میں تادیر یاد کیے جاتے رہیں گے۔ ***

علیم صبا نویدی

دیارِ ہند کے چند ممتاز نعت گو شعراء

● محبوب راہیؔ کی نعت گوئی

محبوب اکولہ (مہاراشٹرا) کے ایک مشہور شاعر اور ادیب ہیں۔ شاعری کی ہر صنف میں طبع آزمائی کرنے والے شاعر جب نعت گوئی کی طرف آتے ہیں تو وہاں بہت محتاط ہو جاتے ہیں کیونکہ یہاں من مانی نہیں ہو سکتی۔ ذہن وقلم پر پوری طرح قابو پائے رہنا لازمی بات ہوتی ہے۔ محبوب راہیؔ بھی اس صنف میں محتاط ہی ہیں۔ محبوب راہیؔ نعت گوئی میں زورِ تخیل سے کام لیتے ہوئے رویتِ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی کوشش کرتے ہیں، اور ہر امتی کا یہی شیوہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے تخیل ہی میں شبیہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم طے کرتا ہے اور جو تخیل عطا کرتا ہے اس میں شبیہ رسولؐ کا ایک عنصر ہی عام ہوتا ہے جسے نورِ حسن و جمال کہتے ہیں۔ یہی نورِ حسن و جمال محبوب راہیؔ کی نعتوں میں جھلکتا ہے۔ شمائلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرے میں ہمیں شبیہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم دکھائی دیتی ہے۔ اسی کو ہم ذہن میں رکھ لیں تو ہماری اپنی ذات پر نور ہوتی چلی جائے گی۔ محبوب راہیؔ نے اپنی نعتوں سے اس کو اجاگر کیا ہے۔ اپنی نعت گوئی کے تعلق سے ان کی ایک پوری نعت کو ہم پڑھتے ہیں تو ان کے موضوعات کا احاطہ ہوتا۔ وہ نعت یہ ہے جس کا مطلع ہے ؂

مجموعۂ صفات محمدؐ کی شان میں — کہنی ہے مجھ کو نعت محمدؐ کی شان میں

اس نعت کے چند شعر ملاحظہ کیجئے جن میں صوتی قافیے برتے گئے ہیں ؂

زورِ تخیلات محمدؐ کی شان میں — تاحدِ ممکنات محمدؐ کی شان میں
کرنی ہے جو بھی بات محمدؐ کی شان میں — لازم ہے احتیاط محمدؐ کی شان میں
لکھوں تو لکھوں نعت محمدؐ کی شان میں — ہو بات ہو تو بات محمدؐ کی شان میں

اس نعت میں عقیدت و محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے اور احتیاطِ اظہار بھی۔ کہتے ہیں ؂

کم پڑ رہی ہے جیسے سمندر میں کوئی بوند — دنیائے شش جہات محمدؐ کی شان میں

اس عقیدے کے بعد شاعر کا سرنگوں رہنا ہی عافیت کا باعث ہے، ورنہ بے باکانہ انداز شاعر کو

لے ڈوبے گا۔ یہ انکساری بعض جگہ اجاگر ہے اور کئی جگہ موہوم سی ہے۔

سرنگوں ہے جنؐ کے آگے آسماں
باعثِ صد رشک عظمت آپؐ ہیں

میں بھی ہوں جن کے غلاموں کا غلام
کس قدر ذی جاہ و عظمت آپؐ ہیں

آپؐ سے ہٹ کر میری ہستی کیا میری اوقات
کیا میری پہچان نبیؐ مکی مدنی العربی

آپؐ کی ٹھوکر میں دنیا کے سارے تخت و تاج
نبیوں کے سلطان نبیؐ مکی مدنی العربی

ہیں سر خمیدہ سبھی صاحبانِ عز و جاہ
بصد نیاز و عقیدت حضورؐ کے در پر

محبوب راہیؔ کی نعتوں میں عقیدت کی گہرائی ہے۔ وہ اس کو اجاگر کر کے ایک طرح کی تسکین کے حصول کی تمنا کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ عقیدتیں کئی طرح سے ادا ہوئی ہیں۔ حقائق کی روشنی ہی میں محبوب راہیؔ نے مضمون آفرینی کی ہے۔ کہیں کہیں تخیلی طور پر موضوعات مرتب ہوئے ہیں۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے جو سرزمین ہے، وہ مسلمانوں کے لیے سب سے بزرگ و برتر سرزمین ہے اور وہاں جانے کا ہر مومن و مسلم متمنی رہتا ہے۔ محبوب راہیؔ نے اس موضوع میں جتنے بھی اشعار کہے ہیں وہ ہر مسلمان کے دل سے نکلی ہوئی باتیں ہیں۔

رحمتوں کا سائباں در۔سائباں اچھا لگا
مجھ کو شاہِؐ انس و جاں کا آستاں اچھا لگا

نور کا اک مستقل سیلِ رواں اچھا لگا
گنبدِ خضریٰ کا حسنِ جاوداں اچھا لگا

جس پر محو استراحت ہیں شہہؐ دنیا و دیں
وہ زمیں اچھی لگی وہ آسماں اچھا لگا

جس کا ہر منظر ہے دلکش، بے مثال و بے نظیر
باغِ طیبہ گلشِ رشکِ جناں اچھا لگا

جی کرے ہے گنبد خضریٰ کو بس دیکھا کریں
روضۂ اقدس کی جالی تھام کر رویا کریں

رہتے ہیں دو عالم کے سلطان مدینے میں
اللہ کی نظر آتی ہے شان مدینے میں

مکے کی فضاؤں میں ملتی ہے جلا اس کو
ہوتا ہے ترو تازہ ایمان مدینے میں

محبوب راہی کی نعتیں غزل کی فارم میں بھلی لگتی ہیں۔ طویل بحروں سے زیادہ چھوٹی بحروں میں انہیں اظہار کی کامیابی نصیب ہوئی ہے۔ وہ ایک کامیاب غزل گو شاعر ہیں، اس لیے اس صنف کا اثر ان کی نعتوں میں جھلک آیا ہے۔

● قمر سنبھلی کی نعت گوئی

جناب قمر سنبھلی ایک کہنہ مشق شاعر ہی نہیں، بلکہ ایک منجھے نقاد و محقق بھی ہیں۔ آپ کا نام کئی

ادبی جریدوں، انجمنوں اور تنظیموں، نیز نشر واشاعت کے جدید وسائل کے ذریعہ بہت مشہور و مانوس ہوتا چلا گیا ہے۔ ان کی شخصیت مزید تعارف کی محتاج نہیں رہی، البتہ بہت کم لوگ اس بات سے واقف ہیں کہ موصوف عالم وفاضل اور حافظ وقاری بھی ہیں۔ اس بات کا پتہ حضرت ناوک حمزہ پوری کے ایک پیش نامہ سے چلا، جسے موصوف بزرگوار نے قمر سنبھلی کے حمد ونعت کے مجموعہ "روشن روشن حرف" کے لیے تحریر کیا ہے۔

نعت گوئی سے متعلق سبھی مبصرین کا خیال ہے کہ یہ بہت ہی محتاط ہوکر برتی جانے والی صنف ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نہ کوئی گستاخانہ بات سرزد ہو اور نہ ہی غلط واقعات پر مبنی خیالات نعتیہ اشعار کا موضوع بنیں۔ قرآن کریم اور احادیثِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو باتیں ثابت ہیں، انہی پر مبنی موضوعات ہوں۔ سپاٹ تعریفی کلمات سے بھی گریز کرنا چاہیے، کیونکہ کلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہوتا ہے تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کی جانے والی ضمیروں پر خاصا دھیان لازمی ہے۔

جناب قمر سنبھلی چونکہ عالم وحافظ ہیں، آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ ہی کو سامنے رکھ کر نعت گوئی کی ہے۔ تلمیحات پر مبنی اشعار میں احتیاط برتی ہے۔ تشبیہات واستعارات کے برتنے میں صرف روایات ہی کو ضروری قرار نہیں دیا، بلکہ نعت گوئی کی لوازمات کو روایات سے مقدم گردانا۔ مثلاً غزل میں بعض تراکیبِ لفظی بربنائے ضرورت نعت میں برتنی ہوتی ہیں۔ تو ان کو جو موڑ دینا چاہیے، وہ ضروری ہے، تاکہ غزل کا ممدوح نہ قیاس ہو، بلکہ ممدوح ہمارے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ موصوف کی پہلی نعت کے پہلے شعر ہی میں یہ بات ہمیں ملتی ہے۔

نظر ہٹتی نہ تھی، ہر آنکھ بام دور پہ رکھی تھی
عجب پاکیزگی طیبہ کے ہر منظر پہ رکھی تھی

پہلے مصرعے کو الگ رکھ کر سوچیں تو یہ کسی غزل ہی کا مصرعہ لگے گا کیونکہ "بام ودر" والی باتیں غزل میں بہت پٹ گئی ہیں۔ دوسرے مصرعے کے ساتھ اس کا انسلاک فوری طور پر اسے نعتیہ وصف بخش دیتا ہے۔ اس مطلع کے بعد اس کا دوسرا شعر بغیر کسی خاص اشارے کے خالص نعتیہ ہو جاتا ہے۔ اس میں نعتیہ وصف اس وقت نہیں ملے گا، جب یہ شعر نعت سے ہٹا کر کسی کو سنایا جائے۔ یہ شعر ہے

بہت پیوند تھے لیکن کوئی دھبّہ نہ تھا جس پر
اساسِ زندگی اپنی اُسی چادر پہ رکھی تھی

اس طرح موصوف شاعر بخوبی نعتیہ لوازمات کو جانتے پہچانتے ہیں۔ اسی طرح اس نعت کے مقطع کی

بات بھی کہی جاسکتی ہے کہ اس کو بھی اس نعت سے الگ کریں گے، تو وہ نعت سے الگ خیال معلوم ہوگا۔

قمر! آمد سے اُن کی بام و در سب جگمگا اٹھے یہاں ظلمت ہی ظلمت ورنہ ہر منظر پہ رکھی تھی

یہاں یہ بات عرض کردینا ضروری ہے کہ اکثر شعراء نے نعت گوئی کے لیے غزل کے فارم کو پسند کیا ہے۔اسی لیے نعتوں میں غزل کی بعض ضمائر شخصی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی برتی گئی ہیں۔ یہاں اس بات کی احتیاط لازمی ہے کہ ایسی ضمائر اختیار نہ کی جائیں، جن میں سطحیت ہو، مثلاً تو، اس کا، تمہارا، ترا وغیرہ۔

جناب قمر سنبھلی نے اس بات میں بھی ہر جگہ احتیاط کیا ہے۔

نعت کے موضوع اول و آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلقہ تمام اسوہ، تاریخ اور اقوال اکابرین اس کے موضوعات ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے استدعا کو بھی شعراء نے لازمی قرار دیا ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی شافع محشر ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استداء والتجاء کو شعراء مقدم قرار دیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و احترام اگر نہ ہو تو لاکھ خامہ فرسائی ہو، ہرگز وہ نعت کے زمرے میں نہیں آسکتی۔قمر سنبھلی کے اشعار میں استدعا و التجا بھی ہے، عقیدت و احترام بھی۔اس ضمن میں جو خیالات موصوف نے ظاہر کئے ہیں، ان پر نظر ڈالتے ہیں ؎

❖ ذرا سنبھل کے قمر! یہ وہ آستانہ ہے
یہاں جبیں کو نہیں دل جھکایا جاتا ہے

❖ بقدرِ ظرف اٹھا لائے گدایانِ تہی دامن
زمانے بھر کی ہر نعمت درِ اطہر پہ رکھی تھی

❖ سہارا مل گیا آقا کی رحمت کا ہمیں ورنہ
گناہوں سے بھری گٹھری ہمارے سر پہ رکھی تھی

❖ گناہگار کو بخشا شرف حضوری کا
تری عطا کا بھی اللہ کیا ٹھکانہ ہے

❖ گیا مدینے جو مجھ سا گناہگار آقا
رہا خطاؤں پہ اپنی میں شرمسار آقا

❖ میں گنہگار سہی، شافعِ اُمت ہیں حضورؐ
حضورؐ میں آپؐ سے امید مدد رکھتا ہوں

اس طرح قمر سنبھلی صاحب کی نعتوں کو پڑھ کر ذہن و دل میں نور کی کرنیں پھوٹتی محسوس ہوتی ہیں۔

خود تخلیق کار بھی نعت گوئی کی عبادت میں محو ہیں اور قاری کو بھی اس میں شریک کرتے ہیں۔ یہ کارِ ثواب خوش نصیبوں ہی کو حاصل ہے۔

● سیفی سرونجی کی نعت گوئی

سیفی سرونجی سرونج، بھوپال (مدھیہ پردیش) کی ادبی فضا میں اپنے طور پر مہک رہے ہیں۔ ان کا شعری سفر کس نہج کا ہے، اس کا پتہ ان کی دیگر تخلیقات کو دیکھ کر ہی بتایا جاسکتا ہے۔ ان کی دو چار نعتوں کی دستیابی سے پوری طرح ان کی نعت گوئی پر بھرپور نظر ڈالنا قدرے مشکل ہے۔ ہاں ان کے اظہار و بیان پر ایک حد تک کچھ کہنا دشوار نہیں ہے۔

سیفی سرونجی پر غالباً ان کے علاقے کی روزمرہ زبان کا اثر ہے۔ ان کا انداز بیان بالکل سادہ ہے مگر اس میں شعری جمالیات ہلکی ہلکی سی سموئی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ ان کی اس سادگی میں قدرے جاذبیت بھی ہے۔ نعتوں کا جو مزاج ہونا چاہیے، اس کو گرفت میں لانے کی سعی ضرور ملتی ہے۔ جو نعتیں ملی ہیں، ان میں کتابت کی غلطیاں بخوبی محسوس ہوتی ہیں۔ وہ شاعر کے قلم سے ہرگز سرزد نہیں ہوئی ہوں گی کیونکہ جس صفائی سے وہ بات کہتے ہیں، اسی حد تک زبان کے استعمال میں وہ محتاط ضرور ہیں۔ ان کی نعتوں میں موضوعات کی تلاش کیسے ہوسکتی ہے، جب کہ بہت کم نعتیں دستیاب ہوئی ہیں۔ ان چند نعتوں کے شعر ملاحظہ کیجیے، جن میں اظہار کی سادگی ہی ہے؛ ان میں کوئی اہم شعری مستحسن بات نہیں ہے۔ بعض نعتوں میں قطعات کے ڈھنگ کے اشعار کہے ہیں

بزمِ عالم میں اک دلکشی آگئی ظلمتیں چھٹ گئیں روشنی آگئی
مٹ گئے رنج و غم سرخوشی آگئی آپؐ آئے تو پھر زندگی آگئی
قبل اسلام کا میں کروں کیا بیاں تھی زمانے پہ حالت عرب کی عیاں
ہر طرف آتشِ غم لگی تھی یہاں آپؐ آئے تو ہر سو خوشی آگئی
کفر و باطل کی چھائی ہوئی تھی گھٹا لات و عزیٰ کو کہتے تھے کافر خدا
لائے تشریف دنیا میں جب مصطفیٰؐ سارے عالم کو پھر بندگی آگئی

اس طرح مسلسل قطعات کو نظم کرنے کا یہ ڈھنگ ہی ان کی نعت گوئی میں ملتا ہے۔ ان میں جو سادگی زبان ہے، وہ قابل غور ہے۔ نیز روزمرہ زبان کا اثر بعض جگہ محسوس ہوتا ہے مثلاً بندگی آگئی، راستی آگئی وغیرہ۔ انہوں نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے برتا ہے اور یہ غالباً سرونج کی زبان ہے۔

ان کے مزید دو ایک قطعات ملاحظہ کیجیے۔

فال جو کھولتے تھے سدا رات دن
جھوٹ جو بولتے تھے سدا رات دن
تول کم تولتے تھے سدا رات دن
انہی لوگوں میں اب راستی آگئی

کیا صفت ہو بیاں آپؐ کی مصطفےٰؐ
جس جگہ پڑگیا آپؐ کا نقشِ پا
جب کیا آپؐ کو خاتم الانبیاءؐ
رحمتِ حق وہیں جھومتی آگئی

ہوگئے دور سیفی مرے رنج و غم
گھر کی جانب نہیں اُٹھتے میرے قدم
جب سے دیکھا ہے آنکھوں نے بیت الحرم
جیسے منزل میری آخری آگئی

یہ آخری بند نعت کا نہیں، بلکہ بیت الحرم کی شان میں ہے، مگر اس کا تعلق بھی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے ہے، اس لیے ان کی قطعاتی نظم میں یہ گوارا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و احترام میں سیفی سرونجی نے کوئی کمی نہیں چھوڑی ہے۔ ان کا یہ انداز والہانہ ہے اور سراہنی بھی ہے۔ ان کی ایک نعت کے چند شعر ملاحظہ کیجیے جن میں سیفی سرونجی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی ذات کو کن رشتوں میں باندھتے ہیں۔

آج میں آپؐ کی سرکار میں آیا ہوں حضورؐ
چل کے کانٹوں پہ میں گلزار میں آیا ہوں حضور

دیر و کعبہ سے نہیں کوئی عقیدت مجھ کو
سجدہ کرنے کو میں سرکار میں آیا ہوں حضورؐ

غم و آلام سے بس آپؐ چھڑا سکتے ہیں
جان کر اپنا طرفدار میں آیا ہوں حضورؐ

آج تو بہرِ خدا بگڑی بنادیں اس کی
لیکے سیفی کو میں دربار میں آیا ہوں حضورؐ

یہاں مقطعے میں سیفی کو لے جانے والا ''میں'' کون ہے، معلوم نہیں۔ یہ شعر کی خامی ہے مگر اس میں شخص ظاہر کو شخص باطن لے جارہا ہے۔ شخص ظاہر ''سیفی'' ہے اور شخص باطن ''میں'' ہے۔ اس توضیح کے ذریعہ ہم سیفی کی حمایت کرتے ہیں۔ معلوم نہیں ہماری اس بحث کو لوگ مانیں گے کہ نہیں۔

سیفی نے بلا کسی احتیاط کے نعتیہ شعر کہے ہیں۔ ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے کوئی غلطی نہیں کی ہے۔ مگر اظہار بیان میں بے احتیاطی عود آئی ہے۔ غزل کی ہیئت میں جو نعتیں ہوئی ہیں، وہاں قوافی کے برتتے وقت بعض جگہ بے جا خیال اجاگر ہوا ہے۔ اس نعت کے چند شعر ملاحظہ کیجیے اور قوافی کی گیرائی پر توجہ دیجیے۔

ہوئی ہے محبت کی برسات مدینے میں
اے کاش کہ لے جائیں حالات مدینے میں

اک نور کے سورج سے دن رات مدینے میں
ہر سمت چمکتے ہیں ذرات مدینے میں

کیا شان نرالی ہے گلزار محمدؐ کی
رہتی ہے بہاروں کی بارات مدینے میں
یہ حال ہوا اب تو سیفیؔ کا ترے آقا
رہتا ہے تصور میں دن رات مدینے میں

اس نعت میں سیفیؔ کی بے احتیاطی بہت واضح ہے۔ مطلع میں ''محبت کی برسات'' کی جگہ سیفیؔ کو کوئی اور متبدل خیال کیوں نہیں آیا۔ اس ترکیب سے مراد کیا ہے۔ ''حالات'' سے سیفیؔ کیا مراد لیتے ہیں۔

دوسرے شعر میں نور کے سورج کی بات کرتے ہیں اور ساتھ ہی ذرات کے چمکنے کی بات بھی کرتے ہیں۔ مگر سورج دن ہی میں ذرات کو چمکا سکتا ہے، یہ رات میں ممکن نہیں۔ رات کا قافیہ یہاں سورج کے تعلق سے کہاں ممکن ہے۔ ہو سکتا ہے کہ نور کے سورج کا اشارہ بھی سیفی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کی طرف ہی کیا ہو۔ بہ حیثیت مجموعی سیفیؔ کی نعتیہ شاعری نعت گوئی کے بنیادی اصولوں اور اس کی اہمیت کی پاس دار ہے۔

● امجد حسین حافظ کرناٹکی کی نعت گوئی

امجد حسین حافظ کرناٹکی کا نامِ گرامی ریاست کرناٹکا کے اردو حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں۔ بچوں کے لیے موصوف نے جو نعتیں لکھی ہیں، ان میں زبان کی سلاست کا خیال رکھا گیا ہے اور موضوعات بھی ایسے جو بچوں کی فہم میں آسانی سے آسکتے ہیں۔ اس سے بچے انہیں گنگنا سکتے ہیں اور مخصوص اجلاس میں انہیں عوام کے گوشِ گزار بھی کر سکتے ہیں۔ بچوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کم عمری ہی میں عقیدت پیدا ہو سکتی ہے اور ان میں ان کے وسیلے سے شستگی، شائستگی، دل صفائی اور محبت رسولؐ پیدا ہوگی۔ اس نیک کام کا صلہ شاعر موصوف کو اس دنیا میں بھی ملے گا اور عاقبت میں بھی انہیں اس کا بہترین اجر ملے گا۔

آیئے حافظ کرناٹکی کی ان نعتوں کے انداز اظہار اور موضوعات کو سمجھنے کے لیے چند اشعار لیتے ہیں اور غور کرتے ہیں کہ وہ کہاں تک اپنے مقصد میں کامیاب ہیں۔

جو ذکرِ شاہ والاؐ سے سرشار ہوگیا — سمجھو کہ وہ بہشت کا حقدار ہوگیا
برکت تو دیکھیے گا ثنائے رسولؐ کی — ہر شعر میری نعت کا شہکار ہوگیا
اس چشمِ خوش نصیب پہ دوزخ حرام ہے — جس کو رسولؐ پاک کا دیدار ہوگیا
حافظؔ نبیؐ جب آئے عرب کی زمین پر — کل تک جو ریگزار تھا گلزار ہوگیا

پیامِ ربِ جلیل لے کر زمیں پہ میرے رسولؐ آئے
ہدایتوں کی سبیل لے کر زمیں پہ میرے رسولؐ آئے
جمال کی ابتدا وہی ہیں، کمال کی انتہا وہی ہیں
لہٰذا دینِ جمیل لے کر زمیں پہ میرے رسولؐ آئے
قدیم ملت جدیدیت میں ڈھلی محمدؐ کے واسطے سے
دعائے قلبِ خلیلؑ لے کر زمیں پہ میرے رسولؐ آئے
وہ سورتیں جن میں حکمتیں ہیں، مشقتیں اور عبرتیں ہیں
نمل، قمر اور فیل لے کر زمیں پہ میرے رسولؐ آئے

میں جب حضورؐ پاک کی یادوں میں رولیا ۔۔۔ سچ پوچھئے تو دامنِ عصیاں کو دھولیا
کل گل کھلیں گے نعت کے شعروں کی شکل میں ۔۔۔ ان کا خیال ذہن کی دھرتی میں بولیا
لے کر نبیؐ کا نام میں جاگا ہوں صبح کو ۔۔۔ رات آگئی تو ان کے تصور میں سولیا
دوزخ جلاسکے گی نہ حافظ اسے کبھی ۔۔۔ نس نس میں جس نے عشق نبیؐ کا سمولیا

•••

ساری دنیا رسالتؐ کے سائے میں ہے ۔۔۔ میرے آقاؐ کی سنت کے سائے میں ہے
اپنی امت کے ہمراہ ہر اک نبیؐ ۔۔۔ مصطفیٰؐ کی شفاعت کے سائے میں ہے
چلچلاتی ہوئی دھوپ ہے ہر طرف ۔۔۔ اور راحت شریعت کے سائے میں ہے
ہادیٔ کُل جہاں رحمتِ کن فکاں ۔۔۔ ہر کوئی انؐ کی رحمت کے سائے میں ہے

•••

ہر گھڑی ذکرِ خیر الوریٰؐ کیجیے ۔۔۔ امتی کا فریضہ ادا کیجیے
زیست کیا شئے ہے قسمت سنور جائے گی ۔۔۔ انؐ کے کردار کو آئینہ کیجیے
بات آقاؐ کی کرنی ہے حافظؔ تو پھر ۔۔۔ ذہن و لب کو سلیقہ عطا کیجیے

•••

جب خیالات نبویؐ کی بارش ہوئی ۔۔۔ پھر مدینے کو جانے کی خواہش ہوئی
کوئی انسان نہ اتنا سراہا گیا ۔۔۔ جس قدر مصطفیٰؐ کی ستائش ہوئی
ان کو جنت کا پروانہ حاصل ہوا ۔۔۔ جن کے حق میں نبیؐ کی سفارش ہوئی

وہ نبیؐ ہیں، نبیؐ تھے، رہیں گے نبیؐ
ختم ان پر نبوت کی تابش ہوئی
حافظؔ، آقا کہیں، ترک سنت کریں؟
یہ محبت ہوئی یا نمائش ہوئی

•••

ذکر سے انؐ کی سانسیں معطر ہوئیں
پھول بن کر کھلی اور ہنسی زندگی

•••

ہمارے کانوں میں رس گھولتی رہیں نعتیں
ہماری روح کو اب آئی ہے سکون کی نیند
درود پڑھ کے ہوئے محوِ خواب ہم حافظؔ
مہک مدینے کی پھر لائی ہے سکون کی نیند

•••

قرآنِ پاک اترا عربی زباں میں ڈھل کر
اسلوب ہے خدا کا لہجہ مرے نبیؐ کا
حضرت اویسؓ قرنی ہیں خوش نصیب حافظؔ
حصے میں جن کے آیا کرتہ مرے نبیؐ کا

•••

رشتے تمام توڑ دیئے اس کو تھام کر
کافی ہمارے واسطے نبیؐ کا ہے
حافظؔ وہ ڈھال بن کے چلے آئیں گے ضرور
محشر کے روز ہم کو بھروسہ نبیؐ کا ہے

•••

ڈرتا نہیں مرنے سے دیوانہ محمدؐ کا
جل جاتا ہے ہنس ہنس کے پروانہ محمدؐ کا
تقدیر سے ملتا ہے خُم خانہ محمدؐ کا
مئے حق کی پلاتا ہے پیمانہ محمدؐ کا
ہر ایک مؤرخ کے دل میں ہے رقم حافظؔ
باطل سے تنِ تنہا ٹکرانا محمدؐ کا
جو سنتا ہے وہ سر کو دھنتا ہے حافظؔ
نوائے خدا ہے، نوا محمدؐ کا

•••

نبیؐ کے ذکر سے سانسوں کی شمع کر روشن
تمام عمر رہیں گے دل و نظر روشن

•••

آئینوں کا ایمان ہے سرکارؐ کی سیرت
اک بولتا قرآن ہے سرکارؐ کی سیرت
حافظؔ مجھے گمراہ نہ کر پائے گا شیطان
آگے مرے ہر آن ہے سرکارؐ کی سیرت

•••

سرکارؐ کے کرم کا سورج نکل رہا ہے
سویا ہوا مقدر کروٹ بدل رہا ہے

اپنی بساط کیا ہے حدِ نشاط کیا ہے
انؐ پر سلام پڑھنے یزداں مچل رہا ہے

•••

پیغام نہ ہو کیسے منظور محمدؐ کا
فطرت کے مطابق ہے دستور محمدؐ کا
وہ بات صحابہؓ پھر بھولے سے نہ دہراتے
جس بات سے دل ہوا رنجور محمدؐ کا

•••

جس روز سے نعت آپؐ کی مدحت میں لکھی ہے
چلنے لگا تیزی سے قلم اور زیادہ
بخشش کے لیے حشر میں لازم ہے یہ حافظؔ
توصیفِ محمدؐ ہو رقم اور زیادہ

حافظ کرناٹکی کی ان نعتوں میں نہ صرف بچوں کے لیے بلکہ ہر عمر کے لوگوں کے لیے غور وفکر کو جلا دینے والی باتیں ہیں اور ان میں شاعر موصوف نے اپنا دل کھول کر رکھ دیا ہے اور ایک سچے اور اچھے امتی کی طرح سے اپنی شانِ عاشقِ رسولؐ کو اجاگر کیا ہے۔ حافظ کی یہ نعتیں بچوں میں یقیناً اچھائیاں ہی اچھائیاں پیدا کریں گی اور ان کا مطالعہ کرنے والا ہر بچہ آئندہ کا ایک بہترین انسان بن کر ابھرے گا۔

● محمد علی اثرؔ کی نعت گوئی

نعت گوئی اردو شاعری میں ہر شاعر کی پسندیدہ اور مرغوب صنف رہی ہے۔ نعتیں شاعر اس لیے نہیں کہتا ہے کہ اس کی تحسین کی جائے۔ وہ صرف اسی لیے نعت کہتا ہے کہ اس کے وسیلے سے اسے غضب الٰہی سے نجات ملے اور اس کی دنیا بھی سنورے اور عاقبت بھی۔ اللہ جل وشانہٗ نے صلاۃ وسلام نبی کا حکم بھی دیا ہے اور خود ذاتِ باری تعالیٰ بھی فرشتوں کے ساتھ اس میں ہمہ وقت شریک ہے۔ گویا اس کائنات کا لمحہ لمحہ نعتِ نبی سے مہک رہا ہے۔ ایسی عظیم صنف کو اپنا کر ڈاکٹر محمد علی اثرؔ نے بھی اس مہک کو حروف وصدا عطا کرنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ ان کی حمدوں اور نعتوں میں ایمان وایقان کے سرچشمے پھوٹتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان نعتوں کے واسطے سے ان کے ذہن ودل میں حب رسولؐ اور احترام رسولؐ کے اجالے اترتے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ بڑے احتیاط سے نعتیہ اشعار کے موضوعات کا انتخاب کرتے ہیں جن میں محبت وعقیدت کے ساتھ اجتہادی انداز بدرجہ اتم جگہ پاتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کی ذات مقدس ومنور پر شعر کہتے وقت شاید اعانتِ خداوندی ہی کام کرتی ہوگی تاکہ شاعر نہ بھٹکے۔ ورنہ شاعر میں اتنی استطاعت کہاں کہ وہ حضور پر نور ﷺ کی شان میں خاطر خواہ بات ادا کر سکے۔ اس موقع پر شاعر کا علم ایک حد تک ہی معاون ثابت ہوتا ہے مگر اس کی سعادت بہت کم لوگوں کے حصہ میں آتی ہے۔ محمد علی اثرؔ بہت ہی خوش

قسمت ہیں کہ ان کو قدم قدم پر اعانتِ خداوندی نصیب ہوئی ہے۔ یہی بات ہے جس کا نتیجہ ان کی نعتوں کے مجموعہ ''انوارِ خطِ روشن'' کے نام سے منظرِ عام پر آیا ہے اور خوش نصیبوں کے مطالعہ میں ہے۔

نعتیہ مجموعوں کے آغاز میں حمد باری تعالیٰ کو رکھنا ایک لازمی امر ہے۔ حمد باری تعالیٰ کے بعد ہی ہر کام کا آغاز ہوتا ہے اور اختتامیہ میں نعتِ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو رکھتے ہیں، تاکہ جو بھی کام ہوا ہے، وہ باعث فرحت و باعث قبولیت ہو۔ جب نعت گوئی ہی مقصد کار ہو تو یہ کارِ عبادت قرار پاتا ہے اور حضور پر صلوٰۃ و سلام کہنا حکم خداوندی ہے اور حکم خداوندی کا بجالانا عبادت ہے۔ چلئے ہم محمد علی اثرؔ کی ان عبادتوں کے ڈھنگ پر نظر ڈالتے چلیں۔

ڈاکٹر محمد علی اثرؔ نے اپنے مجموعے کے آغاز میں حمدیہ نظمیں اور حمدیہ ماہیے رکھے ہیں۔ موصوف نے قول ''باخدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار'' پر عمل کرتے ہوئے حمد باری تعالیٰ میں ثناء کی تمام خصوصیات کو والہانہ طور پر اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے اور استدعا و التجا کو ان میں واجبی طور پر برتا ہے۔ حمدیہ ماہیوں میں والہانہ طور پر حمد و التجا کے موضوع مختصراً بیان جو ہوئے ہیں، ان میں بلا کا اثر ہے اور وہ ماہیے چھوٹے چھوٹے شہہ کار ثابت ہوئے ہیں۔

بندہ ہوں ترا مولا
سن لے تو دعا مولیٰ
پار لگا مولا
ادنیٰ ہوں میں اور اعلیٰ تو

رحم ذرا کردے
طوفان میں نیّا ہے
بس تو ہی کھویا ہے
علم یہ کہتا ہے
احقر ہوں میں والا تُو

حمدیہ نظموں کے اشعار میں کچھ اس طرح کے اظہار کو اثرؔ پسند کرتے ہیں۔

افق سے ظاہر اسی کی ہیں رفعتیں کیا کیا ۔۔۔ دھنک میں دیکھئے اس کی ہیں رنگتیں کیا کیا
یہ فاصلے بھی ہیں کیا کیا، یہ قربتیں کیا کیا ۔۔۔ فأینما ہے کہیں اور حدیثِ طور کہیں

حمدیہ ثلاثیاں بھی کہہ کر اثرؔ نے اپنی تخلیقی استطاعت کو پرکھا ہے۔

تیرا مسکن کہاں نہیں مولا ۔۔۔ دور رہتا نہیں تو بندوں سے
تو ہے شہہ رگ سے بھی قریں مولا

اب چلئے اثرؔ کے چند نعتیہ شعروں سے قرآنی عبارت کا آغاز کرتے ہیں۔ محمد اثرؔ نے ابتداہی میں التجائیہ شعر سے اپنی نعتیں پیش کی ہیں۔

نعت کہنے کا سلیقہ ہو عطا   اے مرے آقا محمدؐ مصطفیٰ

ذیل کے شعر کہہ کر اثرؔ آپؐ کے امتی ہونے کا ثبوت پیش کرتے چلے گئے ہیں۔

آپؐ بے شک ہیں حبیبِ کبریا   میں ہوں ادنیٰ ایک خادم آپؐ کا
مدحتِ احمدؐ کا ہے یہ معجزہ   دور تک ہے نور کا اک سلسلہ
نور بھر دیجئے مرے اشعار میں   ہے اثرؔ کی بس یہی اک التجا

محمد علی اثرؔ نے زبان واظہار کی طرف پوری طرح دھیان دیا ہے۔ والہانہ عقیدت کے اظہار کے لیے جو لہجہ لازمی ہے، اس کو پوری طرح محسوس کرتے ہوئے ہی قلم کو عقیدتوں کے سپرد کیا ہے اور ان کا قلم بھی موضوع کے احترام میں من مانی نہیں کرتا۔ محمد علی اثرؔ کے قلم کا والہانہ پن ملاحظہ کیجئے۔

میں ہوں ٹوٹا ہوا سلسلہ یا نبیؐ   رابطہ، رابطہ، رابطہ یا نبیؐ
نعت گوئی کا حق ہم سے کیا ہو ادا   مدح خواں آپؐ کا ہے خدا یا نبیؐ
وقت آخر ہو جب اس گنہ گار کا   ورد ہو لب پہ صلِ علیٰ یا نبیؐ

•••

اللہ کا یہ سب سے بڑا فضل ہے کہ ہم   ہیں دامنِ رسولؐ خدا سے جڑے ہوئے
آقا ہمیں بھی در پہ بلائیں گے ایک روز   اس آس میں ہیں صبر و رضا سے جڑے ہوئے

•••

یا نبیؐ بلا لیجئے اس طرح مدینے کو   زندگی اُدھر گزرے، موت بھی اُدھر آئے
رحمتِ دو عالم سے رحمتوں کا طالب ہوں   اے اثرؔ دعاؤں میں کچھ نہ کچھ اثر آئے

•••

فراقِ عشقِ احمدؐ میں ہوئی ہیں با وضو آنکھیں   الٰہی اب تو دکھلا دے مجھے جلوے محمدؐ کے
ہوئی ہے سر بہ سجدہ فکر بھی دربارِ احمدؐ میں   مرا سرمایۂ علم و ہنر صدقے محمدؐ کے

•••

جب سے نبیؐ کا نام وظیفے میں آگیا   اک بیکراں خلوص وسیلے میں آگیا
ہم پر بڑا کرم ہے یہ پروردگار کا   ذکرِ رسولِ پاکؐ جو ورثے میں آگیا

•••

ورق ورق پہ مرے دل کے نعت ہے تحریر   ہے جسم و جاں میں اجالوں کا سلسلہ روشن

ہے آپؐ کا تو خدا پر ہی مرتبہ روشن ۔۔۔ سمجھ ہے ایسی کہاں ہم جو آپؐ کو سمجھیں
دعا میں ہو نہ اگر انؐ کا واسطہ روشن ۔۔۔ اثر نہ آئے گا ہرگز کبھی دعا میں اثرؔ

مذکورہ اشعار میں لہجہ اور زبان میں اثرؔ کی احتیاط کو پوری طرح محسوس کیا جاسکتا ہے۔ ایسے لگتا ہے کہ انہوں نے یہ شعر جو کہا ہے، وہ پورے نعتیہ کلام پر صادق آتا ہے۔

لکھ رہا ہوں میں نعتِ رسولؐ خدا ۔۔۔ ذہن و دل میں اجالا اترنے لگا

یہ اجالے حق باریٔ تعالیٰ ہی کی دین ہے اور اس میں خود حبیبؐ پاک کی نظرِ عنایت بھی شامل ہے، ورنہ کس میں کیا ایسی استطاعت آسکتی ہے؟ محض فنی کمال دکھانے کا یہ ہرگز مقام نہیں ہے اور ڈاکٹر محمد علی اثرؔ اس کو روا نہیں رکھتے اور روا رکھنا بھی نہیں چاہیے، ورنہ قدرت ہی اس کا فیصلہ کردے گی کہ گھمنڈی کو اس کی سزا مل جائے۔ اللہ کرے کہ محمد علی اثرؔ کا خلوص ان کی عاقبت کا سرمایہ ثابت ہو۔ چلئے چند نعتیہ ماہیوں سے بھی لطف اندوز ہوتے چلیں۔ ڈاکٹر محمد علی اثرؔ نے حمدیہ اور نعتیہ ماہیوں میں ایک ہی وزن پر اکتفا کیا ہے:

مفعول مفاعلین ۔۔۔ فاع مفاعیلن ۔۔۔ مفعول مفاعیلن

ماہیہ تغزل سے بھرپور صنف ہے اور اس کو گیت کار بہت پسند کرتے ہیں۔ ماہیوں میں نعت گوئی بہت سراہنی ہے۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں نعتیں اس میں بہت بھلی لگتی ہیں۔ انہیں ترنم سے اگر پڑھیں تو سننے والوں پر ایک خاص اثر مرتب ہوگا۔ حد درجہ خاموش ماحول میں انہیں ترنم سے پڑھیں تو یقیناً ان کے اثر میں مزید اضافہ ہوسکتا ہے۔

لیجئے آپ بھی ان سے محظوظ ہوتے چلیے۔ ساتھ ہی موصوف کی نعتیں ثلاثی صنف میں بھی ملاحظہ کرتے چلیے۔

وہؐ شافعِ محشر ہیں	شیدائے محمدؐ ہوں	ایمان بنادے گا
پاک نبی میرے	جان مرے صدقے	نام محمدؐ کا
بخشش کا سمندر ہیں	دیوانہ احمد ہوں	انسان بنادے گا
وہؐ دین کے رہبر ہیں	کیا لطف ہو جینے میں	احساس ستاتا ہے
نور کا دریا بھی	جسم یہاں پر ہے	دور مدینے سے
طاہر ہیں، مطہر ہیں	اور جان مدینے میں	جینا کوئی جینا ہے

وہ نور کے پیکر ہیں محبوب خدا بھی ہیں
سرتاپا معطر ہیں

وحشت کا بسیرا تھا اسلام سے پہلے تو
ہر سمت اندھیرا تھا

پہنچادے مجھے مولا اک بار مدینے میں
رہتے ہیں جہاں آقا

غرض ہم محمد علی اثر کی نعت گوئی سے یقیناً بہت متاثر ہوتے ہیں۔ اس کی اہم وجہ ان کی سادگی ہے جس میں پرکاری ہے، ان نعتوں میں عقیدت ہے، محبت ہے، احترام ہے اور سب سے بڑھ کر حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس سے بہ حیثیت امتی اپنی عاقبت کی التجا ہے اور حضور کی شان میں کچھ کہنے کو عبادت کا درجہ دینے کا ذوق ہے۔

● رئیس احمد نعمانی رئیسؔ کی نعت گوئی

رئیس احمد نعمانی علی گڑھ کے ماحول کے پروردہ ہیں جو علمی حیثیت سے عالمگیر شہرت کا حامل ہے۔ ماحول کا اثر رئیسؔ صاحب پر خوب پڑا ہے۔ غالباً آپ کو عربی، فارسی میں بھی اتنا ہی درک حاصل ہے جتنا اردو میں۔ چونکہ راقم الحروف ان سے متعارف نہیں ہے، یہ محض قیاس ہی ہے، اس لیے کہ ان کا ایک قطعہ بزبان فارسی نظر سے گذرا اور اس سے موصوف کی فارسی دانی کا پتہ چلتا ہے۔ وہ قطعہ ہے ؎

تا دریں بزم جہاں تاب بیانم باقی ست | مدحتِ ختم رسلؐ روی زبانم باقی ست
نعمانی کہ نوشتم بہ صحائف ماند | تا قیامت بہ جہاں نام و نشانم باقی ست

اور عربی دانی پر قیاس اس لیے جاتا ہے کہ انہوں نے حضرت کعب بن زبیرؓ کے ایک قصیدہ کا اردو منظوم ترجمہ کیا ہے۔ یہ تاثر جب ذہن میں پیدا ہوتا ہے تو خود بخود شاعر کی طرف دھیان جم جاتا ہے اور تلاش و جستجو شروع ہوتی ہے کہ دیکھیں اردو نعت گوئی میں موصوف کا درجہ کیا ہے۔

رئیسؔ صاحب کی نعتوں میں نعت گوئی کے فن کے تمام اعلیٰ مطالبات کی پذیرائی ہوئی ہے۔ احترام و عقیدت رسولؐ، محبت رسولؐ، خاکساری، التجاء، امید و ایقان اور سب سے بڑھ کر موضوعات میں احتیاط رئیسؔ صاحب کی نعتوں کے عناصر ہیں۔ زبان و اظہار پر پوری گرفت ہے اور کہنہ مشقی کی ان میں نمود ہے۔ کہیں بھی وہ اظہار میں جھول پیدا ہونے نہیں دیتے۔ ان کی نعتوں کے بہت سے اشعار پر صاد

لگائی جاسکتی ہے۔ راقم کے روبرو صرف چند ہی نعتیں ہیں، حالانکہ سنا ہے کہ ان کے دو نعتیہ مجموعے شائع ہو چکے ہیں، اگر ان کی تمام نعتیں نظر کے روبرو ہوتیں تو ان پر سیر حاصل بحث ہو سکتی تھی۔ خیر فی الحال ''نمونے از خروارے'' پر اکتفا کی جاتی ہے۔

قرآنی آیات کی تفسیر کے طور پر رئیسؔ صاحب نے نعت گوئی کو برتا ہے۔ کہیں کہیں ان کی لفظیات میں عربی زبان کی آمیزش ہے اور ایک عام قاری کے لیے اس کی تفہیم کی دقّت پیدا ہو سکتی ہے، مگر یہ طریقہ کار بہت زیادہ نہیں ہے۔

رئیسؔ صاحب نے قرآنی تلمیحات سے جہاں کام لیا ہے، ان پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

نبیؐ کے ذکر سے رفعت مری زبان میں ہے — کہ رفعِ ذکر کی آیت انہیں کی شان میں ہے

حضورؐ قیصرِ نبوت کی خشتِ آخر میں — دلیل اس کی بھی قرآنِ حق بیان میں ہے

اذ هما فی الغار اب تک ثبت ہے قرآن میں — حضرتِ صدیق کی شانِ رفاقت دیکھئے

نبوت آپ کی قرآن سے مبرہن ہے — طلوعِ مہر سے افشائے سحر کی طرح

یہ محض ضرورتِ بیان ہی کا ایک وطیرہ ہے، نہ کہ لازمۂ اظہار ہے۔ اس سے قطع نظر رئیسؔ صاحب نے بڑے والہانہ انداز سے نعتیں کہی ہیں اور ان کی فکر ایک تیز رو آبشار کی طرح جھکولے کھاتی چلی جاتی ہے اور ان کے مطالعہ کے وقت ایک فرحت سی ہوتی ہے۔ وہ قاری کو ہمیشہ اسی جذبۂ فرحت میں مگن رکھنا چاہتے ہیں اور کامیاب بھی ہیں۔ چلئے اس جذبہ میں سمونے والے چند نعتیہ اشعار دیکھتے چلیں۔

ہیں انؐ کے ذکر سے آباد منزلیں دل کی — انہیںؐ کی یاد کو رکھتا ہوں ہم سفر کی طرح

رئیسؔ اہل ہوا، کیا پی کے وہ خوش ہوتے ہیں جانیں
نبیؐ کی یاد میں ہم پی کے زمزم ناز کرتے ہیں

اولینؔ و آخرین کی خوبیاں اک ذات میں — دل کا آئینہ اگر ہو بے کدورت دیکھئے

تمام اہل نظر میرے ساتھ ساتھ چلیں — کہ میرے ساتھ ہیں حق کی امانتوں کے چراغ

نعت گوئی کی کرامت ہے کہ جنت میں رئیسؔ — تحفتاً لے کے فرشتے مراد دیوان گئے

اس طرح کی مسرت و سرشاری میں رئیسؔ مگن رہتے ہیں اور کبھی وہ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کھو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر گہری نظر جمائے رکھتے ہیں اور ہماری آنکھوں کے روبرو بھی اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لبریز صفحات پر نور کھول کر رکھ دیتے ہیں۔ جیسے ہم نعتیں نہیں اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پڑھ رہے ہیں۔ یہ نعتیں نہیں بلکہ اذکارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ان میں ہمیں بھی عبادت کے مواقع مل جاتے ہیں۔ یہ سعادت جو

ہمیں ملتی ہے، اس کے لیے ہم رئیسؔ صاحب کے مشکور رہیں اور آپ کی دونوں جہاں میں خیر و عافیت طلب کرتے ہیں۔ رئیسؔ صاحب اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی میں ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نظارہ کرتے رہتے ہیں اور ان میں شمائل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہیں اور عقائدِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کریم بھی۔

وہؐ نہیں ہیں آج، لیکن انؐ کی سیرت دیکھیے
چشم بینا ہو تو انوار نبوت دیکھیے
مثال ہی نہیں جیسے انؐ کے روئے روشن کی
بتاؤں کیسے میں خورشید یا قمر کی طرح
یہی معراج ہے انسانیت کی راہ ہستی میں
رسولؐ پاک کے نقشِ قدم پیشِ نظر رکھو
ہر نمونہ ہے غلط آپؐ کی سیرت کے سوا
پیروی کے لیے ہے آپؐ کی سیرت سب کچھ
نبیؐ کی نعت کا حق مجھ سے کیا ادا ہو رئیسؔ
جلائے جن کے لیے رب نے رفعتوں کے چراغ
مرے حرف و صوت میں بس رہی ہیں خیال طیبہ کی نکہتیں
کسی گلستاں کی ہے داستاں نہ کسی بہار کی بات ہے
ہیں انؐ کے نام سے روشن عقیدتوں کے چراغ
جلا گئے جو جہاں میں ہدایتوں کے چراغ

رئیسؔ احمد نعمانی کی نعتوں میں ہمارے لیے کئی ایسے پہلو مضمر ملتے ہیں، جن کی ہمیں تلاش ہوتی ہے۔ نعتوں کے موضوعات کی جب بات آئے گی تو اس ذکر میں رئیسؔ صاحب کو بھی لے سکتے ہیں اور انہیں کثیر الموضوع نعت گو شاعر کے طور پر اجاگر کر سکتے ہیں۔

● ارشد میناپوری کی نعت گوئی

نعت مبارک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالمی ادب کی سب سے زیادہ عظیم، مقدس، مفید اور کارآمد صنفِ سخن ہے۔ اردو زبان و ادب میں نعت کا ماضی اور مستقبل بہت منور و معطر رہا ہے اور تا قیامت رہے گا۔

اردو شاعری میں حضور اکرم ﷺ کی مدح کو نعتیہ شاعری کہتے ہیں۔ خود ربّ دو عالم نے سرورِ دو جہاں ﷺ کی تعریف قرآن شریف میں کی ہے اور حضور اکرم ﷺ نے بھی اچھے نعتیہ اشعار پسند فرمائے ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی مدحت کے شاعرانہ اظہار کے لیے حضرت حسانؓ کے احساسات اظہار اور فکری بلندی کے لیے دعا بھی فرمائی۔ نعت میں حضور اقدس ﷺ کی تعریف مقصود ہے، جو ہر اعتبار سے احسن ہے، جس میں شعری اور معنوی حسن اپنے کمال کے حدود کو چھو کر علمی گہرائیوں اور سربلندیوں کی قوس قزح بن جاتی ہے۔

نعت شریف ہر دور میں اپنی مخصوص رعنائی، تر و تازگی، تاب و توانائی اور شادابی کی وجہ سے تابندہ اور درخشاں ہے اور اس کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر موضوع اور سانچے میں اپنے آپ کو ڈھال لیتی ہے اور نعت میں جو وسعت اور بیکرانی ہے وہ اَن مٹ اور لازوال ہے۔

مولانا کوکب نورانی نے ''نعت اور آدابِ نعت'' میں سچ لکھا ہے کہ:

''نعت شریف کا ذکر ہو تو لفظ و بیان، طرز و بیان اور معانی و مفاہیم ہی نہیں، عقائد و نظریات کی بھی بات ازبس لازمی ہے۔ قرآن و حدیث، سنن و آثار، معجزات و غزوات اور سیرت نبی ﷺ کے تذکار ہوتے ہیں۔ (نعت کہے تو) عقیدہ و عقیدت کا اور خیال و حقیقت کا فرق معلوم ہو اور معلومات کی صحیح اور پوری فہم کے ساتھ کہے''۔

حضور اکرم ﷺ کی مدح میں نعت لکھے ہوئے لفظیات کے استعمال میں حد درجہ محتاط ہونا چاہیے۔ سچائی یہ ہے کہ نعت شریف ایسا موضوع نہیں ہے کہ ہر شاعر صرف خامہ فرسائی کے شوق میں کوئی بھی بے ربط موضوع اس میں لکھ دے۔ ہر شاعر کو چاہیے کہ نعت کہتے وقت عقیدت و محبت اور حقائق سے واقفیت لازمی ہے۔ علامہ شبلی نعمانی فرماتے ہیں حضور اکرم ﷺ سے محبت کا پہلا زینہ سچائی ہے۔ سچائی کے بغیر حضور ﷺ سے انسیت میں توانائی ناممکن ہے۔ یہاں سچ لافانی امر ہے۔

راقم کو یہی سچائیاں ارشدؔ میناپوری کے نعتیہ مجموعہ ''رحمۃ للعالمین'' میں ملی ہیں۔ موصوف کی نعتوں کا مطالعہ کرنے کے بعد اتنا احساس ضرور ہوتا ہے کہ ارشدؔ کے دل میں حضور اکرم ﷺ کی جو بے انتہا محبت اور بیکراں عقیدت ہے، وہ نور بن کر ہمارے دل و دماغ پر مسلط ہو جاتی ہے۔ ان کا ذوق اظہار اور قوت اظہار نعت کے جوہر سے روشن ہے۔ ان کا دل ایک سچے مسلمان کا دل ہے اور وہ اعمال اسلامی اور عقائد کے تابع ہیں۔ ان کی نعت سے وابستگی روح کی گہرائیوں کے ساتھ ہے۔

جب سے مجالِ شاہ مدینہ نظر میں ہے
کونین کا وجود سراپا نظر میں ہے

آگہی خدا کی ہے آگہی محمدؐ کی
آشنائے وحدت ہے آشنا محمدؐ کا

نہ راہِ ہدایت سے بھٹکیں گے ہم
ہے کافی محمدؐ کا نقش قدم

کرے کیا بیان وصف خیر الوریٰ
کہ ارشدؔ ہے قاصر زبانِ قلم

دنیا کی آرزو ہے نہ عقبیٰ کی ہے طلب
بس آرزو ہے شافع محشر کو دیکھ لوں

ارشد ایک قادر الکلام شاعر ہیں۔ ان کو تمام اصناف سخن (مثلاً ۳۹ ہیئتوں) پر یکساں قدرت اظہار حاصل ہے۔ اردو کی نعتیہ شاعری میں ''خدا'' (بہ معنی آقا) کا لفظ بہت زیادہ استعمال ہوا ہے۔ حقیقتاً یہ لفظ عربی الاصل نہیں ہے۔ یہ لفظ ایران اور فارسی کے زیرِ اثر رواج پایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی اور مولانا کوکب نورانی نے ''خدا'' کی بجائے ''اللہ'' کے استعمال کو ترجیح دی ہے۔ آج کل ''خداحافظ'' کی بجائے ''اللہ حافظ'' کہنا قابلِ قبول سمجھا جاتا ہے۔

جناب ارشدؔ نے اپنے مجموعہ نعت ''رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم'' کی اکثر نعتوں میں ''خدا'' کا استعمال بہت زیادہ کیا ہے۔ مثال کے طور پر مندرجۂ ذیل اشعار نموناً پیش ہیں۔

آگہی خدا کی ہے آگہی محمدؐ کی
آشنائے وحدت ہے آشنا محمدؐ کا

حکم خدا سے اب کسی طوفاں کا ڈر نہیں
جب تم کو ناخدائے سفینہ بنادیا

ارشدؔ خدا سے ہاتھ اٹھاکر دعا کرو
مل جائے مدعا تمہیں رب الانام سے

مکہ مکرمہ سے آکر بسے ہیں اس میں
حکمِ خدا نبیؐ کا منظور ہے مدینہ

خدا نے سر عرشِ اعظم بلایا، جمال منور کا جلوہ دکھایا
میں قربان اس شانِ رفعت پہ ارشدؔ، محمدؐ کی عزت بڑھائی ہوئی ہے

حضرت ارشدؔ نے اپنی نعتوں میں اخلاص اور محبت کے تمام دریچے کھول کر رکھ دئے ہیں۔ کہیں کہیں ایسا بھی لگتا ہے کہ موصوف نے اپنی زندگی کے رات دن یادِ الٰہی اور یادِ محبوبِ الٰہی میں گذارے ہیں اور انہوں نے نعت میں بڑا وسیع اور وقیع سرمایہ نعتیہ ادب کو دیا ہے، جو ان کی عقیدتوں اور دلی محبتوں کا ماخذ و منبع ہے۔

***

مفتی محمد اسحٰق نازکی (قاسمی)

دار العلوم رحیمیہ، بانڈی پورہ (کشمیر)؛ رابطہ: 8899958510

کشمیر کے سات عربی نعت گو شعراء

احقر نے بکمالِ اختصار اپنے اسلاف میں سے صرف سات حضرات کے حمدیہ و نعتیہ کلام عربی کو یہاں نقل کیا ہے۔ پہلے ہر ایک کا مختصر تعارف کرایا ہے؛ پھر ان کا تخلیقی کلام صحتِ اعراب کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس کے بعد ترتیب کے ساتھ نمبر وار سلیس ترجمہ (آزاد ترجمہ) کیا ہے۔ ہر صاحب کلام کی خدمت میں ایک شعر بطور نذرانہ بھی پیش کیا ہے۔ کہیں کہیں "عرض حقیر" سے بھی آپ حضرات کی خاطر تواضع کی ہے۔ دراصل عربی زبان کی اپنی فصاحت و لطافت ہے، جس سے عربی داں حضرات ہی حظ اٹھا سکتے ہیں مگر اردو میں اس کو منتقل کرنا "کارے دارد" والا معاملہ ہے۔

احقر نے ان کتابوں سے اس مجموعہ کلام عربی کو اخذ کیا ہے:

(۱) ماہنامہ ندائے شاہی مراد آباد کا خصوصی شمارہ نعت النبی ﷺ، مطبوعہ شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ مطابق ستمبر ۲۰۰۴ء۔

(۲) کشمیر میں عربی شعر و ادب کی تاریخ: مولفہ ڈاکٹر سید محمد فاروق بخاری، مطبوعہ ۱۹۹۳ء۔

(۳) مساهمة اهل كشمير فى اللغة العربية والادب العربى (الجزء الاول) اور

(۴) اماثل کشمیر

یہ دونوں کتابیں عربی زبان میں ڈاکٹر محمد مظفر حسین شاہ ندوی کی ہیں، مطبوعہ: ۲۰۰۴ء۔

سامئی مرتبت جناب ڈاکٹر جوہر صاحب قدوسی کے اصرار بلکہ حکم پر یہ مقالہ مرتب کیا گیا ہے، ورنہ

ع من آنم کہ من دانم۔

محتاجِ دعا: محمد اسحٰق نازکی (قاسمی) بانڈی پورہ کشمیر

(۱) علامہ انور شاہ کشمیری نروری مسعودی نعمانیؒ

آپ کی ولادت بتاریخ ۲۷ رشوال المکرم ۱۲۹۲ھ بمطابق ۱۳ رنومبر ۱۸۷۵ء بوقتِ نماز فجر بمقام ذودھون کپواڑہ (کشمیر) ہوئی اور وفات بتاریخ ۳ صفر المظفر ۱۳۵۲ھ بمطابق ۲۸ رمئی

۱۹۳۳ء بمقام دیوبند ہوئی۔ آخری آرامگاہ سرزمین دیوبند کی عیدگاہ سے متصل شاہی قبرستان ہے۔ تعلیم وتربیت کی ابتدا اپنے والد مرحوم حضرت مولانا محمد معظم شاہ صاحبؒ کے یہاں ہوئی۔ کشمیر (زیر نگرانی پاکستان) کے ہزارہ ڈویژن کے ایک مدرسہ میں درجۂ وسطیٰ تک پڑھا، پھر تمام علوم وفنون کی تکمیل دارالعلوم دیوبند میں کی اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب عثمانیؒ سے علم حدیث کی سند فراغت حاصل کی۔ حضرت علامہ کشمیریؒ ذہانت وفطانت اور مختلف علوم وفنون میں علمائے متقدمین کے تو مثیل تھے ہی، مگر ساتھ ہی علمائے متاخرین میں نایاب تھے۔ بقول دانائے راز حضرت علامہ اقبالؒ:

"ادھر عالم اسلام پچھلے پانچ سو سالوں میں مولانا محمد انور شاہ صاحب کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔"

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

یاد رہے یہ شعر دراصل علامہ اقبالؒ نے حضرت علامہ کشمیریؒ کے بارے میں کہا ہے۔
آپ مفسر و محدث کے علاوہ ایک زبردست شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ فارسی اور عربی کے بحر بیکراں اور بے مثال شاعر تھے۔ یہاں شعر گوئی میں صرف آپ کا ایک عربی نعتیہ کلام بطور نمونہ پیش خدمت ہے:

۱) شَفِیعٌ مُطَاعٌ نَبِیٌّ کَرِیْمٌ — قَسِیْمٌ جَسِیْمٌ بَسِیْمٌ وَسِیْمٌ
۲) شَفِیعُ الْاُمَمِ مُطَاعُ الْغَمَامِ — کَرِیْمُ الْکِرَامِ نَبِیُّ الْاَنَامِ
۳) اَصِیْلٌ رَسِیْلٌ کَحِیْلٌ جَمِیْلٌ — صَبِیْحٌ مَلِیْحٌ [illegible] [illegible]
۴) مُفَاضُ الْجَبِیْنِ کَبِیْرٌ مُنِیْرٌ — بِشَفْعٍ [illegible] [illegible] [illegible]
۵) رَسُوْلٌ وَصُوْلٌ وَفِیٌّ حَفِیٌّ — اَمِیْنٌ مَکِیْنٌ عَزِیْزٌ [illegible]
۶) صَدُوْقٌ فَرُوْقٌ فَصِیْحٌ نَصِیْحٌ — عَرُوْفٌ عَطُوْفٌ رَؤُوْفٌ رَحِیْمٌ
۷) شَفِیْقٌ رَفِیْقٌ خَلِیْقٌ طَلِیْقٌ — صَفُوْحٌ نَصُوْحٌ عَفُوٌّ [illegible]
۸) مُجِیْبٌ مُنِیْبٌ نَقِیْبٌ نَجِیْبٌ — حَسِیْبٌ نَسِیْبٌ وَ نُوْرٌ [illegible]
۹) بَشِیْرٌ نَذِیْرٌ سِرَاجٌ مُنِیْرٌ — خَبِیْرٌ بَصِیْرٌ دَلِیْلٌ [illegible]
۱۰) دَلِیْلٌ وَ هَادٍ سَبِیْلَ الرَّشَادِ — وَ خَیْرُ الْعِبَادِ جَمَالُ [illegible]
۱۱) تَقِیٌّ نَقِیٌّ صَفِیٌّ وَفِیٌّ — وَجِیْهٌ نَزِیْهٌ مُبِیْنٌ [illegible]
۱۲) هُدًی مُقْتَدًی مُصْطَفَی الْاَصْفِیَاءِ — صَبُوْرٌ شَکُوْرٌ [illegible] [illegible]

۱۳) وَ مُزَّمِّلٌ ثُمَّ مُدَّثِّرٌ سَعِیْدٌ رَشِیْدٌ خَلِیْلٌ کَلِیْمٌ
۱۴) عَفِیْفٌ حَنِیْفٌ حَبِیْبٌ خَطِیْبٌ هُوَ الْقُدْوَةُ الْاُسْوَةُ الْمُسْتَقِیْمُ
۱۵) نَبِیُّ النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَ طٰهٰ وَ یٰسین فَیْضٌ عَمِیْمٌ
۱۶) نَبِیُّ الْوَرٰی سَیِّدُ الْاَنْبِیَآءِ نَجِیُّ الْاِلٰهِ جَلِیْلٌ فَخِیْمٌ
۱۷) اِمَامُ الْهُدٰی رَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِیْنَ غِیَاثُ الْوَرٰی مُسْتَغَاثُ الْهَضِیْمِ
۱۸) اَحِیْدٌ وَحِیْدٌ مَجِیْدٌ حَمِیْدٌ وَ خَیْرُ الْبَرَایَا بِفَضْلٍ جَسِیْمٍ
۱۹) وَ اَسْرٰی بِهٖ رَبُّهٗ فِی السَّمَآءِ کَنُوْرٍ تَجَلّٰی بِلَیْلٍ بَهِیْمٍ
۲۰) وَ آتَاهُ مَا شَآءَ مِنْ عُلٰی وَ اَوْحٰی اِلَیْهِ بِوَحْیٍ رَقِیْمٍ
۲۱) وَ اَکْرَمَ بِشَانٍ سَنِیٍّ بَهِیٍّ وَ عَزَّ عَزِیْزٌ وَ جَاهٍ قَوِیْمٍ
۲۲) فَیَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَیْهِ مَتٰی فَاحَ طِیْبٌ وَ وَافٰی نَسِیْمٌ
۲۳) وَ اَنْ عَافِنِیْ وَاعْفُنِیْ مِنْ آثَامٍ اِلٰهِیْ بِجَاهِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ

[ندائے شاہی، ص ۲۶۴]

۱۔ آپ ﷺ بروز حشر سفارش کرنے والے ہیں۔ آپ ﷺ کی اطاعت تشریعی احکام میں لازم ہے۔ آپ برگزیدہ پیغمبر اور نہایت ہی بزرگ نبی ہیں۔ بڑے صاحب حسن و جمال، سرو قد اور خوش مزاج ہیں۔ ﷺ

۲۔ قیامت کے دن عمومی شفاعت کرنے والے یعنی صاحب شفاعت کبریٰ ہیں آپ کی سیرت ہر ایک کے لیے واجب الاتباع ہے، بزرگوں میں سب سے زیادہ بزرگ یعنی گروہ انبیاء کی کریم (حاصل و خلاصہ) ہیں اور ساری مخلوقات کے پیغمبر ہیں۔ ﷺ

۳۔ جسد اطہر ریشم کی طرح نرم و نازک مگر فولادی صلاحیت والا ہے۔ حضرت اللہ جل مجدہٗ کے آخری رسول ہیں۔ چشمان مبارک فطری طور پر سرگیں ہیں۔ بڑے صاحب جمال و کمال ہیں۔ بغیر خوشبو لگائے آپ کے خوئے مبارک، روئے مبارک اور موئے مبارک سے مسرت آگیں خوشبو ہر وقت پھوٹتی رہتی تھی۔ ﷺ

۴۔ چودھویں چاند کی طرح آپ ﷺ کی مبارک پیشانی روشن، چمکدار اور کشادہ ہے، انتہائی قیمتی اور روشن موتیوں کی طرح آپ ﷺ کے مبارک دانت تھے، جو تبسم فرمانے کے وقت ظاہر ہوتے تھے۔ ﷺ

۵۔ آپ ﷺ باعظمت رسول، بڑے صاحب جود و کرم، بڑے ہمدرد اور بڑے علم و حلم والے ہیں، بڑے امانت دار، بڑے صاحب مرتبہ، بڑے باعزت اور عظمت شان والے ہیں۔ ﷺ

۶۔ بڑے سچے ہیں کھرے اور کھوٹے کے درمیان فرق بتانے والے، نہایت ہی صاف گو اور پر گو، بڑے خیر خواہ ہر ایک کے لیے، بڑے صاحب عرفان، بڑی شفقت، محبت اور رحم والے ہیں۔ ﷺ

۷۔ آپ ﷺ بڑے ایثار پیشہ، ملنسار، صاحب اخلاق عظیم، خوش رو، پاکیزہ کردار کے مالک، غمگسار، درگذر کرنے والے اور بڑے صاحب تحمل ہیں۔ ﷺ

۸۔ آپ ہر ایک کی سننے والے، خود ہر لمحہ حضرت اللہ جل مجدہٗ کی طرف متوجہ رہنے والے، صاحب سیادت و قیادت، خاندانی شرافت والے اور بڑے عالی حسب و نسب والے ہیں۔ سب سے پہلے آپ ﷺ ہی کو نور نبوت عطا کیا گیا ہے۔ ﷺ

۹۔ آپ ایمان و اعمال صالحہ پر آخرت کی کامیابی کی خوشخبری سنانے والے، کفر و معصیت پر آخرت کے عذاب سے ڈرانے والے ہیں اور تاریک راتوں میں روشن چراغ کی طرح ہیں۔ احوال دنیا و احوال عقبیٰ سے سب سے زیادہ باخبر ہیں۔ بے مثال نبوی اور ایمانی فراست والے ہیں، بہترین رہنما ہیں، جو سفر حیات کے منازل سے سب سے زیادہ واقف کار ہیں۔ ﷺ

۱۰۔ جی ہاں! آپ ﷺ انسانیت کے لیے بہترین خضر راہ ہیں۔ پر پیچ راہوں میں سیدھی راہ بتانے والے ہیں۔ گروہ انبیاء میں بہترین فرد اور ناداروں و بیکسوں کے بڑے مددگار ہیں۔ ﷺ

۱۱۔ بڑے تقویٰ شعار، ہر اعتبار سے ظاہراً و باطناً صاف ستھرے، منتخب بندے اور بڑے صاحب عدل و انصاف ہیں۔ حضرت اللہ جل مجدہٗ کی بارگاہِ بے نیاز میں بڑے صاحب وجاہت اور بلند مقام والے ہیں۔ مضبوط دلائل کی روشنی میں حق کو واضح کرتے ہیں، جن کی ہر بات پُر از حکمت ہے۔ ﷺ

۱۲۔ آپ انسانیت کے لیے بہترین ہادی، پیشوا اور جملہ مرسلین عظام میں سب سے زیادہ برگزیدہ ہیں، بڑے صابر و شاکر یعنی متحمل و قدردان ہیں۔ آخری نبی و رسول ہیں۔ ساری امت کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ کر سیدھی راہوں پر درستگی کے ساتھ لے کر چلانے والے ہیں۔ ﷺ

۱۳۔ آپ ﷺ ہی ہیں جنہیں یَا اَیُّھَا الْمُزمل اور یا ایھا المدثر جیسے کلمات کے ذریعہ ربانی خطاب سے شرف عطا کیا گیا۔ امت کے حق میں از حد متفکر ہیں۔ صاحب سعادت دارین اور

صاحب رشد وہدایت ہیں۔ حضرت اللہ جل مجدہٗ کے محبوب اور واقعۂ معراج میں رُو بہ رُو اور دُو بہ دُو یعنی بلاواسطہ ماسوائے حجاب کبریائی کے رب کریم سے شرف کلام حاصل کرنے والے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم

۱۴۔ آپ از حد پاک دامن، پاک چشم، پاک طینت اور ہر اعتبار سے، جملہ خلائق وعلائق سے ہٹ کر، حضرت اللہ جل مجدہٗ ہی کے پیارے ہیں اور خطیب الانبیاء ہیں کہ واقعۂ معراج میں مسجد اقصیٰ کی محفل انبیاء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی صدر محفل تھے اور صدارتی خطاب آپ ہی کا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا اسوۂ حیات بہترین اسوہ ہے، لہٰذا ہر اعتبار سے ساری انسانیت کے لیے آپ ہی کی سیرت طیبہ واقعی واجب الاتباع ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

۱۵۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں کے بھی نبی اور رسولوں کے بھی رسول ہیں کہ ہر نبی اور ہر رسول اپنے دور میں انسانیت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی بشارت دیتا رہا ہے۔ آپ طٰہٰ بھی ہیں، یٰسین بھی ہیں۔ ان القاب کے حقیقی معنی حضرت اللہ جل مجدہٗ ہی جانے اور ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانیں۔ آپ کا فیضان نبوت ورسالت عام بھی ہے اور تام بھی۔ صلی اللہ علیہ وسلم

۱۶۔ آپ ساری مخلوقات کے نبی ہیں کیونکہ وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کا طغرائے امتیاز آپ ہی کے لیے ہے، تمام انبیائے کرام کے سردار ہیں، خلوت میں حضرت اللہ جل مجدہٗ سے سرگوشی کرنے والے ہیں بلکہ جلوت میں بکمال استحضار مناجی ہیں۔ بڑے باعظمت اور بڑی شان والے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم

۱۷۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت کے پیکر محسوس ہیں اور تمام دنیا جہاں کے لیے سراپا رحمت ہی رحمت ہیں۔ لفظ عالَم کا اطلاق ماسوائے حضرت اللہ جل مجدہٗ ہر چیز پر ہے، لہٰذا لوح وقلم ہو، عرش وکرسی ہو، یہ سب اسی پیکر رحمت سے مستفید ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم

۱۸۔ آپ سیرت وصورت میں، جمال وکمال میں اور نبوی امتیازات میں ساری مخلوق میں یکتا ہیں، صاحب مجد ومقام اور مستحق تعریف وثنا ہیں۔ ساری کائنات میں افضل ترین ہیں اور وَكَانَ فَضْلُ اللهِ عَلَيْكَ عَظِيْماً کے حقیقی مصداق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

۱۹۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردگار نے راتوں رات آپ کو عروج کا اعلیٰ مقام عطا فرمایا کہ روح ازکی جسم اطہر کے ساتھ بحالت کمال بیداری سارے عالم کا سیر کرا کے اپنے دیدار سے آپ کو مشرف فرمایا، مان لو گھپ اندھیری رات میں ایک انتہائی نور چمک رہا ہو، اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر

معراج تھا۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۲۰۔ حضرت اللہ جل مجدہٗ نے اپنے منشا کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلند مراتب عطا کئے ہیں، جن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی شریک و سہیم نہیں ہے اور لوح محفوظ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے تکوینی نظام کے تحت اپنی وحی مبارک سے سرفراز فرمایا۔

۲۱۔ سبحان اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت شان اور ظاہری و باطنی کمالات کے مقامات رفیعہ کے کیا کہنے کیونکہ تمام طرح کی فصاحت و بلاغت اس کے اظہار سے عاجز ہے۔ کیا عزت و اقتدار ہے اور کتنا بلند مقام ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا! ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۲۲۔ لہٰذا اے رب کریم! اے رب مصطفیٰ! آپ خود ہی اپنی شان رحمت کے مناسب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خوب خوب تسلسل کے ساتھ درود و سلام کی رم جھم کی بارش برساتے رہیں، جب تک خوشبو مہکتی رہے، پھوٹتی رہے، پھیلتی رہے اور جب تک بادِ صبا پیام حیات دے کر چلتی رہے۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۲۳۔ اور آخر میں اے ہمارے پروردگار معبود برحق! آپ سے یہی درخواست ہے کہ مجھے اس برگزیدہ نبی کے طفیل میں عافیت دارین عطا فرما اور میرے گناہوں کو اپنے فضل و کرم اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توسل سے معاف فرما۔ آمین۔

[عرض حقیر: اے رب کائنات! اس مقبول دعا کو عاجز راقم السطور اور اس کے متعلقین اور اس گلدستۂ حمد و نعت کو پیش کرنے والوں کے حق میں قبول فرما، کیوں کہ ؏

بر کریم کارہا دشوار نیست
ے یتیمے کہ ناکردہ قرآن درست
کتب خانۂ چند ملت بشست

(۲) حضرت ملّا نازک کشمیریؒ

سرینگر کے محلہ تاشوان میں آپؒ کی ولادت ہوئی مگر سن ولادت کہیں پردۂ خفاء میں ہے؛ تاہم وفات ۱۰۹۷ھ کی ہے؛ البتہ جائے پیدائش ہی جائے وفات ہے۔ آپؒ کی قبر مبارک حضرت شیخ سید محمد بیہقی منطقیؒ کے مزار پرانوار سے متصل ہے۔ بڑے باکمال عالم و عارف تھے۔ آپؒ کی مجلس میں علماء و صلحاء کی ہر وقت بھیڑ رہتی تھی۔ ان کے ساتھ علمی و عرفانی مباحث کا سلسلہ جاری رہتا تھا، فارسی و عربی میں شعر کہا کرتے تھے مگر مرکزی مضمون حمد و نعت ہی کا رہتا تھا۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھُمَا وَارْحَمْھُمَا۔

رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیر پاک و خیال بلند و ذوق لطیف

یہاں آپؒ کا ایک کلام (مناجاتیہ) نقل کیا جاتا ہے۔

(۱)

۱) قَدْ رَأَيْنَا الْيَوْمَ الْحَبِيْبَ لَا تَكُنْ فِيْمَا شَهِدْنَا مِنْ مُّرِيْبٍ
۲) نَحْنُ نَشْرَبُ دَائِمًا خَمْرَ الْوَدُوْدِ لَيْسَ لِلزُّهَّادِ مِنْ هٰذَا نَصِيْبٍ
۳) نَحْنُ نَدْعُوْا حَاضِرًا فِيْ حَضْرَتِكَ يَا دَلِيْلَ الْحَائِرِيْنَ رَبَّ الْمُجِيْبِ
۴) مَاتَ فِيْ بَيْتِكَ غَرِيْبَ نَازُكِيْ يَا رَحِيْمُ اِرْحَمْ لِاَحْوَالِ الْغَرِيْبِ

(۲)

۱) اَنْتَ مَطْلُوْبٌ وَ مَوْجُوْدٌ لَنَا اَنْتَ مَعْبُوْدٌ وَ مَقْصُوْدٌ لَنَا
۲) لَا نَرَىٰ فِي الْكَوْنِ اِلَّا وَجْهَكَ اَنْتَ مَشْهُوْدٌ وَ مَوْجُوْدٌ لَنَا
۳) مَذْهَبُ الزُّهَّادِ مَنْعُوْتٌ لَهُمْ مَشْرَبُ الْعُشَّاقِ مَحْمُوْدٌ لَنَا
۴) اِنْ وَعَدْتُمْ بِاللِّقَاءِ فِي الْاٰخِرَةِ وَهُوَ فِي الْكَوْنَيْنِ مَشْهُوْدٌ لَنَا

(المُساحَمَۃ، ص ۸۶،۸۵)

(۱)

۱۔ یقیناً آج ہم نے اپنے معبودِ برحق محبوب حقیقی حضرت اللہ جل مجدہٗ کے انوار و برکات کا قلبی مشاہدہ کیا ہے، لہٰذا اے مخاطب! تمہیں کسی قسم کے شبہے میں نہیں پڑنا چاہیے جو ہم نے پایا ہے۔

۲۔ کیوں کہ ہم تو ہمیشہ اپنے محبوب برحق کے ساتھ عشق و محبت کی شراب پیتے رہتے ہیں۔ یہ ایسی مئے محبت ہے کہ عام زاہدوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔

۳۔ اے حیران و سرگردان عاشقوں کی رہنمائی کرنے والے مولیٰ! ہم تو آپ کے دربارِ دُربار میں حاضر ہو کر آپ کو پکارتے رہتے ہیں قبولیت کی آس لگائے ہوئے۔

۴۔ مفلس، نادار اور مسافر اجنبی، نازکی [مراد اپنی ذات ہے نہ کہ خاندان؛ نازک کی طرف منسوب ہے اور یائے معروف نسب ذاتی ہے] تمہارے در پہ مرا ہوا پڑا ہے۔ اے بہت رحم والے آقا! اب تو اس لاچار کے حال پر رحم فرما۔

(۲)

۱۔ اے مولائے کریم! ہم آپ کے طالب ہیں۔ ہماری زندگی کا مقصد تیری تلاش ہے۔ آپ اپنی شانِ کبریائی کے ساتھ ہر لمحہ اور ہر جگہ موجود ہیں۔ آپ ہی ہمارے معبود برحق ہیں اور ہر وقت مقصود بھی ہیں۔

۲۔ ہماری نگاہوں کا مرکز و ماویٰ دنیا جہاں میں تیری ذات ہے۔ اپنی شان کے مناسب آپ حاضر و ناظر ہیں۔

۳۔ زاہدوں کا نقطۂ نظر یقیناً ان کے لیے قابل تعریف ہے کہ گناہوں سے بچ کر وہ آپ کی رضا کے طالب ہوتے ہیں مگر ہم عاشقوں کا مسلک و مشرب ہمارے لیے ہر اعتبار سے پسندیدہ ہے۔

۴۔ اگرچہ آپ نے آخرت میں ہم سے کھلے عام زیارت کرانے کا وعدہ کیا ہے تو ٹھیک ہے مگر حق تو یہ ہے کہ دنیا و آخرت میں ہم آپ کے انوار و برکات کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔

[عرضِ حقیر: جنت میں حضرت اللہ جل مجدہٗ کا دیدار ہوگا؛ کسی کا روزانہ صبح و شام، کسی کو ایک بار اور کسی کو ہر ہفتہ۔ یہ الکتاب، السنۃ اور الاجماع سے ثابت شدہ عقیدہ کتب کلام و عقیدہ میں مصرّح ہے]

؎ خُذْ بِلُطْفِكَ يَا اِلٰهِيْ مَنْ لَهٗ زَادٌ قَلِيْلٌ
مُفْلِسٌ بِالصِّدْقِ يَأْتِيْ عِنْدَ بَابِكَ يَا جَلِيْلٌ
ذَنْبُهٗ ذَنْبٌ عَظِيْمٌ فَاغْفِرِ الذَّنْبَ الْعَظِيْم
اِنَّهٗ شَخْصٌ غَرِيْبٌ مُذْنِبٌ عَبْدٌ ذَلِيْلٌ

(۳) حضرت ملا طیب نقشبندی کشمیریؒ

آپ حضرت ملا نازک کشمیریؒ کے معاصر اور جنیدِ دوران حضرت غازی نصیب الدین بابا صاحبؒ [وفات ۱۰۴۷ھ] کے مُرید باختصاص تھے۔ سن ولادت ابھی تک پردۂ خفاء میں ہے، البتہ سن وفات ۱۴ر ماہِ ذی الحجہ ۱۰۸۶ھ ہے۔ علم و عمل و عرفان کی فضاؤں میں برق رفتار تھے۔ آخر عمر مبارک میں جذب و کیف اور عشق و وفا کی سرمستی چھائی رہتی تھی اور بادۂ مئے عرفان کا سکر ہر وقت رہتا تھا۔ کبھی کبھی اسی حال میں فارسی و عربی اشعار حمدیہ و نعتیہ بھی ارشاد فرماتے تھے۔ تخلص طیب تھا۔ یقیناً ظاہراً و باطناً اسی تخلص کے ساتھ متخلص تھے۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھُمْ وَارْحَمْھُمْ۔

؎ اک آسمان ہی پہ موقوف نہیں ہے
اس زمین پر بھی چاند ستارے ہیں

یہاں آپ کا ایک مناجاتیہ اور ایک نعتیہ کلام نقل کیا جاتا ہے ۔

۱) لَقَدْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ ضُرٌّ عَجِیْبُ — مَرِیْضٌ سَقِیْمٌ فَاَیْنَ الطَّبِیْبُ
۲) ذَلُوْلٌ مَلُوْلٌ نَحِیْفٌ ضَعِیْفٌ — فَقِیْرٌ حَقِیْرٌ ذَلِیْلٌ غَرِیْبُ
۳) اَلَا فَادْفَعْ عَنِّیْ کُلَّ هَمٍّ وَّ غَمٍّ — اَلَا اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُجِیْبُ
۴) اِلٰهِیْ غَفُوْرٌ شَکُوْرٌ وَدُوْدٌ — رَؤُوْفٌ رَحِیْمٌ حَفِیْظٌ رَقِیْبُ
۵) اَجِبْ دَعْوَتِیْ اِحْتَقِرْ حَوْبَتِیْ — اَطِبْنِیْ بِعَیْشٍ رَضِیٍّ رَحِیْبُ
۶) رَکِبْتُ الْخَطَایَا وَ ذَنْبِیْ عَظِیْمُ — وَاَرْجُوْكَ اِدْخَالَ دَارِ الْمُنِیْبُ
۷) اگر فعلِ طیّب همیں است لیك — فَقُوْلُ لَهٗ طَیِّبٌ مُسْتَطِیْبُ

••••••

۱) اَوَلَمْ یَکْفِنَا مِنَ الْبُرْهَانِ — لِیْ مَعَ اللهِ یَا رَسُوْلَ اللهِ
۲) قَدْ اَبَانَ الْاِلٰهُ مِنْ مَجْدِكَ — قَوْلُ لَوْ لَاهُ یَا رَسُوْلَ اللهِ
۳) اِنْ نَرُمْ نَاعِتًا لِاَوْصَافِكَ — حَسْبُنَا اللهُ یَا رَسُوْلَ اللهِ
۴) اَنْتَ مَنْ اَعْجَزَ الْوَرٰی کُلَّهٗ — کُنْهُ مَعْنَاهُ یَا رَسُوْلَ اللهِ
۵) اِنَّمَا اَنْتَ رَحْمَةٌ فُهَدَاةٌ — نِعْمَةُ اللهِ یَا رَسُوْلَ اللهِ
۶) لَا یَخَفْ خَائِفاً مِنَ الْاَهْوَالِ — صِرْتَ مَلْجَاهُ یَا رَسُوْلَ اللهِ

(المُساحَمَةُ، ص ۱۹۸)

۱۔ یقیناً مجھے عجیب وغریب بیماری لاحق ہوئی ہے جو میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ ایک بیمار ہوں یعنی مریض عشق ودوفا ہوں۔ آپ کے سوا میرے اس مرض کا کوئی معالج نہیں ہوسکتا۔

۲۔ میں تو بس نحیف ونزار ہوں، غم زدہ، پریشاں حال اور کمزور ہوں۔ ایک غریب، بے نوا، بے سہارا، اجنبی اور بے قیمت مسافر ہوں۔

۳۔ لہٰذا اے مولائے کریم! مجھ سے ہر طرح کے غم وہم کو اور ہر طرح کی پریشانی کو دور فرما۔ اے مخاطب! آپ خبردار رہیں! میرا رب مجھ سے بہت ہی قریب ہے، میری مضطربانہ دعاؤں کو خوب قبول کرنے والا ہے۔

۴۔ اے اللہ! آپ تو خوب بخشنے والے، اپنے بندوں کے قدرداں اور ان کے ساتھ بڑی محبت کرنے والے ہیں، بڑے شفیق ورفیق، بڑے رحیم، کریم اور نگہبان ومحافظ ہیں۔

۵۔ میری عاجزانہ پکار کو سن لے اور میری خطاؤں سے درگذر فرما، مجھے خوشحال زندگی اور کشادگی و وسعت سے نواز دے۔

۶۔ یقیناً میں نے ساری زندگی کا سفر گناہوں کے بوجھ تلے طے کیا ہے، اب عمر کے اس مرحلے میں پہونچ کر آپ سے توبہ وانابت کے مقام پر جگہ پانے کی امید رکھتا ہوں۔

۷۔ اگرچہ میرے اعمال ایسے ہی ہیں یعنی خوف ہے اپنے گناہوں کا۔ امید ہے آپ کی رحمت کی مگر۔ اس کا کلام تو میٹھا اور خوش کن ہے تو اس کلام ہی کو سند قبول فرما اور مجھے خوش کر دے۔

[عرض حقیر: ایمان امید اور خوف کے درمیان ہے، لہٰذا نا امید نہ ہو رحمت الٰہی سے اور نڈر نہ ہو گناہوں کا ارتکاب کر کے۔ ندامت بھی ہو اور عمل بھی، نیز آس بھی ہو مگر یاس نہ ہو۔]

اے اللہ کے رسول! [صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم]

۱۔ کیا ہمارے لیے یہ دلیل کافی نہیں ہے کہ آپ نے خود اپنا مقام یوں فرمایا ہے کہ حضرت اللہ جل مجدہٗ کے ساتھ میری ایسی قربت ہے جہاں کسی کی ممکن ہی نہیں ہے۔

۲۔ یقیناً حضرت اللہ جل مجدہٗ ہی نے آپ کی عظمت شان کو یوں اجاگر کیا ہے کہ اگر آپ کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو میں کائنات کو وجود بھی نہ بخشتا۔

۳۔ اگر ہم آپ کے کمالات علمیہ وعرفانیہ اور اوصاف ذاتیہ کو بیان کرنا چاہیں تو ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ خود حضرت اللہ جل مجدہٗ کی آپ کے حق میں ثنا خوانی ہم سبھوں کے لیے کافی ہے۔

۴۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حقیقت ذاتیہ وکمالات عالیہ کے اظہار سے ساری مخلوق عاجز و بے بس ہے۔

۵۔ یقیناً آپ تو سراپا رحمتِ الٰہی کے پیکر محسوس ہیں؛ حضرت اللہ جل مجدہٗ کی سب سے عظیم نعمت اور عنایت آپ کی ذات والاصفات ہے۔

۶۔ وہ شخص کیسے آخرت کے ہولناک مناظر اور حالات سے ڈرے گا، جس کے لیے آپؐ پناہ گاہ اور ٹھکانہ ہوں۔

[عرض حقیر: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت ورسالت کی مثال شمس (آفتاب) سے اس لیے دی ہے کہ آفتاب بالذات والاستقلال نور ہے اور جملہ انبیائے کرام ومرسلین عظام [علیہم السلام] کی نبوت و رسالت کی مثال قمر [ماہتاب] سے اس لیے دی گئی کہ ماہتاب بالعرض والتبع نور ہے یعنی نور القمر مستفاد من نور الشمس کہ چاند کی روشنی سورج ہی سے مستفاد ہے]۔

اَنْتَ شَافِیْ اَنْتَ کَافِیْ فِیْ مُھِمَّاتِ الْاُمُوْرِ /// اَنْتَ حَسْبِیْ اَنْتَ رَبِّیْ اَنْتَ بِیْ نِعْمَ الْوَکِیْل

(۴) حضرت شیخ میر سید عبداللہ بیہقیؒ

آپؒ عربی اور فارسی کے بہترین عالم ربانی، ایک بڑے شاعر و ادیب اور فقیہ تھے۔ آپؒ کی ولادت ۱۱۶۳ھ میں ہوئی۔ اپنے والد بزرگوار حضرت شیخ میر سید عبدالرشید صاحبؒ سے علوم ظاہری (شریعت) اور علوم باطنی (سلوک وطریقت) کی تکمیل صرف بیس سال کی عمر میں کی تھی۔ پھر ساری زندگی دعوت وتبلیغ اور اصلاح وارشاد میں گذاری۔ کئی درجن کتابوں کے مصنف بھی تھے، جو سب کی سب فقہ ظاہری اور فقہ باطنی میں ہیں۔

محرم الحرام ۱۲۲۶ھ بروز اتوار انتقال فرمایا۔ کت کول نامی دریا کے کنارے محو استراحت ہیں، جہاں آپؒ کی رہائش بھی تھی۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھُمَا وَارْحَمْھُمَا۔

ے آغوش صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے
وہ قطرۂ نیساں کبھی بنتا نہیں گہر

یہاں آپؒ کا ایک حمدیہ اور ایک نعتیہ کلام نقل کیا جاتا ہے۔

۱) بِسْمِ الرَّزَّاقِ وَ اِلٰہِ الْکَرِیْمِ — فَھُوَ رَحْمٰنٌ وَ رَحِیْمٌ وَالْقَدِیْمُ
۲) نَحْمُدُہٗ حَمْداً لِرَبِّ الْعَالَمِیْنَ — کُلَّ یَوْمٍ کُلَّ لَیلٍ کُلَّ حِیْنٍ
۳) فَھُوَ مَوْجُوْدٌ مَعْبُوْدٌ خَبِیْرٌ — وَھُوَ مَسْجُوْدٌ عَلٰی کُلَّ قَدِیْرٌ
۴) فَھُوَ کَانَ غَیْرُہٗ اِذْ لَمْ یَکُنْ — اَظْھَرَ الْاَشْیَآءَ ھُوَ مِنْ اَمْرِکُنْ
۵) اَمَرَ الْاِنْسَانَ مِنْ شَرْعٍ قَوِیْمٍ — اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ فِیْ طَرِیْقٍ مُسْتَقِیْمٍ
۶) اَلَّذِیْ بَعَثَ النَّبِیَّ الْمُصْطَفٰی — ھَادٍ ذُوا الرَّحْمَۃِ لِلْوَرٰی

•••••••

۱) بِسْمِ الْکَرِیْمِ لَاَبْتَدِیْ بِالشَّوْقِ فِیْ نَعْتِ النَّبِیِّ
۲) اَلْحَمْدُ مِنَّا دَائِماً لِلّٰہِ خَالِقِ السَّمَآءِ
۳) اَلنَّعْتُ لِلنَّبِیِّ الْمُصْطَفٰی سَلِّمْ عَلَیْہِ رَبَّنَا
۴) لَاحَ الْخَلِیْلُ الْمُقْتَدٰی کَالشَّمْسِ فِیْ اُفُقِ السَّمَآ
۵) نَجْمُ الرُّسُلِ مِنْہُ اِخْتَفٰی سَلِّمْ عَلَیْہِ رَبَّنَا
۶) ھُوَ عَیْنُ الْعَالَمِیْنَ یٰسٓ خَتْمُ الْمُرْسَلِیْنَ

۷) طٰہٰ شَفِیْعُ الْمُذْنِبِیْنَ سَلِّمْ عَلَیْہِ رَبَّنَا
۸) اَصْلُ الْخَلَائِقِ خِلْقَةً خَیْرُ الْمَلَائِكِ رِفْعَةً
۹) كُلَّ الْمَعَالِیْ قَدْ عَبَرْ مَا رُدَّ قَطُّ ذُوالْوَطَرْ
۱۰) اِذْ كَانَ آدَمُ فِی الْعَدَمِ سَلِّمْ عَلَیْہِ رَبَّنَا
۱۱) وَ مِنَ الثَّرٰی لَیْلاً سَرٰی فَوْقَ السَّمَاوَاتِ الْعُلٰی
۱۲) كُلُّ الرُّسُلُ لَہٗ اِقْتَدٰی سَلِّمْ عَلَیْہِ رَبَّنَا
۱۳) اَقْوٰی الْوَسِیْلَةِ هِیَ لَنَا سَلِّمْ عَلَیْہِ رَبَّنَا
۱۴) اِشْفَعْ لَنَا یَا مُجْتَبٰی سَلِّمْ عَلَیْہِ رَبَّنَا

(المُساهَمَةُ، ص ۲۸۴)

۱۔ رزق دہندہ معبود برحق خدائے بزرگ کے نام سے اپنا کلام شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان، نہایت رحم والا اور ذات وصفات کے اعتبار سے قدیم ہے۔

۲۔ ہم اس رب العالمین کی بے شمار حمد وثنا کرتے ہیں، ہر دن وہر رات اور ہر لمحہ۔

۳۔ وہ ذات والا صفات اپنی شان کے مطابق ہر جگہ ہر وقت موجود ہے، وہی لائق عبادت ہے، ہر ذرے ذرے کی بخوبی واقفیت رکھنے والا ہے۔ وہ اپنی صفت علم وقدرت کے اعتبار سے ہر چیز پر قادر مطلق ہے۔ وہی ہمارے سجود نیاز کے لائق ذات ہے۔

۴۔ وہ تب تھا، جب کوئی نہیں تھا؛ یعنی ازلی وابدلی اور سرمدی ذات اور صفات کا مالک ہے؛ اپنی تکوینی شان سے کائنات کی تخلیق کی۔

۵۔ اپنے بندوں کو درست اور صحیح شریعت کا پابند بنایا مضبوط واسطوں سے: قرآن کریم کو نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا۔

۶۔ جس کی ذات والاصفات نے برگزیدہ نبی کو انسانیت کی صحیح رہبری کے لیے بھیجا، جو ساری انسانیت کے لیے سراپا رحمت ہی رحمت ہے۔

•••••••

۱۔ کریم آقا کے نام سے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف اپنے شوق کے ساتھ شروع کرتا ہوں۔

۲۔ سب سے پہلے حمد وثنا ہمیشہ ہمیشہ اس معبود برحق کے لیے ہے جو بلند اور مضبوط آسمانوں کے بنانے والے ہیں۔

۳۔ پھر تعریف وتوصیف کے سزاوار حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔اے ہمارے رب آپ ان پر بارانِ رحمت نازل فرما۔

۴۔ رب کے پیارے اور لاڈلے، انسانیت کے پیشوا، نبوت ورسالت کے آسمان میں درخشاں آفتاب کی طرح ظاہر ہوئے اور چمکے۔

۵۔ تمام انبیائے کرام ومرسلین عظام [علیہم السلام] جیسے روشن ستارے آفتاب نبوت کے طلوع سے چھپ گئے، کیونکہ آفتاب ہی سے ستاروں کی روشنی ہے۔اے ہمارے رب آپ ان پر بارانِ رحمت نازل فرما۔

۶۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ساری کائنات کا خلاصہ وحاصل ہیں۔آپ کا لقب جہاں یٰسین ہے، وہاں آپ کا مقام ختم رسالت بھی ہے۔

۷۔ اسی طرح آپ جہاں طٰہٰ کے لقب سے ملقب ہیں، وہاں آپ کا منصب شفیع المذنبین ہونا بھی ہے۔ اے ہمارے رب! آپ ان پر باران رحمت نازل فرما۔

۸۔ ساری کائنات کی تخلیق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنیاد اور اساس ہیں۔تمام ملائکہ مقربین میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام سب سے اونچا ہے۔

۹۔ آپ تمام علمی وعرفانی کمالات کو عبور کر چکے ہیں؛ کبھی بھی کسی بھی ضرورت مند کو آپ کے دربارِ دُربار سے خالی ہاتھ واپس نہیں کیا گیا ہے۔

۱۰۔ سیدنا وابونا حضرت آدم (علیہ السلام) تب تک پردۂ عدم میں تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نورِ نبوت و ضیائے رسالت سے سرفراز کیا گیا۔اے ہمارے رب آپ ان پر بارانِ رحمت نازل فرما۔

۱۱۔ ایک ہی رات میں زمین سے آسمان تک کا، فرش سے عرش تک کا سفر بحالت بیداری طے فرمایا؛ بلند آسمان سے بھی یعنی کہیں اوپر۔

۱۲۔ ہر نبی و ہر رسول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقتدی ہے۔کیا شان امامت ہے کہ جملہ انبیاء ورسل مقتدی ٹھہرے ہیں۔اے ہمارے رب آپ ان پر بارانِ رحمت نازل فرما۔

۱۳ / ۱۴ بروز حشر ہمارے لیے سب سے مضبوط وسیلۂ نجات آپ ہی کی ذات والا صفات ہے۔لہٰذا اے اللہ کے برگزیدہ وچنندہ ترین نبی قیامت کے دن آپ ہماری سفارش فرمائیں۔اے ہمارے رب آپ ان پر بارانِ رحمت نازل فرما۔

(۵) میر سید سیف الدین تارہ بلی منطقی بیہقی حسینیؒ

آپؒ حسینی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ اجداد میں ایک عظیم علمی شخصیت حضرت شیخ میر سید حسن منطقیؒ نامی گذری ہے، جو فن منطق کے بڑے ماہر تھے۔ اسی نسبت سے یہ خاندان سادات منطقی سے متعارف ہے۔ شاہمیری دور حکومت ان کے اجداد حضرت شیخ میر سید محمد ہمدانیؒ ولد حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانیؒ کے قافلے کے ساتھ صوبہ خراسان کے شہر بیہق سے وارد کشمیر ہوئے تھے۔ اسی لیے بیہقی کہلائے گئے۔

آپؒ کے والد صاحب کا نام حضرت شیخ میر سید فضل اللہ ولد حضرت شیخ میر سید نصر اللہ تھا۔ بہت بڑے عالم ربانی تھے۔ عربی، فارسی اور کشمیری زبانوں کے کہنہ مشق اور پُر گو شاعر و ادیب تھے۔ تزکیہ و سلوک کے منازل حضرت شیخ احمد تارہ بلیؒ کے یہاں طے کئے تھے۔ ماضی قریب کی مشہور شخصیت یعنی جناب غلام محمد تارہ بلیؒ اسی خاندان کا گل سر سبد تھی۔

مزید حصول علم و عرفان کے لیے لدھیانہ (پنجاب) تشریف لے گئے تھے مگر بقضائے الٰہی اسی دوران یہاں ہی ۱۲۹۰ھ میں وفات پائی۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھُمْ وَارْحَمْھُمْ۔

؎ تیرے میکدے میں کمی ہے کیا جو کمی ہے ذوق طلب میں
جو ہوں پینے والے تو آج بھی وہی بادہ ہے وہی جام ہے

یہاں آپؒ کے منظوم مناجات مع نعتیہ کلام درج کیا جاتا ہے۔

۱) کَرِیْمِیْ تَنْصُرِ الْمُسْتَنْصِرِیْنَا — رَحِیْمِیْ تَغْفِرِ الْمُسْتَغْفِرِیْنَا
۲) لَکَ الْاِمْقَالُ وَالْاِکْرَامُ وَالْبِرُّ — لَکَ الْاِحْسَانُ وَالْاِنْعَامُ فَاغْفِرْ
۳) غَفُوْرُ التَّأْیِبِیْنَ اِغْفِرْ ذُنُوْبِیْ — وَ عَنِّیْ بِالنَّدَمِ فَرِّجْ کُرُوْبِیْ
۴) اَجِرْنَا یَا مُجِیْرَ الْمُسْتَجِیْرِیْنَا — وَ خِرْتَا یَا نَصِیْرَ الْمُقْخِیْرِیْنَا
۵) تَفَضَّلْ یَا وَحِیْدًا بِالتَّعَزُّزِ — کَرِیْمَ الصَّفْحِ یَا حُسْنَ التَّجَاوُزِ
۶) تَرَحَّمْ یَا دَلِیْلَ الْحَائِرِیْنَا — کَرَّمْ یَا کَفِیْلَ الْفَاتِرِیْنَا
۷) تَقَبَّلْ بِالتَّوَلِّیْ طَیِّبَاتِیْ — وَ بِالْاَحْسَانِ کَفِّرْ سَیِّئَاتِیْ

••••••

۱) حَبِیْبِیْ اَبْطَحِیٌّ یَثْرِبِیٌّ قُرَیْشِیٌّ بَنُوْ هَاشِمِیٌّ

۲) تِہَامِیٌّ حِجَازِیٌّ وَفِیٌّ فَصِیحُ النُّطقِ حَفِیٌّ

۳) نَبِیٌّ نَوَّرَ الدُّنیَا فَحَیَّاہُ صَفِیٌّ عَطَّرَ الاَکوَانَ فَرَیَّاہُ

۴) اِمَامُ الاَنبِیَاءِ وَالاَتقِیَا هُمَامُ الاَصفِیَاءِ وَالاَولِیَا

۵) رَسُولٌ سَابِقٌ لِلخَلقِ نُورُہٗ وَصُولٌ رَحمَۃٌ عُظمیٰ ظُهُورُہٗ

۶) خَلِیلُ اللہِ تَعظِیماً وَ قَدرًا دَلِیلُ اللہِ تَکرِیماً وَ صَدرًا

(المساهمة ص۲۸۰)

۱۔ اے کریم آقا! طالبین مدد ومحتاج وامداد کی نصرت آپ ہی تو فرماتے ہیں۔ اے رحیم مولیٰ! طالبین مغفرت کی مغفرت بھی آپ ہی تو فرماتے ہیں، لہٰذا ہماری نصرت اور مغفرت فرما۔

۲۔ تمام طرح کے فضل وکرم نیز اچھائی آپ ہی کے لیے ثابت ہیں؛ اسی طرح تمام طرح کا من و احسان اور انعام واکرام آپ ہی کی طرف سے ہے، لہٰذا ہماری مغفرت فرما۔

۳۔ بصدقِ دل توبہ کرنے والوں کو آپ بہت ہی زیادہ معاف کرنے والے ہیں، لہٰذا میرے گناہوں کو معاف فرما اور آثار ندامت میرے دل میں انڈیل دے، میرے غم وہم کو مجھ سے دور کر دے۔

۴۔ اے پناہ ڈھونڈنے والوں کو پناہ دینے والے! ہمیں اپنی پناہ میں لے؛ اے خیر کے طلبگاروں کے مددگار مولیٰ! ہمارے ساتھ خیر کا معاملہ فرما۔

۵۔ آپ ہر اعتبار سے وحدت [ذاتی ووصفی وفعلی] کے ساتھ صاحب عزت وجاہ ہیں؛ ہم پر اپنا فضل فرما۔ اے بہترین انداز میں عفوودرگذر کرنے والے کریم آقا! عفوودرگذر کا معاملہ فرما۔

۶۔ اے مولیٰ! آپ اِدھر اُدھر بھٹکنے والے کو راہ دکھلانے والے ہیں؛ رحم فرما سیدھی راہ دکھلا کر۔ اے کمزوروں کی سرپرستی کرنے والے آقا! اپنے کرم کا سایہ عطا فرما۔

۷۔ اپنی نصرت وحمایت اور محبت کے طفیل میری نیکیوں کو، اگر ہوں، قبول فرما اور محض اپنے لطف وکرم سے میرے گناہوں کو مٹا دے۔

••••••

۱۔ میرے محبوب [حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم] جو مکہ اور مدینہ کے رہنے والے ہیں، وہ قریشی خاندان اور ہاشمی خانوادہ کے گل سرسبد ہیں۔

۲۔ صحرائے عرب کے میر کارواں حجازی ہیں، حقوق اللہ وحقوق العباد کو ادا کرنے والے، جن کی سخن دانی پر فصاحت ناز کرتی ہے، وحی کے ذریعہ جملہ احوال دنیا واحوال عُقبیٰ سے باخبر ہیں۔

۳۔ ایسے برگزیدہ نبی جنہوں نے ساری دنیا کو انوار و برکات سے بھر دیا یعنی دنیا والوں کو پیام حیات دیا ہے؛ ایسے پاکیزہ کردار و عادت والے ہیں جنہوں نے ساری کائنات کو اخلاق حسنہ کے عطر سے معطر کر دیا ہے؛ اس طرح اس کو بھرپور روحانی سیرابی عطا کی۔

۴۔ تمام نبیوں اور متقیوں کے پیشوا ہیں، برگزیدہ حضرات اور اولیائے کرام کے باکمال مقتدا ہیں۔

۵۔ ایسے عظیم المرتبت رسول ہیں جن کے نور نبوت کو پہلے پیدا کیا گیا؛ جنہیں منصب رسالت سب سے پہلے عطا کیا گیا، جن کی بعثت بندوں کو حضرت اللہ جل مجدہٗ کی عظیم رحمتوں کے ساتھ جوڑنے والی ہے۔

۶۔ حضرت اللہ جل مجدہ کے خلیل ہیں؛ یہ مقام خلعت عظمت و منزلت میں سب سے اونچا مقام ہے۔ حضرت اللہ جل مجدہٗ کے آپ آخری خضر راہ ہیں۔ یہ کرامت و صدارت میں آپ کے مقام رفیع کی نشانی ہے۔

[عرض حقیر: خاتمیتِ ذاتی و زمانی اور امکانی و مرتبتی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت شدہ، داخل حقیقتِ محمدیہ و شامل ماہیئتِ احمدیہ ہمارا عقیدہ مثل عقیدۂ توحید ذاتی و صفاتی ہے]

؎	امامِ	رُسل،	پیشوائے	سبیل
	امینِ	خدا،	مَہبطِ	جبرئیلؑ

(۶) مولانا محمد امین صاحب واجدیؒ

خوش مزاج، خوش پوش، خوش خوراک اور علم میں گہرائی نیز مزاج میں انکساری.... یہ خصوصی اوصاف واجدی صاحب مرحوم میں بدرجۂ اتم موجود تھے۔ آپؒ ایک جید عالم دین، ایک متدین تاجر، ایک ماہر خطاط، ایک کامیاب نثر نگار اور عربی زبان کے ادیب و شاعر تھے۔ حضرت مولانا سید محمد قاسم شاہ صاحب بخاری کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ اسی نسبت اور ان ہی اوصاف کی بنا پر کشمیر کے چند علمائے کرام نے آپؒ کو ''جمعیت علمائے اسلام'' (مرحوم) کے لیے بحیثیت جنرل سیکرٹری منتخب کیا تھا۔

آپ کی ولادت ۲۷ رشوال المکرم ۱۳۵۹ھ بمقام راجوری کدل شہر خاص سرینگر میں ہوئی تھی۔ والد صاحب کا نام غلام محمد تھا جو علاقے کے مشہور اور متدین تاجر تھے۔ آپ اپنے والد مرحوم کے اکلوتے بیٹے یعنی ''در یتیم'' تھے۔

مولوی فاضل، منشی فاضل (بزبان فارسی)، مولوی عالم اور مولوی جیسی ڈگریاں مختلف جامعات سے حاصل کئے ہوئے تھے۔ کشمیر یونیورسٹی سے تمغۂ امتیاز حاصل کیا تھا۔

حضرت مولانا شریف الدین ترالی مجددی نقشبندیؒ، حضرت ڈاکٹر محمد رمضان اویسیؒ اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب میر واعظؒ سے تزکیہ وسلوک کی تعلیم وتربیت پائی تھی۔

؎ خداوندا مقصود من توئی و رضائے تو

مرا محبت و معرفت ذوق و شوق خود بده

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَھُمْ وَارْحَمْھُمْ۔

یہاں آپؒ کا ایک مختصر نعتیہ کلام نقل کیا جاتا ہے۔

۱) طَلَعَتْ عَلَی الْاٰفَاقِ شَمْسُ مُحَمَّدٍ — دَامَتْ ھُدیٰ اَنْوَارُھَا لَا تَغْرَبُ

۲) شَمْسُ الرِّسَالَةِ اِخْتَفَتْ بِحِجَابِھَا — وَ مُحَمَّدٌ شَمْسُ الْھُدیٰ لَا تَغْرُبُ

۳) اَفَلَتْ شُمُوْسُ نُبُوَّةٍ وَ نَبِیُّنَا — شَمْسٌ عَلیٰ اُفُقِ الْعُلیٰ لَا تَغْرَبُ

۴) شَمْسٌ تَجَلّٰی قَبْلَ اٰدَمَ نُوْرُھَا — طَلَعَتْ عَلیٰ اُفُقِ الدُّنیٰ لَا تَغْرَبُ

۵) شَمْسٌ تَحَجَّبَتِ الشُّمُوْسُ بِطَلْعِھَا — اَبَدًا عَلَیٰ اُفُقِ الْعُلیٰ لَا تَغْرَبُ

۶) شَمْسٌ تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ بِشَمْسِنَا — طَلَعَتْ عَلَی اُفُقِ الْعُلیٰ لَا تَغْرَبُ

۷) شَمْسٌ تَبَدَّتْ فِی الزَّمَانِ لِوَقْتِھَا — اَفَلَتْ وَ شَمْسُ مُحَمَّدٍ لَا تَغْرَبُ

[اماثل کشمیر، ص۴۶۶]

۱۔ ساری دنیا کے اطراف واکناف میں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آفتاب (نبوت ورسالت) طلوع ہوا۔ یہ ایسا آفتابِ جہاں تاب ہے، جس کے انوار وبرکات کبھی غروب آشنا نہیں ہوسکتے ہیں۔ یہ آفتاب ہدایت ہے۔

۲۔ دنیا جہاں کا یہ آفتاب افق کے کناروں میں کہیں جا کر جا چھپتا ہے مگر حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہدایت والا آفتاب کبھی غروب نہیں ہوسکتا۔

۳۔ تمام انبیائے کرام (علیہم السلام) کی تعلیمات پر مبنی روشن آفتاب تو غروب ہو گئے ہیں، مگر ہمارے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر مبنی یہ آفتاب غروب آشنا نہیں ہوسکتا۔

۴۔ یہ ایسا آفتاب نبوت ہے جس کی روشنی سیدنا وابونا حضرت آدم (علیہ السلام) کی جسمانی تخلیق سے بہت پہلے پھیلی ہے [یعنی عطائے نبوت سب سے مقدم مگر بعثت وظہور میں سب سے مؤخر] جو آفاق وانفس کے کناروں پر طلوع ہوا، اب غروب نہیں ہوسکتا۔

۵۔ ایک ایسا آفتاب جس کے طلوع ہونے سے تمام جہاں کے آفتاب اوٹ میں چلے گئے ہیں۔

ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بلند افق پر نمودار ہوتے ہی گویا غروب ہو گئے ہیں۔

۶،۷۔ جی ہاں! ہر آفتاب جب بھی اپنے وقت پر طلوع ہوا، چمکا، پھر غروب ہوا، لیکن آفتاب ختمی نبوت طلوع ہوا تو پھر کبھی غروب نہیں ہو سکتا۔

[عرض حقیر: نبوت بہر صورت ختم مگر فیضانِ نبوت جاری، تا دم صبحِ قیامت خدا پرستی، آخرت پسندی اور انسان دوستی کے انقلابی نظریات کی آبیاری، تعمیر سیرت و کردار کے اصول کی محنت، وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل کی کوشش، نزولِ عیسیٰ (علیہ السلام) اور ظہور مہدی (جن کے دور میں ساری دنیا میں اسلام عملاً نافذ ہوگا؛ وہ زمانہ بس آیا چاہتا ہے)، اسی فیضان نبوت کے مبارک اثرات ہیں۔ الحمد للہ۔]

؎ کلیمے کہ چرخِ فلک طُور اُوست
ہمہ نُور ہا پرتوِ نُور اُوست

(۷) حضرت مولانا عبدالرشید صاحب شوپیانیؒ

آپؒ مشہور محققِ دوران حضرت علامہ صدیق حسن خان صاحب قنوجیؒ (والیٔ بھوپال) کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ استاذ کی طرح آپ کے مزاج میں سختی اور مسلک اہل حدیث کے حوالے سے بہت ہی شدت تھی، تاہم اپنے استاذ کے علمی و تحقیقاتی ورثے کے حقیقی وارث تھے۔ آپؒ کی کنیت ابوالفتح تھی۔ علامہ قنوجیؒ کے فرزند علیؒ بن صدیقؒ نے آپ کا تعارف یوں کرایا ہے: ''اَلشَّیْخُ الذَّکِیُّ الْمُتَوَقِّدُ الذِّھْنُ اَلْفَاقِدُ الْمِثْلِ''۔ یعنی اپنے دور کے فقید المثال عالم تیز ذہانت اور فطانت والے تھے۔

حضرت مولانا سید عبدالحی الحسنی صاحب لکھنوی نزہۃ الخواطر نے آپ کا تعارف یوں کرایا ہے:

''کَانَ مِنْ عُلَمَآءِ الْمُبْرِزِیْنَ فِی النَّحْوِ وَاللُّغَۃِ.... کَانَ بَارِعاً فِی الْمَعَارِفِ الْاَدَنِیَۃ''

یعنی علم نحو اور عربی زبان و ادب کے بڑے صاحب رسوخ عالم تھے۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَھُمْ وَارْحَمْھُمْ۔

؎ آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو
گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہے گا

یہاں آپ: کا ایک مختصر خطبہ مشتمل بر حمد و نعت نقل کیا جاتا ہے۔

۱) بِاسْمِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اَبْتَدِئْ وَ بِسَنَا نُوْرٍ هُدَاهُ اَقْتَدِئْ

۲) سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ لَا نُحْصِی الثَّنَا عَلَيْكَ مَا عَجَزَ عَنْهُ الْاَلْسُنَا

۳) اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ يَا رَبِّ عَلَىٰ نَفْسِكَ جَلَّ ذُوالْجَلَالِ وَ عَلَا

۴) سُبْحَانَهٗ وَالْخَيْرُ كُلُّهٗ لَدَيْهِ وَالشَّرُّ مِنْ اَنْفُسِنَا لَيْسَ اِلَيْهِ

۵) ثُمَّ صَلَاةُ اللهِ وَالتَّسْلِيْمِ عَلَىٰ نَبِيٍّ هَدْيُهٗ قَوِيْمُ

۶) مُحَمَّدٌ مَا حِیْ ظَلَامِ الْكُفْرِ عَنْ سَاحَةِ الدُّنْيَا بِنُوْرِ الذِّكْرِ

۷) مَنْ خَتَمَ اللهُ بِهٖ الرِّسَالَةَ وَ طَهِّرِ الْاَرْضَ مِنَ الضَّلَالَةِ

۸) وَالْاٰلُ مِنْ عِتْرَتِهٖ الْكِرَامِ وَ صَحْبِهٖ ذِی الْهُدیٰ الْاَعْلَامُ

[اماثل کشمیر ص۲۴۶+ کشمیر میں۔۔۔ص ۹۷]

۱۔ ساری دنیا کے پروردگار کے مبارک نام سے اپنا تحریری کلام شروع کرتا ہوں اور اس کی انتہائی روشن شریعتِ ہدایت (قرآن وسنت) کی روشنی میں اپنے سفر حیات کو طے کرتا ہوں۔

۲۔ اے وہ ذات والا صفات جو ہر عیب و عجب سے پاک ہے۔ ہم عاجز و عیب دار بندے آپ کی کیا تعریف اور حمد وثنا کر سکتے ہیں کیونکہ ہماری زبانیں یہاں گونگی ہیں، چاہے کتنی ہی فصیح زبان اور بلیغ کلام ہی کیوں نہ ہو۔

۳۔ اے میرے رب! آپ نے جیسی اپنی تعریف خود ہی کلام پاک میں یا حضرت نبی اکرم ﷺ کی مبارک زبان سے کی ہے، بس آپ وہی ہیں۔ آپ کی ذات والا صفات جلیل ہے اور بلند وبرتر ہے۔

۴۔ آپ کی ذات پاک سے تمام طرح کی تشبیہات وتمثیلات سے ہر طرح کا خیر آپ کے دست قدرت میں ہے جب کہ شرور والفتن ہماری ذاتوں اور اعمال میں ہیں۔

۵۔ پھر درود وسلام کی موسلا دھار بارش ہو ایسے عظمت نشان نبی پر، جن کی سیرت اور جن کا لائحہ عمل صحیح و درست اور مضبوط ہے۔

۶۔ جن کا نام نامی اسم گرامی محمد ﷺ ہے جو دنیا بھر سے کفر وشرک کی تمام تاریکیوں کے مٹانے والے ہیں، حضرت اللہ جل مجدہٗ کے مقدس نام کے نور سے۔

۷۔ وہ ذات پاک جس پر حضرت اللہ جل مجدہٗ نے نبوت ورسالت کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے بند کیا ہے اور خانہ ساز اصطلاحات ظلی و بروزی نبوت کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور جس ذاتِ پاک نے تمام

طرح کی گمراہیوں سے اس سرزمین کو پاک کیا ہے۔

۸۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اہل بیت عظام، آپؐ کی پاک سیرت ازواجات ہیں اور پاکیزہ کردار کی مالک آپؐ کی اولاد ہے اور تمام صحابہ کرام جو صاحب ہدایت اور دین کے علم بردار ہیں۔ [رضی اللہ عنہم اجمعین]۔

[عرض حقیر: تمام صحابہؓ ہماری ایک آنکھ ہے اور جملہ اہل بیتؓ ہماری دوسری آنکھ ہے اور دونوں آنکھیں ہر انسان کو یکساں طور پر پیاری ہی ہوتی ہیں۔ فرق و امتیاز کرنا مشکل ہے۔] تاہم بقول عارف شیرازیؒ۔

الٰہی بحق بنی فاطمہ   کہ بر قول ایمان کنم خاتمہ
و گر دعوتم رد کنی ور قبول   من و دستِ دامانِ آل رسول

•••••••

ے طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا   مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاع
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا   مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاع
اَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِيْنَا   جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاع
نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِي النَّجَّارِ   يَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِنْ جَارِ

***

••••••••••••••••••••••••••

جسے بھی خوف ہو روزِ جزا کا
وہ دامن تھام لے خیر الوریٰؐ کا

دل میں بسا لے دوست عقیدت رسولؐ کی
دن رات تجھ پہ برسے گی رحمت رسولؐ کی

سرادر کرنیل سنگھ پنچھی

••••••••••••••••••••••••••

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسد اللہ وانی

علامہ اقبال لین، سنجواں روڈ، بٹھنڈی۔۔۔جموں

رسا جاودانی کی نعتیہ شاعری

نعت ایک عربی لفظ ہے جو اردو زبان میں (بطور) مونث مستعمل ہے۔ اس کا مفہوم ثنا، تعریف اور توصیف ہے۔ مجازاً اس کے معنی آنحضور محمد رسول اللہ ﷺ کی شان میں مدحیہ اشعار کے لیے جاتے ہیں۔ محمد ﷺ کا مطلب تعریف کیا گیا اور نہایت سراہا گیا ہے۔ آنحضور ﷺ کا ایک اسمِ مبارک احمدؐ بھی ہے، یعنی بہت تعریف اور حمد وثنا کرنے والا۔ چنانچہ نعت اسی محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی ذاتِ اقدس سے متعلق کہے گئے مدحیہ اشعار کا نام ہے۔ آنحضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے محبوب پیغمبر ہیں۔ یہ باعثِ تخلیق کونین ہیں۔ ان پر اللہ اور اُس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اور ہمیں بھی درود بھیجنے کی تلقین کی گئی ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''دعا اس وقت تک زمین اور آسمان میں معلّق رہتی ہے جب تک سیدُ المرسلین ﷺ پر درود شریف نہ پڑھا جائے''

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ایک اور روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

''سب سے بخیل وہ شخص ہے جو مجھ پر درود نہ پڑھے''

بہر کیف وہ ہستی جو باعثِ تخلیق کونین ہے، جس پر اللہ اور فرشتے درود بھیجتے ہیں، جو خود اللہ کی تعریف وتوصیف اور حمد وثنا کرنے والی ہو، جس کا نام نامی ثنا، تعریف وتوصیف کے معنی لیے ہوئے ہو، ایک ایسی ہستی ہے جو دنیاوی علوم کے اعتبار سے اُمّی (اَن پڑھ) ہے، لیکن اُن کی وساطت سے اُمُّ الکتاب، قرآن مجید، فرقان حمید جیسا جلیل القدر صحیفۂ آسمانی عوام تک پہنچا۔ یوں تو اُن کے نام محمدؐ سے قرآن شریف میں ایک سورت بھی موجود ہے لیکن حق تو یہ کہ پورا قرآن شریف اُن سے مخاطب ہے جو کہ اُن کی مکمل شخصیت کے لائحہ عمل کا آئینہ دار اور اسوۂ حسنہ ہے۔ خدا نے اِس میں اُنہیں یٰسین (دو جہاں کے سردار)، طٰہٰ (چودھویں کے چاند)، المزمّل (چادر یا کمبل اوڑھنے والے)، المدثر (لحاف اوڑھنے والے)، رحمۃ للعالمین (تمام عالمین کے لیے رحمت) کے علاوہ شاہد، مبشر، نذیر، داعی اور سراجاً منیراً جیسے القاب سے

یاد اور خطاب کیا ہے۔ اُن کے ذاتی اور صفاتی ننانوے نام ہیں۔ لہٰذا یہ ایک لمحہ فکریہ ہے کہ ایک ایسی ہستی جو خدا اور اُس کے فرشتوں کی ممدوح ہے، اُس کی ثنا، تعریف، توصیف اور مدح ایک آدمِ خاکی سے کہاں تک اور کس قدر ممکن ہے، لیکن پھر بھی اِس نے حتی المقدور اُن کی مدح سرائی کی ہے۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ، خلقِ عظیم، اعلیٰ کردار، مثالی شخصیت، ذات کی رفعت اور مقامِ علو کا احاطہ انسان کے بس کا کام نہیں ہے۔ قرآن اور احادیث اُن کی شخصیت اور اُن کے مقام اور مرتبے کے تعیّن کے لیے کافی ہیں۔ شاعرانہ تخیّل میں امیر خسرو کے اس شعر سے اُن کی زندگی کی بس ایک جھلک کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ؎

خدا خود میرِ مجلس بود اندر لامکاں خسرو
محمدؐ شمعِ محفل بود شب جائیکہ من بودم

جہاں تک نعت کہنے کا تعلق ہے، یہ ایک انتہائی نازک اور مشکل کام ہے۔ یہ خدا اور رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تئیں ایک بندے کے خیالات و جذبات کا ایک ایسا اظہار ہے جہاں ذرا سی لغزش سے افراط و تفریط پیدا ہونے کا امکان ہے۔ عرفی نے اپنے نعتیہ قصیدے میں کیا پتے کی بات کہی ہے ؎

عرفی مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا است
آہستہ! کہ رہ بردمِ تیغ است قدم را

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام و مرتبے کا بیان، مدح سرائی یا نعت کا معاملہ ایسا ہے کہ اس میدان میں حضرت بایزید بسطامیؒ اور حضرت جنید بغدادیؒ جیسے اولوالعزم اولیا کے ہوش و حواس بھی گم ہو جاتے ہیں۔ بقولِ عزت بخاری ؎

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

اس لیے اس نازک معاملے میں تہذیب و شائستگی اور اخلاق و آداب کا ہر اعتبار سے خیال رکھنا پڑتا ہے۔ یہ ایک ایسی درگاہ ہے جسے بقول ناصر سرہندی، فرشتے جنات اور انسان سجدہ گاہ سمجھتے ہیں۔ ؎

بے ادب پامنہ ایں جا کہ عجب درگاہ است
سجدہ گاہِ ملک و جن و بشر ایں جاہست

قصہ کوتاہ ایک نعت گو شاعر کو نعت کہتے وقت پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا ہے۔ انہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنا بیان کرتے وقت اپنے آپ کو اس مصرع کے مصداق ڈھالنا پڑتا ہے۔

''با خدا دیوانہ باش و با محمدؐ ہوشیار'' تا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ اقدس میں کسی طرح کی گستاخی، بے ادبی اور لغزش کا ارتکاب نہ ہو۔

نعت گوئی کا آغاز آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور سے ہی ہوا ہے۔ آپؐ کے عہد میں حضرت حسان بن ثابتؓ ایک مشہور صحابی تھے جنھیں مداحِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کی کافی عزت اور قدر فرماتے تھے۔ جب وہ نعت سناتے تھے تو اُن کے لیے مسجد نبوی میں منبر رکھوا دیا جاتا تھا۔ اسی طرح ایک اور صحابی حضرت لبیدؓ تھے جن کا قصیدہ سبعہ معلقہ عربی کے مشہور قصیدوں میں شمار ہوتا ہے۔ گو اسلام قبولنے کے بعد انہوں نے شاعری ترک کردی تھی مگر عربی ادبیات میں اُن کی مدحیہ شاعری کا حوالہ ملتا ہے۔ عربی میں حضرت کعب ابن زبیرؓ ایک اور صحابی ہوئے ہیں جنہیں اپنا مشہور قصیدہ بانت سعاد آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سُنانے کا شرف حاصل تھا۔ اُس قصیدے کے صلے میں انہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چادر مبارک عطا کی تھی۔ اس لیے اس قصیدے کو قصیدۂ بُردہ کہا جاتا ہے لیکن قصیدۂ بردہ کے نام سے سب سے مشہور و معروف قصیدہ امام شرف الدّین محمد بن حسن بوصیریؒ کا ہے جس کا پورا نام ''کواکبِ دریہ فی مناقبِ خیر البریہ'' (☆) ہے۔

عربی کی طرح فارسی شعرا نے بھی نعوت اور قصائد میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصافِ حمیدہ بیان کیے ہیں۔ حضرت شیخ سعدی شیرازی، امیر خسرو، خاقانی، عراقی، نظامی، رومی، سنائی، عطار، عرفی، نظیری، قدسی، جامی اور متعدّد دوسرے شعرا نے اپنے مقدور کے مطابق آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف و توصیف کی ہے۔ سعدیؒ اگرچہ فارسی نظم و نثر کا ایک بلند قامت ادیب تھا مگر عربی زبان میں اُن کی یہ رباعی تمام قصیدوں اور نعتوں پر اب تک بھاری ہے۔

بلغ العلیٰ بکمالہٖ
کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیعُ خصالہٖ
صلوا علیہ و آلہٖ

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی نے بھی اپنی ایک رباعی اور بالخصوص اُس کے آخری مصرعے میں اپنے علمی تفکّر اور تبحر سے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کی امتیازی شان بیان کی ہے۔

یا صاحب الجمال و یا سیّد البشر
من وجھك المنیر لقد نور القمر

لا یمکن الثنا کما کان حقہٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر ۱؎

قدسی کی نعت کا یہ شعر زبان زدِ عوام وخواص ہے۔

مرحبا سیدِ مکی مدنی العربی
دل و جان باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

اردو شاعری اگرچہ فارسی روایات کے زیرِ سایہ پروان چڑھی مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس نے تمام شعری اصناف میں اپنی برتری کے جھنڈے گاڑے۔ چنانچہ اردو شاعروں نے بھی نعتیہ قصائد، نعتیہ غزلیات اور خالص نعتیں تخلیق کر کے اس صنف میں قابلِ قدر اضافہ کیا ہے۔ اس زبان میں امیر مینائی، محسن کاکوروی (☆☆)، غلام امام شہید، حضرت مولانا غلام رضا خان، کرامت علی شہیدی، بیدم شاہ، اکبر میرٹھی، حافظ پیلی بھیتی، مولانا ضیاء القادری، بہزاد لکھنوی، حمید صدیقی، مولانا حالی، مولانا ظفر علی خان، مولانا شبلی نعمانی، علامہ اقبال، حفیظ جالندھری، ریاض خیر آبادی، مولانا محمد علی جوہر، اکبر وارثی، اصغر گونڈوی، حسرت موہانی، جگر مراد آبادی، مولانا ماہر القادری، ہری چند اختر، جگن ناتھ آزاد، حیات وارثی، مظفر وارثی، عبدالعزیز خالد، احمد ندیم قاسمی اور اُن کے ہم عصر متعدّد شعرا نے نہ صرف نعتیں کہی ہیں بلکہ درود، سلام اور نعتیہ غزلیں کہہ کر اپنی محبت، عقیدت اور جذبات کا بھرپور اظہار کیا ہے اور یہ سلسلہ موجودہ دور میں بھی جاری اور ساری ہے۔ یہاں اردو کے اِن ممتاز نعت گو شعرا کے نعتیہ کلام سے مثالیں پیش کرنے کا اگرچہ موقع ومحل نہیں ہے پھر بھی چند معروف اور مقبولِ عام نعتوں کے مطلعے تبرکاً پیش کیے جاتے ہیں، ملاحظہ ہوں۔

مدینے جاؤں پھر آؤں، مدینے پھر جاؤں
تمام عمر اسی میں تمام ہوجائے

یاد جب مجھ کو مدینے کی فضا آتی ہے
سانس لیتا ہوں تو جنّت کی ہوا آتی ہے

(امیر مینائی)

۱؎ ...ان اشعار کے ساتھ شیخ سعدی، عبدالرحمن جامی یا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا نام لیا جاتا رہا ہے اور اب تو حافظ شیرازی اور عبدالحق محدث دہلوی کا نام بھی لیا جانے لگا ہے، البتہ ڈاکٹر نجم الاسلام کے مطابق [ابھی تک] 'یہ امر تحقیق طلب ہے'۔ (تحقیق، شمارہ ۱۰-۱۱، ۱۹۹۶ء-۱۹۹۷ء، ص ۹۰۲).....(مدیر)

صبح طیبہ میں ہوئی، بٹتا ہے باڑ انور کا
صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا
مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام
(احمد رضا خان)

یا نبی سلام علیک
یا رسول سلام علیک
یا حبیب سلام علیک
صلواۃُ اللہ علیک
(اکبر وارثی میرٹھی)

مدینے کے ماہِ کمال اللہ اللہ
ہر اک شے میں عکسِ جمال اللہ اللہ
(بہزاد لکھنوی)

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
(حالی)

وہ شمع اُجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
اک روز چمکنے والی تھی سب دُنیا کے درباروں میں
(ظفر علی خان)

سلام اے آمنہ کے لال محبوبِ سبحانی
سلام اے فخرِ موجودات! فخرِ نوعِ انسانی
(حفیظ جالندھری)

سلام اُس ذاتِ اقدس پر سلام اُس فخرِ دوراں پر
ہزاروں جس کے احسانات ہیں دنیائے امکان پر
(جگن ناتھ آزاد)

نعت گوئی میں جموں و کشمیر کے شعرا نے بھی اپنے قلم کی جولانیاں دکھائی ہیں۔ یہاں کے شعرا نے فارسی، کشمیری اور اردو میں بہت ہی دل آویز نعتیں کہی ہیں اور نعت کہنے کا حق بھی ادا کیا ہے۔ فارسی میں حبیب اللہ نوشہری، شیخ یعقوب صرفی، مرزا اکمل الدّین بدخشی، کشمیری میں محمود گامی، ثناءُ اللہ کریری، حُبّی، آثم، ولی اللہ متو، حقانی، مسکین، رسا جاودانی، وفا بھدرواہی اور اردو میں مرزا کمال الدّین شیدا، میر غلام رسول نازکی، شوریدہ کاشمیری اور رسا جاودانی کے علاوہ موجودہ عہد میں بھی اردو اور کشمیری کے متعدد ایسے شعرا ہیں جو اس صنف میں مسلسل طبع آزمائی کر رہے ہے۔

رسا جاودانی ریاست جموں و کشمیر کے اردو اور کشمیری شعرا میں اپنا ایک اہم مقام اور مرتبہ رکھتے ہیں۔ ان کی اردو شاعری کا پہلا مجموعہ ''لالۂ صحرا'' کے عنوان سے 1947 میں شائع ہوا جس کا دیباچہ اللہ رکھا ساغر نے لکھا تھا۔ رسا کا یہ کلام بعد میں کچھ ترمیم اور اضافوں کے ساتھ 1962 میں نظمِ ثریا کے نام سے شائع ہوا جس کا پیش لفظ سیّد محی الدّین قادری زور تحریر کیا تھا۔ کشمیری میں اُن کا کلام پہلی بار 1955ء میں تحفۂ کشمیر کے نام سے معرضِ وجود میں آیا جب کہ 1961ء میں اس میں بھی کچھ ترمیم اور اضافے ہوئے اور اسے نیرنگ غزل کے عنوان سے شائع کیا جس کا پیش لفظ محمد امین کامل نے تحریر کیا تھا جب کہ اس کا دوسرا ایڈیشن 1989 میں محمد یوسف ٹینگ کے پیش لفظ کے ساتھ شائع ہوا۔

جہاں تک اُن کے نعتیہ کلام کا تعلق ہے وہ ان مجموعوں میں شامل نہیں تھا اس لیے یہ مقالہ تحریر کرتے وقت میں نے اُن کی غیر مطبوعہ نعتوں سے استفادہ کیا تھا۔ 2011ء میں اُن کے فرزندِ ارجمند جناب تنویر ابنِ رسا نے اپنے والدِ گرامی کا اردو اور کشمیری کا سب شعری سرمایہ یکجا کر کے کلیاتِ رسا جاودانی کے عنوان سے شائع کیا ہے جس میں رسا مرحوم کا اردو اور کشمیری نعتیہ کلام بھی شامل ہے۔ چنانچہ اب میں نے اپنا یہ مقالہ کلیاتِ رسا جاودانی سامنے رکھ کر از سرِ نو مکمل کیا ہے۔

عبدالقدوس رسا جاودانی اگرچہ وادیِ چناب سے تعلق رکھتے تھے مگر جموں و کشمیر کے حوالے سے اردو اور کشمیری شعرا میں اُن کی ایک بلند قامت شخصیت رہی ہے۔ اپنی ذات کی حد تک وہ صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے یا نہیں، وہ اپنی نجی زندگی میں کیا کرتے تھے، اس کی خبر انہیں تھی یا خدا کو لیکن یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ وہ ایک سچے اور سُچے انسان تھے۔ اُن سے کسی کا دُکھ درد نہیں دیکھا جاتا تھا۔ وہ نہ صرف حد سے زیادہ حساس طبیعت کے مالک تھے بلکہ بہت ہی پاکیزہ اور صاف ستھری زندگی گزارنے کے عادی بھی تھے۔ وہ حقیقی معنوں میں ''صفائی نصف ایمان ہے'' اور ''اللہ صاف ستھرے لوگوں کو محبوب رکھتا ہے'' کے اصولوں پر کاربند تھے۔ وہ اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کامل ایمان رکھتے تھے۔ وہ

بناوٹی یا دکھاوے کی زندگی گزارنے کے قائل نہ تھے۔ اُنہیں دکھاوے اور ریاکاری سے نفرت تھی۔ اسی لیے وہ دکھاوہ کرنے والے زاہد اور عابد سے کشمیری زبان میں مخاطب ہو کر یوں کہتے ہیں۔

دِلچ صافی رٔژنو چھے وِرد خوانو
خدایس خوش ییا پھسرائے چانی

(اے عبادت گزار! (تسبیح پھیرنے والے وِردخوان، ذاکر) تیرا دل پاک اور صاف نہیں ہے۔ تو کیا سمجھتا ہے؟ خدا کو یہ تیری سرگوشی پسند آئے گی؟)

رسا کو اس بات کا خود اعتراف تھا۔

اربابِ عبادت کو رسآ سے یہ گلہ ہے
مسجد میں کبھی عاشقِ اصنام نہ آیا

اور کبھی کبھی وہ زاہد سے یوں گویا ہوتے۔

باہر نہ کہیں تجھ کو اللہ نظر آیا
اے شیخِ حرم ہم نے دیکھی تری بینائی
حور جنّت کے لیے صوم و صلوٰۃ
بے حیا زاہد ہے شرماتا نہیں

وہ خدا کی وحدانیت اور نیرنگیوں کے بھی قائل تھے۔

یہ چاند یہ سورج فلک اور ستارے
پوچھے کوئی منکر سے خدا ہے کہ نہیں ہے

بہر طور کلیاتِ رسآ جاودانی میں اردو اور کشمیری شاعری کا جو حصّہ رسآ کے نعتیہ کلام پر مشتمل ہے وہ محض آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تئیں اُن کے جذبات اور احساسات کا ترجمان اور عکاس ہی نہیں بلکہ عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سند بھی ہے۔ ملاحظہ ہو اُن کی ایک نعت کے، جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سادگی اور ایک یہودی خاتون کے ساتھ اُنؐ کے حسنِ سلوک کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

مشعلِ نور ہدایت کے جلانے والے
ظلمت و کفر کو دُنیا سے مٹانے والے
چشمِ نمناک پہ قرباں دلِ صد چاک مرا
غمِ امت میں سدا اشک بہانے والے

تیرے سینے کی ہے تعریف اَلَم نَشرح لکَ
اپنے سینے سے غلاموں کو لگانے والے
تیری شفقت نہ تھی محدود مسلمانوں تک
بوجھ کاندھوں پہ یہودن کا اٹھانے والے
تیرے پہلو نہ تھے منت کش سِحاب و سمور
کھال اور چھال درختوں کی بچھانے والے
اپنی پوشاک پہ پیوند لگائے تو نے
مرحبا خلعتِ لولاک کے پانے والے
اچھے کھانے کے مزے کی نہ زباں خوگر تھی
نانِ جَوسیر شِکم ہو کے نہ کھانے والے

نعت کی آخر میں شافعِ محشر کی شفاعت سے فیضیاب ہونے کی یوں امید کرتے ہیں ۔

میں تو فارغ ہوں رسا حشر کے اندیشوں سے
ہیں محمدؐ مجھے دوزخ سے بچانے والے

رسا جاودانی کی ایک اور نعت ملاحظہ ہو جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تئیں اُن کی عقیدت اور محبت کا ایک مرقع ہے ۔

جہاں نورِ محمدؐ ضو فشاں ہو
وہاں کا ذرّہ مہرِ آسماں ہو
چمن کیونکر وہ پامالِ خزاں ہو
محمدؐ جس چمن کا باغباں ہو
رخِ گیسوئے احمدؐ کا بیاں ہو
ورق میرا گلستان بوستاں ہو
خس و خاشاکِ عِصیاں کا پتہ کیا
جہاں رحمت کا بحرِ بے کراں ہو
قسم معراج کی تم کو ستارو
کہو کس کے قدم کے تم نشاں ہو

کسے مقدور ہے وصفِ نبیؐ کا
کوئی ہے جو خدا کا ہم زباں ہو
رسآ پیارا ہے کیا نامِ محمدؐ
فدا اس نام پر میری یہ جاں ہو

قرآن اللہ کی کتاب ہے اور اس کے احکامات کے عامل خود اُس کے حامل یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اُن کی پوری زندگی قرآن کے احکامات پر عمل پیرا ہونے کا نمونہ ہے۔ جنت میں ایک مومن کا آخری انعام دیدارِ الٰہی ہے۔ اس سے بڑھ کر وہاں کوئی اور شئے نہیں ہے۔ اس آخری انعام سے سرفراز ہونے سے قبل تمام نبیوں کے سردار آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم شافع محشر اور ساقیِ کوثر کے مرتبے پر فائز ہو کر رحمۃ للعالمین اور شفیع المذنبین کا فریضہ انجام دیں گے۔ رسآ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار ہی کو اصل میں اللہ کا دیدار گردانتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی محبت اور عقیدت کا اظہار اپنی ایک نعت میں یوں کرتے ہیں۔

دیدارِ الٰہی ہے دیدار محمدؐ کا
دربارِ حقیقی ہے دربار محمدؐ کا
جنت کا نمونہ ہے فردوس ستم کا ہے
چل کر تو ذرا دیکھیں دربار محمدؐ کا
وحدت کے خریدارو کیوں اتنا پریشاں ہو
مشہور ہے عالم میں بازار محمدؐ کا
ہو دستِ مسیحا سے آرام اُسے کیوں کر
جو روزِ ازل سے ہو بیمار محمدؐ کا
جب علمِ محمدؐ کا رستہ ہی علیؓ ٹھہرے
پھر کیوں نہ انہیں مانیں مختار محمدؐ کا

اس نعت کے آخری شعر میں ایک حدیث کا حوالہ ملتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس شہر کا دروازہ ہے"۔ یہ نعت کلیاتِ رسا جاودانی میں موجود نہیں ہے لیکن رسآ جاودانی کے داماد شبیر احمد قاضی المعروف شاذ شرقی مرحوم جو خود بھی ادیب اور شاعر تھے، نے اس نعت کو رسا جاودانی ہی سے منسوب کیا ہے۔ انھوں نے جموں یونی ورسٹی کے شعبۂ اردو کے ششماہی مجلہ تسلسل جلد 7 شمارہ 14 میں شائع شدہ اپنے مضمون عبدالقدوس رسآ جاودانی (واقعات اور غیر مطبوعہ نعتیں)

میں اسے رساؔ کی غیر مطبوعہ نعت قرار دیا ہے۔ رساؔ کے ہم عصر بھدرواہ کے لوگوں میں بھی یہ نعت زبان زدخاص وعام رساؔ ہی سے منسوب ہے۔ میں نے بھی بھدرواہ میں اپنی تعلیم اور ملازمت کے قیام کے دوران ماہِ صیام میں سحری کے وقت عموماً نعت خوانوں سے یہ نعت پیش کرتے ہوئے سنی ہے جسے انھوں نے رساؔ جاودانی ہی کی نعت تسلیم کیا ہے۔

رساؔ نے ایک اور نعت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے حالات کا تغیر، اُن کے اوصافِ حمیدہ اور اُن کے معراج کے واقعات اشارتاً یوں بیان کیے ہیں ۔ ے

بطحا کے پہاڑوں پر رحمت کی گھٹا چھائی
سنسار کی رُت بدلی کچھ ایسی ہوا آئی
جب نورِ محمدؐ کی دنیا میں ضیا آئی
ہر ذرہ چمک اُٹھا ہر شے نے جلا پائی
فاراں کی چوٹی پر وہ نورِ ازل چمکا
پُر نور ہوا جس سے ظُلمت کدہ عالم کا
اُس نور کا خالق خود اس نور کا شیدائی
تصویر مصوّر کو خود اپنی ہی پسند آئی
خلوت میں بلایا پھر تھا عالمِ تنہائی
اور بات کہی دل کی وحدت کی قسم کھائی
اے ناز وادا والے اے پیکرِ رعنائی
تو میری تمنا ہے میں تیرا تمنائی
کی میں نے تیری خاطر یہ انجمن آرائی
تاروں سے سجایا ہے یہ گنبدِ مینائی
افلاک کو بخشی ہے مہتاب سے زیبائی
زہرہ و ثریا نے ہے ایسی ضیا پائی
مقصود میرا تجھ کو یوں عرش پہ لانا تھا
لَولاک لَما کا کچھ مفہوم بتانا تھا
مدت سے ملائک سب کرتے تھے جبیں سائی

لو آج کی شب اُن کی اُمید ہے برآئی
صف بستہ ادب سے ہیں جلوے کے تمنائی
تھا کچھ نہ مزاج ان کا پر بن گئے سودائی
سب روزِ ازل سے یہ بھرتے رہے دم تیرا
کچھ ان کی ہوس نکلے چومیں گے قدم تیرا

کلیاتِ رساجاودانی میں دی گئی اس نعت میں یہ شعر موجود نہیں ہے۔ ؎

جس وقت قدم رنجہ وہ عرش کی جانب تھے
غلماں تھے صف بستہ حوریں تھیں تمنائی

جب کہ غیر مطبوعہ نعت کے اس مصرع ؎ اے نازوادا والے یہ ناز ہے مجھ کو بھی، کے بجائے ؎ اے نازواداوالے اے پیکرِ رعنائی، مصرع کلیات میں شاملِ اشاعت ہے۔

درحقیقت ؎ ''اے نازوادا والے یہ ناز ہے مجھ کو بھی''، رسآ کی ایک غزل میں موجود شعر کا مصرع ہے، جس کا مطلع یہ ہے ؎

گمراہ رہے جب تک رہبر رہی دانائی
منزل کو لیا ہم نے جب بن گئے سودائی

کلیاتِ رساجاودانی کے صفحہ 166 پر شائع اس غزل کا یہ چوتھا شعر ہے۔ ؎

اے نازوادا والے یہ ناز ہے مجھ کو بھی
تو میری تمنا ہے میں تیر ا تمنائی

اس شعر کا دوسرا مصرع محولہ بالا نعت میں بھی شامل ہے۔ میرے خیال میں یہ اختلاط غزل اور نعت دونوں کے اشعار ایک ہی بحر میں ہونے کی وجہ سے ہوا ہے۔

رسآجاودانی کی نو بند کی حامل ستائیس اشعار پر مشتمل ایک طویل نعت بھی قابلِ مطالعہ ہے۔ اس میں انھوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام رسولوں میں عالی مرتبت رسول، نبیوں کا سردار اور سرتاج ہونے کا ذکر کیا ہے۔ وہؐ دُنیا کے لیے باعثِ رحمت وشفقت ہیں اور جنؐ کے وجود سے اس کائنات کی قدر ومنزلت میں اضافہ ہوا ہے جب کہ اُنؐ پر نازل ہونے والا قرآن بنی نوع کے لیے امن وآشتی کا پیام لے کر آیا ہے۔ ؎

رسولوں میں رتبہ ہے مُمتاز تیرا
کہ ہے منتہا اُن کا آغاز تیرا

سرِ عرشِ اعظم سے پرواز تیرا
اُٹھاتا ہے نازآفریں ناز تیرا
غلامی میں تیرے شہنشاہ آئے
ہدایت سے رستے پر گمراہ آئے
پہاڑوں پر ابرِ گہر بار چھایا
بہاروں پہ آنے سے گلزار آیا
وہ نبیوں کا سرتاج سردار آیا
خوش اندام خوش اطوار آیا
تو آجا تیرے آنے کی آرزو ہے
نگاہوں کو بس تیری ہی جستجو ہے
پیام آشتی کا ہے قرآن تیرا
ہوا جا گزیں دل میں فرمان تیرا
کرم ہر کسی پر ہے یکسان تیر
ہے دھرتی کے کاندھوں پہ احساں تیرا
جو شفقت مسلمان کے حال پر ہے
وہی غیر مسلم پہ تیری نظر ہے
تعصب نہیں راہ میں تیری حائل
شدائد میں اعداسے نرمی پہ مائل
ان اوصاف کی ساری دنیا ہے قائل
تیری تیغ ِاحساں کا دشمن بھی گھائل
پیام امن کا تو ہی دنیا میں لایا
بنی نوع انساں کا غم تو نے کھایا

رساؔ جاودانی اپنی نعت کو اپدیش اور پریت کے نغمے قرار دیتے ہوئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ حمیدہ اور محبت واخوت کو ان نعتیہ اشعار میں پیش کرتے ہیں ۔

دُنیا میں اجالا کرنے کو ممتاز قمر ہے تاروں میں
اور کمبل پوش منور ہے سب ریشوں میں اوتاروں میں
یثرب کی فضاؤں سے اُٹھ کر رحمت کی گھٹائیں جب برسیں
دل شاد معطر پھول کھلے دُنیا کے محبت زاروں میں
اعدا کے مسخر کرنے کو جب پریم سے اُس نے کام لیا
دشمن کی سِنانیں ٹوٹ گئیں جو ہر نہ رہا تلواروں میں
اُس رحمِ مجسّم کی شفقت محدود نہ تھی مسدود نہ تھی
شاہوں کے شاہ ہوکر بھی رہتے ہیں وہ ناداروں میں
مجھ سے نہ رجز کا طالب ہو میں پریت کے نغمے گاتا ہوں
وہ اور ہیں جو یہ کہتے ہیں ہے آبِ بقا تلواروں میں
احسان ِ دہر در عفو وکرم سب چھوڑ کے بیٹھے اہلِ حرم
اب عشق ومحبت پیار و وفا بکتی ہے یاں بازاروں میں

کلیاتِ رسا جاودانی میں یہ نعت چھ اشعار پر مشتمل ہے۔ جہاں تک اس کے آخری دو اشعار کا تعلق ہے عوام میں ان کے بجائے یہ شعر زیادہ مقبول اور معروف ہیں۔

احسان و مروّت، عفو و کرم سب چھوڑ کے بیٹھے اہلِ حرم
ان چار خصائل میں سے اب ہیں کون سی ان بے چاروں میں
یہ نعت بھی ہے اپدیش بھی ہے اس نوش میں تھوڑا نیش بھی ہے
تقسیم کیا کرتے ہیں مگر کڑوی ہی دوا بیماروں میں

جب قاری مطالعہ کرتے وقت ان کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کلام کا موازنہ یا تقابل کرتا ہے تو اُسے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں کسی قسم کی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا کہ شاعر موصوف نے ان میں تصحیح یا ترمیم کی ہوگی مگر وہ یہ بات وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ ان میں سے استناد کا درجہ کن اشعار کو حاصل ہے۔ کلیات رسا جاودانی کے مولّف یا مرتّب تنویر ابنِ رسا جاودانی کے اپنے بیان کے مطابق اُنھیں نذرِ آتش ہوئے اپنے پشتنی مکان کی بالائی منزل پر راکھ اور ملبے کے ڈھیر سے ایک صندوقچہ ملا جس میں رسا مرحوم کا تمام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کلام، بیاض اور جدا جدا پرزوں کی صورت میں پڑا ہوا تھا۔ (ملاحظہ ہو کلیاتِ رسا صفحہ 66) چنانچہ انھوں نے اُسی صندوقچہ سے دستیاب شدہ کلام سے کلیات ِ رسا جاودانی

ترتیب دی ہے۔ گویا رسا مرحوم نے اگر اپنے اشعار میں کسی قسم کی کوئی اصلاح، تصحیح یا ترمیم کی ہوگی تو یہ ضروری نہیں کہ اُنھوں نے بیاض کے اصل اور نقل دونوں مسوّدات میں اُس کا اندراج کیا ہو۔ علاوہ ازیں جہاں تک رساؔ مرحوم کی شاعری بالخصوص نعتوں کا تعلق ہے یہ عوام میں اس قدر مقبول تھیں کہ ان کی نوک پلک درست ہوتے ہی وہ شائقین کی زبان پر چڑھ جاتی تھیں۔ میرا خیال ہے کہ مرتبین کو اس زاویہ نگاہ سے بھی ان کے کلام کا تجزیہ کرنا چاہیے تھا۔

رساؔ جاودانی کے نعتیں کشمیری زبان میں بھی موجود ہیں۔ اِس مضمون کی تسوید کے وقت اردو کی طرح اُن کی کشمیری نعتیں بھی غیر مطبوعہ تھیں اور اب اُنھیں اس کلیات میں شامل کیا گیا ہے۔ اُن کی کشمیری نعتوں میں بھی عقیدت و محبت، مروّت و مودت اور احساس اور جذبے کا وہی انداز ہے جو اُن کے اردو نعتیہ کلام میں موجود ہے۔ وہ اس بات پر کامل یقین رکھتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سردارِ انبیا ہیں اور وہ محشر میں اپنی امت کو ہرگز نہ بھولیں گے۔

موٗرسلن منز چھُ تھدی پایہٕ رسولِ عربیؐ
لا مکانس چھُ شرف پایہ رسولِ عربیؐ
سروَندس روٗے اگر ہلیہِ رسولِ عربیؐ
چھُم دِلس یتھ مےتمنائے رسول عربیؐ
تھدِ اخلاصہ کورُن رام جہانا یکسر
حسن اخلاق ولَن مایے رسول عربیؐ
رٗوزِ تس یاد پنِ نہِ اُمت عاصی ہردم
روزِ محشر کتہ سِا مشراوے رسولِ عربیؐ
گٗو حقیقتھ سہٕ سُرِتھ راز عرفانک پرِتھ
سرِ عرفان۔ یمَس باوَے رسول عربیؐ
رٹِہ دامانہ رساؔ پایہِ بڈّس در ارعرصات
کرِ تتھ جائے تمس سا یہِ رسول عربیؐ

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم علم و حکمت کا مخزن ہیں۔ وہ چونکہ قیامت کے دن گناہگاروں کی شفاعت کرنے والے ہیں اس لیے ایک اُمتی ہونے کی حیثیت سے رساؔ کے دل میں اُنؐ سے بے پناہ عقیدت ہے اور اُنھیں روزِ محشر میں اُنؐ کا دامن تھامنے اور قدموں میں سر رکھنے کا بے حد ارمان ہے۔

ژِ بردوش گیسو پریشان وچھِے
تمن کن ز عالمن آویزان وچھِے
تھدِ پایہ وچھمکھ بڈی شانہٕ وچھَے
برس تل ژِ قیصر تہٕ خاقان وچھَے
زِشادی وچھتھ چون روئے منور
پھولن ے گل اندر گلستان وچھِے
ارسطو، افلاطون بہ آں علم و حکمت
بہ دانش ژٕ نش طفلِ نادان وچھَے
ہیو دشمنو کُر ژٕ پیٹھ سنگ باری
تمن پیٹھ کران یور احسان وچھَے
گوناہ گار ساری بہ وومید بخشش
بہ محشر رٹان چون دامان وچھَے
وَندِی سر ژٕ پادن رسا جاودانی
دِلس تَس سیٹھاہ چون ارمان وچھَے

رساؔ جاودانی اپنی ایک نعت میں دیدار رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیفیت یوں بیان کرتے ہیں ؎

شبہٕ اکہٕ اُس تہٕ اُس پنہٕ نِس حسابس
اسہٕ ڈیوٹھ جلوا خابس منز
بخت اوس بیدار اَچھی نیندرِ خابس
اسہٕ ڈیوٹھ جلوا خابس منز
نُورک تاج اوس برسرِ جنابس
لولاک شوبن تس گوہر
تتہٕ اوس وِشلَن بتھ آفتابس
اسہٕ ڈیوٹھ جلوا خابس منز
تتہٕ کتہٕ جائے اُس آبس تہٕ تابس
پرزلن اوسکھ روئے انور

شلہِ ہنز باش گئے دلِ بے تابس
اسہِ ڈیوٹھ جلوا خابس منز
ثَم وُچھ نہ میانِس گناہس ثوابس
ربہِ پیٹھ تہِ زژ تراو اَختابن
صلہِ میوُل عشقُن دِل بے تابس
اسہِ ڈیوٹھ جلوا خابس منز
وَن چُھس نہ ہرگز تربہن عذابس
شافع آسم روزِ محشر

بے چارِ واعظ چھنہِ اتھ بابس
اَسہِ ڈیوٹھ جلوا خابس منز
اسہِ اون نہ ایمان کانسہِ کذابس
اسہِ تھوو نہ نبیسؐ کانہہ تہِ ہم سر
اسہِ ون نہ قلزم زانہہ تہِ حبابس
اسہِ ڈیوٹھ جلوا خابس منز
نے پھوکھ تہِ رسہنؔ تھو وسیت ربابس
شاعرسُہ چھا کنہِ جود و گار
لیہِ اَدکیاہ کور پرژھ مضرابس
اسہِ ڈیوٹھ جلوا خابس منز

عبدالقدوس رسآ جاودانی کی نعتیہ شاعری کے بارے میں اپنی بات کا آغاز کرنے سے قبل میں نے کہا ہے کہ نعت کہنا ایک مشکل اور انتہائی نازک معاملہ ہے اور اس پر تبصرہ یارائے زنی کرنا اس سے بھی مشکل اور نازک ہے۔ لہٰذا میں نے کافی احتیاط سے کام لیتے ہوئے رسا جاودانی کی نعتیہ شاعری آپ کے سامنے رکھنے کی کوشش کی ہے۔ یہ نمونہ مشتے از خروارے کے مصداق ہے۔ رسآ کی شاعری اور اُن کے نعتیہ کلام کا کون سا پہلو کیسا ہے میں نے اُس سے احتراز کیا ہے۔ لیکن یہ بات باعثِ طمانیت ہے کہ رسآ کا کلام اردو یا کشمیری، نعتیہ یا دوسرا حجم کے اعتبار سے بلاشبہ کم ہے لیکن پایہ کے اعتبار سے اعلیٰ

ہے اور اس بات کی تصدیق اُن ہی کے اس شعر سے ہوتی ہے۔ جس میں وہ کہتے ہیں۔

ایسے شعروں سے ہے گریز ہمیں
جن میں فقدان ہو معانی کا

ایسی ہی بات انہوں نے اپنے ایک کشمیری شعر میں بھی کہی ہے۔

ژ باز بہٕ ما چھس تہٕ وڈاوکھ کوتر
یودآس تن تُھند ماز تہٕ کھوتمت سیخن

(میں کوئی شیخی بگھارنے یا گپ اڑانے والا نہیں ہوں کہ خیالی کبوتر اُڑاؤں جب کہ اُن کا گوشت سیخ کباب بھی بن گیا ہو)

بالآخر رساؔ جاودانی کے غیر مطبوعہ کلام بالخصوص نعتیہ شاعری کی ترتیب پر نظر ثانی کی از حد ضرورت ہے، تا کہ اس بلند پایہ شاعر کی شاعری اور زندگی کا یہ پہلو بھی بھر پور طور پر سامنے آئے۔

•••••••••

حواشی:

(☆) بوصیری کو فالج ہو گیا تھا اور نصف بدن بالکل بے کار اور بے حس تھا۔ ایک دن وہ انتہائی مایوسی اور معذوری کے عالم میں تھے اور اسی حالت میں انھوں نے ایک قصیدہ کہا۔ ایک دن جمعہ کی شب کو یہ قصیدہ پڑھ کر سو گئے۔ خواب میں انھیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ آپ نے قصیدہ سماعت فرمانے کے بعد بوصیری کو اپنی چادر عطا کی اور اُس کے جسم پر ہاتھ بھی پھیرا۔ صبح بوصیری جاگے تو وہ بالکل تندرست تھے۔ چنانچہ کسی ضرورت سے بازار گئے تو انھیں چنگا بھلا دیکھ کر لوگوں کو تعجب ہوا۔ راستے میں ایک درویش ملے جنھوں نے بوصیری سے نعتیہ قصیدہ سنانے کی فرمائش کی۔ بوصیری نے پوچھا کونسا قصیدہ؟ درویش نے کہا وہی جو رات کو تم نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا تھا اور جس کے صلے میں تم انعام واکرام سے نوازے گئے۔ شیخ بوصیری نے متعجب ہو کر کہا کہ یہ قصیدہ نہ تو ابھی تک میں نے کسی کو سنایا ہے اور نہ کسی سے اپنے خواب کا ذکر کیا ہے۔ درویش نے کہا کہ میں اس وقت دربارِ رسالت میں موجود تھا جب تم یہ قصیدہ سنا رہے تھے مگر اب میں حصولِ برکت کے لیے اسے دوبارہ سننا چاہتا ہوں۔ اُس دن سے یہ قصیدہ شفائے امراض کے لیے نہایت مبارک سمجھا جاتا ہے۔

(☆☆) محسن کاکوروی کو حسان الہند کا خطاب ملا تھا۔

***

پروفیسر ڈاکٹر حمید نسیم رفیع آبادی
ڈین، فیکلٹی آف سوشل سائنسز، سنٹرل یونیورسٹی آف کشمیر

نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : ایک مختصر جائزہ

علامہ اقبالؒ کے خصوصی حوالے سے

(نوٹ: یہ مقالہ انٹرنیشنل نعت کانفرنس {منعقدہ انجمن علم وادب اینڈ ساؤتھ ایشین کلچرل سوسائٹی شکاگو امریکہ ۲۷ دسمبر ۲۰۲۰} میں پیش کیا گیا)

مرحوم ڈاکٹر عارف قاضی نے اسلامی ادب کی ماہیت کے بارے میں بالکل بجا لکھا ہے کہ اس ادب کی بنیاد قرآن مجید ہے اور توحید کا جہاں تک تعلق ہے، اس کی بنیادی اہمیت ہے اور اگر کوئی بھی ادب پارہ یا شاعری کی کوئی بھی شکل اس اہم اسلامی اساس کی مخالفت کسی بھی صورت میں کرتی ہو تو وہ اسلامی ادب کے دائرے میں اپنی جگہ نہیں پا سکے گی۔۔وہ کہتے ہیں :

"اما الفکر الذی یشکل الادب الاسلامی فی اطارہ فھو القرآن الکریم حیث یقوم ھذا لفکر علی اساس التوحید الخالص،فقاعدۃ الاسلام الازلیۃ ھی الاعتقاد بوجود اللہ الواحد الذی لا یتغیر بتغیر الزمان والمکان فاللہ سبحانہ و تعالی ھو خالق الکون ،وھو الذی یمسک ھذا النظام المترابط فی کل لحظۃً بحیث لو تخلی عنہ لتلاشی و انتھی"(الدکتور عارف قاضی ،آراء فی الادب الاسلامی ،الھدی للطباعۃ والنشر۔نیو دہلی ۲۰۱۴،ص۔۱۶۔۱۷)

اسطرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی ادب وشاعری کا منبع بھی قرآن مجید ہے۔اسی وجہ سے جب جب بھی ہم اس موضوع پر بات کرنا چاہتے تو ہمیں اس بات کا احساس ہونا چاہئے کہ توحید کے خلاف کوئی بھی ادب پارہ یا شاعرانہ تخیل آرائی قابل قبول نہیں ہوسکتی ہے۔چاہے وہ نعت کی صنف میں ہی کیوں نہ ہو۔

نعتیہ شاعری فارسی اور اردو شاعری کی مقبول صنف ہے سعدی جامی ،خسرو ،قدسی ،عرفی ،غالب ، قاآنی ،اقبال وغیرہ سب سے نعتیں لکھی ہیں اور اردو میں بھی فارسی کے زیر اثر نعت گوئی کا یہ سلسلہ چلتا رہا ہے مگر بقول علامہ ابن احمد نقوی:

''لیکن بدقسمتی سے نعت گو شعراء نے اس میدان میں غلو کو اپنی فکر کی بنیاد بنا دیا اور ایسے ایسے اشعار کہے جو بظاہر عظمت ذات پاک رسالت علیہ التحیتہ والتسلیم کو ظاہر کرتے ہیں مگر شرعی اعتبار سے وہ ہرگز قابل قبول نہیں ہیں۔ کسی نے لولاک لما خلقت الافلاک اور اوّل ما خلق اللہ نوری جیسے صوفیانہ خیال کو حدیث کا درجہ دے کر اسے موضوع سخن بنایا'' (پیش لفظ کتاب ''بلغ العلی بکمالہ''، از ڈاکٹر شمس کمال انجم۔ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس دہلی ۲۰۱۴، ص۔ ۵)

اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ نعتیہ شاعری وہی معتبر ہوگی جس میں عقیدت کے ساتھ عقیدے کا پاس لحاظ بھی رکھا گیا جائے'' (ایضاص۔۶)

یہ نازک ترین صنف سخن جس کو دراصل عظیم صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک طرح دی ہے اور اس کی بنیاد استوار کی ہے، مگر بعد میں یونان، ایران اور ہندوستان کے اثرات ثنویت، بعض اوقات شرک کا اثر بھی دیکھا جاسکتا ہے کیونکہ اوتار واد اور بودھی ستوا کے تصورات کے علاوہ عیسائی تثلیث کے اثرات بعض شعراء کے ہاں دیکھے جاسکتے ہیں۔ اگر دیکھا جائے تو اسلام اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں شاعرانہ مخاصمت اور حملے کی پہل قریش میں سے عبداللہ بن الزبعری، عمرو بن العاص، اور ابوسفیان نے کی اوران لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو سخت ہجو کے ذریعہ سے تکلیف پہونچائی۔ جس کی وجہ سے مسلمانوں میں بھی شاعری کا جذبہ ''بھڑک اٹھا'' اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ہتھیاروں سے مدد کی ہے ان کو کیا چیز مانع ہے اس بات سے کہ وہ اپنی زبانوں سے ان کی مدد کریں''۔ (احمد حسن الزیات، تاریخ الادب العربی۔ اردو ترجمہ مولانا فرقان عاطف، مکتبہ رحمانیہ لاہور، ص۔ ۱۱۸۔۱۱۹)

ایک مشہور ہندوستانی عالم مولانا سعید الرحمان اعظمی فرماتے ہیں:

" فقد كان الشعر الذى قيل فى مدح الرسول صلى الله عليه وسلم - والدفاع عن الاسلام ،والرد على بعض الشعراء الجاهنين ، والمنافسين ا من قريش والقبائل العربية ،شعر اقويا ،غنيا بالماده الكلامية " والمفاهيم الهادفة العالية—دفاعا عن رسول رسول الله صلى الله عليه وسلم—والمدح و الثناء ،والحب ولوفاء "
(شعراء الرسول صلى الله عليه وسلم ، مكتبه اصفاء ابوظہی ۲۰۰۹ ،ص-۵)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی ہے اور کہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قوم کے عزت دار آدمی تھے اور اپنے شہر کے بہت ''فهو فى عزفى قومه ومنعة ة فى

بلدہ" ہیں (ایضا سعید اعظمی۔ص۔۳۹)

لیکن اس سے بھی پہلے ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت بیان کی تھی۔

ودعوتنی وزعمت انک ناصحی ولقد صدقت وکنت ثم امینا

وعرضت دینا لا محالة انه۔ من خیر ادیان البریة دینا

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ کو حکم دیا: "اجب عنی اللھم ایدہ بروح القدس" (میری طرف سے جواب دو اللہ آپ کی مدد روح القدسؑ کے ذریعے کرے")، اس کے بعد حضرت حسان ابن ثابت رضؓ نے بھرپور نعت خوانی کی۔

فان ابی و والدہ وعرضی لعرض محمد منکم وقاء

و احسن منک لم تر قط عینی و اجمل منک لم تلد نساء

خلقت میرا ء من کل عیب کانک قد خلقت کما تشاء

اور بقول حسن الزیات حضرت حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ نے کفار کی وہ ہجو کی کہ ان کی زبانیں بند ہوگئیں اور انہیں سخت تکلیف ہوئی۔اور ان کے اشعار سے کفار کو ایسی ایذا پہنچی جو اندھیرے میں لگنے والے تیروں سے ہوتی ہے" (حوالہ سابقہ۔ص۔۱۷۱)

کعب ابن زہیرؓ نے دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں خودسپردگی کی کیونکہ آپ کے خلاف رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اسلام دشمنی کی وجہ سے ان سے بدلہ لینے کا حکم صادر فرمایا تھا مگر وہ چپکے سے دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاصل ہوئے اور بہترین نعت پیش کی۔

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول == متیم اثرھا لم یجز متبول

ان الرسول لنور یستضاء به == مھند من سیوف الله مسلول

لننصر احمد والله حتی == نکون عباد مخلفنا

انبئت ان رسول الله اوعدنی == العفو عند رسول الله مامول

مھلا ھداک الذی اعطاک نافلة ال == قرآن فیھا مواعظ وتفصیل

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے کیا خوب نعت خوانی کی ہے۔

الا یا رسول الله کنت رجاءنا == و کنت بنا برا ولم تک جا فیا

وکنت بنا رووفا رحیما نبینا == لیبک علیک الیوم من کان باکیا

ایسا لگتا ہے کہ دور رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے شعراء اسلام کے دفاع اور ناموس رسالت صلی اللہ

علیہ وسلم کے لئے وقف تھے اوران کی زندگی کا اہم مقصد دشمنان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کرنا ان کے حملوں کا دندان شکن شاعرانہ پیرائے میں جواب دینا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہترین تعریفیں کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو تقویت پہونچانا تھا، لیکن جب ہم فارسی شاعری کی طرف دیکھتے ہیں وہاں اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کا سلسلہ جاری رہا مگر اوع دوسرے مضامین شاعری میں داخل ہو گئے ۔امام بوصیری نے فرمایا۔

منزہ عن شریک فی محاسبہ == فجوبر الحسن فیہ غیر منقسم

محمد اشرف الاعراب والعجم == محمد خیر من یمشی علی قدم

مولانا جامی رح کا نام فارسی نعت گوئی میں بڑا اہم ہے اس نے ہر طرح کی خوبصورت نعتیں کہی ہے اور اس کی پوری زندگی نعت خوانی میں گزری ہے۔

بہ صدق وصفا می توان گشت جامی == غلام غلامان آل محمدؐ

پھر سعدی کا نام کون نہیں جانتا۔

بلغ العلی بکمالہ == کشفت الدجی بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ == صلوا علیہ وآلہ

"وہ اپنے کمال سے بلندی پر سرفراز ہوئے اور اپنے جمال عالم تاب سے اندھیروں کو دور کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام خصلتیں خوبصورت ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل، اولاد پر"۔حضرت شاہ عبدالعزیز نے کیا خوبصورت انداز نعت کا اختیار کیا ہے۔

یا صاحب الجمال ویا سید البشر== من وجھک المنیر لقد نور القمر

لایمکن الثناء کما کان حقہ == بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

رومی رح نے بھی بہت اچھی نعت خوانی کی ہے۔ہندوستان میں فارسی میں غالب نے بھی بعض اوقات نعتیں لکھی ہیں غالب کا یہ شعر سنہرے حروف سے لکھنے کے لائق ہے۔

غالب ثنائے خواجہ بہ یزدان گذاشتیم
کاٰں ذات پاک مرتبہ دان محمدؐ است

اردو میں بھی خوبصورت نعتیں لکھی گئی ہیں چند نمونے پیش خدمت ہیں۔

احمد رضا خان۔

مصطفےٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام
شمع بزم رسالت پہ لاکھوں سلام

ان کے مولیٰ کے ان پر کروڑوں درود   ان کے اصحاب وعترت پر لاکھوں سلام

مولانا ماہر القادری۔

سلام اس پر کہ جس نے بے کسوں کی دستگیری کی
سلام اس پر کہ جس نے بادشاہی میں فقیری کی

حضرت جوہر۔

آپ ہی دل ہو مگر جان رسول عربی
ہو مرا دین اور ایمان رسول عربی

حامد بریلوی۔

حقیقت میں وہ لطف زندگی پایا نہیں کرتے
جو یاد مصطفےٰ سے دل کو بہلایا نہیں کرتے

علامہ اقبالؒ نے سب سے جدگانہ انداز اختیار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور اسوہ حسنہ اور اسوہ کاملہ بنا کر اپنے شعروں میں پیش کیا۔ اسکے برعکس اکثر وبیشتر نعت گو شعراء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ پر زور دینے کے بجائے معجزات کو زیادہ موضوع بحث بنایا ہے مگر اصل جو نعتیہ شاعری کا عربی لب ولہجہ دور رسالت میں سامنے آتا ہے، وہ معجزات سے زیادہ اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے ان پہلوؤں کو زیادہ نمایاں کرتا ہے اور یہی طرز عمل سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مقصد نعت خوانی کو پیوست کر دیتا ہے یہاں اسلام کا دفاع اور دشمنان اسلام کو مقصد نبوت سے آشنا کرنے کا اہتمام بھی ہے اور محبت کی عجیب سرمستی اعتدال اور توازن کی ایک نادر ادا لئے موجود ہے۔ سچ فرمایا ہے مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب نے:

''سیرت کا تذکرہ بحیثیت ''معجزہ'' نہیں بلکہ بحیثیت ''اسوہ'' کیا جانا چاہیے۔ فکر کا بنیادی فرق ہے۔ یاد رکھیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزات کا ظہور ہوا ہے اور دیگر انبیاء کے ذریعہ بھی معجزات کا ظہور ہوا ہے۔ ''معجزہ'' ثبوتِ نبوت کے لئے ظاہر کیا جاتا ہے لیکن وہ مقصدِ نبوت نہیں ہے'' (خطبات بنگلور، الفا پبلیکیشنز نئی دہلی ۲۰۱۰، ص۔۲۶)

میں یہی بات نعت گوئی کے بارے میں بھی کہہ سکتا ہوں کہ نعت گوئی ایسی ہو کہ اس میں شرک بدعت اور دیو مالائی قصے کہانیوں کی آمیزش نہ ہو بلکہ یہ بھی اسوہ حسنہ اور اسوہ کاملہ کا تعارف خوبصورت انداز میں سامنے لائے اور دوسری طرف یہ مقصد نبوت کی طرف لوگوں کو متوجہ کرے اور اسطرح اسلام

کی تبلیغ اور تشہیر کا باعث بنے اللہ کا شکر ہے کہ اقبال نے اسی منہج کو اپنی بے مثال نعتوں کے ذریعے سے بڑے موثر انداز میں ذہن نشین کرنے کی کوشش کی ہے۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کردے == دہر میں اسم محمد سے اجالا کردے
کی محمدؐ سے وفا تم نے تو ہم تیرے ہیں == یہ جہاں چیز ہے کیا لوح قلم تیرے ہیں
محمد کی غلامی دین حق میں شرط اوّل ہے ==اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے
پروانے کو چراغ بلبل کو پھول بس ==صدیق کے لئے ہیں خدا کا رسول بس

اسی طرح بہت سارے اشعار کو ثبوت کے لئے پیش کیا جاسکتا ہے اور اس بلبل ہزار داستان کا دل جو حریم حجاز تھا وہ شیرازی نوا میں نعت گوئی میں میں بھی اس پہلو سے غافل نہیں رہا!

اسی طرح اقبال نے تو اس فن کو اس حجازی آہنگ میں فکری عظمتوں اور روحانی رفعتوں سے مالا مال کر دیا ہے اور اسطرح اقبال رح کا مقام نعت گو شعراء فارسی اور اردو میں بڑا منفرد ہے۔

بہ مصطفٰے برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بو لہبی است
تو غنی از ہر دو عالم من فقیر== روز محشر عذر ہائے من پذیر
ور حسابم را تو بینی ناگزیر ==از نگاہ مصطفٰے پنہاں بگیر
حکمتش یک ملت گیتی نواز ==بر اساس کلمہ تعمیر کرد
طینت پاک مسلمان گوہر است== آب وتابش از پیغمبر است
ہر کہ عشق مصطفٰے ص سامان اوست== بحر وبر در گوشہ دامان اوست
در دل مسلم مقام مصطفٰے ص است== آ بروئے ما زمام مصطفٰے ص است
در شبستان حرا خلوت گزید ==قوم وآئین و حکومت آفرید
ہست دین مصطفٰے دین حیات==شرح او تفسیر آئین حیات

اور جب عالم تخیل میں اقبال سرزمین حجاز کی زیارت کرتے ہیں تو عجیب سوز و مستی کا سماں باندھ دیتے ہیں۔

بایں پیری رہ یثرب گرفتم ==نو اخوان از سرور عاشقانہ
بیا اے ہم نفس باہم بنالیم==من وتو کشتہ شان جمالیم
دو حرفے بر مراد دل بگوئم ==بپائے خواجہ چشمان را بمالیم

سچ کہا ہے طیب عثمانی ندوی:

''حقیقت یہ ہے کہ شمع رسالت کا یہ پروانہ اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں جلتا رہا اور اپنے زبان عالم سے عقیدت ومحبت کے پھول نچھاور کرتا رہا۔ آخر میں یہ کہہ کر اپنے رب کے حضور جا پہنچا ؂

سرودے رفتہ باز آید کہ ناید == نسیمے از حجاز آید کہ ناید''

(اقبال اور عشق رسولؐ، مرکزی مکتبہ دہلی ۱۹۹۷ ص ۱۱۵) ***

نعت اکادمی (کشمیر) کے اغراض ومقاصد:

(الف) سیرت طیبہؐ کے حوالے سے نعت کے فن اور اس کے لوازمات کا شعور عام کرنا اور اس فن کے ماخذات (قرآن مجید، احادیث نبویؐ، کتب سیر ومغازی، الہامی صحائف و مذہبی کتب اور اسمائے رسول مقبول ﷺ) زبان وبیان اور انداز واسلوب کی باریکیوں تک رسائی کو آسان بنانا۔ (ب) ماہانہ، دوماہی یا سہ ماہی نعتیہ نشستیں منعقد کرنا، جن میں بلا لحاظِ زبان نعتیہ کلام پڑھنے کے علاوہ نعت کے فن اور اس کے لوازم وآداب پر مضامین اور نعتیہ کلام پر تبصروں کی شکل میں مقالے پڑھے اور سنے جائیں۔ (ج) سال میں ایک یا ایک سے زائد بار فنِ نعت گوئی پر سیمینار/ کانفرنس منعقد کرنا۔ (د) ایک ماہانہ، سہ ماہی یا ششماہی رسالے کی اشاعت، جس کے صفحات خالص حمد ونعت، نعتیہ کلام اور اس سے متعلق مضامین وموضوعات کو محیط ہوں۔ (ہ) سرینگر میں ایک بڑی نعتیہ لائبریری کا قیام وانصرام، جس میں عربی، فارسی، اردو، کشمیری اور دیگر زبانوں کا مطبوعہ وغیر مطبوعہ نعتیہ کلام و مضامین سے متعلق کتابیں دستیاب ہوں۔ (و) عصر حاضر کی نعتیہ شاعری میں ہیئتی اور موضوعاتی اعتبار سے جو تنوع اور بوقلمونی نظر آتی ہے، اس کی آگہی اور عرفان وشعور عام کرنا (ز) مختلف سطحوں پر تعلیمی اداروں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور دیگر اداروں میں طرحی وغیر طرحی نعتیہ مشاعرے اور نعت گوئی ونعت خوانی کے مقابل منعقد کرانا۔ (ح) متعلقہ ماہرین کی رائے حاصل کرنے کے بعد ریاست کے نعت گو شعراء کی نعتیہ شاعری کی تدوین واشاعت کا انتظام کرنا (ط) عربی، فارسی، اردو، کشمیری اور دیگر زبانوں کے کلاسیکل نعتیہ کلام میں سے چیدہ چیدہ اور معروف نعتوں کا انتخابی سلسلہ شائع کرنا۔ (ی) مختلف زبانوں میں موجود سرمایۂ نعت میں سے ایسے اشعار و ادبیات کا انتخاب وتشہیر جو بے پناہ قوت تاثیر کے حامل ہوں (ک) نعتیہ کلام اور نعت سے متعلق جو گراں بہا سرمایہ مختلف مقامات پر بکھرا پڑا ہے، اس کو حاصل اور محفوظ کرنے کے لیے متعلقہ افراد واداروں سے رابطہ قائم کرنا اور اصل مسودہ یا اس کی فوٹو کاپی کی دستیابی کو ممکن بنانا (ل) بہترین نعتیہ مجموعوں یا نعتیہ شہ پاروں پر نعت گو شعراء کو ہر سال ماہ ربیع الاول میں اکادمی کی طرف سے انعام واکرام سے نوازنا۔ ***

علیم صبا نویدی
۲۶۶ رٹرپلی کین ہائی روڈ، چنئی، 600005

جنوبی ہند کی دو خواتین نعت نگار

(۱) خاتون بی بی عاجزہ

ٹمل ناڈو کی سرزمین سے بہت ساری خواتین شاعرات اُبھریں اور اردو ادب پر اپنا بھرپور نقش ثبت کیا ہے۔ ان میں چند ایک شاعرات خانوادۂ نوابین آرکاٹ سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کے علاوہ مختلف علاقوں کے علمی گھرانوں میں ایسے چراغ بار بار روشن ہوتے رہے۔ خاتون بی بی عاجزہ نے ایسی ہی ایک علمی گھرانے میں اپنی آنکھ کھولی تھی۔ یہ خاندانِ سادات سے تھیں۔ ان کے والدِ محترم کا نام سید محی الدین تھا، جن کی چھ اولادیں تھیں، جن میں سب سے بڑی خاتون بی بی عاجزہ ہی تھیں۔ باقی تمام پانچوں بھائی تھے۔ ان کے بھائیوں کے نام سید عبدالغفور، سید عبدالطیف، سید عبدالعزیز، سید عبدالوہاب اور سید عبدالحمید ہیں۔ عاجزہ اپنے باپ کی بہت چہیتی تھیں اور انہیں اپنے ایک بھائی سید عبدالوہاب سے بڑی انسیت تھی، جنھوں نے دس سال کی عمر میں قرآنِ شریف حفظ کرلیا تھا۔ ان کی پیدائش ترچناپلی میں ہوئی، جہاں قطبِ وقت حضرت شاہ طبلِ عالمؒ کا آستانہ ایک عالم کو اپنی طرف متوجہ کئے ہوئے ہے۔ آپ کے والدِ بزرگوار بہت بڑے عالم دین تھے، جنھوں نے خود ہی اپنی دختر کو بہترین دینی تعلیم دی اور خصوصاً عربی، اردو اور فارسی جیسی تینوں زبانوں میں بھرپور قابلیت کے جوہر عطا کئے۔ مزید توجہ کے لیے حضرت مولانا محمد عاصیؔ سے عاجزہ کی ذہنی تربیت کو ضروری سمجھا۔ موصوف عربی، اردو، اور فارسی تینوں زبانوں میں شعر کہا کرتے تھے اور ترچناپلی میں اُس دور میں اُن کے پایہ کا دوسرا کوئی استادِ فن موجود نہیں تھا۔ شاعری کے علاوہ عاجزہ نے حضرت شیخ سعدیؒ کی تصنیفات کا درس حضرت عاصیؔ سے لیا تھا۔ ان کی تاریخ پیدائش کا کسی ذریعہ سے پتہ نہیں چلتا۔ غالباً یہ داغؔ اور امیرؔ مینائی کی ہم عصر رہی ہوں۔ کیونکہ حضرت امیرؔ مینائی کے شاگرد جناب سید علی صاحب قادری بہارؔ ساکن اودگیری نے عاجزہؔ کے نعتیہ دیوان ''تحفۂ قبول'' پر ایک قطعہ تاریخ کہا ہے اور وہ اس دیوان میں موجود ہے۔

عاجزہ نے یہ بڑا کام کیا واہ کیا نظمِ معظم لکھی

سن کہا بے سر اعدا میں نے — مدحت رحمت عالم لکھی

۱۳۰۵ھ

اگر موصوفہ کی عمر اُس وقت لگ بھگ تیس پینتیس سال کی رہی ہو تو غالباً ان کی پیدائش ۱۲۷۵ھ کے قریب رہی ہے۔ عاجزہؔ اپنے دور میں بہت زیادہ معروف رہی ہوں گی۔ کیونکہ اس دیوان میں ترچناپلی اور مدورا کے شعراء کے علاوہ دیگر مقامات کے شعراء نے بھی قطعات پیش کئے ہیں جن میں حضرت اصمعیؔ پھلمری، حضرت شریفؔ مدراسی اور مولانا ماہرؔ حیدر آبادی کے نامِ گرامی قابل غور ہیں۔

ٹمل ناڈو کی خواتین شعراء نعتوں کی طرف بہت زیادہ مائل رہا کرتی تھیں۔ عاجزہ بھی نعتوں ہی کی طرف کشاں کشاں چلی گئیں، کیونکہ اُن کا رجحان مذہبی تھا۔ عشقِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کی نعتوں سے خوب چھلکتا ہے۔ ان کا خود یہ کہنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے اُس وقت انہیں محبت وعقیدت ہوئی جب کہ ہوش بھی نہیں سنبھالا تھا۔ کہتی ہیں ؎

عشق ہے طفلی سے مجھ کو سرورِ عالمؐ ترا — غم نہ تھا دنیا کا جب تب سے لگا ہے غم ترا

عاجزہؔ کے والدین بھی غریب تھے اور جس گھرانے میں ان کا بیاہ ہوا وہ گھرانہ بھی غیر متمول تھا۔ اس لیے درِ اقدسؐ پر جانے کی بھر پور تمنا کبھی پوری نہ ہوئی اور وہ اس غم وجدائی میں زندگی بھر گھٹتی رہیں۔ اس غم وہراس کا اندازہ ذیل کے اشعار سے بخوبی ہوسکتا ہے ؎

وصفِ دلبر سے دل کو تھی راحت — مدح سرور سے جاں کو تھی فرحت

ایک ساعت نہ تھا قرار مجھے — ذکرِ اقدس و فکرِ مدحت سے

یادِ محبوبؐ جب کہ ہوتی تھی — مل زمیں پر جبیں کو روتی تھی

اور کہتی تھی اے مرے حضرتؐ — تم کہاں اور کہاں یہ بدقسمت

ہائے! وہ دن کہاں کہ آؤں میں — سنگِ زینہ پہ سر جھکاؤں میں

رنج ہجراں میں یادِ وصل نبیؐ — باعثِ زندگی رہی میری

ہوتا تھا دردِ ہجر جب بسیار — لکھتی تھی شوقِ وصل کے اشعار

عاجزہؔ کی نعتیہ شاعری کا مقصد دردِ ہجر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کم کرنا اور شوقِ وصل کو تصور ہی تصور میں پورا کرنا تھا۔ ان کا آخری شعر ملاحظہ فرمائیے کہ وہ جب کبھی ہجر رسولؐ میں تڑپتیں تو نعت گوئی کا سہارا لیتیں۔ اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ شعراء حضرت نعت گویوں میں خود کو شمار کرنے کے لیے بغیر عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بھی فضا میں اپنے پر پھڑ پھڑانے لگتے ہیں۔

عاجزہؔ زبان وفن کی خوبیوں سے پوری طرح واقف تھیں۔ ان کے ہاں رعایت لفظی بہت اہم تھی۔ وہ بے جا الفاظ کی بھرمار سے اپنے کلام کو پاک رکھنا جانتی تھیں۔ خصوصاً نعت گوئی میں الفاظ کے استعمال میں بہت محتاط رہنا چاہیے۔ اس ضمن میں حضرت شریفؔ مدراسی نے عاجزہؔ کو ایک قطعے میں یہ خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

کیا خوب عاجزہ کا ہے دیوانِ نعتیہ ہر ایک لفظ شامل حالِ رسولؐ ہے
حسب الطلب شریف نے بے ساختہ کہا سالِ خوش اُس کا ذکرِ جمال رسولؐ ہے

۱۳۰۵ھ

عاجزہؔ کے چند اور اشعار ملاحظہ فرمائیے جن میں سادگی اور پُرکاری دونوں بیک وقت موجود ہیں مگر انکساراً انہوں نے خود کو ایک ناچیز شاعرہ ہی قرار دیا ہے۔ کہتی ہیں ؎

گر نظر آئیں اس میں سہو و خطا از عنایات و لطف و جود و عطا
قابلو! اس کی کیجئے صحت نظر عیب جوئی کیجئے مت

اس اعتراف کے بعد بھی ہمیں عاجزہؔ کہیں کم تر دکھائی نہیں دیتیں۔ بعض جگہ پر کوئی سہواً گر کوئی بھی ہو تو وہ قابلِ گرفت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ معاملہ نعتوں کے تعلق سے ہے۔ اگر اردو شاعری کی دوسری اصناف ہوتیں تو یقیناً اس کی طرف مبصر کا دھیان ضرور چلا جاتا۔ حد درجہ سادگی سے کام لیتے ہوئے ہی عاجزہؔ نے نعت گوئی کو اپنا شعار بنایا ہے۔ ان کا یہ انداز ملاحظہ کیجئے:

فراقِ محمدؐ کی کیا بے کلی ہے ہو کیوں مجھ کو راحت یہ دردِ دلی ہے
دکھا دیدار اے رشکِ مسیحا تڑپتا ہے دلِ بیمار میرا
منور کیوں نہ ہو دل جب کہ رہبر ہے عشقِ روئے پُرانوار میرا

جب نہ بیداری میں ہو حضرت کی صورت دیکھنا
عالمِ رویا میں کب ہوتی ہے رویت دیکھنا
ذائقہ دردِ جدائی کا بہت ہم پا چکے
دل میں ہے اب لذتِ دیدارِ حضرت دیکھنا

یادِ نبیؐ ہے ایمان میرا روئے نبیؐ ہے قرآن میرا
مداح جب سے ہوں شاہِ دیںؐ کی ہے مدح گوہر انسان میرا

عاجزہؔ کا مطبوعہ دیوان اب نایاب ہے۔ کہیں کہیں ان کے کچھ بکھرے ہوئے اشعار مل جاتے

ہیں۔ کاش ان کا پورا کلام روبرو ہوتا تو قارئین کے لیے بہترین نمونہ پیش کیا جاتا۔ ان کے ایک شعر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ کسی ہادی و مرشد کے دستِ مبارکہ پر بیعت کا فیض حاصل کر چکی ہیں۔

الفتِ دو جہاں سے دل چھوٹا　　جب سے ہمراز سر مرشد ہوں

ترچناپلی کے آستانہ میں معلوم نہیں اُس وقت کون بزرگ تھے، جنھوں نے عاجزہؔ کو راہِ ہدایت سے مستفیض کیا تھا۔ دیوان کی طباعت میں بھی سوانح شاعرہ پیش کرنے میں کوتاہی برتی گئی ہے۔ کاش ایسا ہوتا تو ایک معتبر ادبی تاریخی دستاویز ہمارے ہاتھوں میں ہوتی۔ اکثر اکابر شعراء کے معاملے میں مرتبین نے اس طرح کی کاہلی سے کام لیا ہے۔ خصوصاً ٹمل ناڈو میں یہ روایت ناشائستہ ہمیشہ دیکھنے میں آئی ہے۔

(۲) نواب بیگم امۃ الحی مبشر النساء بیگم حیاؔ

نواب بیگم امۃ الحی مبشر النساء بیگم حیاؔ حضرت مولانا ایمان گوپاموی کی دختر ہیں، جو نواب سر غلام محمد علی خان پرنس آف آرکاٹ سے ازدواجی زندگی میں بندھی تھیں۔ یہ اس خاندان سے منسلک ہوئیں جس میں شاہی و نوابی شان و تمکنت سے کہیں زیادہ دینی، مذہبی، تہذیبی و ثقافتی اقدار کی پاسداری کی جاتی رہی ہے۔ جس خانوادے کو علمی و ادبی سرپرستی کا اعزاز حاصل ہو، اس میں سانسیں لینا بھی باعث اعزاز ہے۔ بیگم حیاؔ حضرت ایمان جیسے بزرگ فاضل و عالم کی نورِ نظر تھیں، جن سے آبائی علمیت ورثہ میں پانے کی سعادت ایک طرف حاصل ہوئی تھی تو دوسری طرف خاندانِ والا جاہی میں بہو بن کر زندگی گذارنے کے مواقع نصیب ہونے کے باعث ان میں علمی وجاہت و تمکنت کے ساتھ لطافت و شائستگی بھی بدرجۂ اتم پیدا ہوگئی۔ حیاؔ کی شاعری نعت گوئی کے باعث بڑی مقبول اور ہردلعزیز ہوتی گئی تھی اور آپ اپنے دور کی واحد خاتون شاعرہ ہیں، جن کے پایہ کی شاعرہ خواتین میں دور دور تک دیکھنے میں نہیں آئی ہیں۔ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو پاک عقیدوں کی بنا پر نصیب ہوا ہے۔ ان کی نعتیں نہ صرف دل کو چھوتی ہیں، بلکہ روح تک میں سرایت کر کے ایک طرح کی روحانی فرحت اور تسکین پیدا کرتی ہیں۔ فنی اعتبار سے بھی آپ کا رتبہ بہت بلند ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ آپ فصاحت و بلاغت کے گلدستے سجا رہی ہیں۔ الفاظ خیالات کا پورا ساتھ دیتے دکھائی دیتے ہیں اور خیالات ذہنی افتاد کی پوری عکاسی کرتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ بیگم مبشر النساء حیاؔ خیال و جذبہ کو لفظوں میں پرونے میں نہ صرف ماہر تھیں، بلکہ انہیں خالصتاً ادبی نوعیت بنانے میں بھی وہ کافی مشاق اور ہنرمند تھیں۔ مولانا الحاج پروفیسر سید عبدالوہاب بخاری صاحب ایم اے ایل ٹی، سابق پرنسپل نیو کالج مدراس نے ان کی شخصیت کو اس طرح کا خراج

عقیدت پیش کیا ہے:

"بیگم صاحبہ ایک بڑے باپ کی بیٹی اور بڑے نواب کی اہلیہ تھیں۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی مصلے پر گذار دی۔ عربی، فارسی اور اردو میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ عبادت وریاضت سے جو وقت بچتا تھا، وہ تصنیف وتالیف میں بسر کر دیتی تھیں"۔

یہ تو رہا ان کا شخصی خاکہ۔ ان کی فنی شخصیت پر ابھی کسی نے کھل کر نہیں لکھا ہے۔ خود ان کے برادر عزیز پروفیسر محبوب پاشا محبوب نے بھی اس سلسلے میں خاموشی اختیار کی تھی۔ کاش وہ بیگم حیاؔ کی نعتوں اور منقبتوں کے مجموعہ "خم خانۂ محامد" (مطبوعہ ۱۹۷۰ء) کو ترتیب دیتے وقت اس طرف توجہ دیتے۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں انہوں نے اس سلسلہ میں نہ ہی کوئی اقدام کیا نہ ہی اکابرینِ ادب میں کسی سے تاثر قلمبند کرائے۔ ممکن ہے کہ ان کے خیال میں خود حیاؔ کا کلام ہی ان کی برتریت کو منوانے کے لیے کافی تھا اور انہوں نے کسی کے تاثر کو غیر ضروری اور بے معنی سمجھا ہو۔ اس کے پیش لفظ میں جناب احمد محی الدین صاحب ایم اے نے مختصر الفاظ میں اتنا ضرور کہا ہے جو واقعی کسی بڑے مضمون کی کمی کو پورا کر دینے کے مترادف ہے:

"اشعار کے محاسن کے متعلق میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ یہ فصاحت و بلاغت کا ایک لہلہاتا ہوا تروتازہ اور شاداب باغ ہے۔ مرحومہ (حیاؔ) کو اس فن پر اتنا عبور اور اتنا کمال حاصل تھا کہ ہر بڑے سے بڑے خیال اور مذہبی جذبات کے اظہار کے لیے انہوں نے سیدھی سادھی اور آسان زبان اختیار کی۔ ان کا کوئی شعر اور کوئی لفظ تشریح طلب نہیں ہے۔ اچھے شعر کی یہی اچھی تعریف ہے کہ وہ آسانی کے ساتھ سمجھ میں آ جائے"۔

حیاؔ نے یقیناً سادہ ترین زبان اختیار کی ہے مگر اس میں سطحیت کو یا بیانیہ اسلوب کو پیدا ہونے نہیں دیا ہے۔ ان کے ہاں فنی سادگی پوری پرکاری کے ساتھ عیاں ہے۔ ان کے کلام کی روانی پر دل کھول کر داد دینی پڑتی ہے۔ آپ کا انداز ملاحظہ فرمائیے۔ "تضمین بر شعر مرشدنا و مولانا و سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ" کے اشارے سے ایک طویل مناجاتی نظم قابل تحسین ہے، جس کا ایک بند وہ ہے، جس میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لہریں دلوں میں اضطراب پیدا کرتی ہیں۔

روز و شب نظارۂ گنبد کروں　　جھوم کر اطراف روضے کے پھروں
گریہ و زاری کروں آہیں بھروں　　آپ کے در پر ہی میں پڑ کر مروں
یا رسولَ اللہ اسمع قالنا　　یا حبیبَ اللہ انظر حالنا

ان کی نعتوں کے چند اور اشعار سنتے چلیے جس کے بعد آپ کے روبرو ''معراج نامہ'' پیش کروں گا

اے حیاؔ حق نے قسم کھائی ہے جس کی جان کی ۔۔۔ وہ حسینِ دل رُبا، وہ جانِ جاں پیدا ہوا



عشقِ محبوب الٰہی میں اگر مر جائیں ۔۔۔ ہو بقائے ابدی بعد فنا ہم کو نصیب



میں ہوں خراب و خستہ، تو بے نیاز و یکتا ۔۔۔ اب بخشدے حیاؔ کو یارب برائے احمدؐ



حیا کی زبان پر یہ دن رات ہے ۔۔۔ الٰہی شفیع الوریٰ پر درود



اے شاہؐ دیں والا حسب ۔۔۔ طاقت نہیں فرقت کی اب
کر لو حضوری میں طلب ۔۔۔ بہرِ رحیمِ پاک رب
ہو اس طرف بھی اک نظر ۔۔۔ یا سیدی خیرؐ البشر

غرض آپ کی نعتوں میں اظہار کی روانی اور جذبات کی سیلانی واقعی داد طلب ہے۔ ''معراج نامہ'' میں ایک طرف تو واقعۂ معراج بیان کرنا مقصود تھا، دوسری طرف اس واقعہ میں اپنی بہترین شعر گوئی کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنا بھی محترمہ حیاؔ کا مقصد دکھائی دیتا ہے اور ساتھ ساتھ اپنے جذبے کا اظہار بھی ان کے پیشِ نظر تھا۔ ان تمام محاسن کی بنا پر صرف یہ نظم ''معراج نامہ'' حیاؔ کے نام کو اونچا اٹھانے میں کافی سمجھی جائے تو غلط نہیں۔

معراج نامہ

مشیر النساء بیگم حیاؔ

اوج پر آج ہے میری طبع رسا ۔۔۔ کہتی ہے لکھئے معراج کا ماجرا
وہ رسولِ خدا، وہ حبیب خدا ۔۔۔ کس طرح دم میں تا عرش آیا، گیا
جلد یوں آمد و شد کی طے راہ کی ۔۔۔ بستر خواب تک کی نہ گرمی گئی
ہے روایت کہ اک رات خیر البشرؐ ۔۔۔ خواب راحت میں تھے امِ ہانی کے گھر
دل تھا بیدار سوتی تھیں آنکھیں مگر ۔۔۔ ناگہاں آئے جبریل با کروفر

کر کے بیدار یوں عرض کی با ادب
آپ کا لامکاں پر ہے مشتاق رب
جلد تشریف فرما ہوں یا مصطفےؐ
آپ کے وصل کا منتظر ہے خدا
ہوگئے آسمانوں کے دروازے وا
ہر نبی کو ہے شوق آپ کی دید کا
ہے یہ حاضر براق اس پہ ہوکر سوار
چلئے میں آپ پر جان و دل سے نثار
الغرض ساتھ جبریل کے شاہِ دین
طرفۃ العین میں کر کے سب طے زمیں
بیتِ اقصیٰ میں آکر ہوئے جاگزیں
بہر نظارہ حاضر تھے سب مرسلیں
یوں نماز آپؐ نے اس طرح کی ادا
سب نبی مقتدی، آپؐ تھے مقتدا
پھر چلے سوے افلاک خیر الوریٰؐ
شور یا ربی صل علیٰ کا مچا
حور و غلماں، ملک، مرسل و انبیاء
بہر نظارہ تھے آپؐ پر سب فدا
اپنی جانوں کو قربان کرنے لگے
پائے اقدس پہ سر اپنا دھرنے لگے
بولے جبریل اے سرورِ انس و جاں
سدرۃ المنتہیٰ تک ہے میرا مکاں
آپ کے صدقہ سے آج آیا یہاں
اس سے آگے بڑھوں اتنی قدرت کہاں
تاب و طاقت نہیں مجھ میں پرواز کی
مجھ کو رخصت یہیں کیجئے یا نبی
آگے تشریف جب لے چلے مصطفےؐ
اذنِ اللہ کی کانوں میں آئی صدا
اور ہونے لگا دم بہ دم ارتقاء
دور کا راستہ پھر تو نزدیک تھا
بس پلک مارتے ہی ہوا واں گزر
پہنچے جس جا نہ وہم و گمانِ بشر
الغرض لامکاں پر گئے جب حبیبؐ
آپ تھے یا خداوند روز حسیب
فرق تھا دو کماں کا کہ اس سے قریب
بے حجابانہ تھی، دید حق کی نصیب
آئی آواز اے احمد مجتبیٰؐ
میم کا روے انور سے پردہ اٹھا
مجھ میں اور تجھ میں کوئی جدائی نہیں
تیرے محکوم ہیں آسمان و زمیں
میرے بندے، ترے بندے ہیں بالیقیں
میں ہوں غفار، تو شافعؐ المذنبیں
میں نے کونین کا تجھ کو مالک کیا
سب خدائی کو قبضہ میں تیرے دیا
تو نہ ہوتا تو ہوتے نہ کون و مکاں
جنت و نار و حور و ملک انس و جاں
عرش کرسی و لوح و قلم دو جہاں
تیرے ہی واسطے سب بنے، بے گماں

سب ہے تیرا، جو نزدیک یا دور ہے
لا مکاں و مکاں میں ترا نور ہے

قاب قوسین سے عقد یہ حل ہوا
رازِ اوحیٰ الی عبدہ کھل گیا

بالمشافہ خدا سے تکلم کیا
جو تھا کہنا، کہا، جو تھا سننا، سنا

حق نے فرمایا اے میرے پیارے نبیؐ
مجھ کو منظور ہے دل دہی آپ کی

ہیں تمہارے حوالے شقی و سعید
تم کو دی ہم نے خلد و سقر کی کلید

اپنے یاروں کے گھر کی کرو جا کے دید
اپنے بدخواہوں کی دیکھو جائے پلید

اپنے بندوں کو سونپا تمہیں مصطفےٰؐ
جو تمہارا ہوا وہ ہمارا ہوا

اپنے محبوب سے پھر خدا نے کہا
ہیں نمازیں پچاس ان کو یا مصطفےٰؐ

اپنی امت کو دوجا کے تحفہ مرا
تا وہ ان کو کریں رات دن میں ادا

عرض کرنے لگے حق سے یوں شاہؐ دیں
اے خداوندِ ہفت آسمان و زمیں

میری امت تو ہے عاجز و ناتواں
ان میں اتنی نمازوں کی طاقت کہاں

اپنی رحمت سے اے مالک دو جہاں
کر دے تخفیف تا ہوں وہ طاعت کناں

عفو کر ان سے کچھ ہو جو سہو و خطا
اپنا شوق عبادت کر ان کو عطا

حق نے فرمایا اے بادشاہِؐ حجاز
آپ نے ان نمازوں کا سمجھا نہ راز

پنج وقتہ ہیں، پنجاہ وقتِ نماز
اجر ہے اک کا دس کیجئے امتیاز

یا نبی میں نے مانا تمہارا کہا
جو تمہاری رضا ہے، وہ میری رضا

پس نبی نے کہا بعد حمد و ثنا
اے کریم و رحیم و غنی ذوالعطا

شکر تیرا کروں کس زباں سے ادا
بس یہی آرزو ہے، یہی مدعا

میں نہ ہرگز طرف خلد کے جاؤں گا
ساتھ امت کو جب تک نہ لے جاؤں گا

ہے حیاؔ کی یہ اب آپ سے التجا
اے شہنشاہِؐ دیں سرورِ انبیاء

کرکے اللہ سے یا محمدؐ دعا
اس کو اور اس کے ماں باپ کو بخشوا

اپنے دیدار سے بھی کرو بہرہ ور
صدقے تم پر حیاؔ کے ہوں جان و جگر

***

ڈاکٹر غفور شاہ قاسم

لاہور، پنجاب، پاکستان

حفیظ الرحمٰن احسنؔ کی حمدیہ و نعتیہ شاعری

حفیظ الرحمن احسن ۱۹ اکتوبر ۱۹۳۴ء پسرور ضلع سیالکوٹ کے ایک معزز متوسط دینی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ جناب عبدالعزیز صاحب کی کل آٹھ اولادوں میں حفیظ صاحب کا تیسرا نمبر ہے۔ ان کے گھر کا ماحول دینی تھا اس لیے ان کی دینی تربیت گھر پر ہی ہوئی۔ اُن کو شرافت، اعلیٰ اخلاق اور دین داری کا پہلا سبق اپنے بزرگوں سے ملا۔ اُن کی شخصیت پر والدہ ماجدہ اور والد محترم دونوں کے نقوش مرتب ہوئے۔ یہ اُن کی خوش بختی تھی کہ گھر میں ان کو نہ صرف دینی بلکہ علمی و ادبی فضا بھی میسر آئی جس کی بدولت ان کے اندر چھپے ہوئے ادیب کی تربیت ہوئی۔ ان کے بچپن کے دور میں بچوں کے لیے ہفت روزہ رسالہ ''پھول'' شایع ہوتا تھا۔ ۱۹۳۵ء کے رسالہ ''پھول'' کا مکمل فائل گھر میں محفوظ تھا۔ چنانچہ انھوں نے اسے سارا پڑھ ڈالا۔ اس دور کے جن ادبی جراید سے وہ روشناس ہوئے اور کم عمری کے باجود ذوق وشوق سے پڑھے ان میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں:

ماہنامہ رومان، نیرنگِ خیال، ہمایوں اور ادبِ لطیف۔ اس کے علاوہ دیوان سنگھ مفتون کا اخبار ''ریاست'' چراغ حسن حسرت کا ''شیرازہ'' اور حمید نظامی کا ہفتہ وار ''نوائے وقت'' باقاعدگی سے زیر مطالعہ رہے۔ یہ اسی چیز کا نتیجہ ہے کہ میٹرک کی عمر کو پہنچتے پہنچتے وہ ملک کی بہت سی دینی ادبی شخصیات اور ان کے خیالات سے واقف ہو چکے تھے۔ انھوں نے اپنے دور طالب علمی میں ڈپٹی نذیر احمد، علامہ راشد الخیری، عبدالحلیم شرر، پریم چند، کرشن چندر، نسیم حجازی، نعیم صدیقی، شورش کاشمیری، میاں ایم اسلم کے علاوہ مولانا مودودی کو جم کر پڑھا۔ حفیظ الرحمن احسن نے مرے کالج سیالکوٹ سے گریجویشن کی اور ایم اے عربی اسلامیہ کالج سول لائنز سے کے سابق طالب علم سے پرائیویٹ پاس کیا۔ ایم اے عربی کے امتحان میں انھوں نے تیسری پوزیشن اور درجہ امتیاز حاصل کیا۔ بعدازاں انھوں نے ایم اے اُردو کا امتحان بھی پاس کرلیا۔ ۱۹۵۹ء میں انھوں نے گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ کالج لائل پور (فیصل آباد) میں عربی کے لیکچرر کی حیثیت سے تدریسی کیریئر کا آغاز کیا۔ ستمبر ۱۹۶۲ء میں تبدیل ہو کر گورنمنٹ کالج سرگودھا

میں چلے گئے۔ ۱۹۶۳ء میں یہ عارضی ملازمت ختم ہوگئی۔ کیونکہ پبلک سروس کمیشن میں ایک دفعہ منتخب نہ ہوسکے اور دوسری دفعہ انٹرویو میں شریک نہ ہوسکے۔ چند مہینے بے کار رہنے کے بعد انھوں نے ستمبر ۱۹۶۳ء میں مرے کالج سیالکوٹ میں عربی کے معلم کے طور پر دوبارہ ملازمت کا آغاز کیا۔ ۱۹۶۶ء میں مرے کالج کی ملازمت چھوڑ کر لاہور میں مستقل اقامت اختیار کرلی۔ یہاں ایک سال تک ''اشاعت تعلیم'' کالج میں تدریس کے فرائض انجام دیے۔ (مذکورہ کالج کو ۱۹۷۲ء میں ہاشمی میموریل کالج آف کامرس میں ضم کردیا گیا) ۱۹۶۶ء ہی میں اُنھوں نے اپنا اشاعتی ادارہ ''ایوانِ ادب'' قائم کیا اور یہی مصروفیت اب تک چلی آرہی ہے۔ تاہم ان دنوں اپنی علالت کی وجہ سے اپنے اشاعتی ادارہ کی طرف بھی ان کی توجہ کم ہوتی جارہی ہے۔ وہ مرے کالج سیالکوٹ کالج میگزین کے طالب علم مدیر بھی رہے۔ مرے کالج میں تدریسی فرائض سرانجام دیتے ہوئے پروفیسر آسی ضیائی سے مسلسل مشورہ سخن کیا جس سے ان کو شاعری اور زبان کے بہت سے اسرار و رموز سے شناسائی حاصل ہوئی۔ جب ۱۹۶۶ء میں لاہور میں اقامت اختیار کی تو طاہر شادانی جیسے اساتذہِ سخن سے مسلسل رہنمائی لیتے رہے۔

۱۹۷۰ء کی آخری سہ ماہی میں ماہنامہ ''سیارہ ڈائجسٹ'' لاہور سے وابستہ رہے۔ اس مختصر دور میں بعض بہت اہم تحریریں لکھنے کا موقع میسر آیا۔ ۱۹۷۶ء میں لاہور سے جناب مظفر بیگ کی ادارت میں شایع ہونے والے ہفت روزہ ''آئین'' سے وابستہ ہوئے اور یہ وابستگی کئی سال تک قائم رہی۔ زندگی کے اسی دور میں انھیں ممتاز دینی شخصیت جناب مولانا ابوالاعلیٰ مودودی سے قربت کے مواقع میسر آئے۔ اس طرح ان کی شخصیت کی تعمیر اور کردار سازی میں مولانا کے افکار، نظریات اور ان کی رفاقت کا بہت بڑا حصہ ہے۔

وہ ۱۹۷۶ء ہی میں جناب نعیم صدیقی کے ادارت میں شایع ہونے والے ادبی ماہنامے ''سیارہ'' کے ساتھ وابستہ ہوئے۔ یہ وابستگی اب تک قائم ہے۔ اس وقت وہ اس ماہنامے کے اعزازی مدیر و منتظم کے طور پر کام کررہے ہیں۔ ''سیارہ'' ۱۹۷۶ء سے ضخیم ادبی اشاعتوں کی صورت میں شایع ہورہا ہے اور اب تک اس کی ۶۰ خاص اشاعتیں سامنے آچکی ہیں۔

ان کی تصنیفات اور مُرتبات اردو ادب میں بیش قیمت اضافہ ہیں۔ گو انھوں نے بہت کم لکھا ہے لیکن جتنا بھی لکھا ہے بشمول نثر و نظم کے وہ ادبی چاشنی اور ''ادب برائے زندگی'' کا حسین امتزاج ہے۔ اسے حالات کی ستم ظریفی کہا جائے یا معاشرے کی بے حسی کہ ان کی تصنیفات میں سے ابھی کئی ایک اشاعت کے مرحلے سے نہیں گزریں۔ ان کے شعری مجموعے اور دیگر نگارشات جو ابھی تک غیر مطبوعہ

ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے :

- غبارِ خزاں (فصلِ زیاں کے انداز کی غزلیں اور نظمیں)
- نوائے راز (غزلیں ۱۹۵۶ء سے ۱۹۲۰ء تک)
- ستارہ شامِ ہجراں کا (۱۹۹۸ء تک اور کچھ متفرقات)
- موجِ سلسبیل (حمدیہ شاعری)
- رشحاتِ تسنیم (نعتیہ شاعری)
- نغماتِ طفلی (بچوں کے لئے نظموں کا جامع مجموعہ جو کلیات کی شکل میں چھپ سکتا ہے)
- کلامِ احسنؔ (متفرق منظومات)

ان کا مطبوعہ مجموعہ کلام ''فصل زیاں'' ہے یہ بے نظیر بھٹو کے دور اول پر بہ زبانِ غزل تبصرہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسے ایک تاریخی ریکارڈ کی حیثیت حاصل ہو چکی ہے۔ حفیظ الرحمن احسن نے نثری ادب پر بھی مقدور بھر کام کیا ہے لیکن ان تصنیفات کی اشاعت کا کام ابھی زیر التوا ہے۔ نثری کام کی تفصیل یہ ہے:

- صراط مستقیم: دینی موضوعات پر ریڈیو پاکستان لاہور سے نشر ہونے والی تقریروں کا مجموعہ ہے۔ ان تقریروں کی تعداد (چھیاسی) کے لگ بھگ ہے۔
- بُوقلمُوں: متفرق دینی و علمی اور ادبی مضامین کا مجموعہ ہے۔ اس کے علاوہ ''سیارہ'' کی تحریریں بھی اس میں شامل ہو سکتی ہیں۔
- اسلام کا سر چشمہ قوت: سید مودودیؒ صاحب کے ''الجمعیۃ'' کے ۱۹۲۵ء کے ادارتی مضامین جن کا پہلا ایڈیشن حفیظ الرحمن احسنؔ نے مرتب کیا ہے۔
- ادارہ آفاق۔ لاہور: (تعلیمی اداروں کا وفاق) کے لیے کام جناب حفیظ الرحمن احسنؔ نے لگ بھگ دو سال کے متفرق منصوبوں پر تصنیف و تدوین اور نظر ثانی کا کام کیا ہے۔ یہ کتب پہلی سے آٹھویں جماعت کی اردو اور اسلامیات کے نصابوں کا احاطہ کرتی ہیں۔ کتب پر احسنؔ صاحب کا نام مختلف حیثیتوں سے درج ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ ان کتابوں کے علاوہ احسنؔ صاحب نے رسالہ ''سیارہ'' کے لیے ادارتی تحریریں بھی لکھیں اور تنقیدی و تجزیاتی مضامین بھی۔ یہ تحریریں ان کے نثری سرمائے کا حصہ ہیں۔

حفیظ الرحمن احسنؔ کا حلقہ ادب لاہور سے گہرا تعلق قائم رہا۔ یہ حلقہ ۱۹۸۰ء میں قائم کیا گیا۔ اسے

قائم کرنے والوں میں جناب سراج منیر، پروفیسر فروغ احمد، سید اسعد گیلانی، جناب طاہر شادانی، ڈاکٹر تحسین فراقی، جناب جعفر بلوچ اور حفیظ الرحمن احسنؔ وغیرہ شامل ہیں۔ یہ حلقہ پندرہ سال تک اپنا کام کرتا رہا۔ ابتدائی دس سالوں میں ہفت روزہ اجلاس ہوتا تھا جبکہ آخری پانچ سالوں میں پندرہ روزہ اجلاس منعقد ہوتے رہے۔ ان اجلاسوں میں بڑی مثبت تنقید ہوتی تھی (ادب کے حوالے سے)۔ اس حلقے کو لاہور کے ادبی حلقوں میں بہت اہمیت حاصل رہی ہے۔

حمدیہ اور نعتیہ شاعری

حفیظ الرحمن احسنؔ ایک کہنہ مشق ادیب و شاعر ہیں۔ علمی و دینی گھرانے سے تعلق ہونے کی بناء پر انھیں حمدیہ اور نعتیہ شاعری سے خاص شغف ہے اور حمدیہ اور نعتیہ شاعری ان کے اسلوب کا خاص وصف ہے۔ اس فن میں ان کا جذبہ اور خلوص دونوں پاکیزہ اور کامل نظر آتے ہیں۔ انھوں نے حمدیہ و نعتیہ شاعری زیادہ تر غزل کی ہیئت میں کی ہے۔ اس حوالے سے ان کا مجموعہ کلام ''موجِ سلسبیل'' ہے جو ابھی اشاعت کے مراحل سے نہیں گزرا۔ مگر ہمیں کامل یقین ہے کہ یہ مجموعہ چھپنے کے بعد اردو شاعری کے حمدیہ اور نعتیہ سرمائے میں ایک خوبصورت اضافہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کا موضوع اس قدر وسیع ہے کہ انسانی فکر و نظر اس کے ادنیٰ سے حصے کا بھی احاطہ کرنے سے قاصر ہے۔ انسان تو کائنات میں ایک حقیر سی مخلوق ہے۔ وہ رب ذوالجلال والاکرام کی تعریف و توصیف کا حق کیسے ادا کر سکتا ہے؟ انسان کا عمل محدود اور عقل محدود تر ہے۔ اس کی عقل تو اس قابل بھی نہیں کہ صفات ربانی کا مکمل ادراک ہی کر سکے۔ اس کا بیان تو بہت بڑی بات ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ: ''اگر دنیا کے تمام درخت قلمیں اور تمام سمندر روشنائی بن جائیں تو بھی اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور صفات کی تعریف و توصیف کا احاطہ ممکن نہیں ہے۔'' اگرچہ ان کے ختم ہونے کے بعد ایسے ہی سات سمندر روشنائی کے اور مہیا کر لیے جائیں۔ تاہم انسان اپنی تمام کمزوریوں اور کم مائیگیوں کے باوجود اپنی بساط کے مطابق حمد کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی توریف و توصیف کرتا ہے۔ اردو زبان میں حمد لکھنے کے لیے کوئی خاص ہیئت مقرر نہیں بلکہ یہ شاعر کی مرضی پر موقوف ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے لیے وہ جو ہیئت چاہے منتخب کر لے۔

چنانچہ قصیدہ، غزل، مثنوی، قطعہ، رباعی، نظم معریٰ، آزاد نظم، مخمس، مسدس غرضیکہ شاعر حمد کے لیے کسی بھی ہیئت کا انتخاب کر سکتا ہے۔ حمد قدیم ترین صنفِ سخن ہے۔ فنی اور تکنیکی انداز سے ہٹ کر دیکھیں تو کائنات میں خدا کی تعریف و توصیف کا آغاز تخلیق کائنات سے بھی پہلے ہوا تھا۔ تخلیق آدمؑ سے قبل خدا

کے فرشتے شب و روز اس کی تعریف و توصیف اور تسبیح و تہلیل میں مصروف تھے۔ تمام کتبِ سماویہ خدا کی تعریف و توصیف سے لبریز ہیں۔ انسانی رُشد و ہدایت کی آخری کتاب ''قرآن مجید'' کا تو آغاز ہی حمدِ خداوندی سے ہوتا ہے اور اختتام بھی۔ عربی اور فارسی شاعری میں حمد و مناجات کا ایک وسیع ذخیرہ موجود ہے۔ اردو میں شاعروں نے اپنے دیوان ترتیب دیتے وقت حمدیہ اشعار سے ابتدا کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اردو میں حمد کی تاریخ اردو شاعری کے ساتھ ہی شروع ہوتی ہے۔ نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم شعرا نے بھی اس روایت کی پاسداری کی ہے اور خدا کی حمد لکھی ہے۔

حفیظ الرحمن احسنؔ نے حمدیہ شاعری کے لیے زیادہ تر غزل کی ہیئت استعمال کی ہے۔ یہ بات تو طے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعریف و توصیف مشتِ خاکی کے بس کا روگ نہیں اور اپنی اسی کم مائیگی کا ذکر کرتے ہوئے احسنؔ صاحب کہتے ہیں:

ہے اس کی حمد سے عاجز مری زباں کیا کیا
ثنا سے اس کی ہے قاصر یہ خوش بیاں کیا کیا

انھوں نے اللہ تعالیٰ کی ثنا کے لیے جو الفاظ استعمال کیے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ سے ان کی عقیدت اور جذبہ خلوص کے ترجمان ہیں۔ انھوں نے صرف رسماً ہی حمدیہ شاعری نہیں کی بلکہ اس موضوع پر ان کا قلم خلوص و عقیدت سے بارگاہ ایزدی میں سجدہ ہائے نیاز ادا کرتا نظر آتا ہے۔

مجھے فکر سود و زیاں ہو کیوں، سر کاہش دل و جاں ہو کیوں
ترا فیصلہ مرا فیصلہ ..... جو تری رضا، وہ مری رضا
ترا ذکر میری اساس ہے، ترا شکر میرا لباس ہے
ترے در پہ سجدہ گزار ہے مرا ہر نفس، مری ہر نوا

حمد کی ایک صورت مناجات کہلاتی ہے۔ حمد اور مناجات دونوں میں اگرچہ اللہ تعالیٰ کی تعریف و توصیف ہوتی ہے لیکن مناجات کا انداز دعائیہ اور التجائیہ ہوتا ہے۔ احسن کی متعدد حمدیہ غزلوں میں مناجات کا رنگ نمایاں ہے۔ جس میں وہ بڑی عاجزی و انکسار سے اللہ تعالیٰ سے طلبِ رحمت کرتے نظر آتے ہیں۔

تیری رحمت کا آسرا چاہوں
اور پھر اس کے بعد کیا چاہوں
تیری چوکھٹ پہ جا کے بیٹھا رہوں
قُرب کا تیرے سلسلہ چاہوں

تو ہی میرے دل میں مکیں رہے، رگِ جاں سے بھی تو قریں رہے
ترے در پہ میری جبیں رہے، یہی طلب، یہی التجا
مرے حال پر بھی ہو اک نظر، میں ہوں تیرا احسنِ بے ہنر
ترے نام سے، ترے نام پر ...... میری ابتدا میری انتہا

موجودہ دور ابتری اور زبوں حالی کو دور ہے۔ حالات پہلے کبھی اس طرح نہ بگڑے تھے۔ تمام معاشرتی، تہذیبی اقدار مٹ کر نابود ہو چکی ہیں۔ مسلم ممالک کو چن چن کر نشانہ بنایا جارہا ہے۔ احسن بھی اسی معاشرے کے فرد ہیں اور بہ حیثیت شاعر حالات کی اس ستم ظریفی پر ان کا دل کڑھتا ہے۔ چنانچہ وہ مولا کریم کی نگاہِ التفات کے منتظر ہیں۔

ہیں بحر و بر فساد کے مسکن بنے ہوئے
ہر سُو ہیں مکر و زُور نے جالے تنے ہوئے
ٹوٹیں گے کب تمدنِ حاضر کے سومنات
اے ربِ کائنات!
جورو ستم کی گرد سے راہیں اٹی ہوئیں
بارود کے دھویں سے فضائیں پٹی ہوئیں
کیوں چھا رہی ہے زیست پہ غم کی سیاہ رات
اے ربِ کائنات!

ادبی اصطلاح میں "نعت" کا لفظ سرکارِ دو عالم سید المرسلین رحمۃ للعالمین جناب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف اور مدح کے لیے مخصوص ہے، نعت دراصل ایک مسلمان کی طرف سے سرکارِ دو عالم کی بارگاہ میں عقیدت کا نذرانہ ہے۔ کسی شخص کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا جب تک وہ رسول کو اپنی ذات، ماں باپ، اولاد، مال و دولت، جاہ و حشمت اور دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر محبوب نہ رکھے۔

نعت گوئی کا آغاز عربی زبان میں رسول اکرم کی حیات طیبہ میں ہی ہو گیا تھا۔ مشرکین کی ہجو گوئی کے مقابلے میں حضرت حسانؓ بن ثابت انصاری آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محاسن و محامد بیان کرتے اور کفار کی بدگوئی کا جواب دیتے۔ یہ دراصل صحابہ کرامؓ کی آپ سے محبت و عقیدت کا تقاضا تھا۔ بعض مواقع پر ابوسفیان کی ہجو گوئی پر خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسانؓ کو حکم دیا کہ اس کا جواب دیں۔ چنانچہ حضرت حسانؓ کے نعتیہ قصائد عربی ادب کا انمول اور قابل قدر خزانہ ہیں۔ آپ کے

محامد کے ذکر میں حضرت حسانؓ کے یہ اشعار آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

وَاَجْمَلَ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي
وَ اَحْسَنَ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّاً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

(اے نبی! آپ سے زیادہ خوبصورت میری آنکھ نے آج تک نہیں دیکھا اور آپ سے زیادہ حسین کسی عورت نے جنم ہی نہیں دیا۔ آپ ہر قسم کی کمی اور خامی سے پاک و مبرا ہیں۔ گویا آپ کی تخلیق آپؐ کے پسندیدہ محاسن کے ساتھ کی گئی ہے۔)

کم و بیش بائیس صحابہ کرامؓ اور حضرت عائشہؓ اور حضرت فاطمہؓ الزہرا کے نعتیہ اشعار عربی ادب کی آج بھی زینت ہیں۔ کعبؓ بن زہیر امام بوصیریؒ اور احمد شوقی کے قصائد نعت میں قابل قدر سنہری باب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ فارسی میں عطار، انوری، سعدی، عرفی مولانا رومی اور مولانا جامی کی نعتیں مشہور خلائق اور زبان زد عام ہیں۔

اردو شاعری بھی فارسی کے زیرِ سایہ ارتقا کی منازل طے کرتی رہی ہے۔ چنانچہ نعت گوئی کی روایت اسے فارسی ہی سے ملی ہے۔ اردو میں سب سے پہلے خواجہ بندہ نواز گیسودراز کے نعتیہ اشعار منظر عام پر آئے۔ اردو کے تمام شعرا بلا تخصیص مسلم وغیر مسلم نے اپنی مثنویوں اور دیوانوں کی ابتدا میں بطور تبرک نعتیں لکھیں۔ اردو میں بطور خاص خواجہ میر درد، امیر مینائی، مولانا ظفر علی خان، ماہر القادری، بہزاد لکھنوی، حافظ مظہر الدین، نعیم صدیقی، احمد ندیم قاسمی، حفیظ تائب، مظفر وارثی، عبدالعزیز خالد، اعظم چشتی اور محمد علی ظہوری نے خصوصی طور پر نعت پر توجہ دی۔ محسن کاکوروی اور امیر مینائی کا سارا کلام نعت کے لیے مخصوص ہے۔ مولانا حالی اور علامہ اقبال کا نعتیہ کلام بھی اپنی فن نزاکتوں، عقیدت واحترام اور محبت والفت کے جذبات کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے۔

حفیظ الرحمن احسنؔ سچے عاشقِ رسول ہیں اپنے بے پایاں عشق کا اظہار انھوں نے اپنی نعتیہ شاعری میں انتہائی عجز وانکسار کے ساتھ کیا ہے۔ وہ حضرت محمد کی ثنا کے لیے الفاظ کا چناؤ بڑے سوچ بچار کے بعد کرتے ہیں۔ وہ واقعات اور مناظر کی تصویر کشی اس طرح کرتے ہیں کہ قاری پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔

گونجا ہوا ہے ان کا ترانہ مکاں مکاں
دہرا رہی ہے ان کا فسانہ اذاں اذاں
ہے جلوہ گاہِ طُور کا عالم وہاں وہاں
پہنچا ہے اُن کا نورِ بنوت جہاں جہاں
آئے جب آپ پھیلے اجالے اُفق اُفق
ہر منظرِ جمال تھا پہلے دھواں دھواں
احسنؔ تمہی نہیں ہو ثنا خوانِ مصطفی
کرتی ہے ان کا ذکر مبارک ، زباں زباں

ان کی نعت کا صوتی آہنگ اور طرز ادا اتنی خوبصورت ہے کہ روح سرشار ہو اٹھتی ہے۔قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے کہ: ''آپ کا اسوہ تمام بنی نوع انسان کے لیے نمونہ ہے۔'' دورِ حاضر میں ترقی اور ذرائع ابلاغ کی اہمیت کے نام پر معاشرے میں جو بے راہ روی نظر آتی ہے، احسنؔ اس سے خائف تو ہیں لیکن وہ اپنے رب سے پُرامید بھی ہیں کہ ظلمت کا اندھیرا ضرور چھٹے گا اور ان کا یہ رویہ بہت صحت مندانہ ہے۔

بھٹک رہے ہیں سفینے محیطِ ظلمت میں
منارِ نورِ نبی کا نظام ٹھہرے گا
وہ دن قریب ہیں جب ہر نگاہ کا مقصود
جمالِ اسوۂ خیرالانامؐ ٹھہرے گا
برائے تشنہ لباں ، لطفِ ساقی کوثر
مدارِ گردشِ کاسُ الکرام ٹھہرے گا

انسان خطا کا پتلا ہے۔بشری کمزوریاں ہر انسان میں ہوتی ہیں۔احسن اپنی کمزوریوں کی پردہ داری نہیں کرتے اور یہی ان کی کسر نفسی منکسر المزاجی کی دلیل ہے۔

بے نیاز متاعِ دنیا کر
بندۂ حرص ہوں ، غنا چاہوں

کر عطا مجھ کو دولتِ اخلاص
ہوں مریضِ ہوس ، شفا چاہوں
پاؤں توفیقِ اتباعِ رسول
الفتِ شاہِ دو سرا چاہوں

اوران کا یہ شعر(اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ) کی کھلی تفسیر ہے۔

جو کٹے مجھ سے ، جڑوں اس سے
سب سے الفت کا رابطہ چاہوں

موجودہ دور میں ہر طرف افراتفری، نفسا نفسی اور اخلاقی پستی کا عالم نظر آتا ہے۔ یہ بات حقیقت پر مبنی ہے کہ گزشتہ دو صدیوں میں انسان نے مادی اور سائنسی میدان میں بہت حیران کن ترقی کر لی ہے۔ لیکن اس کی روحانی، ذہنی اور شخصی گراوٹ، پستی اور بدحالی کا گراف بھی بہت اونچے درجے پر پہنچ چکا ہے۔

حفیظ الرحمن احسنؔ کا حمدیہ اور نعتیہ شاعری پر مشتمل مجموعہ 'موجِ سلسبیل' روحانی زبوں حالی کے دور میں ایک اچھی کاوش ہے اور بگڑئی اخلاقیات کو صحیح نہج پر لانے کے لیے ایک اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو قادر مطلق ہے وہ ہمارے مانگنے سے بھی بڑھ کر نوازتا ہے۔ بشرطیکہ مانگنے کا طریقہ پُرخلوص اور ریاکاری سے پاک ہو۔ احسنؔ کی حمدیہ شاعری اسی خلوص کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

جہاں تک ان کی نعتیہ شاعری کا تعلق ہے تو ان کی نعتیہ شاعری بھی معیارِ اعلیٰ پر فائز نظر آتی ہے۔ آپصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جس ذات باری تعالیٰ کے محبوب ہیں، اس ذات نے خود اپنے محبوب کی مدح سرائی کی ہے اور اپنے بندوں سے بھی تقاضا کیا ہے کہ اس کے محبوب کی بڑھ چڑھ کر تعریف وتوصیف کریں۔ شاعروں اور ادیبوں نے جہاں محبوب مجازی کی مدح سرائی میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیے ہیں، وہیں احسن جیسے آشفتہ سر عاشقوں نے اپنے محبوب سرورِ کونین کی تعریف وتوصیف کے جھنڈے گاڑ دیے ہیں۔

اخذواستفادہ:

۱۔ حفیظ الرحمن احسنؔ، موجِ سلسبیل (حمدیہ شاعری)
۲۔ حفیظ الرحمن احسن، رشحاتِ تسنیم (نعتیہ شاعری)

***

مدیر mail2quddusi@gmail.com

الطاف حسین حالیؔ کی نعتیہ شاعری

خواجہ الطاف حسین حالیؔ (۱۲۵۳ھ۔ ۱۳۳۳ / 1837---1914) اُردو شاعری کی تاریخ میں دورِ جدید کے پہلے اہم نعت نگار ہیں، جن سے اردو میں نعت گوئی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ حالیؔ کا نعتیہ کلام اگرچہ مقدار میں کم ہے، لیکن معیار کے اعتبار سے بلند پایہ ہے۔ کلیاتِ حالیؔ میں غزل، قصیدہ، رباعی، مخمس اور مسدس غرض ہر صنفِ سخن میں اشعار موجود ہیں، خصوصاً اسلامی اقدار کی ترجمانی ان کے یہاں ہر جگہ نظر آتی ہے۔ بقول ڈاکٹر فرمانؔ فتح پوری:

''پرانی غزلوں کو چھوڑ کر ان کی شاعری کا شاید ہی کوئی جزو ہو، جس میں آنحضرتؐ کی سیرت اور پیغام کا عکس صاف نظر نہ آتا ہو''۔ ا؎

حالیؔ کی پہلی نعتیہ کاوش خمسہ کی صورت میں لکھی گئی اس تضمین پر مشتمل ہے، جو انہوں نے سولہ سال کی عمر میں قدسیؔ کی نعت پر کہی تھی۔ یہ ۱۸۵۳ء کی بات ہے۔ ۱۸۶۴ء میں حالی نے ۳۳/اشعار پر مشتمل اپنا وہ نعتیہ قصیدہ لکھا، جو انکے جیتے جی ہی مقبول ہوا اور آج بھی ہے۔ اس قصیدے کا مطلع ہے ؎

بنے ہیں مدحتِ سلطانِ دو جہاں کے لئے
سخن زبان کے لئے اور زبان دہان کے لئے

یہ قصیدہ نعتیہ قصائد کی تاریخ میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ اس میں نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل، خلقِ عظیم اور دیگر اوصاف و خصائل کے ساتھ ساتھ حقیقتِ شبِ معراج اور نعتِ نبیؐ کے بیان میں شاعر کا اعترافِ عجز ملتا ہے۔ قصیدہ میں غیر ضروری مبالغے اور لفظی صناعیوں سے احتراز کیا گیا ہے اور مجموعی طور پر اس کا رنگ والہانہ کی بجائے عالمانہ ہو گیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

گھر اس کو موردِ قرآن و مہبطِ جبرئیلؑ
در اس کا کعبۂ مقصودِ انس و جاں کے لئے
سپہر گرمِ طوافِ اس کی بارگاہ کے گرد
زمین سر بہ سجود اس کے آستان کے لئے

نہ حرف و صوت میں وسعت نہ کام و لب میں سکت
حقیقت شب معراج کے بیاں کے لئے
صفائے قلب حسودان کینہ خواہ کے ساتھ
دعائے خیر بد اندیش و بدگماں کے لئے
حریف نعت پیمبر نہیں سخن حالیؔ
کہاں سے لائے اعجاز اس بیان کے لئے

حالیؔ کا دوسرا نعتیہ قصیدہ، جو پہلے کی بہ نسبت طویل ہے، ۷۵/اشعار پر مشتمل ہے۔ سلاست روانی سادگی اور صفائی اس کی خصوصیات ہیں۔ ڈاکٹر ریاض مجید نے اس قصیدہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے:

''یہ قصیدے حالیؔ کے پہلے اور بعد کے نعتیہ کلام کی درمیانی کیفیت اور روش کلام کا آئینہ دار ہے۔ اس میں قصیدے کا شکوہ ہے، مگر بحر کے اختصار اور ردیف کی عدم موجودگی کے سبب اس میں انکسار کا رنگ نمایاں ہے۔ موضوعات کی پیش کش میں بھی حقیقت بیانی، سادگی اور خلوص کے وہ عناصر لو دیتے ہیں، جو بعد میں حالیؔ کے نعتیہ کلام کی انفرادی خصوصیات و اوصاف قرار پائے''۔ ۲؎

حالیؔ نے اس نعتیہ قصیدہ میں اپنی خامیوں اور بے سروسامانیوں کا ذکر کرنے کے بعد دعا اور التجا کے انداز میں بڑے خلوص اور دردمندی سے اپنی والہانہ عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ قصیدہ کے چند منتخب اشعار ملاحظہ ہوں ؎

وہ شہنشاہ امتی جس کا
یاں گنہگار واں مغفور
اب شیرین کلام سے اس کے
دوست بھی شاد غیر بھی سرور
جب تیرے آستان میں جا پہنچا
پھر رہا باب خلد کتنی دور
دوریٔ آستان میں جا پہنچا
ہے بہت تنگ حالیؔ مجبور

جیتے جی دل میں یاد ہو تیری

مرتے دم لب پہ ہو ترا مذکور۳؎

متذکرہ بالا دو قصائد کی اہمیت اپنی جگہ، حالیؔ کی نعت گوئی اصل میں جہاں اپنے نقطۂ کمال کو پہنچ گئی۔ وہ ''مسدس حالی'' اور ''مناجات خصوصی'' کا نعتیہ حصہ ہے۔ حالیؔ نعتیہ قصیدوں، رباعیوں یا مخمس کی وجہ سے زیادہ مشہور نہیں ہیں بلکہ اردو نعت میں ان کی ساری شہرت کا دارومدار مسدس میں شامل نعتیہ بندوں پر ہے۔ یوں تو ''مسدس'' میں اول سے آخر تک روح نعت جاری وساری ہے لیکن کئی بندوں میں خالص نعتیہ مضامین میں نظم کئے گئے ہیں۔ یہ مسدس جسے ''مسدس مدوجزر اسلام'' بھی کہتے ہیں۔ ۱۳۹۴ھ/۱۸۷۹ء کی تصنیف ہے اور اردو کی پہلی طویل نظم ہے، جو اپنا ایک مخصوص قومی وملی تناظر رکھتی ہے۔ حالیؔ نے یہ مسدس سرسیدؔ کی تحریک پر لکھا۔ اس میں مسلمانوں کے عروج وزوال کا نقشہ انوکھے انداز خالص لگن، سادگی ودورمندی اور مخصوص فنکارانہ ربط کے ساتھ کھینچا گیا ہے۔ بقول مولانا سید سلیمان ندویؔ:

''معلوم ہوتا ہے کہ کوئی صاف شفاف نہر کسی ہموار اترائی میں آہستگی سے بہتی چلی جارہی ہے۔ نہ کہیں رکاوٹ ہے، نہ لفظ میں گرانی ہے، نہ قافیہ کی تنگی ہے۔ زبان میں گھلاوٹ، بیان میں حلاوت، لفظوں میں فصاحت اور ترکیبوں میں لطافت ہے۔ ہماری زبان میں سہل ممتنع کی یہ بہترین مثال ہے''۔ ۴؎

مسدس کا مقصد سرسیدؔ اور حالیؔ دونوں کے پیش نظر یہ تھا کہ مسلمانانِ ہند کو انکے شاندار ماضی کی یاد دلا کر دینی، سماجی، سیاسی ومعاشرت اصلاح پر آمادہ کیا جائے تا کہ وہ محرومی ومایوسی کی دلدل سے باہر نکل کر ایک شاندار مستقبل کی تعمیر کے لئے سرگرم عمل ہو جائیں۔ مسدس کے ابتدائی پانچ بند تمہید کے طور پر لکھے گئے ہیں۔ اس کے بعد حالیؔ نے بقول خود:

''عرب کی اس ابتر حالت کا خاکہ کھینچا ہے، جو ظہور اسلام سے پہلے تھی اور جس کا نام اسلام کی زبان میں جاہلیت رکھا گیا۔ پھر کوکب اسلام کا طلوع ہونا اور نبی امیؐ کی تعلیم سے اس ریگستان کا دفعتہ سرسبز وشاداب ہو جانا اور اس پر رحمت کا امت کی کھیتی کو رحلت کے وقت ہرا بھرا چھوڑ جانا اور مسلمانوں کا دینی اور دنیوی ترقیات میں تمام عالم پر سبقت لے جانا بیان کیا ہے اور اس کے بعد ان کے تنزل کا حال لکھا ہے اور قوم کے لئے اپنے بے ہنر ہاتھوں سے ایک آئینہ خانہ بنایا ہے، جس میں آکر وہ اپنے خط وخال دیکھ سکتے ہیں کہ ہم کون تھے اور کیا ہو گئے''۔ ۵؎

حالیؔ کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مسدس میں ایسے نعتیہ بند جوڑنے، جن سے مردہ دلوں میں

حیات نو کی لہر دوڑ گئی۔ بقول پروفیسر مرزا محمد منورؔ:

''مسدس کی روح وہ نعتیہ بند ہیں جو نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کم از کم اردو میں مرقوم چند بہترین نمونوں میں سے ہیں''۔٦؎

ڈاکٹر ریاض مجید کے الفاظ میں:

''مسدس کا یہ حصہ اردو نعت کے عصر جدید کا آغاز ہے۔ یہ چند نعتیہ بند نہ صرف یہ کہ سادہ بیانی کا شاہکار ہیں، بلکہ اس دور کے عمومی انداز نعت سے قطعی مختلف ہیں''۔٧؎

خود حالیؔ کو اپنی نظم کی انفرادیت کا احساس تھا۔ وہ لکھتے ہیں:

''ہمارے ملک کے اہل مذاق ظاہراً اس روکھی پھیکی سیدھی سادی نظم کو پسند نہ کریں گے، کیوں کہ اس میں تاریخی واقعات ہیں۔ چند آیتوں اور حدیثوں کا ترجمہ ہے یا جو آج قوم کی حالت ہے، اس کا صحیح صحیح نقشہ کھینچا گیا ہے۔ نہ کہیں نازک خیالی ہے، نہ رنگین بیانی، نہ تکلف کی چاشنی، غرض کوئی بات ایسی نہیں ہے، جس سے اہل وطن کے کان مانوس اور مذاق آشنا ہوں''۔٨؎

نہ صرف موضوع اور مضمون بلکہ طرز بیان، پیشکش اور آہنگ کے اعتبار سے بھی مسدس حالیؔ کا نعتیہ حصہ اس دور کی نعت گوئی میں ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ بقول ممتاز حسن:

''میری رائے میں اردو میں کوئی نعت حالیؔ کے مسدس کی برابر موجود نہیں (وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا) ان چند شعروں میں کوئی تکلف، کوئی مبالغہ، کوئی طباعی، کوئی صنعت گری نہیں مگر جو تاثر ان میں موجود ہے، اس کی نظیر اردو شاعری میں نہیں ملتی۔ حضور رسالت پناہ کا ارشاد ہے کہ ''ساری مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور خدا کو سب سے عزیز وہ انسان ہے، جو خلق خدا کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچائے''۔ حالیؔ کے یہ شعر اس حدیث اور صاحب حدیثؐ کی تصویری ہیں۔ وہ اس قدر پُر اثر ہیں کہ انسان کی ساری زندگی کا رخ بدل سکتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ جو خلوص اور سادگی حالیؔ کے ان اشعار میں جھلکتی ہے، وہ خود حالیؔ کی روحانی پاکیزگی کی آئینہ دار ہے۔ حالیؔ کی زندگی سراپا خلوص ہے اور جب تک کسی انسان کی زندگی سراپا خلوص نہ ہو، حضور رسالت مآبؐ سے کسی قسم کی قلبی تعلق کا پیدا ہونا ناممکن ہے۔ ان اشعار کو نعت کی حیثیت میں دیکھا جائے، تو ان کی سب سے بڑی خوبی یہ نظر آئے گی کہ ہر شعر میں رسالت کو پرتو ہے۔ سرکار دو عالمؐ کو گیسوؤں والا اور کسی ایسے ہی پیارے نام سے خطاب کر کے جذبات عقیدت کی تسکین کی کوشش کرنا اور بات ہے اور حضورؐ کی بشر دوستی اور انسان نوازی کی طرف

توجہ دلا کر دنیا کو مقصد نبوت سے آگاہ کرنا اور بات ہے یہی حالیؔ کی عظمت ہے۔ ان میں عشق ذات اور شعور صفات دونوں بیک وقت موجود ہیں''۔ ۹ ؎

حالیؔ کا نعتیہ کلام دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے کے موضوعات ومضامین وہ ہیں، جن میں براہ راست نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدح نہیں کی گئی ہے مگر مختلف حوالوں سے ذکر رسولؐ کی فضا ان میں موجود ہے۔ جب کہ دوسرا حصہ نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی براہ راست مدح وثنا سے عبارت ہے۔ اس حصے میں ان نعتیہ بندوں کو گنا جا سکتا ہے، جو آج بھی گوشے گوشے میں زبان زد عالم وخاص ہیں اور بے شمار بچوں و بڑوں کے لئے گنگنانے کا سامان ہیں۔ ان میں سے کچھ بند ملاحظہ ہوں ؎

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمین جس نے ساری ہلا دی
نئی اک لگن دل میں سب کے لگا دی
اک آواز میں سوتی بستی جگا دی
پڑا ہر طرف غل یہ پیغام حق سے
کہ گونج اٹھے دشت و جبل نام حق سے

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی، غلاموں کا مولا

خطا کار سے در گزر کرنے والا
بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کو زیر و زبر کرنے والا
قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

مس خام کو جس نے کندن بنایا
کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا
پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موج بلا کا
ادھر سے ادھر پھر گیا رخ ہوا کا ۱۰؎

مسدس میں شامل ان نعتیہ بندوں میں حالیؔ نے تمام لوازم نعت کی پابندی کرتے ہوئے نہ تو احتیاط کا دامن چھوڑ دیا ہے اور نہ ہی غیر معتبر روایات کا سہارا لیا ہے۔ نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی بجائے حالیؔ نے آپؐ کے بشری اوصاف و خصائل اور خلق عظیم کو سادگی اور سلامت کے ساتھ اُجاگر کیا ہے اور یہ حالیؔ کی نعت گوئی کی نمایاں خصوصیات ہے۔ اس سادگی میں حالیؔ کے اخلاص اور دردمندی کا جوہر دور سے چمکتا دکھائی دیتا ہے۔ بقول ڈاکٹر ریاض مجید:

"حالیؔ نے آپؐ کی سیرت مبارکہ کے بیان میں بشری صفات کے جن منور گوشوں کو پیش کیا ہے، اردو نعت میں اس کا اظہار ان جزئیات وتفصیلات کے ساتھ پہلے کبھی نہیں ہوا۔ حالیؔ سے پہلے نعت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبرانہ جلال و معجزات کے تذکار تو عام ہیں، مگر انسانی زندگی کی ایسی بنیادی قدروں کا اظہار اس سادگی اور دردمندی سے پہلے کہیں نظر نہیں آتا"۔ ۱۱؎

خود حالیؔ کو بیان کی سادگی اور اخلاص و درمندی کا بخوبی احساس تھا۔ چنانچہ ۱۸۸۶ء میں مسدس میں ترمیم واضافہ کے بعد انہوں نے نئے ایڈیشن میں لکھا:

"نظم نہ پہلے پسند کے قابل تھی، نہ اب ہے مگر الحمد للہ درد اور سچ پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے۔ امید ہے کہ درد پھیلے گا اور سچ چمکے گا"۔ ۱۲؎

مسدس کے علاوہ حالیؔ کے نعتیہ کلام میں وہ معروف مناجات بھی شامل ہے، جس میں انہوں نے امت کی زبوں حالی کو نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کر کے آپؐ سے دعا کی التجا کی ہے۔ مصائب و آرام اور تنزل وادبار سے گھری ملت اسلامیہ کی مذہبی، علمی، سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی بدحالی کا اظہار حالیؔ نے جذبات وتاثیر میں ڈوبی ہوئی دلسوزی و دردمندی کے ساتھ کیا ہے۔ موضوع کے اعتبار سے یہ نظم اردو نعت کی تاریخ میں ایک نئے باب کی حیثیت رکھتی ہے، جس میں بعد کے دور میں اقبالؔ اور ظفر علی خان کی درخشاں نعتوں نے چار چاند لگا دیئے۔ "شکوہ ہند" (سن تصنیف ۱۸۸۸ء) میں شامل "عرض

حال'' کے زیرِ عنوان یہ مناجات ایک طویل نعتیہ قصیدے کے آہنگ سے مملو ہے۔ بحر کی صوتی کیفیت نے حالیؔ کے لب ولہجہ اور لے کو نمایاں اور مؤثر بنا دیا ہے۔ حالیؔ کہتے ہیں ؎

اے خاصہ خاصان رسل وقت دعا ہے
امت پہ تیری آکے عجب وقت پڑا ہے

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیش میں وہ آج غریب الغرباء ہے

جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے
اس دین میں خود تفرقہ اب آکے پڑا ہے

جو دین کہ ہمدرد نبی نوع بشر تھا
اب جنگ و جدل چار طرف اس میں بپا ہے

جس قوم میں اور دین میں ہو علم نہ دولت
اس قوم کی اور دین کی پانی یہ بناء ہے

ہاں حالیؔ گستاخ نہ بڑھ حد ادب سے
باتوں سے ٹپکتا تری اب صاف گلہ ہے

ہے یہ بھی خبر تجھ کو ہے کون مخاطب
یاں جنبش لب خارج از آہنگ خطا ہے

اردو نعت کو حالیؔ کی سب سے بڑی دین یہ ہے کہ انہوں نے نعتیہ شاعری کو مقصدیت سے متعارف کرایا اور مسلمانوں کے زوال کے اسباب کی نشاندہی کر کے اس کے علاج اطاعت و اتباع رسولؐ قرار دیا۔ یوں انہوں نے نعت سے نہ صرف مدح وثنائے رسولؐ کا بلکہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کو راہ سنت پر ڈالنے کا انقلابی کام بھی لیا۔

حواشی:

۱۔ اردو کی نعتیہ شاعری، فرمان فتح پوری ص ۷۲
۲۔ اردو میں نعت گوئی ص ۴۰۱
۳۔ کلیات نظم حالیؔ، مرتبہ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی دہلی ۱۹۷۲ء ص ۲۷
۴۔ مقدمہ مسدس حالیؔ (صدیقی ایڈیشن) ص ۴۴
۵۔ دیباچہ مسدس حالیؔ الہ آباد ۱۹۵۶ء ص ۵
۶۔ ذکر خیر الانام، حنیف اسعدی تقریظ ص ۱۱
۷۔ اردو میں نعت گوئی ص ۴۰۲
۸۔ دیباچہ مسدس حالیؔ ص ۶
۹۔ خیر البشرؐ کے حضور میں، ممتاز حسن، لاہور ۱۹۷۹ء ص ۲۳
۱۰۔ مسدس حالیؔ ص ۹
۱۱۔ اردو میں نعت گوئی ریاض مجید ص ۴۰۴
۱۲۔ مسدس حالیؔ صدی ایڈیشن ص ۷

***

پروفیسر شفیق کھوکھر
کراچی-پاکستان

لالہ صحرائی : ایک منفرد نعت گو شاعر

علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے:ـ

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی یا مردِ کوہستانی

لیکن لالۂ صحرائی نے شائد قدرت کے مقاصد کی نگہبانی نہ کی ہو، مگر قدرت کے ان مقاصد کی ترجمانی کا حق ضرور ادا کر دیا ہے، جو اس نے مولائے کُل، ختم الرسل، تاجدار مدینہ، راحت قلب وسینہ نبی پاکؐ کی اِس دُنیا میں تشریف آوری کے سلسلے میں انسانیت کی رہنمائی اور فلاح و بہبود کے سلسلے میں متعین کئے تھے۔ لگتا ہے کہ قدرت نے اس مقصد کے لئے ان کی خاص رہنمائی اور تربیت خود کی تھی، وہ ایک نیم خواندہ گھرانے میں امرتسر ضلع کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے، جہانیاں کے نیم ترقی یافتہ اور نیم صحرائی علاقے میں پروان چڑھے۔ حالات کی تلخیوں اور زمانے کی چیرہ دستیوں نے انہیں اعلیٰ تعلیم کے حصول سے محروم رکھا، مگر اب ان کے کام پر ایم فل تک تحقیقی کام ہو رہا ہے۔ جہانیاں میں انہیں نیم خواندہ، مگر انتہائی مہذب اور سادہ خاندانی ماحول، تقسیم ہند کے بعد مشرقی پنجاب سے تشریف لانے والے عابد و زاہد حکیم محمد عبداللہ سلیمانی کی سرپرستی اور ان کے فرزندانِ ارجمند عبدالحمید اور چودھری نذیر احمد کی رفاقت نصیب ہوئی اور مولانا مودودیؒ کی فکری رہنمائی اور روحانی آبیاری نے چودھری محمد صادق کو لالۂ صحرائی کے روپ میں وہ تازگی، زبان کی شائستگی، فصاحت اور رنگ وادب بخشا کہ دُنیا ان کی گرویدہ ہوگئی۔

انہوں نے اپنی قوتِ ارادی، غیر معمولی ریاضت اور اللہ کے فضل سے شعر وادب میں جو مقام پیدا کیا، اپنی تحریروں کے ذریعے ہزاروں انسانوں کو اس طرح جاذبِ دل اور خوشگوار بنایا کہ لوگوں کے دِلوں میں جاگزیں ہوگئے، اسلام اور پاکستان کے دشمنوں کی قلمی یلغار کا اس طرح بھرپور جواب دیا کہ حریفوں کے دانت کھٹے ہو گئے اور انہیں مُنہ کی کھانی پڑی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کمال صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ وہ بیک وقت ایک افسانہ نگار، داستان گو، بلند پایہ انشا پرداز، زبردست طنز نگار، باکمال قلمی

مصور، معتبر قلمی نقاد اور سب سے بڑھ کر عشق رسولؐ کے جذبے سے سرشار نغمہ نگار تھے۔ وہ انگریزی اور اُردو پر یکساں دسترس رکھتے تھے اور ایک صاحب طرز ادیب تھے، جن کی تحریر سادگی اور پُرکاری کا خوبصورت نمونہ تھی۔ انہوں نے نعت نگاری کو اپنی زندگی کا محور بنایا۔۔۔ اس میں ید طولیٰ حاصل کیا، فرماتے ہیں:۔

نعت میری شاعری اور نعت میری زندگی
نعت کے انوار سے تابندہ میری موت ہو
جب کرے پرواز دُنیا سے میری روح نزار
شور ہو افلاک میں اک اور آیا نعت گو
(ازنعت چراغاں)

اس جہان عارضی میں جن بزرگوں نے دین و دنیا میں اپنا مقام پیدا کیا ہے، اُن میں ایک بات مشترک ہے کہ ان کی والدہ نے اُنہیں بچپن میں قرآن مجید کی تلاوت کی لوریاں دی ہیں۔ بعض بزرگوں نے اپنی والدہ کی زبان سے قرآن مجید کی تلاوت سُن کر ہی قرآن مجید حفظ کرنے کی سعادت بھی حاصل کی ہے، بعض نے قرآن مجید سے اپنی محبت کا حق خلقِ خدا کی رہنمائی کر کے ادا کیا ہے۔ محترم لالہ صحرائی کی والدہ محترمہ نے دنیاوی تعلیم نہ ہونے کے باوجود گھر میں چکی پیستے ہوئے سورۂ یٰسین کی تلاوت پر مداحت فرما کر اپنے بچوں سے نہ صرف اس سے لگاؤ پیدا کر دیا، بلکہ ان کے دلوں میں اسلام کی سربلندی اور اللہ تعالیٰ کی عظمت پیدا کی اور ان کے دلوں کو انوارِ قرآن کا مرکز بنا دیا، جس کے زیر اثر ان کے دل میں صاحب قرآن سے ایسی لگن پیدا ہوئی کہ ان کی زبان بلبلِ ریاض رسولؐ بن گئی اور ان کی ذات لالہ صحرائی بن گئی، جو اپنے حسن و سیرت میں، شگفتگی میں بے مثال اور لازوال ہوتا ہے۔

علامہ اقبال کو بھی گلِ لالہ سے انتہائی پیار تھا اور انہوں نے اسے عشق کی علامت کے طور پر استعمال کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چودھری محمد صادق مرحوم نے بھی عشق رسولؐ میں خود کو لالہ صحرائی کہلانا پسند کیا اور اپنی شاعری میں اس کا حق ادا کر دیا ہے۔ جہاں تک ان کی شاعری کے فنی محاسن اور ان کے طرز ادا کا تعلق ہے، مَیں یہ کام ان پر ایم افل کرنے والے دانشوروں پر چھوڑتا ہوں، لیکن ان کے کلام سے روحانیت کی پھوٹنے والی خوشبو اور عشق رسولؐ میں ڈوبے ہوئے الفاظ کی مہلک کو محسوس کرنے اور اس کا اظہار کرنے کی جسارت مَیں ضرور کروں گا، کیونکہ ان کی نعت انسان کے دل کے تاروں کو اس

انداز سے چھیڑتی ہے کہ وہ اس کے سرور میں مگن ہو کر عرفان کی معرفت کی حدوں کو چھونے لگتا ہے، نعت شفق میں فرماتے ہیں:ے

برباں دل اور گریاں آنکھ
میری نعت کا ہے معیار

نعت ہی میرا فعل و عمل
میرا قول میری گفتار

نعت کا طرہ پایا ہے
اونچی ہے میری دستار

نعت کے عکس منور سے
چمکا ہے میرا کردار

ایماں تھا جو خوابیدہ
ہو گیا مدحت سے بیدار

اور یہ عرض کرنے کی جسارت کروں گا:ے

ان کی نعتیں اعلیٰ و ارفع
جن کا خوب بلند معیار

عشق نبیؐ میں جو ڈوبی ہیں
ان پر حجت ہے بے کار

ایسی نعتیں مَیں لکھ پاؤں
ایسا اذن ملے سرکار

بے شک لالہ صحرائی ہے
نعت نگاروں کا سردار

عشق احمد دے دے مجھ کو
تو اے میرے پالن ہار

***

علی محمد عاجز

ماگام، بڈگام، کشمیر

"جہانِ حمد ونعت" کے اوّلین شمارے میں شامل

نعتیہ کلام کا ایک مختصر جائزہ

دنیا میں جس چیز کو جس نیت اور نگاہ سے دیکھا جائے تو وہ چیز ایسی ہی نظر آنے لگتی ہے۔ اللہ اور اس کی عریض و وسیع کائنات کو مومن اور کافر دو مختلف زاویۂ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں بھی ابوبکر صدیقؓ اور ابوجہل کو اپنی اپنی سرشت وطینت کے مطابق الگ الگ شکل وصورت دکھائی دی اور بعد کے ادوار میں دیگر مذہبوں اور فلسفوں کے اثر سے کسی نے انہیں مافوق البشر کہہ کر اللہ کا دوسرا روپ قرار دیا اور کسی نے مقصد بعثت سے آنکھیں موند کر اپنا معشوق بتایا اور پھر عشق ومحبت کے ترانے گا کر خود کو مشہور کر دیا۔ سید مودودیؒ اپنے دور کی نعت گوئی کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"عام نعت گو شعراء جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معشوق نازنین فرض کر کے آپؐ کے سراپا کی تفصیل بیان کرتے ہیں اور آپؐ کے جسد عنصری، بلکہ اعضائے مبارک کی تعریف کرتے ہیں، یہ اندازِ کلام ناپسندیدہ اور سوءِ ادب کا پہلو لئے ہوئے ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شمائل و محاسن بیان کرتے وقت وقار ومتانت اور تعظیم وتقدس کی روش اختیار کرنی چاہیے"۔

یہ صورتحال دینی مجالس، سیرتی کانفرنسوں اور نعتیہ مشاعروں میں آج بھی برابر قائم ہے اور اکثر کشمیری نعتیہ کلام میں اس کی خوب عکاسی ملتی ہے۔ بقول شبنم رومانی:

"نعت لکھنے کے لیے حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقیدت کے ساتھ ساتھ محبت بھی بنیادی شرط ہے۔ عقیدت تو بہت سے غیر مسلموں کو بھی رہی ہے اور انہوں نے اچھی نعتیں کہی ہیں، مگر محبت اور ہی چیز ہے"۔

یوں بھی عقیدت اس شخص سے ہوتی ہے، جس کے کارنامے مرغوب اور پسندیدہ ہوں جب کہ محبت اطاعت اور اتباع کو کہتے ہیں۔ عقیدت کا اخراج زبان سے ہوتا ہے لیکن محبت کا اظہار احکام کی تعمیل سے ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ تلوار کے زخم سے زبان کا زخم زیادہ سخت ہوتا ہے۔ ایسے ہی زبان کی چوک سے قلم کی

چوک بھی زیادہ شدید ہوتی ہے، چاہے قلم کار کوئی چوٹی کا عالم ادیب اور شاعر ہی کیوں نہ ہو۔

ذیل میں ہم ''جہانِ حمد و نعت'' کے اوّلین شمارے میں شامل نعتیہ کلام پر بات کریں گے :

❖○❖ جناب علیم صبا نویدی کی نعت نمبر ۴ میں ایک شعر ہے ؎

سبز گنبد کا نظارہ کیف زا　　نور خود ہے کوبہ کو سجدہ کناں

نور سے مراد روشنی ہے اور اس کا سرچشمہ اللہ ہے اللہ نور السمٰوات والارض۔ نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی ہیں اور نور سے مراد قرآن مجید بھی ہے۔ قد جاء کم من اللہ نورٌ و کتبٌ مبین۔

کیا شرع متین میں اللہ کے سوا کسی کو سجدہ جائز ہے؟۔

❖○❖ جناب ذوالفقار نقوی (پونچھ جموں) کی نعت (۲) کا شعر ہے ؎

ہزاروں ماہ کنعاں گم ہیں جس کی ایک جھلک میں، وہ
جمیل و اجمل و اکمل، حسین و دل نشیں آیا

ماہ کنعان سے مراد اللہ کا پیغمبر یوسف علیہ السلام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: کسی شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ مجھے یونسؑ بن متیٰ سے بہتر قرار دے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایسا کہنے والا جھوٹا ہے۔ یوسفؑ کے بارے میں فرمایا کہ اگر میں قید خانہ میں اتنی طویل مدت تک رہتا تو میں قید سے رہا ہونے کی دعوت قبول فرماتا، لیکن یوسفؑ نے رہائی سے انکار کیا کہ پہلے مجھے بتایا جائے کہ میں کس جرم کی پاداش میں قید ہوا تھا (بخاری و مسلم)۔

کہیں اس شعر میں تنقیص تو نہیں ہے؟

❖○❖ جناب سید شبیب رضوی کی نعوت شامل ہیں۔ نعت (۲) کا یہ شعر دیکھتے ہیں ؎

مصطفٰے کے ہیں معانی برگزیدہ منتخب
حسب قرآن انبیاء میں مصطفٰے بس آپ ہیں

آدمؑ بھی صفی اللہ ہیں، سورۂ آل عمران کی آیت ۳۳ میں ہے:

ان اللہ اصطفیٰ اٰدم و نوحاً اور آل ابراہیمؑ اور آل عمران بھی برگزیدہ ہیں۔ سورہ بقرہ آیت ۱۳۰ میں ابراہیمؑ کے بارے میں ہے: وقد اصطفینٰہ فی الدنیا وانہ فی الاخرۃ لمن الصالحین۔

تیسری نعت کا ایک شعر ہے ؎

حقیقت لازوال ہو تم کہ آپ اپنی مثال ہو تم
خدا کے اے جلوہ مجسم، سلام مکے مدینے والے

دوسرے مصرعہ میں جلوۂ مجسم کہنے میں افراط وتفریط کا گمان ہوتا ہے۔اللہ کی شان ہے کہ لیس کمثلہٖ شئ وھو السمیع العلیم... لیس لہ ضدٌ ولا ندٌ ولا شبہ ولا شریک....یا من تقدس عن الاشبہاہ ذاتہ و تنزہ عن مشابھۃ الامثال صفاتہ ...

یہاں شعر میں مرسِل اور مرسُل کا فرق مفقود ہے۔

❖O❖ مرحوم پروفیسر سید رضا موسوی کا نعتیہ شعر ہے:۔

قادر و خالق و قیوم سے معبود سے بھی
ہم کہ رکھتے ہیں سروکار محمدؐ کے لیے

کیا اللہ سے بندوں کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہے، جب کہ اللہ فرماتا ہے:

والذین اٰمنوا اشد حبا للہ.... قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ..... وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افأن مات او قتل انقلبتم ....ومن ینقلب علیٰ عقبیہ فلن یضر اللہ شیئًا۔مراد ہے کہ اللہ سے تعلق خالصتاً اللہ کے لیے ہی ہونا چاہیے۔

❖O❖ محترمہ رخسانہ جبین صاحبہ لکھتی ہیں:۔

تقلید ہم قبول کریں کیسے غیر کی
کرسی و عرش تک ہے امامت رسولؐ کی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امامت اور قیادت عرشیوں کے لیے نہیں، فرش پر رہنے والے جنوں اور انسانوں کے لیے ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام الانبیاء ہیں، امام المتقین ہیں، خاتم النبیین ہیں، جو رہتی دنیا تک روئے زمین پر اللہ کا نظام قائم کرنے آئے تھے۔عرش و کرسی پر اللہ کی واحد ذات بلاشرکت غیرے مستوی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبدہٗ ورسولہ کی رُو سے مقاماتِ عبدیت و رسالت پر فائز ہیں۔رخسانہ صاحبہ کا نعت نمبر ۵ میں یہ شعر ہے۔

قطرۂ شبنم سے کرتا ہے وضو برگِ گلاب
ہر پرندے کی زبان پر ہے درود آنجناب

آیت ان اللہ و ملٰئکتہٗ یصلون علی النبی.... سے عیاں ہے کہ اہل ایمان کو ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے۔باقی ساری کائنات کی تمام مخلوق صرف اللہ ذوالجلال کی تسبیح وتحمید میں شب و روز مصروف ہے۔جاندار، بے جان، سب تسبیح خالق یعنی سبحان اللہ وبحمدہٖ کا ورد

کررہے ہیں۔قرآن وسنت سے یہی راہنمائی ملتی ہے۔

جناب مشتاق کشمیری کا یہ شعر اہلِ ایمان کی دیرینہ تمنا ہے جو ضرور پوری ہوگی ان شاء اللہ۔

ہمارا فکر و فن طاغوت کا ہے ترجماں اب تک
ہمارا فکر و فن حلقہ بگوشِ مصطفیٰؐ کردے

اور جناب مشتاق فریدی نے حرمین شریفین کی نیم شبی جھونکوں کی یاد تازہ کردی۔

آؤ کہ درِ رحمت کھلنے کا نظارہ ہے ۔۔۔ یہ باد صبا آکر کہتی ہے مدینے میں

***

••

خاکی۔محمد فاروق
پہرو،نوگام،سرینگر

نظام الدین سحرؔ اور اُن کی حمدیہ ونعتیہ شاعری

تعارف:

مرحوم سحر صاحب کا اصل نام نظام الدین مخدومی تھا اور ''سحرؔ'' ان کا تخلص تھا۔اس لیے وہ نظام الدین سحرؔ کے نام سے مشہور ہوئے۔ان کی پیدائش 13 ستمبر 1946ء کو شمالی کشمیر کے قصبہ ہندوارہ کے جنوب میں واقع موضع عشہ پورہ نامی گاؤں میں ہوئی۔انہوں نے جس گھر میں ولادت پائی،وہ ایک دین پسند اور علمی گھرانہ تھا۔ان کے والد گرامی پیر محمد یوسف مخدومی اپنے علاقے کے ایک نامی گرامی عالم ومدرس اور سماجی کارکن تھے۔

سحر صاحب نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے علاقے میں ہی حاصل کرکے میٹرک کا امتحان ہائی اسکول قلم آباد(کپواڑہ) سے پاس کیا۔پھر مزید تعلیم حاصل کرنے کی خاطر انہوں نے 1963ء میں گورنمنٹ ڈگری کالج سوپور میں داخلہ لیا۔مگر گھر کی مالی حالت کمزور ہونے کی وجہ سے حصول تعلیم کا یہ سلسلہ منقطع کرنا پڑا۔اسی دوران سحر صاحب 1964ء کو بحیثیت استاد سرکاری ملازم ہوئے۔چونکہ انہیں حصول تعلیم

کا شوق شروع سے ہی تھا، اس لیے انہوں نے سرکاری ملازمت کے ساتھ ساتھ حصولِ تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ 1968ء میں ماہر دینیات اردو کا امتحان دار العلوم دیوبند سے پاس کیا۔ 1974ء میں بطور پرائیویٹ امیدوار بی۔اے فائنل کا اور 76.1977ء میں بی۔ایڈ کا امتحان پاس کیا اور 1977ء میں ایم۔اے فارسی کی ڈگری بھی حاصل کی۔ جناب سحر صاحب ستمبر 2004ء میں بحیثیت انچارج ہیڈ ماسٹر سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ پھر ان کا انتقال 26 اپریل 2017ء کو ہوا ہے۔

سحر صاحب گونا گوں صلاحیتوں کے مالک تھے۔ وہ ایک عالم و فاضل، استاد و مدرس اور داعی و مبلغ اور کہنہ مشق شاعر و ادیب تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی اسلام، حق و صداقت اور خدمت خلق کے لیے وقف کی تھی۔ انہوں نے اپنے درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ اور دیگر ذرائع سے دور دور تک حق کا پیغام پہنچایا۔ اور ایک کثیر تعداد کو دینِ حق اور علم کے نور سے منوّر کیا ہے۔ شمالی کشمیر میں ان کے شاگردوں کی بہت بڑی تعداد مختلف علاقوں میں موجود ہے۔ مرحوم سحر صاحب بڑے ملنسار اور خلیق تھے۔ وہ ہر بڑے اور چھوٹے کے ساتھ بڑے پیار و محبت کے ساتھ پیش آتے تھے۔ وہ جس محفل میں بھی شریک ہوتے تھے۔ اس محفل اور اس کے شرکاء میں اپنے حسن اخلاق کے گہرے اثرات ڈالتے تھے اور مجلس میں موجود مختلف قسم کے لوگوں کے ساتھ بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتے تھے۔ علاوہ ازیں سحر صاحب سنجیدگی کے ساتھ ساتھ حق گوئی اور بے باکی کے مالک تھے۔ انہوں نے عمر بھر حق کے غلبہ کے لیے سعی و جہد کی اور اس راہ میں کئی مشکلات و مصائب برداشت کئے۔ نیز وہ ہر کام ایک محترک اور فعال کارکن کی حیثیت سے انجام دیتے تھے۔

ہم نے 2009ء میں ایک ادبی تنظیم ''ادارہ فکر و ادب جموں و کشمیر'' کے نام سے قائم کی۔ ایک مختصر مدت کے بعد سحر صاحب بھی اس کے ساتھ وابستہ ہوئے۔ پھر اس تنظیم کو مضبوط بنانے اور اس کے کام میں وسعت دینے کی خاطر انہوں نے بھرپور کوشش کی۔ اور اپنی وفات تک وہ اس کی ہر ایک نشست میں پابندی کے ساتھ شرکت کرتے رہے اور اس کے ہر ایک پروگرام کو کامیاب بنانے میں انتھک کوششیں کرتے رہیں۔ اور موصوف اپنی وفات تک اس کے اساسی رکن تھے۔

جناب سحر صاحب ایک دین پسند گھر کے چشم و چراغ تھے۔ اس لیے ان کے قلب و ذہن میں شروع سے ہی دین حق کی خدمت کا جذبہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی جوانی میں ہی تحریک اقامت دین اور دعوت دین کے لیے سرگرم ہوئے اور اس کے لیے انہوں نے اپنی تمام قسم کی صلاحتیں بروئے کار لا کر دور دور تک دین حق کا پیغام پہنچایا۔ انہوں نے زندگی بھر اپنے درس و تدریس اور تقریر و تحریر کے ذریعہ

بندگانِ خدا کو اسلام کے پیغام سے آشنا کیا۔ وہ اپنے آپ کو اپنے شاعرانہ کلام میں بار بار ایک داعی حق کی حیثیت سے پیش کرتے رہے۔ ؎

اک سحر ہوں نور کا پیغام ہوں سب کے لیے اس سے بڑھ کر اور تو میرا پتا کچھ بھی نہیں
لے کے آتا ہوں پیامِ نور دنیا کے لیے میں نویدِ صبح ہوں مجھ کو ہی کہتے ہیں سحر
کم حوصلہ ہوں پھر بھی طلب کا ہے انتظار راہِ خدا میں آئے مری کام زندگی

سحر صاحب کی حمدیہ و نعتیہ شاعری

نظام الدین سحر صاحب ایک استاد و مدرس اور داعی و مبلغ کے ساتھ ساتھ ایک کامیاب اور کہنہ مشق شاعر و ادیب بھی تھے۔ انہوں نے اپنے طالب علمی کے زمانے سے ہی شعر گوئی کا آغاز کیا۔ جس میں رفتہ رفتہ پختگی کے ساتھ ساتھ سُرعت بھی پیدا ہوئی۔ انہوں نے اردو اور کشمیری دونوں زبانوں میں شعر گوئی کی ہے۔ ان کا کشمیری شعری مجموعہ کلام ''ندائے سحر'' کے نام سے 2002ء میں اور اردو شعری مجموعہ کلام ''صدائے سحر'' کے نام سے 2013ء میں چھپ کر منظر عام پر آ گیا ہے۔ ان دونوں کتابوں کو پڑھنے کے بعد یہ واضح ہوتا ہے کہ سحر صاحب کو دونوں زبانوں پر ید طولیٰ حاصل تھا۔ انہوں نے مناجات، نعت، نظم، غزل، رباعی، قطعہ وغیرہ اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ ان اصناف میں وہ نظم اور غزل گوئی میں خاصا کامیاب نظر آتے ہیں۔ سحر صاحب اُن شعراء کرام میں تھے جو تعمیری ادب کے حامی و ترجمان تھے۔ انہوں نے ایک مقصد کو پیشِ نظر رکھ کر شاعری کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں سنجیدگی، فکری پختگی، صحیح رہنمائی، اخلاقی اقتدار کی پاسداری اور واضح پیغام پایا جاتا ہے۔

ان کے اردو اور کشمیری کلام میں درجنوں حمدیہ اور نعتیہ نظموں اور رباعیات کے علاوہ ان کی غزلوں اور نظموں میں بہت سے حمدیہ اور نعتیہ اشعار موجود ہیں۔ ان کی حمدیہ اشعار میں پاکیزہ زبان، کمال کا زورِ بیان ہے۔ وہ عام اور سادہ الفاظ میں بڑی سی بڑی بات کہنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنے کلام میں نہ صرف خداوند کریم کی حمد و تعریف اور عظمت بیان کی بلکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید کی حقیقت و اہمیت اور تقاضے مختلف خوب صورت پیرائیوں میں بیان کیے۔ مثال کے طور پر ان اشعار کو دیکھیے: ؎

وہ سورج، آسماں، وہ چاند، تارے /// اُسی کی جستجو میں یہ زمیں ہے
وہ جب چاہے اُسے پستی میں جھونکے /// شرف میں جو یہاں اعلیٰ تریں ہے
اُسے ہر شے پہ قدرت ہے مکمل /// کہ عالم اُس کے ہی زیرِ نگیں ہے

اُس کی عمرانی حق بیانب ///وہی تو ایک رب العالمیں ہے
امید و بیم میں اُس کے جیے جا ///وہ ہر حالت میں تیرا ہم نشیں ہے
یہ زمیں یہ آسماں یہ چاند، تارے، آفتاب ///اس کی یکتائی کا کرتے ہیں اشارہ وہ تو
بھروسہ ہے اُسی کا جس کا ڈر ہے ///رگِ جاں سے بھی جو نزدیک تر ہے
ہر طرف کی نگاہ کا حاصل ///الف و ح اور دال آتا ہے
طاعتوں پر نہ افتخار کرو ///نعمتوں کا ذرا شمار کرو
دی ہوئی ہے یہ زندگی جس کی /// اسکی رہ میں اسے نثار کرو

اسی طرح انہوں نے ایک کشمیری حمدیہ نظم میں اللہ تعالیٰ کی توحید و وحدانیت اور عظمت کو بڑی آسان اور دلکش الفاظ میں بیان کی: ؎

یپار ژے ہُپار ژے چھ کیا، فقط ژپار ژے
ییتن ہُتن، کتن، جلال چون شش جہات
ژے ہیونہ کانہہ نہ کانسہِ ہیوہ، نہ زاکھ کانسہِ نہ زاے کانہہ
پڑے ژ لا شریک چھکھ گواہ گواہ وکھت صفات
دیتّھ مے آنتھ روس دیتّھ، یہ کینہہ دیتّھ تہِ رُت دیتّھ
تِجم نہ بندگی کرن نہ تُج سرن مے چان ذات
ژ دِکھ یِمس نیِس نہ کانہہ، ژ نِکھ یِمس دیِس نہ کانہہ
لیکھتھ گرٕھکھ پھرِس نہ کانہہ، بدست سری ژے معاملات

ایک نظر سحر صاحب کی دعائیہ اشعار پر بھی ڈالیے کہ وہ بڑے آسان، پُراثر اور دلکش الفاظ میں اپنی تمنائیں اپنے خالق و مالک ربِ کائنات کے سامنے رکھتے ہیں۔ان اشعار سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سحر صاحب کو حق و صداقت کے مبلغ و ترجمان ہونے کی حیثیت سے ساری کائنات اور اس میں بسنے والے انسانوں کا درد ہے، اسی لیے وہ چاہتے ہیں کہ دنیا میں کوئی بھی گمراہ نہ ہو اور نہ بے بس و مجبور ہو۔ ؎

شبِ ظلمت نے گھیری ہے یہ دنیا /// مرے مولا اسے نورِ سحر دے
سکونِ قلب دے فکر و نظر دے /// میری باتوں کو مولا کچھ اثر دے

کسی مجبور کے میں کام آؤں /// مرے مولا مجھے ایسا ہنر دے
فلاحِ دو جہاں ہو مجھ کو حاصل /// مرے کردار کو وہ بال و پر دے
رضا تیری ہو منزل قافلے کی /// مجھے شامل اُس کے ساتھ کر دے

اکھ دِم مے دلگ س کھ ربا بی یہ فکر و نظر دِم
بی یہ کر تہ عنایتھ زِ دعاہس تہِ اثر دِم
یَتھ من ز نہ بِستھ آسہِ ژے روس کانہہ سُہ دِلا گوژھ
یُس نم نہ ژے روس کا نسہِ خدایا سُہ سر دِم

سحر صاحب کی نعتیہ شاعری بھی فکر و خیال اور زبان و بیان کے لحاظ سے گونا گوں خوبیوں سے بھری ہوئی ہے۔اس کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس میں واضح مقصد، کھلا پیغام اور صحیح رہنمائی موجود ہے۔ دوسری یہ کہ ان کے نعتیہ کلام اسلامی تعلیمات کے تابع ہے۔اس لیے اس میں نہ کسی قسم کا غلو ہے اور نہ شرک و بدعت کی امیزش۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر نعت گو شعرائے کرام کے کلام میں ہیں کہ انھوں نے نبی کریم ﷺ کی مدحت و تعریف بیان کرنے اور اپنے عشق و محبت کا اظہار کرنے میں اسلامی ہدایات کا پاس و لحاظ نہیں رکھا ہے۔تیسری یہ کہ ان کی نعت گوئی میں کمال کا فنِ شعر و ادب پایا جاتا ہے۔اس میں حسنِ بیان، فصیح و بلیغ زبان اور سلاست و روانی ہے۔ یہی قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا حکم بھی ہے کہ جب نبی رحمت ﷺ کا ذکر و ثناء کی جائے تو پاکیزہ الفاظ اور فصیح و بلیغ زبان میں کی جائے۔ چوتھی یہ کہ وہ پیغمبرِ اسلام سے اپنی عقیدت اور عشق و محبت کا اظہار اور آپ ﷺ کی توصیف و تعریف کا بیان کرنے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی اطاعت و اتباع کے لیے اپنے سامعین کو بار بار ابھارتے ہیں۔ اور وہ اپنے نعتیہ اشعار میں نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ اور حیاتِ طیّبہ کو کامل نظامِ زندگی کے طور پر پیش کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ عالمِ انسانیت کا امن و سلامتی اور نجات اسی نظامِ زندگی کے اختیار کرنے میں ہے۔ان خوبیوں کو دیکھنے کے لیے سحر صاحب کے نعتیہ کلام میں مندرجہ ذیل اشعار کو ملاحظہ فرمائیں:۔

ذکر و فکرِ رسول ہو جائے /// رحمتوں کا نزول ہو جائے
میں مدینے کی خاک ہو جاؤں /// نقدِ جاں یوں وصول ہو جائے
جو بھی فرمانِ مجتبیٰ ہو /// مری زندگی کا اصول ہو جائے

چاہتا ہوں رُواں رُواں میرا///مدح خوانِ رسول ہوجائے
ہوں شفاعت کے مستحق جو لوگ///اُن میں میرا شمول ہوجائے
والہانہ درود پڑھتا ہوں /// کاش عرضی قبول ہوجائے

حرا کی رحمت کو عام کرکے جہاں میں قول و عمل سے اپنے
جہانِ ناخوشگوار کو میں دوبارہ یوں خوشگوار کرلوں

حل مشکلوں کا اسوہ حسنہ ہے نبیؐ کا///جینے کی تمنّا ہے اسی طور جیا کر
نورِ حرا سے تیرگیِ شب کو مٹا دے///ہر درد کا درمان اسی میں ہے میّسر
گرم پھر ہوجائیں گے انوارِ بزمِ مصطفیٰ ///قیصر و کسریٰ کی محفل سرد پڑ جانے کو ہے

اسی طرح کشمیری نعتیہ شاعری کے ان اشعار کو بھی دیکھیے:

کمہِ آبہ چھلن زیوتہ لِوَن دل تہ لیکھن نعت///پاکیزہ اچھر زار تھُرکھ ژوٗژ خیالات
نبین چھ سرِ نے باخدا سردار نبیؑ سون///انسانِ کامل احمد مختیار نبیؑ سون
کس نِش چھ نو مرِتھ کاَ زمانس تہ مکانس///بعد از خدا اعلیٰ فقط سرکار نبیؐ سون
گٹُس من زگاہ تہ گرِ شمس سایہِ ثم سُند///خدایس پتہ چھُ تھو دبس پایہِ ثم سُند
مفسر عالمس کیُت سُے قرآنک/// کراں تفسیر اکھ اکھ آیہِ ثم سُند
تِمس دو ن عالمن ہنز سُرخ روئی /// خُلق کم کاسہ یُس اپنایہِ ثم سُند
سحرسُے نغمہ پرَ، پرٕنے اگرچھے /// دلن من زلول یُس وزنایہِ ثم سُند
یتیمن، بیمتن ہُند بس محمدؐ /// چھُ واللہ بے کَسن ہُند کس محمدؐ
یمِس تراوِتھ پتھر ساری پتن گے/// پتَن زانتھ تلاں تھود تس محمدؐ
حدیم کرٕ خدایس ژز محمدؐ/// خداین نعت یمٕ سند پرٕ محمدؐ
زمینس کیُت چھُ سُے خورشید تاباں/// نبس تارکھ ڈکس یم جرٕ محمدؐ
خیرالبشرتہ صاحبِ اُم الکتاب ژے /// محبوبِ کبریا تہ رسالت مآب ژے
مشکویمٕ ازل تہ یُس مُشکاوِتا ابد/// انسان یتکہِ باغہ سُے پھو لمُت گلاب ژے

***

شمس الدین شمیم (مرحوم)

مشتاق فریدی کی نعت گوئی

موصوف کے مجموعہ نعت "سراجاً منیراً" کے حوالے سے
(والہانہ شیفتگی کے حامل شاعر کے فکروفن پر چند باتیں)

کشمیری ادبیات کی حرماں نصیبی اور کیا ہو کہ اوّلین شاعر، سلوک و معرفت کے منور مینار حضرت شیخ العالمؒ نے اپنی سخنوری کی ابتداء ا (الف) سے اللہ کی ہے، وہیں باے بسم اللہ سے "بے گومحمد رسول اللہ" موزون فرما کر اس زبان کی ادبیات کو علو مرتبت بنایا۔ پھر ایک سلسلہ وجود پذیر ہوا۔ کشمیری شعراء نے نعت گوئی میں فارسی اور عربی سے بڑھ کر اظہارِ عشق و عقیدت کیا۔ کچھ حضرات نے محض نعت گوئی کے لیے اپنے قلم کو وقف کیا اور دیگر حضرات نے اپنی تخلیقی، تالیفی نگارشات میں برکت و سعادت کے لیے اس دُرِ شہوار کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت وثنا میں قلم کی جولانیاں دکھائیں۔

نعت گوئی کشمیری ادب میں رسماً ہی نہ رہی، بلکہ یہ تاریخ کے نامختتم المیوں میں کشمیر کی اجتماعی سائکی کا سہارا اور مجروح دلوں کا مرہم بنی۔ اکثر شعراء نے ان المیوں کے تناظر میں فریاد کے ساتھ رستگاری کے لیے ندایہ تکلم برتا اور کئی بلند قسمت سلوک و معرفت کی منازل طے کرتے جب گوہرِ مقصود سے تجربی سطح پر فیض یاب ہوئے تو بے ساختہ کہہ دیا ؂

مکہ مدینس برچھِ وتھ لیے　　　نیر لتیے روو کرنے

(مکہ اور مدینہ میں ابوابِ قبولیت وا ہو گئے، اس لیے اے جانِ بے قرار آہستگی سے نغمۂ وصال لبوں پر لئے نکل)۔ یہ اسی بے پناہ شیفتگی اور مزاجاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ گوہر بار سے وابستگی کا نتیجہ ہے کہ کشمیری نعت عالمی نعتیہ ادب کے بالمقابل ہے۔

وادی میں اس حوالے سے جو نعتیہ ادب تخلیق ہوا، اُس میں کئی کشمیری پنڈت (ہندو) شعراء نے بھی جمالِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی میں کمالِ فن ہی نہیں، انتہائے ادب و عقیدت کا مخلصانہ اظہار اس طرح کیا ہے کہ وہاں تک رسائی کئی غلامانِ رسالت بھی نہ کر سکے ہوں گے۔ ایسا لگتا ہے نظری حدود تحلیل ہو گئیں، البتہ ان سطور میں کوہستانِ ڈوڈہ کے ایک معروف نعت نگار جناب مشتاقؔ فریدی کی نعت گوئی پر مختصر روشنی ڈالنا مقصود ہے۔ یہ سطور محض تمہیدی طور زبانِ قلم سے ٹپک پڑیں۔

اس مردم خیز خطہ میں بھی مرحوم عبدالرحیم اعمیٰ سے لے کر آج تک نعت نگاری کی سعادتوں سے کشمیری شعراء نے اپنی جبینوں کو مطلعِ انوار بنایا، وہیں آج بھی نعت گوئی اُن کے مزاج کا حصہ بن چکی ہے۔ ان ہی میں جناب مشتاق فریدی بھی شامل ہیں، جن کی عقیدتی شاعری کا مجموعہ ''سراجاً منیراً'' کے نام سے شائقین تک پہنچ چکا ہے۔ (*) یہ مجموعہ مختلف اصناف سخن میں عقیدتی شاعری کا تحفہ ہے، جس میں مخمس، قطعات، مسدس، فردیات، شمائل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوانات، سراپائے رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف موضوعات، نعتیہ قوالی، درود حضور صلی اللہ علیہ وسلم، ذکرِ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، ظہورِ آفتاب رحمت، ولادت مبارک صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوانات بھی ہیں اور معروف نعتیہ ہیئت میں تجربات بھی ہیں۔

نعت گوئی کے اپنے لوازمات، گہرائی و گیرائی ایک وسیع موضوع ہے، جس پر حسب مقدور خامہ فرسائی جاری ہے اور رہے گی۔ البتہ اس حوالے سے ایک اقتباس نعت نگاری کے تناظر میں موزوں رہے گا۔

''نعت وہی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالِ جہاں آرا کا ذکر ہو۔ جذبہ رحمت کی گفتگو ہو۔ ذاتِ اقدس پر درود و سلام کا شوق بے پایاں ہو۔ بے ادبی کا شمہ بھر احتمال نہ ہو۔ خیر البشر کا مقام بشر ثابت کرتے وقت مجروح نہ ہو۔ غزوات، انتظامی امور، سپہ سالاری، فتوحات اور سیاسیات نعت کا موضوع نہیں۔ نعت والہانہ فریفتگی سے دل کو دماغ پر، جذبہ کو فکر پر، عشق کو عقل پر ترجیح ہے۔ یہاں بے راہ روی کی گنجائش نہیں۔ دل عشق کی جلوہ گاہ ہو تو سروش غیبی کا مرکز ہوگا۔ اِدراک، شاعرانہ سے صوفیانہ بنے گا۔ یہ شعور حُسن کا اظہار ہے مگر حسن کمال اور حسن معنوی۔ یہ لاہوتی طبقات تک پرواز، صرف عشق کے بال و پر سے ہو سکتی ہے''۔ (پروفیسر وصی احمد صدیقی، تعمیر حیات لکھنؤ ۱۹۹۹ء)

''سراجاً منیراً'' کی نعتیہ پیشکشوں میں درج بالا اقتباس کے خاصے مضمرات اپنی گواہی دیتے ہیں۔ تفصیلی مطالعہ سے صاحبِ کتاب کی سیماب صفت قلبی کیفیات کا اندازہ ہوتا ہے۔ اُمت کے سوادِ اعظم کی آنکھوں سے ٹپکتے خوناب آنسوؤں سے واسطہ پڑتا ہے۔ نعت نگار کی دردمندی اور اضطراب لفظ لفظ سے عیاں ہوتا ہے۔ شوقِ دیدار میں کئی مقامات پر ''زمہجوری برآمد جانِ عالم'' کی کیفیت جھلکتی ہے۔ مصنف ولایت کے مقامی تاجوروں کے دربار میں بھی منقبت کی صورت میں اپنے مچلتے ہوئے جذبات محسوسات کو زبان دیتے ہیں۔ الغرض یہ عقیدتی شاعری کی پیشکش ایک عالم اسرار کی نقیب ہے، جو صاحب کتاب کی درونہ کیفیات سے مملو ہے اور وابستہ دامانِ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا والہ وشیدا اِظہار ہے۔ اس طرح یہ تصنیف بانہال کے اُس پار ایک قابل قدر کوشش ہے جو دعوت مطالعہ دیتی ہے۔

(*) اب تو فریدی صاحب کی ''کلیاتِ نعت و مناقب'' بھی شائع ہو چکی ہے، جس پر تبصرہ اگلے صفحات میں درج ہے۔

موصوف نے خالص نعتیہ فارم میں جن محسوسات و جذبات کا اظہار کیا ہے، اُن تمام کا احاطہ اس

مختصر تحریر میں ممکن نہیں، لیکن چند منتخب اشعار کا ترجمہ ہدیہ قارئین ہے، تاکہ وہ خود فیضیاب ہوں

''بادِ خزاں نے ہمیں منتشر کردیا۔ ہمارا چمن تاراج ہوا۔ اے صبا! ہماری مودبانہ التجا دربار رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک لے جا۔ اُس اُمتی کی عبادت بغیر خوشبو گلاب کی مانند ہے، جو درودِ مبارک سے اپنی عبادت کو مزین نہیں کرتا۔''......... ''آنسرورؐ کبھی میدان بدر میں شہہ سواری فرماتے ہیں اور کبھی حرم پاک میں دین مبین کی تفسیر فرماتے ہیں۔ اے مشتاقؔ حق کی طرفداری اُسے ہی مقدر ہوگی، جسے دامانِ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں پناہ کا پروانہ عطا کیا گیا۔ نور وظلمات کا جہاں اقتران ہوتا ہے، وہیں سے گیسوئے مبارک کا عنوان شروع ہوتا ہے۔''

''خلعتِ لولاک آپؐ کے جسم اطہر پر تاباں ہے اور کاکلِ معطر (ج) جیم کی طرح خم ہے۔''

''میرے آقا مشتاقؔ آپ کی چشم مازاغ صفت کی خیرات کا طالب ہے، وہ محراب ساں چشم جو ''قوسین'' کی ترجمان ہے۔ جس خوش نصیب کو عشق آنسرورؐ کی دولت نصیب ہوئی، اُس کے چہرے پر نظر ڈالنے سے گلاب شرماتا ہے۔ فاوحی الی عبدہٖ کے معارف کون جان سکا، یہ صرف حبیبؐ خدا کے علم میں ہیں۔ میں قربان آپ کی ذات والاصفات پر، جس نے وہ عمیق اسرار بیان فرمائے کہ ناطقہ سر بہ گریباں ہے۔''

یہ جستہ جستہ نعتیہ اشعار قاری کو ایک کیفیت وسرور بخشتے ہیں اور عشق رسالتمآبؐ کے اسرار ورموز کا دفتر وا کرتے ہیں۔ کسی تخلیق کار کی ضمانت یہی کیفیت ہے جو قاری کو اپنے ساتھ بہالے۔

حاصل کلام: جراید ورسائل میں مستقل کالم نگار اور ''فریدیات'' کا منصبدار مصنف ہمیں اپنے دل کی ناصبوری سے متاثر کرتا ہے۔ جگر پاشیوں کا نظارہ بہم کرتا ہے۔ اس قلمِ ادب کوش نے ندائی، غیر ندائی، ذاتی اور اُمت کے سوادِ اعظم کی چشم تمنا کی ترجمانی کی ہے۔ وجہِ کن فکان کے دربار میں یہ استغراق، یہ محویت اور جنیدؒ و بایزیدؒ کی ''نفس گم کردہ می آید'' والی کیفیت سے متاثر ہوئے بغیر آگے بڑھنا شاید قاری کے بس میں نہیں رہتا، بشرطیکہ مادری زبان میں مطالعہ کی تشنگی شامل حال رہے۔

فن کی بات کرتے اکثر یہ نظر انداز کردیا جاتا ہے کہ شعر صرف مخصوص اوزان وبحور پر ہی منحصر نہیں۔ شعریت اس سے ماورائی بھی ہے۔ چناں گفتی، چہ خوش گفتی کا معاملہ بھی ہے۔ اس میں وہ اہتزاز، نزہتِ خیال، پاسِ ادب اور بادۂ عرفانیات کی شہادت ہو تو اکثر شرطیں ذیلی رہ جاتی ہیں، کیونکہ کہا گیا ہے ''وزن اتنا بھی ضروری نہیں، جتنا صحیح اور حقیقی شاعری''۔ (کشمیری شاعری پر مکالمہ، دوردرشن سرینگر مورخہ ۱۶/اکتوبر ۲۰۰۹ء مابین پروفیسر شاد رمضان، شمس الدین شمیم مرحوم)

***

باب

تفہیمات

حمد ونعت:

اِنتقادِ سخن ، احتسابِ اسلوب

[حمدیہ ونعتیہ فن پاروں پر تبصرے اور تاثرات]

ڈاکٹر اشفاق انجم کا کلام : "صلوا علیہ و آلہ"

ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری

"ہمارے عہد کے نعت گو"

شاہ اجمل فاروق ندوی

نعت رنگ کا شمارہ نمبر 28

ملک نواز احمد اعوان

'نعتیہ ادب: مسائل و مباحث'

خورشید احمد سعیدی

'کلیاتِ نعت و مناقب'

مدیر

'عصرِ حاضر کے نعت گو'

ادارہ

ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتحپوری ایڈوکیٹ

لال حویلی، امام گنج، ابونگر بالمقابل جی۔آئی۔سی۔فتحپور (یوپی) 212601 موبائیل نمبر: 9415157070

ڈاکٹر اشفاق انجم کا کلام: ''صلوا علیہ و آلہ''

اردو کے جدید شعرائے نعت میں عہد حاضر کے مشہور محقق، ممتاز ناقد، عالی مرتبت شاعرِ نعت ڈاکٹر اشفاق انجم ہیں، جن کے نعتیہ مجموعہ ''صلوا علیہ و آلہٖ'' کا محاسبہ کرنا، اس وقت راقم کا مطمحِ فکر ہے۔ آپ اس معنی میں اردو کے عظیم شاعرِ نعت ہیں کہ آپ کا نعتیہ سرمایہ علمی طور پر شرعی حدود کے اندر ہے اور افراط وتفریط سے مبرا ہے۔ راقم کی نظر میں اس محاسبہ کو خود مکتفی بنانے کی غرض سے اور اُسے ہر قسم کے قیل و قال سے بے نیاز رکھنے کی خاطر ایک طولانی تمہید کی ضرورت ہے۔

عالی مرتبت ڈاکٹر اشفاق انجم نے اپنے اس مثالی نعتیہ مجموعہ کا نام ''صلوا علیہ و آلہٖ'' رکھا ہے، جو اس لیے اہم اور قابل التفات ہے، کیونکہ یہ فقرہ ایک الہامی فقرہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ شیخ شرف الدین، مصلح الدین سعدیؔ نے اپنے لاثانی قطعۂ نعت کے تین مصرعے بلا کسی دقت و زحمت کہہ لیے تھے، لیکن چوتھے مصرعہ کا ورود اُن کے ذہن میں نہ ہو رہا تھا، جو بتفضل الٰہی اچانک ذہنِ سعدیؔ میں کوند گیا اور اس طرح یہ مصرع ایک مکمل فقرہ کی شکل میں دفعتاً آیا تھا، اس لیے راقم نے اسے الہامی کہا ہے۔ مکمل قطعہ حسبِ ذیل ہے :

بلغ العلیٰ بکمالہ کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ صلّوا علیہ و آلہٖ

ڈاکٹر اشفاق انجم کے اس نعتیہ مجموعہ کا آغاز حمد باری سے ہوا ہے، جس کا گلِ سرسبد درج ذیل شعر ہے:

ضرور کوئی مصور ہے انتہا سے پرے
زمیں کی سطح پہ یہ نقشے کہاں سے آتے ہیں

یہ حمد کافی حسین اور معلوماتی ہے۔ اس حمد کے بعد نعتوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اس نعتیہ مجموعہ کی پہلی نعت، وہ نعت ہے جس کا مطلع رقم ذیل ہے :

پھولوں کا حسن، رنگوں کی بوچھار کون ہے
آ دیکھ تو سہی پسِ دیوار کون ہے

شعر مرقومہ بالا میں ''بوچھار'' لفظ اور ''پسِ دیوار'' کی ترکیب لاجواب ہے۔ نعت مافی البحث کا تیسرا شعر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سببِ تخلیق کائنات ہونے کے باب میں کافی حسین، پر لطف اور جاذب قلب و وجدان ہے۔

کس کے لیے وجود میں آئی ہے کائنات
اس دائرہ کا نقطہ پرکار کون ہے

اس شعر میں ''نقطۂ پرکار'' کی ترکیب اپنی استیعابیت، ایجازیت اور معنویت کے نقطہ ہائے نظر سے توجہ طلب ہے۔

معراج کے سلسلہ میں شاعرِ موصوف کا رقم ذیل شعر اپنے قبیل کے اشعار میں درّۃ التاج کا درجہ رکھتا ہے اور اس میں بھر پور معنویت اور ایجاز ہے۔

اک پل میں دو جہاں کے رستے سمٹ گئے
توسن لے کیسا ہے، صاحب رہوار کون ہے

درج ذیل شعر میں ''احسان''، ''خلق''، ''حسن''، ''قدرت کی بے پناہی کا اظہار'' چند متناسب، غیر متضاد حسین الفاظ کی یکجائی کے باعث صنعت مراعاۃ النظیر کا حسین و لطیف استعمال ہے۔ شاعر کی مافی البعث نعت میں صنعت مراعاۃ النظیر کا دلکش ازدحام ہے، جو شاعر کی صنائع و بدائع پر زبردست قدرت کا مظہر ہے۔

اس نعت کے ایک شعر میں ہندہ زوجۂ ابوسفیان کا جنگ احد میں عم رسولؐ جناب حمزہؓ کا کلیجہ چبانے کا المناک اور دلدوز منظر ہے، رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے چچا کے ساتھ ہندہ کے سفاکانہ شقاوت پر قلم عفو سے لکیر کھینچنے کا بے نظیر اور لاجواب کارنامہ اور شاعر کا استعجابانہ و استفہامیہ انداز میں یہ کہنا کہ دنیا میں ایسا صاحب ایثار کون ہے، ایجاز و اختصار کا ایک نادر شاہ کار ہے۔ ایسے ہی بے مثال موجز شہ پارہ پر دریا کو کوزہ میں بھرنے والی مثل صادق آتی ہے۔ نعت کے مندرجہ ذیل شعر میں صنعت مراعاۃ النظیر کا بھی عمدہ استعمال ہے۔ اب شعر محولہ بالا ملاحظہ فرمائیں:

اس کو بھی بخشا جس نے کلیجہ چبالیا
دنیا میں ایسا صاحب ایثار کون ہے
(صلوا علیہ و آلہ، صفحہ ۳۲)

اس نعتیہ مجموعہ کی دوسری نعت کا مقطع سے ماقبل کا شعر، نعت گوئی میں اظہارِ عجز کے باب میں،

ایک حسین شعر ہے، جس میں تھک کے سجدے میں سر رکھنے کا فقرہ کافی اثر آفرین ہے۔ محولہ بالا شعر درج ذیل ہے:

فکر عاجز ہے توصیف میں
تھک کے سجدے میں سر رکھ دیا

مندرجہ ذیل شعر میں ''گل''، ''پھول''، ''کاہ کشاں'' کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناخن کا صدقہ کہنا اور اس حسن اور اس زیبائی کو ادراک سے باہر بتلانا نعت مافی البحث کو حسن کا مرقع بنا رہا ہے۔

گل پھول ستارے کاہ کشاں، جس ناخن پا کا صدقہ ہے
ادراک نہیں کرسکتا کوئی اس حسن کا، اس زیبائی کا
(صفحہ ۳۴)

نعت کے درج ذیل شعر میں اعترافِ عجز کا مضمون اور شاعر کے اندازِ گفتگو کا تیور کافی جاذب اور انوکھا ہے، جس میں شاعر کا اپنی اوقات اعلیٰ کو اوقات ہی کیا کہنا اور خود ہی نعت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ میں لفظ و معنی کے اس حسین پیکر کو بجا طور پر القاء بتلانا اور اس کرم فرمائی پر صد شکر کا اظہار کرنا اور اس طرح متضاد عناصر کو یکجا کر کے اُسے ایک لاجواب کارنامہ تعبیر کرنا اور اس کرم فرمائی پر صد شکر ادا کرنا، نے اس نعتیہ شعر کو کافی حسین اور خاصا دلکش بنا دیا ہے۔ واقعتاً یہ شعر شاعر کے الفاظ و معانی پر قابل توجہ احتیاط اور حسین گرفت کا مظہر ہے، جو ہر کسی شاعر کے نصیب میں نہیں آتا۔

میں مدح و ستائش کیا کرتا، آخر ہے مری اوقات ہی کیا
سب لفظ و معانی القاء ہیں، صد شکر کرم فرمائی کا
(صفحہ ۳۵)

شعر مندرجہ بالا میں لفظ و معانی کا انتخاب کافی برجستہ اور خاصا دلکش ہے۔ ڈاکٹر اشفاق انجم کی

ایک نعت کے درج ذیل شعر میں صنعت تنسیق الصفات کا حسن، نیچرل اور فطری ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متعدد صفات نگینہ کی طرح جڑی ہوئی ہیں۔ ؎

بحر سخاوت خلق مجسم رحمت عالم
شافع محشر، علم کا دریا گیسوؤں والا
چاند ستارے جگنو تتلی پھول شگوفے
سب پر احسان کرنے والا گیسوؤں والا
(ص ۳۶)

اسی قبیل کا مندرجہ ذیل شعر بھی ملاحظہ ہو، جو مقطع کا شعر ہے ؎

نام سے جس کے دور ہوں انجم ساری بلائیں
دونوں جہاں کے غم کا مداوا گیسوؤں والا
(صفحہ ۳۷)

حضرت عثمان غنی سے مروی ایک حدیث پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ نہ ہونے کی وجہ یہ بتلائی گئی ہے کہ اللہ پاک نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ کو اس لیے اٹھالیا تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ پر کسی کا پیر نہ پڑ سکے۔ اس طرح حضرت عثمان نے اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ قرار دیا ہے۔ اب ڈاکٹر انجم کا متعلقہ شعر ملاحظہ ہو: ؎

تن بے سایہ ایسی لطافت کس کی ہے
نور کا پیکر، نور کی صورت کس کی ہے
(صفحہ ۳۸)

شعر مندرجہ بالا کے دوسرے مصرعہ میں صنعت تلمیح بھی ہے۔ نبی معظم ومکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لیے فرمایا ہے: "انا نور من نور اللہ" میں خدا کا نور ہوں۔ ایک دوسری حدیث نبوی اس طرح ہے: "اول ما خلق اللہ نوری" اللہ پاک نے جس کو سب سے پہلے پیدا کیا، وہ میرا نور ہے۔

معجزۂ شق القمر کے بیان میں ندرت اظہار ملاحظہ ہو۔ اس شعر میں شق القمر کی موجب انگلی کے بارے میں مالک سے یہ سوال کہ یہ کس کی ہے، بالکل نیا اور چونکا دینے والا سوال ہے ؎

ہم نے تو بس چاند کے ٹکڑے دیکھے ہیں
مالک وہ انگشت شہادت کس کی ہے

(صفحہ ۳۸)

مندرجہ ذیل نعتیہ شعر میں صنعت تلمیح کا استعمال دیدنی ہے، اس میں ہندہ کے کلیجہ چبانے کے واقعہ اور طائف کے سرکشوں کی طرف اشارہ ہے اور ایسے پاپیوں کو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاف فرمایا۔ اسی سیاق وسباق میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے نظیر ہمت وجرأت کی بات کی گئی ہے۔ اس شعر کے پہلے مصرع میں دو اشیاء، "ہندہ" اور طائف کو بخش دیئے جانے اور معاف کئے جانے میں بطور لف جمع کیا گیا ہے، اور اس کے بعد اسی ترتیب سے دوسرے مصرع میں دونوں کے متعلقات ومنسوبات یعنی کلیجہ اور ہمت کو بطور نشر لایا گیا ہے اور یہ نہیں بتلایا گیا کہ کون سا منسوب کس منسوب الیہ سے متعلق ہے کیونکہ سامع پر اعتماد ہے کہ وہ ہر منسوب الیہ کو اس کے منسوب سے لگا لے گا۔ چونکہ یہاں نشر کی ترتیب لف کی ترتیب کے مطابق ہے، اس لیے یہ صنعت لف ونشر مرتب ہوئی۔ اب ذیل میں محولہ بالا شعر ملاحظہ ہو۔

ہندہ کو بخشا طائف کو بھی معاف کیا
ایسا کلیجہ، ایسی ہمت کس کی ہے

(صفحہ ۳۸)

مندرجہ ذیل نعت میں "پلک نہ جھپکی" اس کے آگے "اک لمحہ" میں 'مازاغ البصر وماطغیٰ' (القرآن پارہ ۲۷، سورہ النجم آیت: ۱۷) کی جانب ایک حسین تلمیح ہے اور اس کے بعد مصرعہ ثانیہ کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک آنکھوں کی بصارت کے بے عدیل ہونے کا اعلان کافی دلکش ہے۔

پلک نہ جھپکی اس کے آگے اک لمحہ
آنکھیں ایسی، ایسی بصارت کس کی ہے

(صفحہ ۳۹)

ڈاکٹر اشفاق انجم کے مرقومہ ذیل شعر میں تلازموں کا حسن لائقِ مدحت ہے۔ نیز "درد وغم" اور "آلام تمنا" کو چھت پر بیٹھے ہوئے پرندوں سے تعبیر کرنا اور انہیں چھت سے اڑا دینے کی بات کرنا بہت معنی خیز ہے۔ نعت کا یہ لاجواب شعر ملاحظہ ہو۔

درد و غم و آلام تمنا، رنج سے دو بھر میرا جینا
اب یہ پرندے چھت سے اڑادو صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(صفحہ ۴۰)

پہلے مصرع میں درد وغم معطوف ومعطوف علیہ اور آلام تمنا مضاف ومضاف الیہ ہیں۔ اسی نعت

کے مندرجہ ذیل شعر میں کنکر و ہیرے موتی، شام وسحر اور سونا چاندی میں صنعت تضاد ہے، جو فطری ہے:

جس کے کنکر ہیرے موتی، شام و سحر ہیں سونا چاندی
شہر مدینہ ہم کو دکھادو صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم
(صفحہ ۴۰)

اس مجموعۂ نعت کے صفحہ ۴۱ پر مندرج نعت کے مرقومہ ذیل شعر میں "گنبد خضرا" کی ترکیب کھٹکتی ہے، کیونکہ عربی و فارسی قواعد کی رو سے موصوف وصفت کی ترکیب میں تعریف و تنکیر اور تذکیر و تانیث میں مطابقت لازمی ہے، واضح ہو کہ مرقومہ بالا شعر میں تذکیر و تانیث کی مطابقت مفقود ہے۔ گنبد خضرا میں گنبد مذکر اور خضرا اسم تفصیل کا واحد مونث کا صیغہ ہے، جس کے مذکر کا صیغہ اخضر ہے۔ اس ترکیب میں دوسری قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اس ترکیب میں گنبد فارسی الاصل اور اخضر عربی الاصل ہے۔ واضح کہ عربی حروف ہجا میں گاف نہیں ہے۔ اس طرح خالص فارسی لفظ گنبد کو موضوع بنا کر اس کی صفت خالص عربی لفظ خضرا کو بنانا راقم کے نزدیک نادرست ہے۔ گنبد کا عربی متبادل قبہ ہے، اس طرح اس کی ترکیب قبہ خضرا اور القبۃ الخضر اء ہوتی۔ قرآن پاک میں یہ ترکیب معرفہ اور نکرہ ہر دو صورت میں مستعمل ہے۔ المسجد الحرام، المسجد الاقصیٰ کی تراکیب سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی میں آئی ہیں، جس میں موصوف وصفت دونوں ہی معرفہ ہیں، جب کہ قرآن مجید میں بروج مشیدہ کی ترکیب فی بروج مشیدہ میں مستعمل ہے، جس میں موصوف وصفت دونوں نکرہ ہیں۔ اگر اس ترکیب کو فارسی میں استعمال کرنا ہے تو "گنبد سبز" کی ترکیب استعمال کرنی ہوگی۔ لائق و فائق استاد، ڈاکٹر اشفاق انجم نے اپنے مجموعہ نعت کے صفحہ ۴۶ میں مرقوم نعت کے مقطع میں "سبز گنبد" کی ترکیب استعمال کی ہے۔ مقطع ملاحظہ ہو:۔........................(صفحہ ۴۶)........

قیامت تک نہ اوجھل ہو نظارہ سبز گنبد کا
خدایا ! چشم انجم کو حیاتِ جاوداں دیدے

"سبز گنبد" کی ترکیب میں یہ قباحت ہے کہ فارسی و عربی قواعد میں صفت پر موصوف کا تقدم ہوتا ہے یعنی موصوف پہلے آتا ہے اور صفت بعد میں آتی ہے۔ جیسے "بروج مشیدہ" میں موصوف بروج، صفت مشیدہ سے قبل ہے، اسی طرح فارسی ترکیب میں گنبد یعنی موصوف صفت سبز سے پہلے ہوگا یعنی یہ ترکیب فارسی میں گنبد سبز ہوگی۔ فارسی قواعد کی کتابوں میں موصوف وصفت کی ترکیب میں دی گئی مثالیں مرد عاقل، زن فاحشہ اور زن عادلہ ہیں۔ اردو میں عربی و فارسی قواعد کے برخلاف صفت پہلے آتی

ہے اور موصوف بعد میں آتا ہے۔ جیسے ٹھنڈا پانی اور گرم چائے وغیرہ۔

مجموعہ 'نعت' صلوا علیہ وآلہٖ میں صفحہ ۴۱ پر مندرج وہ شعر جس کا حوالہ ماقبل میں دیا گیا ہے، ذیل میں نقل کیا جارہا ہے:ـ

روشن روشن شہر مدینہ جگمگ جگ مگ گنبد خضرا
چشم و دل میں نور بسادو صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

صفحہ ۴۲ پر مندرج نعت میں حبیبِ خدا کو انتخاب اور بدن کو نور اور پسینہ کو گلاب کہا گیا ہے جو متعدد کتب احادیث میں مندرجہ احادیث کے عین مطابق ہے۔ یہاں استعارہ کا استعمال دیدنی ہے:

جہاں میں تیرا حبیب انتخاب ہے اللہ
بدن ہے نور، پسینہ گلاب ہے اللہ
(صفحہ ۴۲)

صفحہ ۴۳ میں مندرج نعت کے مقطع میں نبی رحمت کے صدقہ میں اللہ پاک سے خودشناسی کی دولت مانگی گئی ہے اور صحیح معنوں میں فلک، زمین اور زمانہ کو سراب بتلایا گیا ہے۔ واقعتاً خودشناسی خدا کی عطا کردہ ایک بیش بہا دولت ہے، کیونکہ خودشناسی، خداشناسی کا زینہ ہے۔ ایک مقولہ بھی کافی مشہور ہے ''من عرف نفسہ فقد عرف ربہ'' یعنی جس نے اپنے کو پہچان لیا، اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

صفحہ ۴۴ میں مرقوم نعت میں بتلایا گیا ہے کہ نعت خوانی اور نعت شنوائی میں ادب کو ملحوظ خاطر رکھنا ایک لازمی شرط ہے، کیونکہ ایسی بزموں میں حبیب کبریا اور نورٌ من نور اللہ کا ذکر ہوتا ہے، نور خدا کے فقرہ میں صنعت تلمیح کا اچھا استعمال ہے، کیوکہ بموجب حدیث نبوی ''انا نور من نور اللہ'' آپ کی تخلیق نور الٰہی سے ہوئی ہے۔ متعلقہ شعر ملاحظہ ہو:ـ

ادب ہے شرطِ لازم، ہے محبت بزم میں انجم
حبیب کبریا نور خدا کا ذکر ہوتا ہے

صفحہ ۴۵ میں مرقوم نعت میں ڈاکٹر انجم نے نعت گوئی میں اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ پاک سے اپنے گونگے ہونے کا برملا اظہار کیا ہے اور اس طرح ذات باری عزّ اسمہ سے استدعا کی ہے کہ وہ ان کے منہ میں زبان دیدے۔ منہ میں زبان دینے کا فقرہ بہت معنی خیز ہے، اب اصل شعر ملاحظہ ہو:

مرے مولا ترے محبوب کی توصیف کرنی ہے
میں عاجز ہوں، میں گونگا ہوں، مرے منہ میں زباں دیدے

شاعر بے نظیر ڈاکٹر اشفاق انجمؔ نے صفحہ ۴۸ پر مندرجہ نعت کے ایک شعر میں اپنا یہ جذبہ نظم کیا ہے، جو مبنی بر صدق ہے کہ اس جہانِ خراب میں گنبد سبز کے علاوہ کچھ نہیں رکھا۔ شاعر کا یہ جذبہ قابل آفریں ہے۔ اس میں استفہامیہ انداز بیاں نے شعر کے حسن کو دو بالا کر دیا۔

تو ہی بتا کہ گنبد خضرا کے ماسوا
رکھا ہی کیا ہے تیرے جہان خراب میں

ڈاکٹر انجم کے مجموعہ نعت کے صفحہ ۴۹ پر ایک نعت مرقوم ہے کہ جس کے بے عدیل شعر میں شاعر نے عزت و توقیر کا یہ سہل ترین نسخہ بتلایا ہے کہ۔

خاک طیبہ سر پہ رکھ لو، تاج زر ہو جائے گی
سہل تر نسخہ یہی ہے عزت و توقیر کا

صفحہ ۵۲ پر مندرج نعت کے مقطع میں ڈاکٹر اشفاق انجم نے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سہارے کو کافی و وافی بتلاتے ہوئے بطور تضمین غالبؔ کے ایک شعر کے مصرعہ ثانیہ کو اپنے مقطع کا مصرعہ ثانیہ بنالیا ہے۔

انجم مجھے نبی کا سہارا ہے اور بس
نے ہاتھ باگ پر ہے اور نہ پا ہے رکاب میں

مرزا اسد اللہ خان غالبؔ کا وہ مکمل شعر ملاحظہ ہو، جس کے مصرعہ ثانیہ کو ڈاکٹر انجم نے اپنی مافی البحث نعت کے مقطع کا مصرعہ ثانیہ بنالیا۔

رو میں ہے رخش عمر، کہاں دیکھئے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے، نہ پا ہے رکاب میں

(دیوان غالبؔ ص ۹۹، غالب اکاڈمی، نئی دلّی)

صفحہ ۵۴ پر مندرج نعت کے پہلے شعر میں صنعت تلمیح کا حسین استعمال ہے۔ حضرت عمرؓ جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کے ارادے سے نکلے تھے، اپنے بہن و بہنوئی کو زد و کوب کے باوجود اسلام پر ان کی ثابت قدمی کو دیکھ کر اسلام سے متاثر ہو گئے اور اس طرح اسلام کے لیے ان کا زہر امرت بن گیا اور ابھی ابھی کا عدوِ نبی شیدائے نبیؐ ہو گیا۔ نبی رحمت کی نگہ کرم کا یہ اثر ہوا کہ آپؐ کی ایک نگاہ نے الماس کو برادہ بنا دیا۔

نعتیہ مجموعہ کے صفحہ ۵۵ پر مندرج نعت کے آخری شعر میں آپؐ کی رحمتوں کو سب کے لیے عام ہونے کی بات کی گئی ہے اور اس سلسلہ میں رحمتوں کو ہواؤں کی طرح عام ہونے کی دعا مانگی جارہی ہے،

ہواؤں اور آپؐ کی رحمتوں کے عام ہونے کے سلسلہ میں وجہ شبہ 'شائع ہونا' ہے۔ یہ وجہ شبہ بہت ہی سریع الیہ ہے اور بہت ہی مناسب ہے۔ رحمتوں کو سبھی کے لیے عام ہونے کے سلسلے میں سبھی ذی روح کے سروں پر ہاتھ رکھنے کا محاورہ اور استعارہ بہت خوب ہے۔ اب اصل شعر ملاحظہ ہو:

رحمتیں سب کے لیے عام ہواؤں کی طرح
دست شفقت سبھی ذی روح کے سر پر رکھا

شاعر اعظم ڈاکٹر اشفاق انجم نے صفحہ ۵۶ پر مرقوم ایک شعر میں جو درج ذیل ہے، آپؐ کے اُس خلق عظیم کا تذکرہ کیا ہے، جس کے باعث آپؐ نفع رسائی میں کوئی تخصیص نہ کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیض عام سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعداء بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معطر دعاؤں سے عطر آگیں بنے رہتے تھے۔ صفحہ ۵۸ پر مندرجہ نعت کا مقطع کافی حسین اور جاذب قلب و ذہن و وجدان ہے، اس میں شاعر نے مدینہ جانے کی صورت نکالنے کی بات کی ہے اور یہ شکوہ کیا ہے کہ وہ کب تک جدائی کے غم میں اپنا دل خون کرتا رہے گا۔

انجم مدینہ جانے کی صورت نکالئے
کب تک غم فراق میں دل کو لہو کریں

شاعر کا کہنا ہے کہ مدینہ جانے کا کوئی انتظام کرنا چاہیے، کیونکہ ایک مدت سے یہ خیال دل میں جاگزیں ہے، آخر کب تک محزون و مغموم زندگی گزارتے رہیں گے۔

صفحہ ۵۹ میں ڈاکٹر انجم کا یہ جذبہ قابلِ قدر ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملتجی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگا دیں، تا کہ وہ انوارِ طور دیکھ سکے۔ یہاں طور اور انوار طور میں ایک خصوصی مناسبت ہے۔ اس شعر میں صنعت تلمیح کا استعمال فطری اور حسین ہے۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لفظ حضور کے ساتھ مخاطبت میں بھی ایک حسین ادا ہے۔

صفحہ ۶۲ پر مندرج نعت کا مقطع لاجواب ہے، کیونکہ اس میں یہ معصوم سا خیال نظم کیا گیا ہے کہ اس کی تمنا ہے کہ وہ موتی کی بارش کرنے والی مجلس میں اپنا قصیدۂ نعت پیش کرے۔

یہ آرزو ہے کہ انجم قصیدہ پیش کرے
کرم ہو مجلس دربار کی تمنا ہے

صفحہ ۶۳ میں مندرج نعت میں یہ حقیقت نظم کی گئی کہ دنیا محبوب رب العالمین کے نزول کے باعث حسین و دلکش ہے، اس میں حدیث 'لولاک لما خلقت الافلاک' یعنی اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تخلیق

منشائے تخلیق نہ ہوتی تو یہ ارض وسما بھی معرضِ وجود میں نہ آتے، منظوم ہے اور اسی وجہ سے اس میں صنعت تلمیح کا حسن جگمگا رہا ہے۔ ؎

بس اس سبب سے ہے کون و مکاں میں اس کو شرف
حبیبِؐ رب کا مقامِ نزول ہے دُنیا

یہاں نبی معظم مکرم کے لیے ذہنِ متین پر ضمیر 'اُس' کا استعمال قلبِ سلیم پر گراں گزرتا ہے، کیونکہ اُس کا مشار الیہ دنیا ہے، جو نبی اکرم ﷺ سے انتساب کے باعث محترم ومکرم ہوگئی ہے۔ واضح ہو کہ محولہ بالا شعر میں اضمار قبل الذکر کا عیب ہے، کیونکہ شعر کے مصرع اوّل میں ''اُس کو'' لفظ میں مشمول ضمیر غائب ''اُس'' کا استعمال پہلے ہوا ہے اور اُس کے مرجع یعنی دُنیا کا وقوع مصرعہ ثانیہ کے اختتام پر بطور ردیف ہوا ہے۔ صفحہ ۶۵ پر تفضلاتِ نبی مکرم ﷺ میں سے آپؐ کے اس تفضّل کا بطور خاص ذکر ہے کہ جبریل کے ایسا مقدس فرشتہ آپ ﷺ کے حجرہ معظّمہ میں کبھی بھی بے اذن نہیں داخل ہوا۔ اس کے بعد شاعر نے 'اے صلِ علیٰ، اے صل علیٰ اے سرورِ عالم صل علیٰ' کا ورد کیا ہے۔

صفحہ ۶۸ پر مرقوم نعت کے مقطع سے ماقبل کے شعر میں مقامِ فنا فی الرسول کا ذکر ہے، جس میں شاعر نے یہ خیال نظم کیا ہے کہ منزل فنا فی الرسول کے قریب تر ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ہر طرف مدینہ کا نظارہ ہو رہا ہے۔ محولہ بالا شعر درج ذیل ہے: ؎

قریب تر ہے فنا فی الرسول کی منزل
چہار سمت مدینہ دکھائی دیتا ہے

صفحہ ۶۹ کے ذیل میں منقول شعر میں شاعر کی تمنا کہ وہ جاگتی آنکھوں سے مدینہ معظّمہ دیکھے اور اس تمنا میں اس کا مرا جانا، قابل قدر اور وقیع جذبات ہیں۔

شاعر اعظم انجم نے صفحہ ۷۱ پر درج اپنے شعر میں یہ حسین خیال نظم کیا ہے کہ اگر وہ اپنا کوئی باطنی دریچہ وا کرلے، تو طیبہ کے چاند یعنی ذات پاک نبی مکرم ﷺ کی کرنیں اڈ کر اس کے قریب آجائیں گی۔ اب شاعر عظیم کا اصل شعر ملاحظہ کریں۔ ؎

کرنیں اڈ کے آئیں گی طیبہ کے چاند کی
باطن کا اپنے کوئی دریچہ تو وا کرے

صفحہ ۷۵ میں مندرج ایک شعر میں عالی قدر شاعر ڈاکٹر انجم نے یہ حسین خیال نظم کیا ہے کہ ذات نبی معظم ومکرم کی فصاحت کے آگے سبھی فصحاء و بلغا تنگ زبان اور گونگے ہیں کیونکہ آپ ﷺ اپنی کم

سخنی کے باوجود بہت معجز بیان ہیں۔ واضح ہو کہ اہل عرب اپنے غیر کو عجمی (گونگا) کہتے تھے، لیکن یہی فصحاء آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے گونگے ہیں۔ محولہ بالا شعر ملاحظہ ہو:

فصیح تنگ ہیں امی کے آستانے پر
وہ کم سخن سہی معجز بیان کتنا ہے

شاعر نے کس قدر حسین طور پر آپؐ کی موجز و معجز بیانی کا اظہار کیا ہے۔

واضح ہو کہ بہت سے پڑھے لکھے حضرات بھی امّی کا ترجمہ غلط کرتے ہیں۔ راقم کو بھی اس کے مکتب و مدرسہ کے محترم اساتذہ نے امّی کا ترجمہ اَن پڑھ بتلایا تھا۔ عیاذاً باللہ! یہ ترجمہ غلط ہے اور اس افصح الفصحاء کی شانِ اقدس میں بڑی گستاخی ہے کیونکہ آپؐ نے خود ہی اپنے کو بطور اظہارِ واقعی افصح العرب کہا ہے۔ اللہ پاک نے قرآن کریم میں آپؐ کی بابت فرمایا ہے ''علمه شديد القویٰ'' (پارہ ۲۷، سورہ النجم آیت: ۵) جس کا معلم اللہ پاک ہے اور جو معلم علام الغیوب ہے اور جس کی بابت اللہ پاک خود فرما رہے ہیں ''وما ينطق عن الهویٰ ان هو الا وحی یوحی'' (پارہ ۲۷، سورہ النجم، آیت ۳، ۴) آپؐ خود سے نہیں بولتے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہی بولتے ہیں جو آپ سے اللہ پاک بلواتا ہے۔ اس طرح امی کا ترجمہ اَن پڑھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سیاق و سباق میں نادرست ہے۔ آپؐ کو جو امّی کہا جاتا ہے، اس میں اس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح بچہ جب ماں کے بطن سے پیدا ہوتا ہے، تو کسی کا رہینِ منت نہیں ہوتا، وہی شخصیت، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی معلم نہیں ہے اور علم کے سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے علاوہ کسی کے رہینِ منت نہیں جو کہ ایک امر واقعی بھی ہے۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بایں معنی امّی ہیں کہ آپؐ کا معلم بجز ذاتِ خداوندی کوئی نہیں ہے۔ واضح ہو کہ امّی اُم سے منسوب ہے جس کے معنی ماں ہیں۔

'صلوا علیہ و آلہ' میں صفحہ ۷۶ پر مشمول نعت کے ایک شعر میں ڈاکٹر انجم نے یہ برحق عقیدہ نظم کیا ہے کہ وہ دعا رائیگاں نہیں جاتی، جس میں درود شامل ہو۔ علمائے حق کا قول ہے کہ دعا سے ماقبل اور اس کے مابعد درود شریف پڑھنا چاہیے، کیونکہ درود شریف کو بہر حال قبول ہونا ہی ہے، خواہ وہ دکھاوے کی غرض سے پڑھا جائے، اس لیے جب اول اور آخر کو قبول ہونا ہی ہے تو ان شاء اللہ العزیز دونوں کا مابین بھی قبول ہو جائے گا۔ اسی مضمون کو ڈاکٹر انجم نے شاعرانہ جامہ میں بایں طور نظم کیا ہے:

جس میں شامل درود ہوتا ہے
وہ دعا رائیگاں نہیں ہوتی

کہا جاتا ہے کہ وہ جملہ شاعری کی شاہکار ہوتا ہے، جس میں نظم کردہ مضمون میں جملہ کی نثری ساخت برقرار رہے۔اس نقطہ نگاہ سے ڈاکٹر انجم کا یہ شعر ایک شاہکار جملہ کی حیثیت رکھتا ہے۔اس میں پہلا مصرع مبتدا اور دوسرا مصرع خبر ہے۔

صفحہ ۷۸ میں رقم شدہ شعر میں ڈاکٹر اشفاق انجم نے مشہور قرآنی آیت 'وما ینطق عن الھویٰ ان ہو الّا وحی یوحیٰ' کو نظم کرتے ہوئے کس قدر برجستہ انداز میں کہا ہے:۔

ہے دعویٰ مرا جس کا شاہد ہے قرآن نبی کی زبان سے خدا بولتا ہے

ڈاکٹر انجم نے صفحہ ۸۰ پر مندرج نعت کے ایک شعر میں مایوسی کو اپنے قریب پھٹکنے سے روکتے ہوئے فرمایا ہے کہ دربارِ نبوی میں مایوسی کا گزر نہیں ہے، کیونکہ وہاں بنام شہ لولاک آواز دینے پر جواب ملتا ہے۔ صرف آواز دینے کی ضرورت ہے، خدا جاگ رہا ہے کیونکہ وہ حی القیوم ہے۔قرآن کریم کی آیت الکرسی میں خدا نے فرمایا ہے لا تاخذہ سنۃ ولا نوم یعنی وہ حی القیوم ہے اس کو نہ نیند آتی ہے اور نہ اونگھ۔انجم کے اس شعر میں قرآنی تلمیح ہے۔قرآن پاک کی متعلقہ آیت کریمہ ملاحظہ ہو: اللہ لا الٰہ الا ہو الحی القیوم لا تاخذہ سنۃ ولا نوم (پارہ ۳، سورہ البقرہ، آیت ۲۵۶) شعر ما فی البحث رقم ذیل ہے:۔

انجمؔ نہ ہو مایوس بنام شہ لولاک
آواز تو دے لطف خدا جاگ رہا ہے

شاعر نے کس حسین انداز میں یہ خیال نظم کیا ہے کہ ہر ولی فخرِ موجودات عالم کا اثر ہے۔عقائد کی مشہور کتاب شرح عقائد میں یہ عقیدہ مرقوم ہے کہ کرامات الاولیاء حق یعنی اولیاء اللہ سے کرامات کا ظہور حق ہے۔درحقیقت اولیائے کرام کی کرامات انبیائے کرام کے معجزات ہیں، اسی لیے اولیاء اللہ ہدایت کے رواں دواں چشمے ہیں۔اب ڈاکٹر اشفاق انجم کا متعلقہ شعر ملاحظہ ہو:۔

انجمؔ ہدایتوں کے ہیں چشمے رواں دواں
سب اولیائے وقت ہیں آثارِ مصطفےٰ

ڈاکٹر اشفاق انجم نے صفحہ ۸۳ پر مندرج ایک شعر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شایانِ شان نعت قلم بند کرنے کے لیے قلم اور سیاہی مانگی ہے یعنی بطور قلم پرِ جبریل اور بطور سیاہی چشمِ حور کے کاجل کی درخواست کی ہے۔یہ شعر جاذبِ قلب و وجدان ہے۔متعلقہ شعر درج ذیل ہے:۔

دے جبرئیل کا پَر چشم حور کا کاجل
خدایا مدحِ شہ دو جہاںؐ لکھتا ہوں

ڈاکٹر اشفاق انجمؔ نے صلی اللہ علیہ وسلم کی ردیف میں ایک عمدہ نعت لکھی ہے، جس کی ردیف مناسب اور کافی طویل ہے، اس میں اشعار کی تعداد نو ہے، جس میں 'صلی اللہ علیہ وسلم' ردیف اور 'سرور'، 'موثر'، 'منور'، 'برتر'، 'اکثر' وغیرہ قوافی ہیں، پوری نعت حسن کا پیکر ہے۔ نعت کی بحر مترنم ہے۔ اس نعت کے شعر نمبر ۳ و ۴ میں الفاظ و حروف کا زیر و بم جاذب سامعہ ہے۔ محولہ بالا اشعار ملاحظہ ہوں: ؎

پتہ پتہ، بوٹا بوٹا، غنچہ غنچہ، ڈالی ڈالی
محو ثنا ہیں اللہ اکبر، صلی اللہ علیہ وسلم
شمع، شعلہ، سورج، انجم کاہکشاں اور ماہ و اختر
سب سے روشن روئے منور صلی اللہ علیہ وسلم

ان دونوں شعروں میں سے آخری شعر کا ماحصل، دوسرے شعر کے مصرعہ ثانیہ میں رقم ہے۔ یہ مرصع نعت صلی اللہ علیہ وسلم کی ردیف میں لکھی گئی نعتوں کی سرخیل ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم کی ردیف میں لکھی گئی نعت، جو زینت بخش صفحہ ۸۶ و ۸۷ ہے، بہت حسین و بامعنی ہے۔ اس نعت کا صرف ایک شعر جو اس نعت کا شعر نمبر ۴ ہے، ذیل میں لکھا جا رہا ہے: ؎

باعث تکوین عالم کون ہے   اے حبیب کبریا صلِّ علیٰ

صفحہ ۸۸ میں مندرج نعت، جس کی ردیف 'نکلے' اور 'آنسو'، 'جگنو'، 'بازو'، 'خوشبو' وغیرہ قوافی ہیں، کافی اچھی معیاری اور پر معنی ہے۔ شاعر نے بھارت سے مدینہ پہنچنے کو، جو بظاہر ناممکن ہے، اپنے شہپرِ دل کے لیے بازوئے جبرئیل کا بلیغ استعارہ استعمال کر کے مبالغہ غیر مقبولہ کو مبالغہ مقبولہ بنا دیا ہے۔

ڈاکٹر اشفاق انجمؔ کی ایک نظم بشکل مخمس شاملِ مجموعۂ نعت ہے۔ یہ نظم ترکیب بند کی ہیئت میں ہے۔ اس میں نو بند ہیں، ہر بند اپنی جگہ مرصع اور مترنم ہے۔ اس نظم کے ہر بند میں کئی کئی معجزات نظم کئے گئے ہیں۔ اس مخمس کا عنوان ہے "پیمبر آنے والا ہے" یہی ادا اس نظم کے آخری بند میں بھی ہے، جو درج ذیل ہے: ؎

وہ جس کے نام کا کلمہ پڑھیں گے راہ کے پتھر
شجر دوڑے ہوئے آئیں گے، جس کے اک اشارے پر
نگوں سر ہوں گے جس کے علم کے آگے ادب پرور
زباں سے جس کی انجمؔ ہوں فصیحان عرب ششدر
رسولِ ہاشمی، امّی سخن ور آنے والا ہے

"آمد خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم" عنوان سے لکھی گئی نعت کے سارے کے سارے اشعار میں دریا کی سی

روانی ہے۔اس میں مشمول اشعار کے زیر و بم میں ایک حسین غنائیت ہے۔زیر بحث نعت میں منظر نگاری کا حسن بھی دیدنی ہے۔نعت متذکرہ بالا کے سبھی اشعار میں الفاظ کی نشست و برخاست سامع و قاری کو اپنی جانب متوجہ کرنے کی زبردست قدرت رکھتی ہے۔

ڈاکٹر اشفاق انجم کی مثلث کی ہیئت میں لکھی گئی نعت کا تیسرا مصرع ترجیع کا مصرہ ہے جو ''صل علیٰ نبینا صل علیٰ محمدؐ'' ہے۔اس ترجیع بند کا ساتواں مثلث کافی معنی خیز ہے، جس میں معجزہ کی ردیف کافی حسین ہے۔محولہ بند ملاحظہ ہو:۔

آپؐ کا حسن معجزہ آپؐ کی ذات معجزہ　　قرآن پاک معجزہ، آپؐ کی بات معجزہ
صل　علیٰ　نبینا　صل　علیٰ　محمدٍ

اس نعت سے متصلاً ایک نعت بشکل مخمس ہے۔یہ نعت بھی ترجیع بند ہے۔ترجیع کا مصرع صلّ علیٰ محمدٍ صل علیٰ محمدٗ ہے۔اس نعت میں خیالات کی ندرت و نزاکت دیدنی ہے۔نمونہ کے بطور اس نعت کا ایک بند ملاحظہ ہو:۔

کچھ کہکشاں میں ڈھل گئے، کچھ آفتاب ہو گئے　　روشن جبین پاک کے قطرے گلاب ہو گئے
چشم خدائے پاک میں آپؐ انتخاب ہو گئے　　قصے جہانِ حسن کے راتوں کا خواب ہو گئے
صلّ　علیٰ　محمدٍ　صلّ　علیٰ　محمدٍ

راقم کے مطالعہ کے بموجب مولانا جامی سلام کے موجد ہیں۔ڈاکٹر اشفاق انجم کے نعتیہ مجموعہ میں برصفحہ ۹۹ ایک دلکش سلام شامل ہے کہ یہ سلام ترجیع بند کی ہیئت میں ہے اور مخمس ہے۔ترجیع کا مصرع اس نعت کا پانچواں مصرع ہے، جو ''رحمۃ للعالمین تم پر سلام'' ہے۔اس نعت کا عنوان ''سلام'' ہے۔اس نعت کا وصفی انداز بیان قابلِ تعریف ہے۔ہر بند میں ایک مکمل خیال نظم ہے۔اس نعت میں 'تم' کا استعمال کھٹکتا ہے۔تم کی ضمیر کی بہ نسبت آپؐ کی ضمیر میں عزت و توقیر کا پہلو نمایاں ہے۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق ہر صفت اور ہر ضمیر کو معظم و مکرم ہونا ضروری ہے۔بطور نمونہ اس سلام کا تیسرا بند ذیل میں نقل کیا جا رہا ہے۔۔

روئے روشن سے منور کائنات　　دن کا سورج چاند تاروں کی برأت
زلف و چہرہ چاندنی، گھنگھور رات　　سب حسینوں سے حسیں تم پر سلام
رحمۃ　للعالمین　تم　پر　سلام

اس مخمس کے تیسرے مصرع میں زلف و چہرہ چاندنی گھنگور گھٹا میں سے زلف اور چہرہ چاندنی اور

گھنگور گھٹا میں صنعتِ تضاد ہے۔اسی طرح اس بند کے دوسرے مصرع میں سورج اور چاند نیز چاند اور تاروں میں تضاد ہے۔نو بندوں کے اس نعتیہ مخمس کے آٹھویں بند کے چوتھے مصرع میں ''سبز گنبد'' کی ترکیب اس بنا پر محلِ اعتراض ہے، کیونکہ اس ترکیب کے دونوں اجزاء یعنی سبز اور گنبد فارسی الاصل ہیں، لہٰذا فارسی قواعد کی رو سے اسے ''گنبد سبز'' ہونا چاہیے۔ فارسی علم القواعد کے مطابق مرکب توصیفی میں موصوف صفت سے مقدم ہوتا ہے۔

صفحہ ۹۷ پر مرقوم ایک ترجیع بند نعت میں ترجیع کا مصرعہ صلِ علیٰ محمد صلِ علیٰ محمد ہے۔ یہ نعت مخمس کی شکل میں ہے اور اس کا انداز بیان وصفی ہے۔اس میں بندوں کی تعداد دس ہے۔ بند نمبر ۹ میں بیانیہ انداز ملاحظہ ہو، جو شاعر کی زبان و بیان پر بے مثیل قدرت پر دلالت کرتا ہے۔

آپؐ کی رحمتوں کا نور دنیا میں لامکان میں
اللہ اور ملائکہ رطب اللسان ہیں شان میں
آپ کی ذات پاک کا ثانی نہیں جہان میں
توصیف میں بیان کروں طاقت کہاں زبان میں
صلِ علیٰ محمدٍ، صلِ علیٰ محمدٍ

زیر بحث مجموعۂ نعت میں ایک نعت بعنوان ''فریاد'' شامل ہے، جو اس مجموعہ کے صفحہ ۱۰۳ سے لے کر صفحہ ۱۱۰ تک کے صفحات کو محتوی ہے۔اس میں مشمول اشعار کی تعداد ۷۳ ہے۔اس نعت میں صبا کو پیغامبر بنا کر اپنے اور امت مسلمہ کے دلدوز واقعی حالات نبی آخر الزماں کی خدمت میں صبا کی زبانی کہلوائے گئے ہیں۔اس نعت میں اولاً صبا کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ سب سے پہلے در اقدس کو چوم کر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں درود و سلام عرض کرے۔شاعرِ بے مثیل، صبا سے عرض کر رہا ہے کہ وہ یاد رکھے کہ آپؐ کی محفل جبرئیل اور دیگر قدسیوں کے لیے حرم کا رتبہ رکھتی ہے، اس لیے وہ اس مقدس بارگاہ میں بہت سلیقہ سے پاؤں رکھ کر باقاعدہ اپنی پیشانی کو جھکا کر اولاً سلام عرض کرلے۔

اس عنوان کے تحت صبا سے کہا گیا ہے کہ وہ پیش حضور اقدس آپ کی امت کے احوال و کوائف بالتفصیل بیان کرے کہ یہاں روشنی، روشنی کی دشمن ہے، لہو خود اپنے لہو کا پیاسا ہے، زندگی، زندگی کی دشمن ہے۔ نبی امی کی ایک حدیث میں منقول ہے کہ ایک عہد آئے گا جب کہ ''مسجدھم عامرۃ وھی خراب''، اُن، یعنی میری امتیوں کی مسجدیں بظاہر آباد، لیکن بباطن خراب ہوں گی۔اس لیے شاعر صبا کی زبانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے کہ آج مسجد کے مینارے بہت بلند ہیں، لیکن وہ

نمازیوں سے خالی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے امتیوں کے دل تماشہ گاہ بن گئے ہیں۔ سربراہِ امت علماً جہلاء اور عملاً نرے کورے ہیں۔ علماء درسگاہوں میں مقید ہیں اور انہوں نے دین کو کھلونا بنا رکھا ہے۔ علمائے دین روح کے تقاضوں کو بھلا کر اپنے ابدان کی آرائش میں منہمک ہیں۔ نمازیں اُجڑتی ہوگئی ہیں، امام کا کام روزی کمانا رہ گیا ہے۔ دنیا کا حال عجب ہے۔ امیر دولت سے کھیل رہے ہیں اور غرباء و مساکین نان جویں کو ترس رہے ہیں۔ دنیا میں ایک عجب قسم کا تضاد ہے۔ کسی کے لبوں پر گلاب و شبنم ہے، تو کسی کے آنکھوں سے آنسو برس رہے ہیں۔ ضمیر مردہ ہو چکے ہیں۔ قوم کا ہر قسم کی ذلت سے سابقہ ہے۔ امت مسلمہ بھکاریوں کا ایک لشکر ہے۔ افسوس یہ امت تنزل کی کس راہ پر چل پڑی ہے۔ دین کا چراغ بجھا بجھا سا ہے۔ شریعت کتابوں میں قید ہے اور بدعات و رسوم سیّہ کا بول بالا ہے۔ امت مسلمہ کی نسل نئے زمانہ کی روشنی میں بھٹک رہی ہے اور خواتین اسلام کی ردائیں ان کے سروں سے سرک رہی ہیں۔ خواتینِ امت اسلامی تہذیب سے اپنا رشتہ منقطع کر چکی ہیں۔

اس نعت کے اختتام پر ڈاکٹر انجم نے اپنی شکستہ دلی کی بات بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور میں کہہ دی ہے اور یہیں پر فریاد کا ایک اہم جزو اس نعرہ ''دہائی آقا، دہائی آقا درود آقا، سلام آقا'' پر اختتام پذیر ہو جاتا ہے۔ اس فریادی نعت سے شاعر کے قلبی کوائف کا اندازہ ہوتا ہے۔ لائق مبارک باد ہے شاعر، جس کے جسم میں 'السابقون الاولون' کا دل ہے اور ان ہی کا سا جذبہ ہے۔ راقم کو اس قبیل کی لاجواب فریاد کہیں اور نظر نواز نہیں ہوئی۔

اس فریاد کا آخری حصہ کافی دلدوز اور اشک آور ہے، جس میں وہ صبا سے سرکار کے قدمہائے مبارک چوم کر اس کے دکھ بھرے احوال و کوائف اس کی جانب سے پیش حضور رکھنے کی بات کر رہا ہے کہ اس کی تمنا کی راہیں کٹ چکی ہیں اور اس کی امید کے چراغ بجھ چکے ہیں۔ اس کے لہو میں ایک سرد سے لہر دوڑ رہی ہے۔ آنکھوں کے سامنے مہیب سے سائے ہیں۔ اس پر ہر سمت سے مصائب کی یورش ہو رہی ہے اور ڈر لگتا ہے کہ کہیں امید اور حوصلہ دونوں ہی جواب نہ دے دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پابوسی کو پہنچی ہوئی ہواؤں کے پاؤں میں آبلے پڑ چکے ہیں۔ شاعر اتنا ٹوٹ چکا ہے کہ وہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے براہ راست عرض کر رہا ہے کہ مجھے سنبھالئے، کیونکہ میں اس زمین پر ہوں جہاں رتھوں کے ساتھ زلزلے چل رہے ہیں۔ 'رتھوں کے ساتھ زلزلے چلنا' استعارہ بہت خوب ہے، جو اپنے اندر معانی کی ایک دنیا لئے ہوئے ہے۔ وہ صرف اپنے لیے پریشان نہیں ہے، بلکہ ساری قوم کے لیے پریشان ہے، چنانچہ وہ اس فریاد کے آخری شعر میں کہتا ہے ؎

تمام قوم پریشان ہے صرف میں ہی نہیں
خدا کے واسطے لطف و کرم مرے آقا

اوراسی شعر پر فریاد ختم ہوجاتی ہے۔

شاعرِ بے نظیر نے جس کے دل میں ایمان اب بھی دھڑک رہا ہے، اپنے 'مجموعۂ نعت' کے آخر میں ایک لائقِ مدحت مناجات سپردِ قلم کی ہے، جس کی ردیف ''اللہ سائیں'' اور ''دکھاوے''، ''پنھاوے''، ''چلادے''، ''جلادے'' اور ''اٹھادے'' وغیرہ قوافی ہیں۔اس مناجات کے صرف دواشعار درج ذیل ہیں:

تیری مرضی بینا رکھ یا اندھا کردے
آنکھوں کی ایک پیاس بجھادے اللہ سائیں

ایک مسافر شہر مدینہ کو نکلا ہے
رستہ رستہ پھول بچھادے اللہ سائیں

ان میں سے پہلے شعر کے مصرعہ اولیٰ میں بینا اور اندھا میں صنعت تضاد ہے اور دوسرے شعر میں مسافر، شہر مدینہ، رستہ رستہ، پھول بچھادے متناسب غیر متضاد الفاظ کی یک جائی کے باعث صنعت مراۃ النظیر ہے۔

***

التّلخیص! عالی مرتبت شاعر عظیم ڈاکٹر اشفاق انجم کا یہ نعتیہ مجموعہ مسمیٰ بہ ''صلو علیہ و آلہٖ'' ایک اسم با مسمیٰ نعتیہ مجموعہ ہے، جس میں تقریباً نعت کے ہر شعبہ کو شامل کیا گیا ہے۔اس مجموعہ میں مثالی اوصاف، دِلی ایقان کی بے عدیل پختگی، نعت کا حسین جلوہ اور منبعِ نعت سے بیکران محبت وعقیدت موجزن ہے۔اس مجموعہ کی ہر نعت اپنی جگہ مکمل اور لاثانی ہے۔راقم کو متعدد مجموعۂ ہائے نعت کے دیدار کا شرف سے حاصل ہے، لیکن اسے اس قدر جامع و مانع مجموعۂ نعت ہنوز نظر نواز نہیں ہوا اور اس کی وجہ اغلباً شاعر کی صدق علی اور اس کا مخلص خلوص ہے۔راقم کا یہ اذعان وایقان ہے کہ ڈاکٹر انجم کا یہ مجموعۂ نعت، نعت کی دنیا میں ایک اضافہ کی حیثیت رکھتا ہے اور دوسرے شعرائے نعت کے لیے ایک مقیاس، میزان اور معیار ہے۔راقم، عظیم شاعرِ نعت کو ان کی اس بے مثیل سوغات پر تہہ دل سے مبارک باد پیش کرتا ہے اور دعا گو ہے کہ ربِ حی القیوم انہیں عمرِ نوحؑ وزندگیٔ خضر عطا فرمائے۔اللھم آمین!

ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتحپوری

۲۸ جون ۲۰۲۰ء، ۶ بجے شام

شاہ اجمل فاروق ندوی
سیکرٹری ادبیات عالیہ اکادمی، جامعہ نگر، نئی دہلی

"ہمارے عہد کے نعت گو"

جن لوگوں کو معاصر اردو نعت کے مسائل و امکانات پر غور و فکر کرنے کا موقع ملا ہے، وہ جانتے ہیں کہ موجودہ نعت کو درپیش مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ اعلیٰ شعری نمونوں کی کم یابی بھی ہے۔ شاعری صرف قافیہ پیمائی یا عروض و قواعد کو رٹ لینے سے نہیں آتی۔ شاعری مشق و مزاولت بھی چاہتی ہے اور اساتذہ کی ہم نشینی و صحبت بھی۔ آج کے ہنگامی دور میں اساتذہ کی صحبتیں، نجی مجلسیں یا چائے خانوں میں جمنے والی محفلیں ناپیدسی ہوگئی ہیں۔ ایسی صورت میں روحانی طور پر اساتذہ سے استفادے کی راہ نکالی گئی۔ مبتدیوں اور نوآموزوں پر لازم ہو گیا کہ وہ اعلیٰ درجے کے فن کاروں اور وادیِ سخن کے ماہر شہ سواروں کی تخلیقات کو مسلسل اپنے مطالعے میں رکھیں۔ اُن کے اشعار کو بار بار پڑھیں اور ان سے کسبِ فیض کریں۔ اُن کے کلام کی ظاہری ساخت پر بھی غور کریں اور نئے نئے معانی و مفاہیم کی دریافت کی بھی کوشش کریں۔ اِس مسلسل عمل کے ذریعے اساتذہ کی صحبتوں سے محرومی کی تلافی خاصی حد تک ہو سکتی ہے۔

ہمارے معاصر نعت گویوں کے لیے نعت گوئی کے اہم اصولوں پر عمل کرنا حد درجہ دشوار ہو گیا ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ آج نعت کے نام پر وجود میں آنے والے شعری ذخیرے کا بڑا حصہ فکری و فنی لحاظ سے نعت کہلانے کا مستحق ہی نہیں ہے۔ شعر و سخن سے معمولی دل چسپی رکھنے والے کسی بھی شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار یا سیرت سے متاثر ہو کر کچھ الفاظ کو یک جا کر دیا، تو اسے نعت سمجھ لیا گیا۔ بات کچھ اور آگے بڑھی تو کسی نعت خواں نے اُسے گا کر عوامی مقبولیت کا سامان بھی کر دیا۔ اس عمل سے نعت نما چیز کو رقم کرنے والے شخص کا بھی فائدہ ہو گیا اور نعت خواں نے بھی واہ واہی حاصل کر لی۔ لیکن صنفِ نعت کو سوائے نقصان کے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ اِس کا پہلا نقصان یہ ہوا کہ تک بندیوں کو نعت کے زمرے میں شامل کر کے نعتیہ ذخیرے کو بے وقار کر دیا گیا۔ جب کہ دوسرا نقصان یہ ہوا کہ قاری یا سامع کے سامنے نعت کے لائق تقلید نمونے نہیں پہنچ سکے۔ نتیجتاً افادے، استفادے یا

چراغ سے چراغ جلنے یا جلانے کا فطری عمل جاری نہ رہ سکا۔ اس لیے معاصر نعت گوئی کے بنیادی مسائل میں سے ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ نعت کے مثالی فن پاروں کو عام کرکے اس میدان کے اعلیٰ فن کاروں کو متعارف کرایا جائے۔ زیر نظر کتاب ''ہمارے عہد کے نعت گو'' اس سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔

'ہمارے عہد کے نعت گو' میں گزشتہ آٹھ دہائیوں کے دوران نعت کے میدان میں تابندہ نقوش چھوڑنے والے نعت گو شعرا کے نعتیہ رویوں کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ اس مطالعے کی اہمیت اس لیے بھی دو چند ہو جاتی ہے کہ اس کے محترم و مکرم مصنف ڈاکٹر تابش مہدی ایک معتبر نقاد بھی ہیں اور جانے پہچانے نعت گو بھی۔ انھوں نے ایک طرف معاصر اردو نعت کو ایک منفرد رنگ عطا کیا ہے، تو دوسری طرف بڑی تعداد میں نوجوان شعرا کی تربیت کرکے اُنھیں صفِ نعت گویاں میں شامل کیا ہے۔ ڈاکٹر تابش مہدی کی نعتوں کے اب تک چار مجموعے (لمعات حرم، سلسبیل، صبح صادق، طوبیٰ) شائع ہو کر قبول عام حاصل کر چکے ہیں۔ نعت رسولؐ سے اُن کی طویل اور بے لوث وابستگی کا ہی نتیجہ ہے کہ عربی، فارسی، اردو شعریات کے عظیم ماہر مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ (سابق معتمد تعلیم ندوۃ العلماء لکھنؤ، پروفیسر ام القریٰ یونی ورسٹی، مکہ مکرمہ) نے انھیں 'زائرِ حرم ثانی' کے لقب سے یاد کیا ہے۔ دہلی کی فعّال ادبی تنظیم 'حمد و نعت اکادمی' نے حضرت حسّان بن ثابت ایوارڈ اور ملک کی عظیم اسلامی دانش گاہ جامعۃ الفلاح نے 'حسان الہند' کے خطاب سے سرفراز کیا ہے۔ موصوف کی نعت سے بے پناہ دل چسپی اور نعتیہ ادب کے فروغ و ارتقا کی فکرمندی کے نتیجے میں ہی یہ کتاب منظر عام پر آ چکی ہے۔

گزشتہ دو دہائیوں سے دہلی میں ادبیاتِ عالیہ اکادمی (رجسٹرڈ) کے تحت بزم شہباز سرگرم عمل ہے۔ اس بزم کا قیام ڈاکٹر تابش مہدی نے اردو شاعری کے فروغ کے لیے کیا تھا۔ اس بیس برس کی مدت میں بزم شہباز نے جو متعدد قابل ذکر کارنامے انجام دیے ہیں، ان میں سے ایک اہم کارنامہ اردو نعت کے میدان میں نوجوان شعرا کی تربیت بھی ہے۔ کئی سال پہلے ہم ارکان بزم شہباز نے فیصلہ کیا تھا کہ ہر ماہ بزم شہباز کے تحت ایک نشست منعقد کی جائے۔ اس نشست کے لیے کسی ایک نعت گو کا انتخاب کیا جائے اور اس کے دو مصرعے بہ طور طرح دیے جائیں۔ شعری نشست کے انعقاد سے قبل بزم کے صدر ڈاکٹر تابش مہدی اس محترم نعت گو شاعر پر اپنا مقالہ پیش کریں۔ الحمدللہ اس فیصلے میں ہمیں کام یابی ہوئی۔ ہم نے اِس سلسلے میں جن نعت گو شعرا کی فہرست تیار کی تھی، اُن سب کی یاد میں نشستوں کا انعقاد کیا گیا، اُن کے مصرعوں پر طبع آزمائی بھی کی گئی اور اُن سب کے متعلق ڈاکٹر تابش مہدی کے گراں قدر مقالات سے بھی استفادہ کیا گیا۔ اس طرح نوجوان شعرا کے سامنے گزشتہ آٹھ دہائیوں کے اکثر معتبر نعت گویوں کے فکر و فن کے نمونے بھی آ گئے اور اُن مرحومین کو

خراج عقیدت بھی پیش کر دیا گیا۔ ظاہری بات ہے کہ بزم شہباز کی ان نشستوں میں بزم سے متعلق شعرا ہی شرکت کرتے تھے۔ اس لیے مناسب سمجھا گیا کہ اب ان مقالات کو کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے۔ تا کہ ان لائق صد احترام نعت گو شعرا کی تحسین قدر کی راہ بھی ہموار ہو سکے اور نعتیہ ادب میں مثالی ذخیرۂ شعر کی کم یابی کے خلا کو بھی کسی حد تک پر کیا جا سکے۔

اس کتاب میں جن نعت گو شعرا کو موضوع گفتگو بنایا گیا ہے، وہ مختلف حیثیتوں سے معروف ہیں۔ اُن سب کی شہرت صرف نعت گوئی کی وجہ سے نہیں ہے۔ کوئی عالم دین ہے تو کوئی مصلح و مربی۔ کوئی طنز و مزاح میں طاق ہے تو کسی کی شناخت غزل ہے۔ جب کہ کچھ شعرا ایسے بھی ہیں جو صرف اور صرف نعت گو کی حیثیت ہی سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ اس طرح اس کتاب کے ذریعے بہت سے ایسے نعت گویوں کی دریافت بھی ہوتی ہے، جن کی شعری زندگی کا نعتیہ رخ، کسی دوسرے رخ کے غالب ہونے کی وجہ سے چھپ گیا تھا۔ لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات موجود ہی نہیں تھی کہ وہ نعت گوئی میں بھی ممتاز تھے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ گزشتہ آٹھ دہائیوں کے اہم نعت گو شعرا کے تجزیاتی مطالعے کے ساتھ متعدد شعراء کو پہلی مرتبہ نعت گو کی حیثیت سے متعارف کرانا، اس کتاب کا ایک اہم اور مثبت پہلو ہے۔ (تقریظ سے مستفاد) ***

•••

نعت انسائیکلو پیڈیا (جلد اوّل)

زیرِ نظر کتاب ایک نعتیہ انسائیکلو پیڈیا کی جلد اوّل ہے، جس کے مرتب کنندہ ڈاکٹر محمد طہور خان تھے۔ نعتیہ تحقیق کے حوالے سے یہ ایک جامع منصوبہ تھا، جس کے تحت انسائیکلو پیڈیا کو حروفِ تہجی کی ترتیب میں سات جلدوں پر تیار ہونا تھا۔ پہلی جلد الف ممدودہ اور الف مقصورہ پر مبنی ہے، مگر ڈاکٹر صاحب کا قضائے الٰہی سے انتقال ہو گیا، جس کی وجہ سے یہ شاندار منصوبہ ادھورا رہ گیا۔ امید کی جاتی ہے کہ نعتیہ ادب سے شغف رکھنے والے محقق اور طلبا میں سے ضرور کوئی اس سلسلے کو آگے بڑھانے کے لیے اپنی خدمات پیش کرے گا تا کہ اس علمی کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا جا سکے۔ زیرِ نظر تالیف اردو نعت کا عالمی انتخاب ہے، جس کی پہلی جلد میں 445 نعت گو شعراء کا تعارف اور منتخب نعتیں شامل کی گئی ہیں، جن میں پاکستان کے علاوہ دنیا بھر سے نعت کہنے والوں کو بلا تفریقِ مذہب شریک کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا دیباچہ بھی نعت کے موضوع پر ان کی جدوجہد کو بیان کرتا ہے۔ نہایت باریک بینی اور وسعتِ علم کے ذریعے انہوں نے ایک شاندار علمی بنیاد ڈالی، جس کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اب کوئی بھی محقق اس اہم کام کو آگے بڑھا سکتا ہے۔ یہ پہلی جلد اس کے لیے نمونے کا کام کرے گی۔

ملک نواز احمد اعوان

نعت رنگ کا شمارہ نمبر 28

نام مجلہ: نعت رنگ نمبر 28 (نعتیہ ادب کا کتابی سلسلہ) //مرتب: سید صبیح الدین صبیح رحمانی
صفحات: 576 قیمت 500 روپے //ناشر: نعت رنگ، بی، 306، بلاک 14، گلستان جوہر، کراچی

زیر نظر ''نعت رنگ'' نعتیہ ادب کا کتابی سلسلہ شمارہ 28 ہے۔ حسب سابق انتہائی قیمتی معلومات سے بھر پور ہے۔ اداریے میں صبیح رحمانی صاحب نے بڑے پتے کی باتیں لکھی ہیں۔ فرماتے ہیں:

''ادبی تنقید اور خصوصاً نعت میں یہ بات بھی لازماً یاد رکھنی چاہیے کہ یہ فکر و نظر کو روشن کرتی ہے اور ذہنوں کو کھولتی ہے۔ اس لیے اس میں لہجے اور اندازِ بیان کو خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ یہ چوں کہ فکر و فہم کے راستے وا کرتی ہے اس لیے ہمیشہ دلیل کے ساتھ آتی ہے۔ تنقید کو فتوے کا انداز ہرگز اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ فتووں کا طریقہ اور زبان دونوں الگ ہوتے ہیں اور ادبی تنقید کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ تنقید کا مقصد بہتر تفہیم اور نئے زاویے کی تلاش ہوتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ وہ علمی انداز اور تہذیبی رویہ اختیار کرے۔ اس میں سنجیدگی، ذمہ داری اور متانت سے اظہارِ خیال کیا گیا ہو۔ مہذب انداز میں، دوستانہ طریقے سے اور ہمدردانہ مزاج سے اپنی رائے اور خیال کو اُجاگر کیا گیا ہو۔ تنقیدِ نعت کے لیے تو یہ سب لازمی تقاضے ہیں۔ اس کے برعکس اگر کوئی صرف استرداد کا رویہ اختیار کرتا ہے اور شدت پسندی کے ساتھ رائے دیتا ہے اور عمومی انداز میں بیانات جاری کرتا ہے تو چاہے وہ کتنا ہی عالم فاضل کیوں نہ ہو، ادب و نقد میں اُس کی بات کے کوئی معنی نہیں ہو سکتے۔ اس لیے کہ اگر ادبی تقاضے پورے نہ ہوں تو کوئی خیال، کوئی نظریہ، کوئی تصور اور کوئی فکر ادب و نقد میں جگہ ہی نہیں پا سکتی۔''

اس شمارے میں تحقیق و تنقید کے زیر عنوان جو مقالات شامل کیے گئے ہیں وہ ہم درج کرتے ہیں:

''اردو کی سب سے پہلی نعت اور اس کا تخلیق کار''۔ ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری

''اقبال: حرفِ نعت اور تشکیلِ افکار''۔ مبین مرزا

''شمالی ہند کا اوّلین معراج نامہ زبدۃ الاخبار''۔ ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط

''نعتیہ تبرکات (فارسی) ماہنامہ صوفی کے آئینے میں''۔ پروفیسر محمد اقبال جاوید
''بر سبیل نعت: انتخاب و پیشکش''۔ڈاکٹر ریاض مجید
''نعت اور آئینۂ عصری حسیت!''ڈاکٹر عزیز احسن
''نعتیہ شعری لفظیات کے تکنیکی زاویے''۔سلیم شہزاد
''نعت...... غلطی ہائے مضامین''۔ڈاکٹر اشفاق انجم
''اردو حمد و نعت اور برصغیر کی فلمی صنعت''۔ڈاکٹر طارق محمود ہاشمی
''گوئٹے کی نظم 'نغمۂ محمدی' کا تنقیدی جائزہ''۔خان حسنین عاقب
''نعت اور روحِ عصر''۔شاہ اجمل فاروق ندوی
''اردو ترجمہ ''مقدمہ'' ''نعت رسول اکرم در شعر فارسی''۔ڈاکٹر نوید احمد گل
''اردو کی نعتیہ شاعری میں خواتین کا حصہ''۔ڈاکٹر محمد سہیل شفیق
''مالیگاؤں میں اردو نعتیہ شاعری کی روایت''۔ڈاکٹر محمد مشاہد حسین رضوی

فکر و فن کے تحت درج مقالات:

''خواجہ غلام فرید کی شاعری میں حُبِ پیغمبر''۔ڈاکٹر طارق محمود ہاشمی
''عبدالعزیز خالد کی نعتیہ شاعری پر عربی زبان و ادب کے اثرات''۔ڈاکٹر جہاں آرا لطفی
''دِلّو رام کوثری کی نعت گوئی''۔ڈاکٹر عابد حسین حیدری
''خورشید رضوی کی نعتیہ شاعری''۔ڈاکٹر زاہد منیر عامر
''ستیہ پال آنند کی نعتیہ شاعری کا اسلوبیاتی مطالعہ''۔ڈاکٹر محمد اشرف کمال
''نعت میں ہندستانیت کا علم بردار: عنبر بہرائچی''۔شاہ اجمل فاروق ندوی
''نعت گوئی میں راہی فدائی کی فنی بصیرت''۔ڈاکٹر محمد علی اثر
''اعجاز رحمانی کی نعتیہ شاعری''۔محمد شفیق اعوان
''پروفیسر محمد اکرم رضا کی خدماتِ نعت''۔تنویر اعظم
''رفیع الدین ذکی قریشی کی نعت گوئی''۔ڈاکٹر عزیز احسن

ابوالکلام قاسمی سے انٹرویو بھی شاملِ اشاعت ہے۔مطالعاتِ نعت میں یہ تحریریں شامل کی گئی ہیں:

''سیدنا محمدؐ'' پر چند باتیں...... ساختیاتی زاویے۔ڈاکٹر ناصر عباس نیر
کلیاتِ عزیز احسن پر ایک نظر۔پروفیسر انوار احمد زئی

''القاء'' کی القائی تقدیسی جہت......ایک مطالعہ۔ڈاکٹر عزیز احسن

سیرتِ سرورِ دو جہاں......ایک مطالعہ۔مولانا ملک الظفر سہسرامی

حامدؔ یزدانی کی تضمین ''بہارِ قبول''......ایک تاثر۔صدیق عثمان نور محمد

نعت نگینے......ایک مطالعہ۔سید ضیاء الدین نعیم

غالب اور ثنائے خواجہ......ایک مطالعہ۔ڈکٹر شبیر احمد قادری

حرا کا چاند......ایک مطالعہ۔مولانا ملک الظفر سہسرامی

روشنی کے خدو خال......ایک مطالعہ۔محمد زمان نظامی

اس کے علاوہ بھی بہت نظم و نثر کے تحائف سے بھری یہ مبارک اشاعت قارئین کی منتظر ہے۔ نعتیہ ادب میں وقیع اضافہ ہے۔حسین و جمیل سرورق سے مزین ہے۔

****

"نعت کائنات" سے

'مطاف حرف'

'مطاف حرف' برمنگھم میں مقیم پاکستانی نژاد شاعر مقصود علی شاہ کا پہلا نعتیہ مجموعہ ہے جو 2019 میں شائع ہوا۔خواجہ محمد عارف اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

"''مطافِ حرف'' مقصود علی شاہ کا پہلا نعتیہ مجموعہ کلام ہے۔مجموعے میں شروع میں ایک حمد اور ۹۱ نعتیں ہیں۔کل تعداد ۹۲ ہوگئی جو اسمِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اعداد بھی ہیں۔شاعر نے تعداد کا یہ اہتمامِ شعوری طور پر نہیں کیا ہوگا لیکن جس طرح نعتیہ کلام شعوری کاوشوں سے نہیں بلکہ توفیقِ خداوندی اور حضور صلی اللہ علیہ وسم کی خاص عطا سے ہوتا ہے اسی طرح غیر شعوری طور پر عدد کی نسبت بھی قائم ہوگئی۔سارا کلام غزل کی ہیئت میں اور اعلیٰ معیار کے ادبی اسلوب کا حامل ہے۔علم و عقیدت کا یہ حسین مرقع شوکتِ الفاظ، شعری محاسن اور جذب و سُرور کی کیفیات سے بھرپور ہے۔اردو نعت کی شعری روایت کے احترام کے باوجود تازہ کاری کا ایک عمدہ نمونہ ہے جو مقصود علی شاہ کو اپنے پہلے مجموعے کی اشاعت کے ساتھ ہی ایک منفرد اور ممتاز مقام عطا کر رہا ہے۔"

قاسم کیلانی نے بھی" مطاف حرف کا بہت مفصل تعارف کروایا ہے۔اقتباس دیکھیے:
مطافِ حرف" کی اشاعت کی سعادت دھنک مطبوعات، لاہور۔ملتان کے حصہ میں آئی ہے۔اس کی ضخامت 240 صفحات، قیمت 550روپے اور موسمِ اشاعت جولائی 2019ء ہے۔ کتاب کے سرورق کی زمین نارنجی، جوگیہ اور پیلے رنگوں کے عمدہ تناسب اور نقاشی کے دیدہ زیب نمونے کے امتزاج سے ترتیب دی گئی ہے۔ سرورق کے عین درمیان میں گنبدِ خضرا کی ایمان افروز تصویر دادِ بہار دے رہی ہے۔شبیہِ گنبدِ خضرا سے ذرا اُوپر ہریالی کا ایک مؤدب ہالہ، قلب ونظر کی طراوت وتازگی کا سامان اور بوسہ گاہِ قارئین ہے۔ گنبدِ خضرا کے چوفیرے محوِطواف، حروفِ تہجّی" مطافِ حرف" کی سچّی اور واضح عکّاسی کر رہے ہیں۔ٹائٹل کی پیشانی پر" مطافِ حرف" گہرے نیلے رنگ میں اعلیٰ نستعلیق میں لکھا گیا ہے اور زیریں حصہ پہ سفید رنگ میں" مقصود علی شاہ" اور دھنک مطبوعات کا" لوگو" نظر آرہا ہے۔ بیک فلیپ پر صاحبِ کتاب کی خوب صورت واضح تصویر کے پہلو میں ایک اور قدرے بڑی لیکن دھیمی تصویر بیک گراؤنڈ میں دل کو موہ رہی ہے۔ بڑی تصویر کی پیشانی پر " مطافِ حرف" کا عنوان بھلا لگ رہا ہے؛اور مزید پانچ شخصیات کے تبصراتی جملے مع تصاویر دعوتِ نظّارہ دے رہے ہیں۔اندرونی فلیپ پر چھ صاحبانِ سخن کی آراء اور ان کی تصاویر موجود ہیں۔شاعرِ محترم نے" سرنامہءحیات" کے تحت منظوم انتساب آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نامِ نامی کے نام کیا ہے۔ملاحظہ ہو:

[سرنامہءحیات ہے کندہ جبین پر]
[وہ اسمِ پاک جس سے ہے منسوب میری نعت]
[یعنی مطافِ حرف تمنّا وہی تو ہے]
[جو انتسابِ شوق ہے مقصودِ کائنات]

ورق پلٹیں تو عنوانِ کتاب پر مبنی ایک اور شعر نظر نواز ہوتا ہے۔

[کتابِ زندہ ہے تیری حیاتِ نور کی نعت]
[مطافِ حرف ہے تُو،قبلہءمقال ہے تُو]

کتاب کا باقاعدہ انتساب شاعر کے ہم دمِ دیرینہ اور ہم مکتب، ممتاز دانش ور، علّامہ محمد رضاء الدین صدّیقی کے نام ہے جبکہ انتساب ثانی شاہ جی نے حقِّ خدمت ورفاقت ادا کرتے ہوئے اپنی شریکِ حیات منزہ یاسمین کے نام کیا ہے۔" فہرست" کے بعد شاعر نے" تشکّرات" کے سرنامہ سے

اپنے پانچ محسنوں کی عنایات کا اعتراف کرتے ہوئے ان کی خدمت میں ہدیہء سپاس پیش کیا ہے۔سیّد مقصود علی شاہ اس لحاظ سے بھی لائقِ صد تبریک ہیں کہ جیّد اور مقتدر کاملینِ فن کی مثبت و راست شہادتوں نے ان کی " مطافِ حرف" کو حرفِ معتبر بنا دیا ہے۔

مطافِ حرف کے فکری وفنی محاسن، ترکیبی و تکنیکی خصائص اور صوری و معنوی دروبست پر پاک و ہند اور یورپ کی جن سترہ نامور ثقہ شخصیات نے منفرد اسالیب اور مختلف جہات سے خامہ فرسائی فرمائی ہے، ان میں بالترتیب ڈاکٹر ریاض مجید، راجا رشید محمود، ڈاکٹر خورشید بیگ میلسوی، ڈاکٹر شہزاد احمد، صبیح رحمانی، ڈاکٹر اجمل نیازی، ڈاکٹر ابوالحسن محمد شاہ الازہری، ڈاکٹر محمد ظفر اقبال نوری، نور محمد جرال، میرزا امجد رازی، علامہ رضاء الدین صدیقی، سرور حسین نقشبندی، سید محمد نور الحسن نور نوابی عزیزی، سید فاضل میاں اشرفی میسوری، صاحبزادہ ڈاکٹر احمد ندیم، عباس ندیم قریشی اور اشفاق احمد غوری شامل ہیں۔

مطافِ حرف میں شامل ایک حمد اور اکانوے نعتیں؛ سید مقصود علی شاہ کی فکری زرخیزی اور پُرگوئی کا اظہاریہ ہیں۔مطافِ حرف کا ہر حرف روشن ضمیر، خزینہء تاثیر اور دامن بگیر ہے۔کلام میں نُدرت، تازہ کاری، جدتِ اظہار، شائستگیِ زبان و بیان، حُسنِ ادا، اعجازِ بلاغت، موزونیت کار چاؤ، فنی رکھ رکھاؤ، جذبہ آفرینی اور عجز و فروتنی کا احساس نمایاں ہے۔

شاہ جی کی نعتوں کے ایک ایک شعر میں معانی و مفاہیم کی دنیا آباد ہے۔اظہاری قدرت کامل ہونے کی وجہ سے وہ عصرِ حاضر کے نعتیہ منظر نامے میں اپنا ایک منفرد مقام حاصل کر چکے ہیں۔مجموعی طور پر مکمل کتاب شاہ جی کے اعلی ادبی ذوق، طبعی نفاست اور اختراعی نظافت کی آئینہ دار ہے۔

****

خورشید احمد سعیدی

'نعتیہ ادب: مسائل و مباحث'

نعتیہ ادب: مسائل و مباحث کی خوبصورت کمپیوٹر کمپوزڈ ضخیم جلد 488 صفحات پر مشتمل ہے۔اس میں مدیر" نعت رنگ" صبیح رحمانی کے نام موصولہ مکاتیب کا موضوعاتی و تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر ابرار عبدالسلام نے اس وقیع جلد کے مواد کی تہذیب و ترتیب کا کام بہت ہی شاندار انداز میں کیا ہے۔اس بہت ہی مفید کتاب کی پہلی اشاعت جمادی الثانی 1440ھ/ مارچ 2019ء میں ہوئی۔

اس کے مشمولات کو درج ذیل عنوانات کے تحت پیش کیا گیا ہے:

جدید نعت نگاری: مسائل ومباحث (ص9-12)

2.نعت رنگ کے تنقیدی زاویے (ص13-120)

نعت: تعریف، تقاضے اور روایت (ص121-159)

اس باب میں موضوع کی 29 مختلف جوانب کو زیر بحث لایا گیا ہے.

نعتیہ ادب: تحقیق و تنقید (ص160-271)

اس عنوان کو دو حصوں یعنی تحقیق اور تنقید میں تقسیم کیا گیا ہے۔ تحقیق کے ذیلی عنوان کے 24 مختلف نکات پر جبکہ تنقید کے ذیلی عنوان کے تحت 8 نکات پر افکار و نظریات پیش کیے گئے ہیں۔

نعت گوئی: اصلاح سخن کی چند نمایاں صورتیں (ص272-367)

اس موضوع کو بھی دو یعنی فنی اور فکری تناظرات میں پیش کیا گیا ہے۔ فنی تناظر میں چار نکات جبکہ فکری تناظر میں شعر نعت کے دو معائب پر کلام کیا گیا ہے۔

کتابیات: نعت سے متعلق کتابوں کا تعارف (ص368-358)

اس عنوان کے تحت کتابیات سے متعلق 15 نکات پر بات کی گئی ہے۔

شخصیات (ص386-432)

اس عنوان کے تحت نعت سے متعلق 24 ادبی شخصیات کے خصائص اوصاف پر بات کی گئی ہے۔

متفرقات (ص433-458)

یہ عنوان نعت نگاری سے متعلق 22 نکات پر مشتمل ہے۔

نعت رنگ: خطوط کے آئینے میں (ص459-486)

اس عنوان کے بھی 11 مختلف پہلوؤں پر گفتگو پیش کی گئی ہے۔

تحقیقی مقالات اور تنقیدی ملاحظات کے ساتھ ساتھ فنی و فکری تناظرات کے ادب پاروں کو شامل یہ جلیل القدر جلد آقا علیہ الصلوۃ والسلام کے عشاق و محبین کی عقیدتوں، محبتوں، اور مخلص اذہان وقلوب کا اپنی نوعیت کا مثالی گلدستہ اور لائق اتباع اندازِ نذرانہ ہے۔ اس میں ایک طرف اپنے ہم مزاج حضرات کے لیے فرحت و سرور اور روح افزائی کا سامان پایا جاتا ہے تو دوسری طرف ناواقفوں کے لیے کشش اور جاذبیت کی خوش کن تاثیر بھی موجود ہے۔

مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ نعت ریسرچ سنٹر کراچی کا علمی، دینی، فکری، اور تحقیقی کام اسی طریقے سے جاری رہا تو عنقریب اسلامیات، تصوف، سماجیات اور اردو ادب کے محققین، سکالرز اور طلبہ کو ایک انمول انسائیکلو پیڈیا میسر ہوگا۔

اللہ کریم ان تمام رجال و نساء کو اپنی بے پایاں رحمتوں، برکتوں، عنایتوں اور سعادتوں کے خزانے نصیب فرمائے جنہوں نے کسی بھی لحاظ سے (نعتیہ ادب : مسائل و مباحث) کو منصۂ شہود پر لانے میں وقت دیا اور بے لوث کردار ادا کیا۔ ***

مدیر
mail2quddusi@gmail.com

جموں و کشمیر کی اُردو نعتیہ شاعری میں اوّلین کلیاتِ نعت

'کلیاتِ نعت ومناقب'

نام کتاب: 'کلیاتِ نعت ومناقب' شاعر: مشتاق فریدی

صفحات: 390 اشاعت: 2020ء

محترم مشتاق فریدی صاحب اس لحاظ سے مبارکبادی کے مستحق ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُن کو ریاست جموں وکشمیر کے اُردو نعت گو شعراء میں بجا طور پر اوّلین" صاحبِ کلیاتِ نعت" بننے کا انفرادو امتیاز اور شرف واعزاز عطا فرمایا---- ۔

این قوت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ریاست جموں وکشمیر کی اُردو نعتیہ شاعری کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ یہاں ایسے اُردو شعراء کی تعداد نہایت قلیل ہے، جن کو معروف معنوں میں نعت گو شعراء کہا جاسکتا ہے۔اس دعوے کی دلیل یہ ہے کہ یہاں خالصتاً نعتیہ مجموعہ یا نعتیہ دیوان شائع کرنے والے شعراء نظر ہی نہیں آتے ، اِلّا ماشاء اللہ۔اس کے برعکس شعراء کی اکثریت ایسے فنکاروں پر مشتمل ہے، جن کا نعتیہ کلام" رسمی نعت" کے ذیل میں آتا ہے۔" رسمی نعتیں" لکھنے والے حصولِ ثواب وبرکت اور جوشِ عقیدت کے طور پر اپنے شعری مجموعوں کے آغاز میں حمد ونعت تمہیداً بطورِ تبرّک لکھتے ہیں، جس سے اُن کی نعتوں کی حیثیت رسمی سی رہ جاتی ہے اور حقیقی نعت کی روح ان میں شاذ ہی نظر آتی ہے۔

یہ صورتحال اُردو کے جملہ نعتیہ سرمایے کے ساتھ ساتھ جموں وکشمیر میں لکھی گئی اُردو نعتیہ شاعری کے حوالے سے بھی پائی جاتی ہے۔یوں یہ کہنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں ہوتی کہ (بالاستثنیٰ) کشمیر کے اُردو شعراء کے یہاں نعت نگاری کا وہ ذوق وشوق اور شغف مفقود ہے، جس کی بدولت اس صنف میں موضوعاتی اور ہیئتی سطح پر نئے تجربے کئے جاسکتے یا فکر وفن کے اعتبار سے اس کے معیار میں کوئی قابل قدر اضافہ کیا جاسکتا۔یہی وجہ ہے کہ جموں وکشمیر میں بیشتر اُردو شعراء کے یہاں اِکا دُکا نعتیں ہی نظر آتی ہیں اور ایسے شاعر خال خال ہی نظر آتے ہیں، جنہوں نے سنجیدگی کے ساتھ نعت کی

طرف توجہ کر کے اعلیٰ معیار کے نعتیہ نمونے پیش کئے ہوں۔ایسے خوش نصیب شعراء میں جناب مشتاق فریدی کا نام سرفہرست ہے۔

فریدی صاحب کے نعتیہ کلام میں نعت گوئی کے کم و بیش تمام لوازمات و مقتضیات اور آداب و شرائط کی پابندی کے مظاہر جگہ جگہ نظر آتے ہیں۔سیرتِ طیبہؐ کے عمیق مطالعے کے مابعد نعت گوئی کے لیے جو دوسری ناگزیر شرط ہے، وہ ہے: ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ محبت و شیفتگی۔فریدی صاحب کو مالکِ کائنات نے دونوں دولتیں عطا فرمائی ہیں، جو نعت کی مجموعی فضا کو ادب واحترام، تعظیم و تقدیس اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نغمہ سنجی اور ترانہ سرائی کے اِن جذباتِ عالیہ سے معطر و منور کرتی ہیں، جن کی نعت متقاضی ہے۔اُن کے زیر تبصرہ شاہکار" کلیاتِ نعت و مناقب" میں صفحہ ٦٦ تک تقاریظ کے بعد حمد و مناجات کا حصّہ شروع ہوتا ہے، جو صفحہ ٧٧ تک پھیلا ہوا ہے۔ بابِ حمد و مناجات میں بھی شاعر اگر کچھ طلب کرتا ہے تو وہ مدینہ اور تاجدارِ مدینہؐ کی قربت ہے۔فریدی کی وارفتگیٔ شوق کا اندازہ لگانے کے لیے دو شعر ملاحظہ ہوں۔

یا رب تو مدینے میں اب میرا ٹھکانہ کر
رحمت سے میرے مولا اب کچھ تو بہانہ کر
قرنیؓ کی طرح مجھکو دے حبِ نبیؐ یا رب
اب عشقِ نبیؐ میں ہی مجھکو بھی دیوانہ کر

نعت گوئی میں فریدی کی والہانہ شیفتگی اور رقت جگہ جگہ نظر آتی ہے۔ان کے نعتیہ کلام سے چند شعری نمونے ملاحظہ فرمائیں۔

صدقے میں تیرے آقا مغموم رہوں کب تک
دیدار کی دولت سے محروم رہوں کب تک
دامن میں مجھکو یا نبی اپنے امان دے
تاثیر میری نعت کو شیریں بیان دے

پوری کتاب کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ کہنے میں کوئی عار محسوس نہیں ہوتا کہ" کلیاتِ نعت و مناقب" سے جموں و کشمیر میں یقیناً اُردو نعتیہ شاعری کا ایک نیا باب رقم ہوگا اور نعت وارثین و شائقین اس کا والہانہ انداز میں خیر مقدم کریں گے، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

***

'عصرِ حاضر کے نعت گو'

دو جلدوں پر مشتمل یہ بلند پایہ تذکرۂ نعت گو شعرا جناب گوہر ملسیانی کی غیرتِ دین اور حبِ رسول ﷺ کا نتیجہ ہے۔ یہ اس تذکرے کا دوسرا ایڈیشن ہے جو کتاب سرائے سے اہتمام سے شائع ہوا ہے۔

عرضِ تمنا کے تحت جناب گوہر ملسیانی نے اس کتاب کی شانِ نزول کو واضح کیا ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں:

"آج سے تقریباً پانچ سال پہلے ایک معروف نعت گو شاعر کو تضحیک کا نشانہ بنایا گیا تھا اور نعت کی صنف پر کئی طرح کے حملے کیے گئے۔ ایک خاص مکتبہ فکر نے نعت کو گردن زدنی سمجھا تھا کیونکہ ان کی ہمدردیاں ہمیشہ اسلام اور پاکستان کے خلاف رہی ہیں۔ ان نام نہاد سخنوروں نے نعت کو پراپیگنڈہ اور نہ جانے کیا کیا کہا۔ میری طبعِ نازک پر یہ تمام باتیں گراں گزری تھیں۔ چنانچہ میں نے اردو نعت پر کام کرنے کا تہیہ کیا۔ الحمدللہ کہ ان اسلام دشمن سخنوروں کے ارادے خاک میں ملے اور میری محنت آج اس کتاب کی صورت میں کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔ "عصرِ حاضر کے نعت گو" کی تکمیل میں پانچ سال کا طویل عرصہ لگا۔ اس کے لیے خام مال تلاش کرنے کے لیے میں خدا جانے کن کن مراحل سے گزرا ہوں، اگر اس بات کا تذکرہ لے بیٹھوں تو بہت طویل ہو جائے گا، اس لیے خدائے قدوس کے حضور سر بسجود ہوں جس نے مجھے توفیق عطا کی کہ میں اس کے محبوب ﷺ کی نعت پر کچھ کام کر سکا ہوں"۔

یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ نعت کی تاریخ ہے، جبکہ دوسرے میں عصرِ حاضر کے اُن نعت گو شعرا کو شامل کیا گیا ہے جنہوں نے نعت کے میدان کو خصوصاً منتخب کیا ہے اور اس کی ترقی میں توانائیاں خرچ کی ہیں۔ ان تمام شعرا کرام کو تاریخِ پیدائش کے لحاظ سے پیش کیا گیا ہے۔ تیسرے حصے میں کچھ اور نعت گو شعرا کا تذکرہ اور نمونہ کلام ہے۔

کتاب کے پہلے حصے میں گوہر ملسیانی صاحب نے نعت اور متعلقاتِ نعت پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ نعت کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "نعت عربی زبان کا ایک لفظ ہے جس کا مادہ ن۔ع۔ت۔ہے۔ اس کے لغوی معنی تعریف یا وصف بیان کرنے کے ہیں۔ بعض لغت نگاروں نے لکھا ہے کہ نعت عربی کا اسم ہے اور مؤنث ہے۔ مدح، ثنا، تعریف و توصیف اس کے معنی ہیں۔ مولانا سید عبدالقدوس ہاشمی ندوی نعت کے معنی یوں بیان کرتے ہیں: "اچھی اور قابلِ تعریف صفات کا کسی شخص میں پایا جانا اور ان صفات کا بیان کرنا"۔ اسی طرح دوسرے اہلِ قلم نے بھی نعت کے معنی صحت یا خوبی بیان کیے ہیں۔ (ادارہ) *** ***

باب

تصوّرات

حمد ونعت:

اقوالِ زرّیں ، افکارِ روشن

[حمد ونعت سے متعلق اصحابِ فکرودانش کے منتخب اقوال]

ترتیب : مدیر mail2quddusi@gmail.com

نعت کا فن اور اس کے لوازمات و مقتضیات

مشاہیر کے اقوال و افکار اور آراء کی روشنی میں

علامہ سیّد ابو الحسن علی ندوی :

''نعت گوئی میں عشق رسول اور شوق مدینہ ہندوستانی شعراء کا محبوب موضوع رہا ہے اور فارسی شاعری کے بعد سب سے بہتر اور سب سے موثر نعتیں اردو ہی میں ملتی ہیں۔''

(سید ابوالحسن علی ندوی، کاروان مدینہ، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، ندوہ لکھنؤ؛ صفحہ:۱۷۶)

علامہ احمد رضا محدث بریلوی :

''حقیقتاً نعت شریف لکھنا نہایت مشکل ہے، جس کو لوگ اسان سمجھتے ہیں اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہونچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے البتہ حمد اسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے، غرض ایک جانب اصلا حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت پابندی ہے۔''

(مصطفی رضا نوری بریلوی، علامہ: الملفوظ، مطبوعہ کانپور، ص 144 / 145)

ڈاکٹر جمیل جالبی :

''دنیا کی ان ساری زبانوں میں، جن میں نعت گوئی کا عام رواج ہے، نعت گوئی کا تعلق اظہار عقیدت سے بھی ہے اور عشق رسول سے بھی۔ چودہ سو سال سے شاعروں نے مدحت رسول کے نئے نئے اور اچھوتے پہلو تلاش کئے ہیں اور اپنے دلی جذبات کا گہری عقیدت اور سرشاری کے ساتھ اظہار کیا ہے نیز اس پہلو کو اجاگر کیا ہے کہ کس طرح تعمیر حیات اور انسانیت میں حضور کا اسوۂ حسنہ اور تعلیمات معاون ثابت ہو سکتی ہیں۔''

(ادب، کلچر اور مسائل از ڈاکٹر جمیل جالبی)

عبد الکریم ثمر :

''نعت نہایت مشکل صنف سخن ہے نعت کی نازک حدود کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کی افاقیت

قائم رکھنا اسان کام نہیں .سر کار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں ذراسی بے احتیاطی اورادناسی لغزش خیال والفاظ ایمان وعمل کو غارت کر دیتی ہے۔''

(نقوش: رسول نمبر، لاہور، ج10، 24ص)

ارشاد شاکر اعوان :

''نعت کا مقصود اصلی ثنائے رسول کے حوالے سے محاسن دین کا بیان (نشر واشاعت) اور تقرب الٰہی کا حصول ہے۔''

(ارشادشاکراعوان، عہدرسالت میں نعت، صفحہ ۲۳)

مجید امجد :

''حقیقت یہ ہے کہ جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں ذراسی لغزش نعت گوکو حدود کفر میں داخل کر سکتی ہے .ذراسی کوتاہی مدح کو قدح میں بدل سکتی ہے، ذراساشاعرانہ غلو ضلالت کے زمرے میں اسکتا ہے، ذراساعجز بیان اہانت کا باعث بن سکتا ہے۔''

(نقوش: رسول نمبر، لاہور، ج10، 24ص)

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی :

''نعت کے موضوع سے عہدہ براہونا اسان نہیں موضوع کا احترام کلام کی بے کیفی اور بے رونقی کی پردہ پوشی کرتا ہے، نقاد کو نعت گو سے باز پرس کرنے میں تامل ہوتا ہے اور دوسری طرف نعت گو کو اپنی فنی کمزوری چھپانے کے لیے نعت کا پردہ بھی بہت اسانی سے مل جاتا ہے، شاعر ہر مرحلہ پر اپنے معتقدات کی اڑ پکڑتا ہے اور نقاد جہاں کا تہاں رہ جاتا ہے لیکن نعت گوئی کی فضا جتنی وسیع ہے اتنی ہی اس میں پرواز مشکل ہے۔''

(نقوش: رسول نمبر، لاہور، ج10، 25ص)

افسر صدیقی امروہوی :

''ہراُس کلام کو جس میں پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفت وثنا بیان کی جائے، نعت کہتے ہیں۔اس میں نظم کی قید نہیں ہے۔اگر نثر بھی اس معیار پر پوری اترے تو نعت ہی کہنا چاہیے۔''

اشفاق احمد :

''نعت کسی صنفِ سخن کا نام نہیں۔یہ تعلق، رابطے اور گزارشِ احوال کا ایک ذریعہ ہے۔ایسا

ذریعہ جس سے معمولی غلام اور بردہ آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی کائنات کرم سے دامن بھرنے کے لیے اپنا رخ متعین کرتے ہیں۔"

ممتاز حسن :

"میرے نزدیک ہر وہ شعر نعت ہے جس کا تاثر ہمیں رحمۃ للعالمینؐ کی ذاتِ گرامی سے قریب لائے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح ہو، یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کیا جائے۔"

ڈاکٹر طلحہ رضوی برق :

"نعت اس کلامِ منظوم کو کہتے ہیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں زیبِ قرطاس ہو۔"

راجا رشید محمود :

"نعت سنتِ کبریا ہے۔"

ڈاکٹر فرمان فتحپوری :

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سے متعلق نثر اور نظم کے ہر ٹکڑے کو نعت کہا جائے گا۔ لیکن اردو، فارسی میں جب نعت کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو اس سے عام طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منظوم مدح مراد لی جاتی ہے۔"

شمیم احمد :

"نعت صرف رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہے۔ نعت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی اوصاف، نسلی برتری، دوسرے پیغمبروں کے مقابلے میں فضیلت، رسولؐ کے آبا و اجداد اور آل و اصحابؓ کی مدح کا ذکر ہوتا ہے۔ نیز اپنے گناہوں کا احساس اور اشکِ ندامت، رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت طلبی، اپنے غموں کے مداوا کے لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد، مدینہ میں دفن ہونے کی خواہش جیسے مضامین بھی نعت کا موضوع ہیں۔"

عاصی کرنالی :

"نعت گوئی حسنِ ظاہری اور حسنِ معنوی دونوں محاسن کا امتزاج ہے۔"

حکیم محمد سعید :

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور عقیدت ایمان کا لازمی حصہ ہے اور اسی محبت و عقیدت کا اظہار نعت ہے۔"

رفیع الدین ہاشمی :

''نعت وہ صنفِ نظم ہے جس میں رسولِ پاک ﷺ کی صفات، اخلاق اور شخصی حالات وغیرہ کا بیان ہو، اور آپ ؐ کی ہمہ پہلو مدح کی جاتی ہو۔ نعت درحقیقت ایک مسلمان کی آنحضور ﷺ کی ذاتِ اقدس سے والہانہ محبت وعقیدت کے اظہار کی ایک شکل ہے۔''

ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق :

''نعت کے معنی یوں تو وصف کے ہیں لیکن ہمارے ادب میں اس کا استعمال مجازاً حضرت رسول کریم سید المرسلین ﷺ کے وصفِ محمود وثنا کے لیے ہوا ہے، جس کا تعلق دینی احساس اور عقیدت مندی سے ہے۔''

ڈاکٹر اے۔ڈی۔نسیم قریشی :

''نعت گوئی کا راستہ پل صراط سے زیادہ کٹھن ہے اس پر بڑی احتیاط اور ہوش سے چلنے کی ضرورت ہے اس لیے اکثر شاعروں نے نعت کہنے میں بے بسی کا اظہار کیا ہے جس ہستی پر خدا خود درود بھیجتا ہے انسان کی کیا مجال کہ اس کی تعریف کا احاطہ کر سکیں۔''

(نقوش: رسول نمبر، لاہور، ج10، 25ص)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری :

''نعت کا موضوع ہماری زندگی کا ایک نہایت عظیم اور وسیع موضوع ہے اس کی عظمت و وسعت ایک طرف عبد سے اور دوسری طرف معبود سے ملتی ہے۔ شاعر کے پائے فکر میں ذرا سی لغزش ہوئی اور وہ نعت کے بجائے گیا حمد ومنقبت کی سرحدوں میں۔ اس لیے اس موضوع کو ہاتھ لگانا اتنا اسان نہیں جتنا عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ حقیقتاً نعت کا راستہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے۔''

(نقوش: رسول نمبر، لاہور، ج10، 25ص)

عرفی نعت گوئی کے متعلق کہتے ہیں :

عُرفی مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا است
آہستہ کہ رہ بروم تیغ است قلم را

اے عرفی! اتنی تیزی نہ دکھا! یہ نعت کا راستہ ہے، کوئی صحرا نہیں ہے کہ آنکھیں بند کر کے دوڑتا چلا جائے گا۔ یہ راستہ بہت کٹھن ہے اور اس کی کیفیت تلوار کی دھار پر چلنے کا نام ہے۔

ڈاکٹر تابش مہدی :

یہ ارض نعت ہے تابش سنبھل سنبھل کے چلو
وفورِ شوق میں کوئی نہ بھول ہوجائے

صاحبِ لسان العرب :

نعت کے لغوی معنی:نعت : النعت وصفک الشیء تنعته بما فیه و تبالغ فی وصفه والنعت ما نعت به نعته ینعته نعتا وصفه.

کسی چیز کی تعریف کرنا، اس میں موجود خوبیوں کا بیان اوراس کی تعریف میں مبالغہ کرنا۔ نعت۔جن الفاظ سے کسی کی تعریف کی جائے۔(لسان العرب)

صاحبِ تاج العروس :

نعت الشیء و انتعته اذا وصفته وجمع النعت نعوت.... النعت من کل شیء جیده وکل شیء کان بالغا تقول هذا نعت أی جید.

ترجمہ: کسی چیز کے وصف بیان کرنے کونعت کہتے ہیں۔نعت کی جمع نعوت ہے۔۔ہر چیز کے عمدہ حصے کونعت کہتے ہیں۔جو چیز عمدگی کی آخری حد تک پہنچی ہوئی ہوتو کہتے ہیں یہ اس کی نعت ہے۔(تاج العروس)

علامہ ابن کثیر (مفسر قرآن):

نعت کا تعلق بنیادی طور پر بیان حسن سے ہوتا ہے اوراس لحاظ سے "وصف" اورنعت میں یہ فرق ہوتا ہے کہ وصف میں "حسن و قبح" دونوں بیان کیے جاسکتے ہیں، جبکہ نعت صرف اور صرف "حسن" ہی کے بیان کے لیے آتی ہے۔" (تفسیر ابن کثیر)

ڈاکٹر فرمان فتح پوری :

''ادبیات اوراصطلاتِ شاعری میں ''نعت'' کا لفظ اپنے مخصوص معنی رکھتا ہے، یعنی اس سے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح مراد لی جاتی ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی دوسرے بزرگ یا صحابی وامام کی تعریف بیان کی جائے ،تو اسے منقبت کہیں گے۔''

***

باب

تخیّلات

حمد ونعت:

حمد وثنائے ساقیٔ ازل جل جلالہٗ

مدح وثنائے ساقیٔ کوثر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

[شعرائے کرام کا منظوم حمدیہ ونعتیہ کلام]

حمدیہ کلام:

پروفیسر حامدی کاشمیری/ علیم صبآ نویدی/ ڈاکٹر اشفاق انجمؔ/ حافظ محبوب/ سلطان الحق شہیدی/ مشتاق کاشمیری/ تنویر پھولؔ/ پروفیسر ڈاکٹر شفق سوپوری/ سرفراز بزمی/ ڈاکٹر تابش مہدی/ عرش ہاشمی/ انور مسعود/ خورشید بسمل/ ڈاکٹر شکیل شفائی/ اسیرؔ کشتواڑی/ مصیبؔ/ علی محمد عاجزؔ/ ڈاکٹر جوہر قدوسیؔ/ غلام مصطفیٰ نعیمی/ سید بشیر احمد بشیرؔ/ بشیر احمد بشیر (ابنِ نشاط کشتواڑی)

نعتیہ کلام:

پروفیسر حامدی کاشمیری/ علامہ محمد ولی رازی/ پروفیسر ڈاکٹر ریاض مجید/ لالہ صحرائی/ پروفیسر اقبال عظیم (مرحوم)/ ادیب رائے پوری/ علیم صبا نویدی/ مشتاق کاشمیری/ پروفیسر ڈاکٹر شفق سوپوری/ ڈاکٹر اشفاق انجمؔ/ علامہ سید محمد اشرف عاصمؔ اندرابیؒ (مرحوم)/ ڈاکٹر تابش مہدی/ بی بی تابش مہدی/ میر غلام رسول نازکیؒ (مرحوم)/ ڈاکٹر سیّد شبیب رضوی/ پروفیسر محمد حیات عامر حسینی/ خورشید بسمل/ ذوالفقار نقوی/ ذوالفقار نقوی/ پروفیسر محمد اسداللہ وانی/ سید مقصود علی شاہ/ نعیم صدیقی (مرحوم)/ تنویر پھولؔ/ پروفیسر حمید نسیمؔ رفیع آبادی/ ڈاکٹر شکیل شفائی/ حسن انظرؔ/ پروفیسر ڈاکٹر یٰسین احمد/ جسٹس رانا بھگوان داس/ غلام مصطفیٰ نعیمی/ سید محمد نور الحسن نور نوابی عزیزی/ حافظ محبوب/ یاور وارثی عزیزی نوابی/ شاہنواز سرمد/ ڈاکٹر خورشید رضوی/ حقانیؔ/ فریدی صدیقی مصباحی/ فاضل میسوری/ غلام فرید واصل/ محمد سمعان خلیفہ ندوی/ اسیر کشتواڑی/ سیّد عتیق اللہ عاشقؔ کاشمیری/ سیّدہ زینب سروری/ مصیبؔ/ پروفیسر ڈاکٹر مرغوب بانہالی/ مدیر/ بشیر احمد بشیر (ابنِ نشاط کشتواڑی)/ علی محمد عاجز/ عرفان الحسن مہدی۔

پروفیسر حامدی کاشمیری
(استاذی المکرم و محترم ---- مرحوم و مغفور)

حمدِ رب العالمین !

(کعبہ شریف میں)

ہے شگفتِ صبح تازہ، گھر ترا
ہے ہر عالم ، عالم دیگر ترا

تھا ترا لوح و قلم قبلِ ازل
ہے ابد نا آشنا دفتر ترا

عبدیت کا رشتۂ جاں تجھ سے ہے
کتنا خوش ہے بندۂ احقر ترا

آنکھوں کے آگے ترے انوارِ حق
نور ازل سینے کے اندر تیرا

کعبہ ہے یا جلوہ گاہِ شش جہات
ہے یہ اک اندازِ معجز گر ترا

یہ سیہ پوشی میں تنویر جمال
بے بدل ہے نور کا پیکر ترا

اب کسی شئے کا گذر ممکن نہیں
دل میں اُترا خانۂ اطہر ترا

بازگشت و پیش قدمی اب کہاں
سامنے ہے نور کا ساگر ترا

پل کی پل کھلتا ہوا تیرا وجود
حیرتِ تازہ ہر منظر ترا

میں بھی کعبے کی زیارت کرسکا
یہ کرم ہے اے کرم گستر ترا

جتنے دفتر تھے وہ باطل ہوگئے
نقشِ جاں ہے حرفِ جاں پرور ترا

روز و شب الحمد میں سرشار ہیں
شان مولائی کا ہر مظہر ترا

ہو رہا ہے کشفِ تخلیقِ وجود
یہ کرم ہے خالقِ اکبر ترا

کتنے دنیا کے بلاوے آئیں گے
اب جبینِ عجز ہے اور در ترا

دے دیا لبیک کا تو نے جواب
کیسا لطفِ خاص ہے مجھ پر ترا

***

علیم صبا نویدی

266/ٹرپلی کین ہائی روڈ، چینئی -- 600005

تری شان جل جلالہٗ

تو کریم ہے، تو رحیم ہے، تری شان جل جلالہٗ
تو ہی جسم و جاں میں مقیم ہے، تری شان جل جلالہٗ
تو ہی عرش و فرش کا نور ہے، تو ہی پاس رہ کے بھی دور ہے
تو جدید ہے، تو قدیم ہے، تری شان جل جلالہٗ
تو ہی وقت و سمت و مکان ہے، تو ہی صبح و شام کی شان ہے
تو ہی بوئے گل ہے، شمیم ہے، تری شان جل جلالہٗ
کہیں چھاؤں تُو، کہیں دھوپ تُو، کہیں رنگ تُو، کہیں روپ تُو
تو ہی روحِ موجِ نسیم ہے، ہے، تری شان جل جلالہٗ
تُو ہر ایک دل کی پسند ہے، تو کہیں بھی قید نہ بند ہے
تو نظر نظر میں مقیم ہے، ہے، تری شان جل جلالہٗ
تو ہی پتلیوں کا چراغ ہے، تُو ہی تاجدارِ دماغ ہے
تُو ہی نورِ عقلِ سلیم ہے، ہے، تری شان جل جلالہٗ
جو جہانِ غیب و شہود ہیں، ترے آگے سر بہ سجود ہیں
تری ذات سب سے عظیم ہے، تری شان جل جلالہٗ
مرے فن میں تیرا ظہور ہے، تو مرا مزاج و شعود ہے
تُو سراپا جانِ علیمؔ ہے، تری شان جل جلالہٗ

***

علیم صبآ نویدی

تری شان جل جلالہٗ

تُو ہر ایک سمت ہے جلوہ گر، تری شان جلّ جلالہٗ
تُو نفس نفس تُو نظر نظر، تری شان جلّ جلالہٗ

جو جہانِ غیب و شہود ہیں، ترے آگے سر بہ سجود ہیں
ترے ذکر میں ہیں ہر اک شجر، تری شان جلّ جلالہٗ

تُو ہر ایک دل کا مجیب ہے، تُو ہر اک نظر کا حسیب ہے
تجھے پھر بھی ڈھونڈے ہے ہر بشر، تری شان جلّ جلالہٗ

تُو ہر ایک شئے سے عیاں بھی ہے تو ہر ایک شئے میں نہاں بھی ہے
تجھے دیکھ سکتی ہے کب نظر، تری شان جلّ جلالہٗ

ترے ہاتھ موت و حیات ہے، ترے بس میں قید و نجات ہے
تجھے ذرّے ذرّے کی ہے خبر، تری شان جلّ جلالہٗ

تری رحمتوں سے بھری ہوئی، تری برکتوں سے لدی ہوئی
مری منزلیں، مری رہ گذر، تری شان جلّ جلالہٗ

ذرا دیکھ شہرِ سخن میں اب، تری لکھ کے حمد و ثناء عجب
یہ نویدیؔ فن کا ہے تاج ور، تری شان جلّ جلالہٗ

***

ڈاکٹر اشفاق انجمؔ

مالیگاؤں، مہاراشٹر

حمد باری تعالیٰ

فکر طوفاں نہ غم کناروں کا = تو سہارا ہے بے سہاروں کا
ایک تو ہے وگرنہ دنیا میں = کون ہوتا ہے غم کے ماروں کا
اے مصوّر! ہزارہا عالم = معجزہ ہیں تیرے اشاروں کا
تیری صناعی کا جواب نہیں = حسن دیکھا ہے میں نے خاروں کا
تیرے جلووں کو کیا سہار سکیں = بوجھ اٹھتا نہیں نظاروں کا
تیرے محبوب کے قدم چومے = کیا نصیبہ ہے ریگزاروں کا
تیرے دربار تک رسائی ہے = رتبہ اعلیٰ ہے خاکساروں کا
میں اور انجمؔ ہیں مطمئن دونوں
تو ہے ملجا گناہ گاروں کا

(۲)

الٰہی دل سے بہتر آئینہ کوئی نہیں ہے = بظاہر دوریاں ہیں فاصلہ کوئی نہیں ہے
تیرا اس سے بڑا تو معجزہ کوئی نہیں ہے = تجھے سب جانتے ہیں دیکھتا کوئی نہیں ہے
مرے کتنے گنہ مجھ سے بھی پوشیدہ رکھے ہیں = تیرے فضل و کرم کی انتہا کوئی نہیں ہے
خزانے علم کے بخشے ہیں انسانوں کو لیکن = جو کچھ تو جانتا ہے، جانتا کوئی نہیں ہے
مرا حاجت روا میری رگِ جاں میں نہاں ہے = بلا سے دہر میں درد آشنا کوئی نہیں ہے
تیری مرضی نہیں تو رائی بھی کوہِ گراں ہے = تو راضی ہو تو مشکل مرحلہ کوئی نہیں ہے
ہے مجبورِ محض انجمؔ مگر اس کو نہ چھیڑو
فغانِ دل، خدا میں فاصلہ کوئی نہیں ہے

***

حافظ محبوب

ایسوسی ایٹ پروفیسر، گورنمنٹ ڈگری کالج سرگودھا

اللہ ایک ہے !

صبحدم کہتاہے ہر طائر کہ اللہ ایک ہے
ذرے ذرے سے ہے یہ ظاہر کہ اللہ ایک ہے

کیسی کیسی قدرتیں ہیں اس جہاں میں جلوہ گر
دیکھ کر کہتا ہے ہر ناظر کہ اللہ ایک ہے

چل نہ سکتا یہ نظامِ ہستی ورنہ اس طرح
ہرطرح ہے ظاہر و باہر کہ اللہ ایک ہے

دل تو تیر بھی یہ کہتا ہے کہ دوئی ہے فساد
کہہ بھی دے اے منکر و کافر! کہ اللہ ایک ہے

ہرطرف وحدت ہی دیکھتا ہوں جلوہ گر
کہہ بھی دے اے دیدۂ باصر! کہ اللہ ایک ہے

پتے پتے کی زباں پر درس ہے توحید کا
کہہ رہا ہے ماضی و حاضر کہ اللہ ایک ہے

دیکھتا ہے ڈوب کر جب حسن کی رنگینیاں
ارتجالاً کہتا ہے شاعر کہ اللہ ایک ہے

کب دلائل کا ہے وہ محتاج اے علم الکلام!
کہتی ہے، ہر قدرتِ قادر کہ اللہ ایک ہے

حافظ محبوب



میں مشتِ خاک کو ایسا وجود کس نے دیا؟
مرے غیاب کو ایسا شہود کس نے دیا؟
مجھے نکال کے جنت سے دھرتی پر بھیجا
دوبارہ خلد میں لیکن خلود کس نے دیا؟
حجاز میں وہ جو رحمت کا بہتا دریا ہے
میں ننگ کو بھی ہے اس پر ورود کس نے دیا؟
ہلائے ملتے نہیں ہیں پہاڑ جا گہ سے
انہیں ہے اپنی جگہ یہ جمود کس نے دیا؟
اس آسمان پہ چڑھ کر دکھائے تو کوئی!
میں پوچھتا ہوں اسے یہ صعود کس نے دیا؟
یہ آگ جسکی تپش سے ہے ہر کوئی خائف
اسے یہ شعلہ یہ رنگ اور دود کس نے دیا؟
میں کیا ہوں؟ خاک کا اک بے نشان پیکر ہوں
مجھے شعور، مجھے ہست و بود کس نے دیا؟
نبی دیا ہے مجھے اتباع کرنے کو
نبی پہ پڑھنے کو پھر ہے درود کس نے دیا؟
معاشرے میں مرے تا کہ ہوں جرائم کم
سزا کے واسطے حکمِ حدود کس نے دیا؟
جھلس نہ جائے ہوس سے مرا معاشی نظام
ہے حکمِ حرمتِ اجرائے سود کس نے دیا؟

***

حافظ محبوب



تری قدرتوں کی نہیں ہے کوئی بھی انتہا
تری قدرتیں دکھیں جلوہ گر مجھے ہر جگہ
تو ہی میرا رب تو ہی ان کا رب تو ہی سب کا رب
تو ہی ذاتِ حق، تو ہی ہے الہ، تو ہی ہے خدا
ترے زمزمے ہیں زباں زباں تو ہے وہ عیاں
ہے چمن چمن ہے سمن سمن تری ہی ثنا
ترے ذکر میں ترے فکر میں ہے ہر ایک شَے
تری بندگی میں ہی محو ہے یہ ہوا، صبا
ترا کوئی بھی نہ شریک ہے نہ حریف ہے
تو یگانہ ہے، تو اکیلا ہے، تری بات کیا
تو خود آپ اپنی دلیل ہے وہ جلیل ہے
تری ذاتِ عالی کشاکشی سے ہے ماورا
ترے حرفِ کن سے یہ کائنات ہے بن گئی
یہ زمیں بنی یہ فلک بنا یہ خلا ملا
یہ چمکتے تارے یہ یہ مہر و مہ یہ خنک سحر
یہ زماں مکاں، یہ عجب سماں، یہ حسیں فضا
مجھے بخش دے، مجھے چھوڑ دے، مجھے مت پکڑ
ترا عبد ہوں تری خلق ہوں ترا ہوں سدا

hafizmehboob840@gmail.com

***

سلطان الحق شہیدی، سری نگر، کشمیر



اوّل و ابتداء تمہارے ہیں
آخر و انتہا تمہارے ہیں

درد ہو یا دوا تمہارے ہیں
ہو مرض یا شفا تمہارے ہیں

تیری قدرت کے ہیں کرشمے سب
عاصی و پارسا تمہارے ہیں

ہر عمل میں تری مشیّت ہے
یہ جزا و سزا تمہارے ہیں

میں نے تاریخ سے سبق سیکھا
خون اور خون بہا تمہارے ہیں

کوئی تخریب ہو کہ ہو تعمیر
سب روا ناروا تمہارے ہیں

میرا ہونا نہ ہونا سب تیرا
یہ فنا اور بقا تمہارے ہیں

علم سے تیرے کچھ نہیں باہر
بے وفا، باوفا تمہارے ہیں

کون ڈوبے ہے کون اُترے پار
ناؤ اور ناخدا تمہارے ہیں

خشکی ہو یا تری، خزاں کہ بہار
لو ہو یا ہو صبا، تمہارے ہیں

میرا میں کچھ نہیں ہے بس تو ہے
سب وَرا ماورا تمہارے ہیں

ناز کرتا ہوں ان کی نسبت پر
مصطفیٰ مجتبیٰ تمہارے ہیں

مناجات

اے خدائے واحد و شاہد ہے تو ہی کارساز
نا جنا ہے نا کوئی تجھ سے جنا ہے بے نیاز

تیری قدرت تیری سطوت اور تیرا جلال
جس کے آگے چل نہیں سکتا کسی کا قیل و قال

تو عظیم و اکبر و اعلیٰ و افضل بے مثیل
ایک ہی تھا ایک ہی ہے ایک ہوگا بے عدیل

اک ہدایت نامہ لایا تھا مری خاطر رسولؐ
اُن سنا کرکے جو ٹالا ہوگئی مجھ سے یہ بھول

کھوگیا دنیا کے دھندوں میں یہ غفلت کرگیا
عیب جتنے بھی تھے اُن سے اپنا دامن بھردیا

ڈالتا ہوں منہ گریباں میں تو ہوتا ہوں ذلیل
جرم ہیں میرے کثیر ارو خوبیاں ہیں تو قلیل

اسوۂ حسنہ کو ٹھکراتا رہا میں گام گام
اور من مانی میں کرتا رہا بس اہتمام

بیچ ڈالی پائی تھی میراث جو اسلاف سے
سر اٹھاؤں کیسے میں خالی ہوں اُن اوصاف سے

اب کہ میں نادار ہوں لاچار ہوں بیمار ہوں
تیرے آگے گڑگڑاتا کیا کہوں بس خوار ہوں

اے مرے خالق مرے مولا مرے پروردگار
زندگی کے اس سفر میں رہ گیا ہوں خام کار

تو اگر بخشے نہ مجھ کو ہوگی رسوائی بہت
تو نے لاچاروں کی کی ہے چارہ فرمائی بہت

مجھ گل پژ مردہ کو پھر سے تر و تازہ بنا
اے کہ تو مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے خدا

غیرت اشراف ہے سہمی ہوئی یہ دیکھ کر
اہل ایما کفر کے ہاتھوں بکے میں بیشتر

وہ اخوت وہ محبت وہ مودت خواب ہیں
در دل اخلاص کہتے ہیں جسے نایاب ہیں

چور ہوکر رہ گیا ہوں درد و غم آلام سے
رزق دے علم و دل دے فضل کا انعام دے

ہے تری شان عطا پر تیرے بندوں کی نظر
اس لیے کرتا ہوں میں فریاد اپنی مختصر

اب تو لے دے کر مجھے لا تقنطوا کی آس ہے
تو نے فرمایا ہے بندے مانگ مولا پاس ہے

***

مشتاق کاشمیری
سری نگر، کشمیر

مناجات

رُخِ پژمردہ کو گُلفام کردے
عطا عرفان کا انعام کردے
میری دنیائے دل پر یا الٰہی
نزولِ رحمتِ اسلام کردے
مسلسل مضطرب عشقِ نبیؐ میں
مجھے ہر صبح کردے، شام کردے
میرے پیچھے پڑا ہے نفسِ سرکش
اِسے مغلوب کردے، رام کردے
بصارت میں میری بھردے امانت
بصیرت تابعِ احکام کردے
میری فکر و نظر قلب و جگر پر
فقط اپنی پسند الہام کردے
غضب سے ریزہ ریزہ پارہ پارہ
سیکولرازم کے اصنام کردے
بہ الطاف و کرم مقبولِ درگاہ
میری تسبیح صبح و شام کردے
میرے مُشتاق کو مولا عنایت
نبیؐ کی معرفت کا جام کردے

***

مشتاق کاشمیری
سری نگر، کشمیر

میری دُعا

بے جھجک مانگو خدا سنتا ہے ہر اک کی دُعا
رند، زاہد، مضطرب، مغموم بندے کی دُعا

نفس نے ابلیس نے ہر کام پر رسوا کیا
ابنِ آدم آج پھر مانگے ہے آدمؑ کی دُعا

بخشدے مجھ کو مرے مولا کہ ہے تجھ کو پسند
''فاعفُ عنِی یا عفو'' میرے آقاؐ کی دُعا

میں کہ تھا حُسنِ فراست سے الٰہی نابلد!
تو نے شفقت سے سکھائی ہے مجھے میری دُعا

''مائدہ'' میں صاحبؑ انجیل کا حُسنِ بیاں
ہے دُعاؤں میں پیاری ابنؑ مریم کی دُعا

مانگنے کا جس کسی کو بھی سلیقہ آگیا
اُس کے لب سے خود اِجابت لیتی ہے اُس کی دُعا

***

تنویر پھولؔ (امریکہ)

حمد و ثنا

(علامہ اقبال کے مصرع طرح پر)

○○○

روزِ محشر بس اُسی منصف کی ہوگی داوری
ظلم ہو فرعون کا یا ہو فریبِ سامری

اِذن اُس کا گر نہ ہو، پتّا بھی ہل سکتا نہیں
'حکمراں ہے اِک وہی، باقی بتانِ آزری'

سلطنت حاوی ہے اُس کی، ہر طرف ہے آسماں
اُس کے ہیں زیرِ نگیں افلاک اور خشکی، تری

خوانِ یغما اُس کا ہے اور نعمتیں ہیں بے شمار
اُس کے ہی الطاف سے شاخِ تمنا ہے ہری

اُس نے مسجودِ ملائک نورِ احمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو کیا
دی امام الانبیاؑ کو اُس نے سب کی سروری

آخری بھیجا پیمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، آخری بھیجی کتاب
تا قیامت انس و جاں کو کافی اُنؐ کی رہبری

تیسویں پارے کے آخر میں بتایا اُس نے ہے
لو پناہ اُس کی تو ہو مغلوب شر کی ساحری

رحمۃ للعالمیں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، انعامِ ربّ العالمیں
اُس نے مخلوقات میں انساں کو بخشی برتری

ہے دلوں پر اُس کا قبضہ، اس میں کوئی شک نہیں
چشمِ مجنوں کے لئے لیلیٰ ہوئی رشکِ پری

یہ بتاتی ہے ہمیں قرآں میں فصلِ قارعہ
آئے گی جس دن قیامت، ہوگی ہر سُو ابتری

از طفیلِ مصطفیٰؐ، ہے التجا، محشر کے روز
رب یہ کہہ دے پھولؔ سے، تُو ہے گناہوں سے بری

***

○○○

پروفیسر ڈاکٹر شفق سوپوری
نیو ائیر پورٹ روڈ، سری نگر، کشمیر

حمد باری تعالیٰ

مری طلب سے زیادہ عطا کیا تُو نے
عطا بھی غیب سے میرے خدا کیا تُو نے

مرے چمن کے دریچوں سے دیکھنے والے
غبارِ خاک کو بادِ صبا کیا تُو نے

ترا کرم کہ چمن کی جمال سازی میں
مجھے بھی شاملِ آب و ہوا کیا تُو نے

میں موجِ صرصرِ غم سے جھلسنے والا تھا
کہ سر پہ سایۂ شاخِ دعا کیا تُو نے

میں نامراد اِسے توڑنے ہی والا تھا
کہ میری شاخِ جنوں کو ہرا کیا تُو نے

برہنگی کے تردّد سے صبح رونے لگی
تو تارِ گُل سے رفوئے قبا کیا تُو نے

خیال تجھ کو جب آیا شکستگی کا مری
مرے وجود کو پھر سے نیا کیا تُو نے

میں خم ہی ہونے لگا شاخِ منحنی کی طرح
کہ پورے قد سے خدایا کھڑا کیا تُو نے

***

پروفیسر ڈاکٹر شفق سوپوری

(۲)

یہ ساز و برگ، یہ رختِ سفر تمہی سے ہے
خدایا! بے ہنری میں ہنر تمہی سے ہے

رگِ گلاب میں حسنِ شگفتگی کے لئے
رواں یہ موجۂ بادِ سحر تمہی سے ہے

تمہی نے مجھ کو سکھائی ہے آشیاں بندی
سو میری نسبتِ شاخ و شجر تمہی سے ہے

اِسی سے نغمہ بلب آہٹیں مکینوں کی
صدا نواز یہ زنجیرِ در تمہی سے ہے

عمامہ پوش زمیں پر ہیں چوٹیاں تم سے
اور آسمان بھی شعلہ بسر تمہی سے ہے

غبارِ شام میں مجھ کو پکارنے والے
شبِ فراق مری مختصر تمہی سے ہے

غیاب و حاضر و مفقود کے بصیر ہو تم
تمام عالمِ خبر و نظر تمہی سے ہے

***

(۳)

گرچہ ہر سو نظر آتا ہے سراپا تیرا
میری آنکھوں میں سماتا نہیں جلوہ تیرا

چمن آرا! پسِ آسودگیِ برگِ سکوت
ایک ہنگامۂ پُرشور ہے برپا تیرا

شہرِ امکاں کے کم آگاہ تماشائی کو
گم کہیں ہونے نہیں دیتا تماشا تیرا

کسی منزل سے مسافر کو صدا آتی ہے
کھل ہی جاتا ہے کسی سمت سے رستا تیرا

یہ کہاں دیکھتا ہے تیری سخاوت کا وفور
مجھ سے پورا نہیں ہوتا ہے تقاضا تیرا

فاصلہ یوں تو نہیں بیچ میں موجود مگر
درمیاں صورتِ آئینہ ہے پردہ تیرا

مجھ کو بالکل بھی اکیلا نہیں ہونے دیتا
میں جہاں جاؤں مرے ساتھ ہے سایا تیرا

اک طرف تو سر اٹھاتا ہے بگولوں کا ہجوم
اک طرف آ کے رواں ہوتا ہے دریا تیرا

***

سرفراز بزمی

سوائی مادھو پور، راجستھان

حمدِ ربِّ دو جہاں

خالق ہے تو خدایا! مالک ہے تو خدایا!
اک لفظ کن سے تونے سارا جہاں بنایا

بلبل کو بیکلی دی کلیوں کو خامشی دی
مہکے ہوئے گلوں کو خاموش دل کشی دی
آب رواں بنایا موجوں کو خود سری دی
ماہ تمام دے کر ٹھنڈی سی روشنی دی
سورج کو دی تمازت بخشا شجر کو سایہ
اک لفظ کن سے تونے سارا جہاں بنایا

سجدے کریں زمیں پر جب پربتوں کے سائے
بے نور ہو کے سورج صحرا میں ڈوب جائے
پھولوں کو آکے شبنم جس دم وضو کرائے
سارا نظام قدرت وحدت کی لے سنائے
ثانی ہے کون تیرا یکتا ہے تو خدایا!
اک لفظ کن سے تونے سارا جہاں بنایا

یہ مرغزار تیرے یہ کوہسار تیرے
نغمات گا رہے ہیں یہ آبشار تیرے
چڑیوں کے چہچہوں میں نغمے ہزار تیرے
قربان سارا عالم پروردگار تیرے

رگ رگ ترا بسیرا ہر شے میں تو سمایا
اک لفظ کن سے تونے سارا جہاں بنایا

کاشانۂ چمن میں شاداب رنگ تیرے
سب گوسفند تیرے ، آہو پلنگ تیرے
شاہ و وزیر تیرے مست و ملنگ تیرے
اے کن فکان والے سب رنگ ڈھنگ تیرے
مالک ہے توخدایا ! خالق ہے تو خدایا
اک لفظ کن سے تونے سارا جہاں بنایا

وہ جھیل کے افق پر مرغابیوں کے ٹولے
سورج اتر رہا ہے دھرتی پہ ہولے ہولے
چھایا فسوں فضا پر جب رات زلف کھولے
"سبحان تیری قدرت" سارا جہان بولے
ہر شئے پہ لوٹ آیا تیرے کرم کا سایہ
اک لفظ کن سے تونے سارا جہاں بنایا

دے دے تو تیری نعمت نہ دے تو تیری حکمت
اور دے کے چھین لے تو مولیٰ تری مشیت
سر پر گدا کے رکھے دستار ما بدولت
صدقہ تیرے کرم کا شاہوں کی بادشاہت
تیری عطا سے پایا دنیا نے جو بھی پایا
اک لفظ کن سے تونے سارا جہاں بنایا

وہی خالق، وہی روزی رساں ہے
اسی کی ذات ربِ دو جہاں ہے

***

ڈاکٹر تابش مہدی
ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی

حمدِ الٰہ العالمین

اللہ ! عالمِ ہستی میں نور تیرا ہے
ہر ایک ذرے سے ظاہر ظہور تیرا ہے

تو شاہ رگ سے زیادہ قریب ہے مولیٰ!
قیام سب کے دلوں میں ضرور تیرا ہے

ترے وجود سے انکار ہو نہیں سکتا
جو کچھ جہاں میں ہے نزدیک و دور تیرا ہے

ہم ایسے دور پُرآشوب میں بھی زندہ ہیں
یہ کارنامہ خدائے صبور ! تیرا ہے

یہ صَعب و عُسر یہ رنج وملال سب تیرے
مکیں ہے دل میں جو کیف و سرور تیرا ہے

نگارہ رہتی ہے تیری ہر ایک بندے پر
ہے اس کے پاس جو فہم و شعور تیرا ہے

تری ہی چشمِ عنایت کا آسرا ہے خدا!
ہمیں پتا ہے کہ یوم نشور : تیرا ہے

کسی بشر میں ہو کبر و غرور ناممکن
کسی بھی طرح کا کبر و غرور تیرا ہے

تری نگاہِ کرم پر ہے مطمئن تابشؔ
وہ صرف تیرا ہے ربِّ غفور تیرا ہے

***

عرش ہاشمی

اسلام آباد، پاکستان

’حمد میرا سائباں‘

اسی کی ذات امانُ الخائفیں بھی
وہی معبود و مسجودِ جہاں ہے

اسی کی یاد سے ہیں مطمئن دل
اسی کی حمد میں آرامِ جاں ہے

اسی کی ذات ہے میرا سہارا
"اسی کی حمد میرا سائباں ہے"

وہی ہے عالمُ الغیبِ حقیقی
یقیں اس پر بلا ریب و گماں ہے

رحیم و راحم و ارحم بھی ہے وہ
کہ ستر ماؤں سے جو مہرباں ہے

وہی ہے مالکِ روزِ جزا بھی
حبیبؐ اُس کا شفیعِ عاصیاں ہے

بنایا امتی شاہِ امم کا
کہ جو خود مومنوں پر مہرباں ہے

خدا کی حمد میں ، مدحِ نبی میں
سدا یہ عرشؔ بھی رطبُ اللساں ہے

***

انور مسعود

پاکستان

حمدِ ربِّ کائنات

کون پانی کو اُڑاتا ہے ہوا کے دوش پر
کس نے بخشی پیڑ کو آتش پذیری سوچیے!

کس کے لطفِ خاص سے نغمہ فشاں ہے سانس کی
دھیمی دھیمی، دھیری دھیری یہ نفیری سوچیے!

کس کی شانِ کن فکاں سے پھوٹتا ہے خاک سے
یہ گیاہِ سبز کا فرشِ حریری سوچیے!

کون دیتا ہے جوانی میں لہو کو حدتیں
کون کر دیتا ہے عاجز وقتِ پیری سوچیے!

ہر دلِ بے مہر پر مُہریں لگا دیتا ہے کون
کون کرتا ہے عطا روشن ضمیری سوچیے!

وادیِ بطحا میں اک اُمی پیمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھیج کر
کس نے کی انسانیت کی دستگیری سوچیے!

***

خورشید بسمل

تھنہ منڈی، راجوری (جموں و کشمیر)

حمدِ باری تعالیٰ

(۱)

نظر میں اپنی تو سب کو سمائے رکھتا ہے
مگر کمال ہے خود کو چھپائے رکھتا ہے

ترے ہی رنگ سبھی موسموں کے رنگوں میں
تمام دشت و دمن کو سجائے رکھتا ہے

یہ کہکشاں یہ زمین آسمان تیرے ہیں
تو ذرے ذرے پہ قبضہ جمائے رکھتا ہے

ادھر بجھاتا ہے قندیل بادشاہوں کی
ادھر فقیر کی شمع جلائے رکھتا ہے

اچھالتا ہے سمندر میں تو ہی لہروں کو
تہی زمین میں شعلے دبائے رکھتا ہے

مرے خدا مین ترا شکر بار بار کروں
تو ننگ و عار سے مجھ کو بچائے رکھتا ہے

تہی تو جینے کا دیتا ہے حوصلہ مجھ کو
تو میرے شوق کی دنیا بسائے رکھتا ہے

کئے ہی جاتا ہے بسمل سد گناہ پھر بھی
تو درگزر کا سمندر بہائے رکھتا ہے

***

(۲)

بلا تردّد ہے زندگانی، یہ سب ہے میرے خدا کی رحمت
وہی تو دیتا ہے کامرانی، یہ سب ہے میرے خدا کی رحمت

نظر میں ہر سو حسیں مناظر، بجور دلکش، طیور نادر
یہ ماہ و انجم کی ضوفشانی، یہ سب ہے میرے خدا کی رحمت

یہ برف بارش یہ دھوپ سایہ، ترے کرم کے یہ سلسلے ہیں
یہ ٹھنڈے شفاف میٹھے پانی، یہ سب ہے میرے خدا کی رحمت

بحالتِ نزع آدمیت، شباب پر دیکھتا ہوں ظلمت
کرم کی جاری مگر روانی، یہ سب ہے میرے خدا کی رحمت

ہے کس قدر آدمی کی عظمت، کیے ہیں سجدے ملائکہ نے
اسی کی ساری ہے مہربانی؛ یہ سب ہے میرے خدا کی رحمت

کتاب حکمت ہمیں عطا کی، عطا کیا ایسا اک پیمبر
نہیں ہے جس کا کوئی بھی ثانی، یہ سب ہے میرے خدا کی رحمت

اٹھو اے بسملؔ اسے منائیں، جو بخش دیتا ہے سب خطائیں
یہی ہے اس کی بڑی نشانی؛ یہ سب ہے میرے خدا کی رحمت

***

(۳)

نہیں یارا تری عظمت کا کروں اندازہ
ربِّ کعبہ تری شوکت تری حشمت کو سلام

درسِ توحید کا کھلتا ہے یہیں دروازہ
ربِ کعبہ تری یکتائی و وحدت کو سلام

چار سو آئیں نظر تیرے ہی پروانے یہاں
ربِ کعبہ تری اس شمعِ ہدایت کو سلام

بحر و بر جیتے ہیں بس ایک ترے نام کے ساتھ
رب کعبہ تیری شفقت تیری رحمت کو سلام

خس و خاشاک پہ انوار کی بارش کردے
ربِ کعبہ تیرے قرآن کی تلاوت کو سلام

ربِ کعبہ تیرے محبوب کے صدقے جاؤں
سیدِ قوم کی بے مثل سیادت کو سلام

یہ سعادت ہے کہ بسملؔ ترے در پہ پہنچا
ربِ کعبہ تری رحمت و سخاوت کو سلام

(۲۹ جنوری ۲۰۲۰ء، صحنِ حرم میں دوران قیام مکہ مکرمہ)

***

ڈاکٹر شکیل شفائی

بمنہ، سرینگر، کشمیر

مناجات

مرے جذبات کا آئینہ ہے میری غزل ساقی
ابد بھی ہے ترا ساقی ، ترا ہی ہے ازل ساقی

محبت گر عنایت ہے تو مجھ پہ تھوڑی سی کردے
سراپا عشق سے لبریز میری زندگی کردے

مرے افکار میں یارب بلند پرواز پیدا کر
جگر میں سوز پیدا کر نظر میں ساز پیدا کر

زباں میں وہ اثر دے بس کہ دل تسخیر ہوجائیں
نگاہوں میں بسائے خواب کی تعبیر ہو جائیں

مری آہِ سحر کو جستجوئے عشق کر دیجے
شگوفے دل کے نازک تر ہیں بوئے عشق کر دیجے

نگاہِ شوق کو دیدارِ رحمت سے منور کر
بجھا دے پیاس برسوں کی محبت سے منور کر

محبت سے بھی کوئی اونچی منزل ہے تو بتلا دے
میں ناواقف مسافر ہوں مجھے آداب سکھلا دے

مرے مولا مرے ذوقِ طلب میں جان پیدا کر
چمن آرا بنا دے دل ، گلِ خندان پیدا کر

مرے شوقِ نظر سے ہر غرض نابود ہوجائے
فقط اک تیری مرضی شاہدِ مقصود ہو جائے

اسیرؔ کشتواڑی

ڈائریکٹر جنرل فائنانس (ر)، بٹھنڈی، جموں

حمدِ خدا

کس منہ سے کروں حمدِ خدا سوچ رہا ہوں
کب جان کروں اُس پہ فِدا سوچ رہا ہوں

ہر رنگ میں ہے نورِ خداوندِ جہاں کا
باغ و بہار کس کی ادا سوچ رہا ہوں

یہ آبِ یخ ، یہ بحر و بر سب اُس کی عنایت
یہ نیلا فلک کس نے تنا سوچ رہا ہوں

کوثر و تسنیم ہو کہ یہ جنت کے نظارے
مہکی ہوئی ہے کس سے فضا سوچ رہا ہوں

اُس کے سوا کامل نہیں ہے کوئی سہارا
حاصل ہو کیسے اُس کی رضا سوچ رہا ہوں

کرنا عطا انسان کو یہ اعزازِ خلافت
لگا نہ فرشتوں کو اچھا سوچ رہا ہوں

اِک نامِ نبیؐ عرشِ بریں سے بھی بلند ہے
کیا شان ہے محبوبِ خداؐ سوچ رہا ہوں

ایمانِ کامل ہے میرا اسیرؔ یہی بس
اعزاز سب اُس نے دیا سوچ رہا ہوں

***

مصیبؔ

(جگہ نامعلوم)

حمدِ باری تعالیٰ

(۱)

تو میرا ہے مجھے پروا نہیں ہے
تو ہو جس کا پھر اُس کا کیا نہیں ہے

سما سکتا ہے تو مجھ میں مکمل
دل عرش و فرش سے چھوٹا نہیں ہے

تصور ہی سے ہوں مانوس اتنا
ابھی حالاں تجھے دیکھا نہیں ہے

جھکا جاتا ہے دل ہر اک قدم پہ
کہاں پہ تیرا نقشِ پا نہیں ہے

دوں کس سے میں مثالِ حُسن تیری
سوا تیرے کوئی تجھ سا نہیں ہے

رقم کیا کیجئے عظمت میں اُس کی
اُسے سوچا تو ہے، سمجھا نہیں ہے

ہے ذکر و فکر سے آباد محفل
دلِ عاشق کہیں تنہا نہیں ہے

بتوں نے بت پرستوں سے کہا ہے
سوا اُس کے کوئی اللہ نہیں ہے

مثالِ دوئی جاکر ڈھونڈ لالے
جو یہ کہتا ہو تو یکتا نہیں ہے

رگِ جاں سے بھی وہ نزدیک تر ہے
حجاب ہستی میں دِکھتا نہیں ہے

ہے قاصر تم سے وہ ہر پہنچنے میں
جو دل کی راہ سے گزرا نہیں ہے

بتوں نے سینکڑوں جلوے دکھائے
نگاہوں میں کوئی جچتا نہیں ہے

***

(۲)

سحر کے منظر دلکش میں تیری دید ہوتی ہے
شبِ خلوت کے لمحوں میں تجھے محسوس کرتا ہوں
جہاں تک دیکھتا ہوں تو ہی تو ہوتا ہے نظروں میں
مری نظروں میں ہر دم تیرے جلوے جھلملاتے ہیں
فضا کی گہری خاموشی میں تیرے گیت سنتا ہوں
ہوا کے ساز پہ نغمے تمہارے سرسراتے ہیں
میں تیرے گیت گاتا ہوں
زمانہ لے ملاتا ہے
میں تیری بات کرتا ہوں
ستارے مسکراتے ہیں
میں ظلمت سے گزرتا ہوں
تیری صورت چمکتی ہے
میں تیرے پاس آتا ہوں
سب میرے پاس آتے ہیں
میں تجھ کو یاد کرتا ہوں تو سب کو بھول جاتا ہوں
میں تیرا ہونے لگتا ہوں تو سب اپناتے ہیں مجھ کو
میں تجھ سے دور جاتا ہوں دو عالم روٹھ جاتے ہیں
میں تیرے آگے جھکتا ہوں، فلک قدموں میں ہوتا ہے
میں تیری مان جاتا ہوں، سب ہوتے ہیں میرے تابع
میں تیرا حکم جھٹلاؤں، سب مجھ پہ ٹوٹ پڑتے ہیں
میں تیرے کام کرتا ہوں، تو میرے سب بنتے ہیں
میں تیری منشا نہ سمجھوں، مزے جینے کے جاتے ہیں

***

علی محمد عاجزؔ

مکہامہ، ماگام، بڈگام (کشمیر)

حمدِ خالقِ ارض وسماء

از شر شیطان آقا امن تو امان تو
ابتدا از نامِ تو رحیم تو رحمان تو

ذات تیری فائق وہم و گمان فکر و قیاس
تو اکیلا لائقِ حمد و ثنا شُکر و سپاس

خالق ارض و سماء و مالکِ مُلکِ بقا
حاصل ایمان تو اے واصلِ یومِ لِقا

میرے آقا واسطے تیرے ہے میری تگ وتاز
میری حیات و ممات قربانی و نذر و نیاز

نماز میں قیام وقعود رکوع سجود تیرے لیے
میرا مقام وہست وبود وقوع وجود تیرے لیے

زبان بھی تو نے ہی دی ہے ذکر بھی تیرا دیا
نعمتیں سب تیری دی ہیں شکر بھی تیرا دیا

دست و پا و سر شکم گوش و چشم اور ہوش بھی
تجھ سے تن وتوش بھی سر پوش خورد ونوش بھی

کچھ بھی اپنا ہے نہیں جس پر کہ اِتراؤں گا میں
برہنہ آیا تھا میں اور برہنہ جاؤں گا میں

اب تک تجھے پہچان نہیں پایا شرمندہ ہوں میں
دیر سے آیا ہوں آقا سرافگندہ ہوں میں

ڈھارس دیتی ہے مجھے تیری صدا لا تقنطوا
یا عفُو و یا کریمُ انت تحبُ العفوا

***

mail2quddusi@gmail.com : مدیر

حمدِ ربِّ جلیل

(۱)

سارے جہاں کا حاکم ربِّ حکیم سب کا — مولا وہی ہے میرا ربِّ رحیم سب کا
سکھلا دیا ہے مجھ کو گلزار کی مہک کے — تو ہے فقط تو ہی ربِّ کریم سب کا
ساجھی نہیں ہے سارے عام میں تیرا کوئی — اے لا شریک تو ہے ربِّ عظیم سب کا
تاروں کے جھرمٹوں نے، دنیا کی وسعتوں نے — بتلادیا کہ تو ہے ربِّ علیم سب کا
سورج کی تابناکی، یہ چاندنی قمر کی — کہتی یہ ہے کہ تو ہے ربِّ حکیم سب کا
یہ بحر و بر، یہ صحرا، یہ کوہسار، دریا — بتلا رہے کہ تو ہے ربِّ عظیم سب کا

(یکم اگست ۱۹۸۳ء------دورِ طالبِ علمی)

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

(۲)

رب بھی تو رحمان بھی تو رحیم بھی تو کریم بھی تو
کیا کیا گنوں تیری صفات حلیم بھی بھی تو، عظیم بھی تو
قدوس بھی تو، سلام بھی تو، حکیم بھی تو، علیم بھی تو
اے میرے رب کیا کیا ہے تو رحیم بھی تو کریم بھی تو
عزیز بھی تو مُعز بھی تو، قدیر بھی تو بصیر بھی تو
قائم بھی تو قیوم بھی تو کبیر بھی تو خبیر بھی تو
غنی بھی تو، مغنی بھی تو، النور بھی تو، غفور بھی تو
بدیع بھی تو، باقی بھی تو، صبور بھی تو، شکور بھی تو
رشید بھی تو، صادق بھی تو، غفار بھی تو، ستار بھی تو
اوّل بھی تو، آخر بھی تو، جبّار بھی تو، قہّار بھی تو (۱۹۸۴ء)

***

غلام مصطفیٰ نعیمی



جرمِ عصیاں ہے بندہ گنہگار ہے
فاعفُ عنی تیرا نام غفار ہے
نسلِ آدم میں آدم کا خوں ہے رواں
دامِ ابلیس میں یہ گرفتار ہے
تو نہ اعراض کرنا کہاں جائیں گے
تیرا رحم و کرم مولیٰ درکار ہے
تیری رحمت ہے عصیاں چھپائے ہوئے
پردہ پوشی ہی رکھنا تو ستّار ہے
سب وحوش و طیور و پرند و چرند
ہر زباں پر خدا تیرا اذکار ہے
تو ہی رزاق، شافعی و کافی ہے تُو
رحم کردے میرا قلب بیمار ہے
تو کہے کُن تو بن جائیں ساتوں فلک
ایں ۔ جہاں، آں جہاں کاٹ معمار ہے
شمس و کوکب قمر کی تابانی میں تُو
شجر و اثمار میں تیرا انوار ہے
کوء بگوان کہتا ہے کوء خدا
ہر کسی کو خدا تیرا اقرار ہے
دشمنوں پہ بھی تیرا کرم ہے سوا
دوستوں کے لیے پیار ہی پیار ہے
ہو نعیمیؔ پہ بھی تیرا لطف و عطا
تیرے محبوب کا یہ بھی حُب دار ہے

***

سید بشیر احمد بشیرؔ
لعل بازار، سرینگر، کشمیر

حمدِ ربِّ اعلیٰ

تیری رحمتوں کا سایہ قلب و نظر میں پایا
سورج کی روشنی میں، شام و سحر میں پایا

میری بندگی میں ہر دم شامل تیری رضا ہو
تیری عظمتوں کو یا ربّ باغ و شجر میں پایا

میری التجا ہے تجھ سے دونوں جہاں کے مالک
ایسا ہی کچھ عطا کر شیر و شکر میں پایا

جس در پہ ہم گئے ہیں کچھ بھی نہ ہاتھ آیا
امن و سکون نصرت تیرے ہی گھر میں پایا

ہم کو نصیب کر دے کعبہ کی برکتیں پھر
لطف و کرم نوازش راہِ سفر میں پایا

جب سے تمہارا دامن تھاما ہے میں نے آقا
مہر و وفا مروت خونِ جگر میں پایا

تو دیکھتا ہے سب کو تجھے دیکھتا نہ کوئی
ہر شئے میں تیرا عنوان برگ و ثمر میں پایا

ارض و سماء کے مالک ہم ناسمجھ ہیں لیکن
ساجھی نہ تیرا کوئی اس بحر و بر میں پایا

ہمیں آسرا ہے تیرا بے آسرا نہیں ہم
بگڑی بنائی تو نے جس دن بدر میں پایا

دِل میں بشیرؔ اب تک وہ اذان گونجتی ہے
طیبہ سے آرہی ہے بادِ سحر میں پایا

*
* * *
*

سید بشیر احمد بشیر

دُعا بہ بارگاہِ قاضی الحاجات

یارب ہمارے دل میں اُلفت کے گُل کھلا دے
جو دُور پڑ گئے ہیں اُن سے ہمیں ملا دے

اپنے ہوں یا پرائے سب میں ہو بھائی چارہ
اے بحر و بر کے مالک ہم نے تمہیں پُکارا

یا رب ہمیں عطا کر شرم و حیا کا زیور
علم و حلم بھی دئے اور شانِ کرم کے تیور

مِل جائے زندگی میں ہم کو بھی ایسا دھارا
چمکے بلندیوں پر قسمت کا اب ستارا

تاروں کا جِھلملانا اور چاند کا وہ چھپنا
بادل کی اوٹ سے پھر چُپ چُپ کے منہ دکھانا

بھٹکے ہوؤں کا اپنی منزل کو پہنچ جانا
رستہ دکھا دے سیدھا شاہا کرم تمہارا

ندیاں ہماری دیکھو نغمیں سنا رہی ہیں
کوہسار پر یہ پریاں ہم کو بتا رہی ہیں

دامن میں پیڑ پر وہ بلبل بھی گا رہی ہے
طائر بھی کہہ رہا ہے سیکھو چلن ہمارا

ڈل جھیل کو ہمارے قدرت نے کیا سنوارا
پانی پہ چل رہا ہے خاموش وہ شکارا

اونچی اُڑاں ہو اپنی وہ بال و پر عطا کر
آواز رس بھری ہو ایسا اثر عطا کر

لطف و کرم بھی اپنا شام و سحر عطا کر
وُسعت میں شوخیاں بھر بیباک ہو نظارا

آئے ہیں تیرے در پر پھیلائے ہاتھ اپنے
لائے ہیں بے بسی کا سامان ساتھ اپنے

شرمندہ ہے بشیرؔ اب جرم و گنہ کا مارا
روزِ جزا کے مالک ہم نے تمہیں پکارا

***

بشیر احمد بشیر (ابنِ نشاط کشتواڑی)

مُناجات

ازل سے گر نہ مخلوقات پر فضلِ خدا ہوتا
یہ ظاہر ہے کہ پھر دنیائے دُوں کا حال کیا ہوتا
جہانِ رنگ و بو کس حال میں پھر مبتلا ہوتا
خدا کی رحمتوں کا گر نہ اس کو آسرا ہوتا
تری رحمت نہ گر بندہ نواز و مہرباں ہوتی
تو بے شک زندگی کا ساز ہی پھر بے صدا ہوتا
بلا کی بیتتی میرے وجود و زندگانی پر
مرے مولا اگر میرا نہ تو مشکل کُشا ہوتا
اگر رحمت تری غالب نہ تیرے قہر پر ہوتی
تو ظاہر ہے ہم ایسے عاصیوں کا حشر کیا ہوتا
گناہوں سے جو بچتے ہیں بچاتا گر نہ تو اُن کو
تو اِن میں سے بھی ہر کوئی سزاوارِ سزا ہوتا
ہم ایسے عاصیوں میں سے نہ بچتا پھر کوئی زندہ
جو عملاً واحدُ القہار ہی تو اے خدا ہوتا
شفا دیتا نہ گر تو اِن مریضوں دردمندوں کو
دوائیں بے اثر ہوتیں ، مرض بھی لادوا ہوتا
مسلسل گر ترے دربار میں رہتا سوال اپنا
زباں سے تیری رحمت کی ، جواب اس کا سنا ہوتا
نہ بہلاتا اگر دل کو میں تیری یاد سے یارب
نہ جانے پھر میں اب تک کس ہلاکت میں پڑا ہوتا
اگر اُس کا نہ ہوتا عفو اور فضل و کرم تجھ پر
تو پھر کیا حال تیرا اے بشیرؔ بے نوا ہوتا

***

مدح و ثنائے ساقیٔ کوثر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم



پروفیسر حامدی کاشمیری (مرحوم)

نعت النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

کاشف راز عالمیں تو ہے
عارف ذات بالیقیں تو ہے

معجزہ کار ہر قدم تیرا
دشت میں خلد آفریں تو ہے

ہے گزر تیرا آسمانوں میں
یوں تو وابستۂ زمین تو ہے

دیکھیے جس کو گوشِ شنوا ہے
حق کا پیغام دلنشیں ہے

تجھ سے احوال دل نہیں مخفی
میری شہ رگ سے بھی قریں تو ہے

اب بلالے مجھے مدینے میں
آرزوئے دل حزیں تو ہے

***

پروفیسر حامدی کاشمیری (مرحوم)

(۲)

ذرہ ذرہ تیرے رخ سے شمس رو
ہے ہوا تیرے نفس سے مشکبو

تو حد و اختر کا موضوعِ سخن
ہے صبا و گل میں تیری گفتگو

ہوگئے لب تیرے توحید آشنا
ہوگیا ہر ذرہ محوِ ذکر ہو

نعت خوانی کرتا ہے ہر آبشار
تیری مدحت کرتی ہے ہر آبجو

نام تیرا منبعِ انوار حق
نور کے دریا رواں ہیں سوبسو

ظلمت اوہام صد پارہ ہوئی
تو ہے انوار یقیں کی آبرو

رزم میں تو ہے کوہستان جلال
بزم میں صبح بہار رنگ و بو

شب کو تیرے ایک پرتو کے لیے
ماہ و انجم ہیں سراپا جستجو

تو ہے کشاف رموز زندگی
صاحب قرآں بھی تو قرآں بھی تو

ابر رحمت ہے تیرا سایہ فگن
ریگ زاروں میں ترا فیضِ نمو

گھٹ رہا ہے دم خزاں کی گرد سے
کر گیا غارت بہاروں کو عدو

وادیوں میں کوہساروں کی جگہ
بہہ رہا ہے نو نہالوں کا لہو

اک جھلک اپنے رخ خورشید کی
تیرگی میں گم ہوتے بازار و کو

چوم لوں آنکھوں سے تیری سرزمیں
ہے مرے دل میں یہی اک آرزو

***

علامه محمد ولی رازی

'نعت غیر منقوط'----سیرتؐ پر ۴۰۸ صفحات کی غیر منقوط کتاب ''ہادیٔ عالمؐ'' کے مصنف کا ایک اور شاہکار :

ہر دم درود سرور عالم کہا کروں
ہر لمحہ محو روئے مکرم رہا کروں

اسم رسول ہوگا ، مداوائے دردِ دل
صل علیٰ سے دل کے دکھوں کی دوا کروں

ہر سطر اس کی اسوہ ہادی کی ہو گواہ
اس طرح حال احمد مرسل کہا کروں

معمور اس کو کر کے معرا سطور سے
ہر کلمہ اس کا دل کے لہو سے لکھا کروں

گو مرحلہ گراں ہے ، مگر ہو رہے گا طے
اسم رسول سے ہی درِ دل کو وا کروں

ہر دم رواں ہو دل سے درودوں کا سلسلہ
طے اس طرح سے راہ کا ہر مرحلہ کروں

دے دوں اگر رسول مکرم کا واسطہ!
دل کی ہر اک مراد ملے ، گر دعا کروں

اس کے علاوہ سارے سہاروں سے ٹوٹ کر
اللہ کے کرم کے سہارے رہا کروں

ہو کر رہے گا سہل ، ہر اک مرحلہ کڑا
اللہ کے کرم کا اگر آسرا کروں

اردو کو اک رسالۂ الہام دوں ولی
لوگوں کو دورِ ہادیِ عالم عطا کروں

پروفیسر ڈاکٹر ریاض مجید
فیصل آباد، پاکستان

نعت

تیرے احسان کو اے میرِ اممؐ بھولے ہوئے
کیسے زندہ ہیں؟ تری یاد کو ہم بھولے ہوئے

اپنی خواہش کو بنا بیٹھے ہیں اپنا معبود
اپنے مقصد کو ہیں ہم اہلِ حرم بھولے ہوئے

حرصِ دنیا کے اندھیروں میں ہی سرگرمِ ہوس
حیف صد حیف! تراؐ نورِ قدم بھولے ہوئے

حبسِ ماحول کے اور قحطِ ہوا کے شاکی
شکرِ انفاس کے دینار و درم بھولے ہوئے

ڈوبتے جاتے بھی ہم کرتے ہیں تنکوں کی تلاش
زندگی کرنے کا مضبوط بھرم بھولے ہوئے

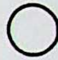
جگ ہنسائی کا سبب، اپنے سب اہلِ منصب
عِلم داں عِلم، عَلَم دار عَلَم بھولے ہوئے

اصل سے کٹ کے ترےؐ حکم کی برکت سے پرے
در بدر پھرتے ہیں پیغامِ حرم بھولے ہوئے

عبث آلامِ زمانہ کی شکایت ہے ریاضؔ
خود پہ جو کرتے ہیں، ہم ہیں وہ ستم بھولے ہوئے

***

لالہ صحرائی



چاند سورج ترے ، ہر ایک ستارہ تیرا
ظلمتِ دہر میں ہر سو ہے اجالا تیرا

گو ترے عہدِ مبارک سے رہا ہوں محروم
تیری سیرت میں نظر آتا ہے چہرہ تیرا

تیری امت ، تری نسبت کے شرف سے زندہ
تیری نکہت سے مہکتا رہا صحرا تیرا

معجزہ تیری نبوت کا ہے کتنا روشن
یعنی ہے مصحفِ قرآں ، یدِ بیضا تیرا

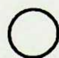
چاہیے خیر کے ایوان کی تعمیر اگر
کام اس کام میں دیتا ہے سراپا تیرا

شبِ دنیا میں ضیا تیری ہے ، اے ماہِ عربؐ
فرش سے عرش تلک طاری ہے ہالہ تیرا

شعر لکھتا ہوں تری نعت کا ، جب بھی آقاؐ
جھلملاتا ہے مرے ذہن میں روضہ تیرا

***

پروفیسر اقبال عظیم (مرحوم)



حالِ دل کس کو سناوں آپؐ کے ہوتے ہوئے
اور دَر پہ کس کے جاوں آپؐ کے ہوتے ہوئے

میرے تو سب کچھ ہی آقا آپؐ ہیں ، صرف آپؐ ہیں
اور لو کس سے لگاوں آپؐ کے ہوتے ہوئے

میرے دکھ کو اور کوئی چارہ گر سمجھے گا کیا
زخمِ دل کس کو دکھاوں آپؐ کے ہوتے ہوئے

میں کسی حاتم کے آگے اک سوالی کی طرح
ہاتھ کیوں پھیلانے جاوں آپؐ کے ہوتے ہوئے

میرے تو دکھ درد کے واحد مسیحا آپؐ ہیں
اور میں کس کو بلاوں آپؐ کے ہوتے ہوئے

میں بہت شرمندہ ہوں اپنے گناہوں پر مگر
یہ حقیقت کیوں چھپاوں آپؐ کے ہوتے ہوئے

جو ستم مجھ پر ہوئے ہیں وقت کے ہاتھوں حضورؐ
اور میں کس کو بتاوں آپؐ کے ہوتے ہوئے

میرے لہجے کی تڑپ کو اور پہچانے گا کون
نعت کس کو جا سناوں آپؐ کے ہوتے ہوئے

آپ کا اقبال میرے ساتھ ہے تو فکر کیا
رنجِ محشر کیوں اٹھاوں آپؐ کے ہوتے ہوئے

ادیب رائے پوری
کراچی، پاکستان



کیا شان ہے شانِ خیرِ بشر ، اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الکَوثَر
رحمت نے پکارا خود بڑھ کر ، اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الکَوثَر

کب حق نے گوارا فرمایا، دیکھے وہ، ملالِ پیغمبر
جبریل کو بھیجا دے کے خبر ، اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الکَوثَر

آئی جو صحابہ تک یہ خبر ، کفاروں سے بولے خوش ہوکر
اب لاؤ کوئی ایسا لکھ کر ، اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الکَوثَر

یاقوتِ یمن نقطہ نقطہ ، الفاظ ہیں ، گوہرِ ناسُفتہ
الماس کی قاشیں زیر و زبر ، اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الکَوثَر

یہ آیت ڈالی پھولوں کی، یہ نقطے قطرے شبنم کے
اعراب زر و تشدید و ثمر ، اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الکَوثَر

ہر لفظ مئے عرفاں کی قدح ، ہر حرف کی رنگت قوسِ قزح
ہر حرف کا چہرہ شمس و قمر ، اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الکَوثَر

جس دل کو تلاشِ تسکیں ہو ، مجروحِ ستم ہو، غمگیں ہو
لازم ہے پڑھے وہ شام و سحر ، اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الکَوثَر

***

علیم صبا نویدی

چینئی (تامل ناڈو)

○

نعتِ احمدؐ کا سفر شاداب ہے
مل گئے ہیں آپؐ سر شاداب ہے

بھیک ہے یہ آپؐ کے دربار کی
دامن حسن نظر شاداب ہے

ہے معطر جس میں احمدؐ کی شبیہہ
وہ وظائف شجر شاداب ہے

جس کی منزل آپؐ ہی بس آپؐ ہیں
فکر کی وہ رہ گذر شاداب ہے

آپؐ ہی کی دین میری شاعری
آپؐ سے فن کا ثمر شاداب ہے

***

جمالِ حبیب ﷺ

زمیں، چاند، سورج، فلک سجدہ ریز
ہواؤں کے دامن میں کیف و طرب
بہاروں کے سرمست میں روز و شب
گلستاں ہے جنت بداماں نصیب
درخشاں ہے ہر سو، جمالِ حبیبؐ
حیات آفریں ذہن و دل کا جہاں
معطر، مناظر، منور سماں
کہ رحمت ہے ہر چیز پر جلوہ ریز

***

علیم صبا نویدی

○

سانیٹ کے فارم میں

سلام انؐ سے جو کون و مکان کا نور بنے
سلام انؐ پہ جو منبع ہیں زندگانی کا
سلام انؐ پہ جو ماخذ ہیں شادمانی کا
سلام انؐ پہ جو ہیں جسم و جاں کا نور بنے

.....

سلام انؐ پہ جو مخزن ہیں لطف رحمت کا
سلام انؐ پر جو گوہر ہیں نیک نامی کا
سلام انؐ پر جوہر ہیں خوش کلامی کا
سلام انؐ پہ جو خورشید ہیں نبوت کا

.....

سلام انؐ پہ جو ایمان کی تجلی ہیں
دل و نگاہ کی، کونین کی تسلی ہیں
سلام انؐ پہ جو آئینہ ہیں خدائی کا
جمالِ ذات مقدس کی رونمائی کا

.....

سلام انؐ پہ جو محبوبؐ ربِ عالم ہیں
سلام انؐ پہ جو بعدِ خدا معظم ہیں

○

چار سو ضوفشاں ہیں شاہِ اممؐ
تاجدارِ نصیبِ ارض و سما
خود ہی منزل ہیں، خود ہی راہ نما
حاصلِ دو جہاں ہیں شاہِ اممؐ
دیدہ و دل ہیں انؐ سے نورانی
چاند، سورج میں ہے چمک انؐ سے
دونوں عالم میں ہے مہک انؐ سے
نقش انؐ کا ہے نقشِ لاثانی

انؐ کے آگے ہے سر بسجدہ حیات
ذکر میں انؐ کے محو ہیں سانسیں
جسم و جاں، دل و دماغ اور آنکھیں
دن منور رہے انؐ سے نوری رات

ذرّے ذرّے میں نور ہے انؐ کا
سارا عالم ظہور ہے انؐ کا

○

زمیں پر وہ رحمت کی ضو اوّلیں
افق تا افق نور کی وسعتیں
مبارک قدم چار سو برکتیں
شہؐ دیں کی آمد ہے صد آفریں
منور صدف میں ہوئے ہیں گہر
گلستاں میں خوشبوئیں جاگی ہوئیں
بہاروں کی باہوں میں پھیلی ہوئیں
سفر نیک لمحوں کا ہے معتبر
ہر ایک راستے پر خدائی مہک
نئی منزلیں اور رہبر نیا
پر انوار قرآں کا منظر نیا
زمیں تا فلک کبریائی مہک
یہ سب نورِ شاہِ اممؐ کا ہے فیض
معطر، مبارک قدم کا ہے فیض

***

علیم صبا نویدی

سہ سطری نثری نعتیں

برکات کی یہ راتیں
لمحات عقیدت کے
خوشبوئیں درودوں کی

.....

شہر شہر وحشی لوگ
اور لہولہو چہرے
آپؐ کی ضرورت ہے

.....

آپ روبرو ہیں
میری پتلیوں میں
ہے نور آپ کا

.....

وسعت کائنات میں
میرے نبیؐ کی عظمتیں
نور آور

.....

لے آیا ہوں میں
سبز گنبد کی مہکتی خوشبو
مجھ سے گلے مل لو

.....

ڈوبتا ہوا سورج
چومتا ہے سبز گنبد کو
بڑی عقیدتوں کے ساتھ

.....

آپؐ کی آمد
ظلمتیں کافور
رحمتوں کا ظہور

.....

مسکرا کر آپؐ نے
میری طرف دیکھا
بے خودی چھا گئی

.....

میرا کفن معطر ہے
میری لحد منور ہے
فیض ہے درودوں کا

.....

نام لیوا آپ کا
سربلندی پا گیا
کس قدر مشہور ہے

.....

آپ تشریف لائے
ہے زبان پر درود
دل ہوا آئینہ

.....

میرے باطن
میرے ظاہر میں
آپؐ ہیں عکس فشاں

* * *

مشتاق کاشمیری

سری نگر، کشمیر

(۱)

جہاں ازل سے ابد تلک ہے اسیرِ موئے رسولؐ اکرم
نبیؐ ہے نورِ خدا ، خدا کا جمال روئے رسولؐ اکرم

بہ فیضِ لطفِ خدائے اجمل ، ہے کاشمر کی یہ خوش نصیبی
جگہ جگہ پر سخن کا موضوع بنا ہے موئے رسولؐ اکرم

فلک کے نُوری، زمیں کے خاکی، نثار ہر ہر ادا پہ اُن کی
زُباں پہ انجم کے، مہر و ماہ کے ، ہے آرزوئے رسولؐ اکرم

عجم پریشاں ہوا ہے ، ارضِ عرب کے لیل و نہار گریاں
فغاں جو کشمیر سے اٹھا ہے ، چلا ہے سوئے رسولؐ اکرم

زبانِ خیر البشرؐ سے تمہیں کہا ہے قرآن نے "خیرِ اُمت"
خدا پرستی پہ تیری نازاں ہے آبروئے رسولؐ اکرم

ترا یہ دعویٰ عشقِ باطل ، عبث ہے تیری یہ دینداری
پڑا نہ قلب و جگر پہ تیرے جو عکسِ خوئے رسولؐ اکرم

زمیں منور ہوا کرے گی ، فلک معطر رہا کرے گا
دلوں میں جب تک رہے گی مشتاقؔ ، جستجوئے رسولِ اکرمؐ

***

(۲)

وجہ تخلیقِ مکان و لا مکاں عشقِ رسولؐ
نور مہر و ماہ ضیائے کہکشاں عشقِ رسولؐ
ابتدائے آفرینش بھی رہینِ مصطفیٰؐ
مُنتہائے داستانِ کُن فکاں عشقِ رسولؐ
زندگی کو شاہراہِ جادواں پر لے چلو
جاودانی کے لیے ہے امتحاں عشقِ رسولؐ
بستۂ موئے رسولؐ محترم غیب و شہود
آبروئے حُسنِ خوبانِ جہاں عشقِ رسولؐ
دار پر تصویر عشق مصطفیٰؐ حضرت صہیبؓ
اور انگاروں پہ حبشیؓ کا بیاں عشق رسولؐ
غزوۂ بدر و اُحد میں عشق ہے جلوہ نما
کربلا کے تشنہ کاموں کی اذاں عشقِ رسولؐ
فکر و فن حلقہ بگوشِ مصطفیٰؐ تیرا نہیں
کیا بنائے دِل میں تیرے آشیاں عشقِ رسولؐ
خود بتادے کیا نہیں ہیں مظہر فرعونیت!
پھر بھلا ان رنگ محلوں میں کہاں عشقِ رسولؐ
ہے نہیں شوقِ تلاوت ، فرصتِ صوم و صلوٰۃ
اور پھر دعویٰ تیرا ، ترا گماں عشقِ رسولؐ
پتھروں کا یہ شہر میرا کہ ہو جائے گداز
مانگتا ہوں پتھروں کے درمیاں عشقِ رسولؐ
صدقۂ حُسنِ جمال مصطفیٰؐ ، مشتاقؔ کو
اے الٰہ العالمین دے بے کراں عشق رسولؐ

***

(۳)

فریادِ کشمیر

نحیف و زار ہوں در پر تمہارے یا رسولؐ اللہ
میرا جینا تمہارے ہی سہارے یا رسولؐ اللہ

میرے ڈل[۱] سے، وُلر[۲] سے پھوٹتے ہیں رات کو، دِن کو
جوان و پیر کے خونین فوارے یا رسولؐ اللہ

سدا ڈوبا رہا میں ہوں ندامت کے پسینے میں
برس ہا کسمپرسی میں گزارے یا رسولؐ اللہ

تلاشِ عافیت میں بے حمیّت اپنے دانشور
درِ طاغوت پر دامن پسارے یا رسولؐ اللہ

نہیں کھلتے ہیں میری سرزمین پر، سال ہا بیتے
گلاب و یاسمن کے پھول پیارے یا رسولؐ اللہ

ستمگر نے جلا ڈالے ہمارے کھیت اور کھلیاں
کئے غائب ہزاروں جگر پارے یا رسولؐ اللہ

ہجوم داعیانِ امنِ عالم بارہا دیدم
نہ دیدم تابہ ایندم غمگسارے یا رسولؐ اللہ

(۱) کشمیر کی مشہورِ عالم جھیل ڈل (۲) کشمیر کی مشہورِ عالم جھیل ولر

***

(۴)

نبیٔ مہرباںؐ آئے کہ ختم المرسلیںؐ آئے
قرآنِ محترم لے کر حرا کے شاہ مکیںؐ آئے

جہالت کا اندھیرا چھٹ گیا ہے ، روشنی پھیلی
عرب کی سر زمین سے مصطفےٰ مہرِ مبیں آئے

خلافت کا دِیا منشور بہرِ راحتِ عالم
خوشا اے دل ! قیامِ امن عالم کے امیں آئے

شجر، دشت و جبل ، آبِ رواں ، مانوس سب اُن سے
سجائے فرشِ زیریں نازِش عرشِ بریں آئے

جہاں کی وُسعتوں میں غُلغلہ ہے رات دن اُن کا
سلام اُن پر ، درود اُن پر ، مُرادِ عاشقیں آئے

عروجِ مصطفائی سے ہوئے لوح و قلم ششدر
وہی صُبحِ ازل ، شامِ ابد ، صد آفریں آئے

اسی اعزاز سے مشاقِ اُمت ارجمند ٹھہری
شبِ اسریٰ ، سرِ اقصیٰ ، امامُ المرسلیں آئے

***

پروفیسر ڈاکٹر شفق سوپوری

نیو ائیر پورٹ روڈ، سری نگر، کشمیر



جس نے پُر شوق نگاہوں سے مدینہ دیکھا
عالمِ نور فشانی کا قرینہ دیکھا

جس جگہ خاک پہ رکھے ہیں قدم آقا ؐ نے
اُس جگہ عرشِ معلیٰ کا خزینہ دیکھا

اُس نے روشن کئے ہر دل میں مروّت کے چراغ
میرے آقا ؐ نے کہاں سینوں کا کینہ دیکھا

زخم پھولوں میں بدلنے لگے میرے دل کے
جب سے آقا ؐ نے مرا کھول کے سینہ دیکھا

باخدا خاتمِ انگشتِ فلک میں تاباں
گوہرِ گنبدِ خضریٰ کا نگینہ دیکھا

پیشِ آئینہ ہے تصویرِ مشیّت کا ظہور
کیسا آئینہ پسِ دیدۂ بینا دیکھا

***

(۲)

محمد ﷺ سے ملایا ہے خدا نے
میں سویا تھا، جگایا ہے خدا نے

نبی ﷺ کے نام سے آغاز کر کے
مجھے پڑھنا سکھایا ہے خدا نے

محمد ﷺ کی جو پوچھی شان میں نے
الم نشرح سنایا ہے خدا نے

یہ نورِ مصطفیٰ ﷺ کی ہے رعایت
مجھے جلوہ دکھایا ہے خدا نے

یہ جو خوشبو ہے گیسوئے نبی ﷺ سے
کوئی پردہ اٹھایا ہے خدا نے

چمن کے سب گلوں کو استعارہ
محمد ﷺ کا بنایا ہے خدا نے

نبی ﷺ کے خلقِ اعظم کا ہے احسان
مجھے انساں بنایا ہے خدا نے

بڑی توقیر ہے مجھ کو ، نبی ﷺ کے
کفِ پا پر گرایا ہے خدا نے

***

ڈاکٹر اشفاق انجم

مالیگاؤں، مہاراشٹر

(۱)

سیہ گلیم پہ مقراضِ نور چلنے لگی = وہ چاند غار سے نکلا تو رات ڈھلنے لگی
قدم پڑے ہیں تو افلاک ہوگئے ساکن = زمیں پہ پاؤں رکھا تو زمین چلنے لگی
عرب کے وحشی تمدّن کا افتخار ہوئے = نبیؐ کا فیض ہے صحرا میں ناؤ چلنے لگی
کفِ رسولؐ نے کنکر کو زندگی بخشی = سرابِ دشت میں انگلی سے نہر اُبلنے لگی
نبیؐ کے لمسِ کفِ دست کی بلائیں لوں = کہ سنگ جی اُٹھے آوازِ حق نکلنے لگی
سیاہ خانے میں در آیا آفتاب سا کچھ = پڑھا درود تو اِک روشنی اُبلنے لگی
نبیؐ سے پہلے ہواؤں کا رخ عجیب سا تھا = جو بادبان کھلا تو فضا بدلنے لگی
سنی جو ہادیٔ عالم کے پاؤں کی آہٹ = چٹان کفر کی ہلنے لگی ، ڈھسلنے لگی
نبیؐ کی ذات سے حق کا ظہور ہونا تھا = اسی وسیلے سے اک کائنات ڈھلنے لگی
کسی کے لب سے جو لبیک سن لیا میں نے = تو آنکھیں بھیگ گئیں ، آرزو مچلنے لگی

عجیب نور برستا ہے سبز گنبد پر
پلک لرز گئی انجم نظر پھسلنے لگی

(۲)

یہ عشق نبی ہے یہ عشق خدا ہے = زباں کاٹ دیں تو لہو بولتا ہے
زمیں سر پہ رکھتی ہے نعلین اقدس = نبیؐ کے قدم آسماں چومتا ہے
از آدم تا محشر نبیؐ کی شفاعت = محیطِ دو عالم شہِ دوسرا ہے
یہ اعزاز صدقہ ہے ذاتِ نبیؐ کا = فرشتوں نے آدم کو سجدہ کیا ہے
وہ اوّل وہ آخر وہ ظاہر وہ باطن = انہیں کی خدائی انہیں کا خدا ہے
تجلّی سے جو نور پیدا ہوا ہے = وہی ابتداء ہے وہی انتہا ہے

زیارت ، زیارت ، زیارت ، زیارت
فقیروں کی انجم یہی اِک صدا ہے

(۳)

بہ حضور سرورِ کائنات ﷺ

شہِ مدینہ کے جلووٴں کی آرزو اور میں = گلوں سے، چاند ستاروں سے گفتگو اور میں
تمنّا پا بہ رکاب ہے، گناہ زادِ سفر = لرز رہا ہوں کہ روضے کے روبرو اور میں
لپٹ کے دامنِ اقدس سے خوب رویا جائے = حیا سی آتی ہے یہ حسنِ آرزو اور میں
حضورؐ! کھیل تماشہ ہیں کافروں کیلئے = رگِ حیات سے بہتا ہوا لہو اور میں
میں اپنی پیاس کا دکھڑا کسے سناؤں حضورؐ = سرابِ دشت ہے، ٹوٹا ہوا سبو اور میں
اب ایسے حال میں سجدوں کا حال کیا ہوگا = بدن سے رِستا لہو، حاجتِ وضو اور میں
مری دعائیں طمانچہ ہیں میرے چہرے پر = مجھے بنایا ہے دنیا کی آبرو اور میں!؟
زمینِ غوث، فضائے معین، وشتِ حسین = لہولہان، دھواں دھار، تیز لو اور میں
کرم اے نورِ مجسمؐ! اے رحمتِ عالم = تنی ہے خوف کی چادر چہار سو اور میں

یہ استغاثہ بھی انجم حضور شاہؐ میں رکھ
بکھر رہے ہیں سبھی رنگِ آرزو اور میں

(۴)

اعزاز یہ کسی کو بھی حاصل نہیں ہوا = پھر کوئی آسمان میں داخل نہیں ہوا
افسوس میں کھڑا ہوں سمندر کے اس طرف = ساحل بھی میرے واسطے ساحل نہیں ہوا
دریا، ہوائیں، راستے سب سے مجھے گلہ = میری طلب میں کوئی بھی شامل نہیں ہوا
زم زم نہائیں لوگ کھجوروں کا لطف لیں = میں ایک مشتِ خاک کے قابل نہیں ہوا
آنکھوں کو نور مل گیا ہوتا مگر مجھے = اِک ذرّہ اس زمین کا حاصل نہیں ہوا
وہ روح ہے کہ دونوں جہاں جگمگا اٹھے = وہ جسم ہے کہ سائے کا حامل نہیں ہوا
صدیوں سے پی رہا ہے چراغوں کی روشنی = لیکن اندھیرا آج بھی کامل نہیں ہوا
سورج، ستارے، چاند، فلک بلکہ کائنات = کوئی میرے نبیؐ کے مماثل نہیں ہوا

انجم خدا گواہ بھری کائنات میں
اس مرتبے کا کوئی حامل نہیں ہوا

***

علامہ سید محمد اشرف عاصمؔ اندرابیؒ (مرحوم)

جڈورہ، پلوامہ، کشمیر

○

صاحبِ تاج ہے شاہ معراج ہے
مصطفیٰ ؐ سارے نبیوں کا سرتاج ہے
رہبرِ گُمرہاں ، رحمتِ دو جہاں
جس طرح کل وہ تھا ، اُس طرح آج ہے
دینے والا خدا اور قاسم ہے وہؐ
ہر کوئی کملی والے کا محتاج ہے
نائبِ حق وہ تھے ، نائب حق ہیں وہ
فرش سے عرش تک اُنؐ ہی کا راج ہے
کون ہے ، ہمسری کا جو دعوی کرے
سارے عالم کا تو دُرۃ التاج ہے
راندۂ حق وہ ہے ، راندۂ خلق بھی
تیریؐ سرکار سے جس کو اخراج ہے
ناؤ گرداب میں آئی اُمت کی ہے
گُھپ اندھیرا ہے اور زورِ امواج ہے
مونس و یاورِ دُور افتادگاں
تیرے ہاتھوں میں امت کی اب لاج ہے
چشم مازاغ سے دیکھ آقا ذرا
ساری دنیا نگاہوں کی محتاج ہے
تجھ کو دیکھوں اگر عالم خواب میں
تیرے رب کی قسم میری معراج ہے
کُوئے جاناں ہے ، عاصمؔ چلو سر کے بل
خاک اِس کُو کی سر کا مرے تاج ہے

***

ڈاکٹر تابش مہدی

ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی

○

ہم کو ہمارے رب نے نہ پوچھو کہ کیا دیا؟
یہ کم نہیں کہ اس نے ہمیں مصطفیٰ دیا

قرآن اور رسول کی صورت میں اے خدا!
صد شکر ہم کو تو نے دُرِ بے بہا دیا

حرص و ہوس میں ڈوبی ہوئی کائنات کو
اے ذوالجلال! تو نے رسولِ ہدیٰ دیا

احسان مصطفیٰ کا یہ کتنا عظیم ہے
انسان کو اللہ سے، اس کے ملا دیا

ہم کیا کریں اور کیا نہ کریں اس جہان میں
سب کچھ رسولِ پاکؐ نے ہم کو بتا دیا

تشریف لا کے ختمِ رسالت مآبؐ نے
پیغام حق کا سارے جہاں کو سنا دیا

افسوس جو سبق تھا پڑھایا رسول نے
اس کو نئے زمانے نے یکسر بھلا دیا

صدیقؓ ہوں، عمرؓ ہوں کہ عثمانؓ و بوترابؓ
سب نے ہمیں خلوص و وفا کا پتا دیا

تابش! یہ قولِ حضرتِ ساجدؔ رسولؐ نے
تفریقِ رنگ و نسل کو یکسر مٹا دیا

***

○

بی بی تابش مہدی

امام الانبیا کا جب بھی میرے لب پہ نام آیا
ہوا محسوس جیسے کوثر و زم زم کا جام آیا

درود پاک میں پہلو نمایاں حمد کا بھی ہے
"درود پاک کا یہ مشغلہ بھی خوب کام آیا"

محبت مصطفیٰ ﷺ سے ہے تو گویا ہے خدا سے بھی
یہ فرمان الٰہی ہم گنہ گاروں کے کام آیا

زمانے کا کوئی آئین ہم سر ہو نہیں سکتا
مرے سرکارؐ کے ہم راہ اک ایسا نظام آیا

نہیں خوش قسمتی میری تو آخر اور یہ کیا ہے؟
کہ لب پر آپؐ کا اسم گرامی صبح و شام آیا

فصاحت اور بلاغت کی نہیں آئی مثال اب تک
ذریعے سے مرے سرکار کے ایسا کلام آیا

مسرت کی مری حد ہی نہ تھی جب نعت خوانی کو
کسی بھی جلسۂ سیرت کی جانب سے پیام آیا

یہ پوچھے حضرت صدیقؓ یار غار سے کوئی
لعاب پاک غارِ ثور میں کس طرح کام آیا

عطائے کبریا فاروق اعظمؓ ہی کی حکمت سے
مدارس اور عدالت کا مکمل اک نظام آیا

سلام اے حضرت عثمانؓ، اے دامادِ پیغمبر
تمھارا مال دینِ مصطفیٰ ﷺ میں خوب کام آیا

علی مرتضیٰ ، شیر خدا ، خویش نبی بھی ہیں
جو لشکر ان سے ٹکرایا ، وہ بے نیل و مرام آیا

تمنا ہے کہیں یہ خلد والے دیکھ کر مجھ کو
وہ دیکھو نعت گوئے سید خیر الانامؐ آیا

میر غلام رسول نازکیؒ (مرحوم)

بانڈی پورہ، کشمیر



اللہ اللہ ! ایں عنایت اے رسول ہاشمیؐ
سر نہادم زیر پایت اے رسول ہاشمیؐ

کاروان نسل آدم خفتہ و آشفتہ بود
خاست از بانگ درایت اے رسول ہاشمیؐ

سایہ گستر شو بحشر ہم بدُنیا از کرم
کُن مُہمانم کفایت اے رسول ہاشمیؐ

ناز ہا دارم بریں دل کاندرو ساکن نشُد
ہیچ محبوبے سوایت اے رسول ہاشمیؐ

یک نگاہے کیمیا سازے کہ گردد مُستنیر
جانم از شوق لقایت اے رسول ہاشمیؐ

ارمغاں آوردہ از حق کہ ماند تا ابد
نُسخۂ رُشد و ہدایت اے رسول ہاشمیؐ

ترجمہ:-

۱۔اے رسول ہاشمیؐ آپؐ کی اس عنایت پر میں قربان جاؤں کہ آپؐ نے مجھے اپنا سر آپؐ کے مقدس پاؤں کے نیچے رکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔
۲۔حضرت آدم کی نسل جو سوئی ہوئی اور پریشان حال تھی، آپؐ کی بانگ درا سے بیدار ہوئی۔
۳۔اے میرے محبوبؐ! اپنے کرم کا سایہ دنیا اور محشر میں مجھ پر ڈالے رکھیے اور میری تمام مشکلات میں میری دستگیری فرمایئے۔
۴۔یارسول ہاشمیؐ! مجھے اپنے اس دل پر ناز اور فخر ہے کہ آپؐ کے بغیر یہ کسی پر فدا نہ ہوا۔
۵۔یارسول اللہؐ! ایک کیمیا ساز نگاہ کرم مجھ پر ڈالیے کہ میری روح آپؐ کے شوق دیدار سے منور ہو جائے۔
۶۔اللہ سبحانہ تعالیٰ کی جانب سے یہ منادی ہوئی ہے کہ آپ کا لایا ہوا پیغام ابد تک رشد و ہدایت کا نسخہ ہے۔

***

ڈاکٹر سیّد شبیب رضوی
رعناواری، سرینگر

(۱)

ہو سلام اُس پہ جو ہے حق کو بچانے والا — خوابِ غفلت سے زمانے کو جگانے والا
ہو سلام اُس پہ جو محشر میں ہے آنے والا — بارِ اُمت کی شفاعت کا اٹھانے والا
ہو سلام اُس پہ جو ہے مالکِ حوضِ کوثر — جام پیاسوں کو محبت سے پلانے والا
ہو سلام اُس پر جو ہے فتح و ظفر پا کر بھی — اپنے دشمن کو کلیجے سے لگانے والا
ہو سلام اُس پہ جو طائف کے ہر اک پتھر پر — خونِ دل سے گل و لالہ ہے اُگانے والا
ہو سلام اُس پہ جو ہے محفلِ عرفانی میں — عشق کے بجھتے چراغوں کو جلانے والا
قل ھو اللہ احد لکھ کے دل انسانوں پر — نقش سب جھوٹے خداؤں کے مٹانے والا
دے گیا درس کہ دین اور یہ دنیا کیا ہے — نار سے نور کی جنت میں بلانے والا
نہ مصیبت سے ڈرا اور نہ عداوت سے دَبا — نوعِ انسان کے مقدر کو بنانے والا
چھا گیا اپنی صداؤں سے سرِ فرش و فلک — کوہِ فاران سے قرآن سنانے والا
پا گیا ہر دلِ مومن سے رسالت کا خراج — عشق بن کر دلِ مومن میں سمانے والا
صرف اپنوں پہ نہیں اُس کے کرم کا سایہ — وہ تو غیروں میں بھی ہے پیار لٹانے والا
پیارے محبوبِ خدا یعنی محمدؐ کے سوا — اور کوئی نہیں معراج پہ جانے والا
نورِ حق، رہبرِ کُل، ختمِ رسل، خُلقِ عظیم — اور ہے کون بھلا رُتبے یہ پانے والا

***

غیر منقوط قطعاتِ نعت

در مدحِ رسولِ اکرم ﷺ

(۲)

مہر ہو، رحم ہو، دلاسا ہو — اے محمدؐ ہمارے مولا ہو
سارے عالم کے داد رَس ہوکر — سارے عالم کا اک سہارا ہو
دردِ دل کی دوا ہو اے مولا — سامعِ ہر دُعا ہو اے مولا

کوئی اللہ کے سوا ہے اگر
اک مرا آسرا ہو اے مولا

دل سے اُٹھی صدا ہمارے رسولؐ
عالمِ مُدعا ہمارے رسولؐ

مرگ کی ہے گھڑی، دم اُکھڑا ہے
حل کرو مرحلہ ہمارے رسولؐ

وہ امامِ رُسُل، رسولِ ہُدیٰ
وہ ہے سردار ہر دو عالم کا

حاکمِ ملکِ دل کہو اُس کو
اُس کی سرکار ہے عطا ہی عطا

وہ ہمارا رسولِ اکرمؐ ہے
اُس کی دلدادگی مُسلّم ہے

وہ ہر اک کو گلے لگائے رہا
اُس کا دلدار سارا عالم ہے

اُس کے ہم اور وہ ہمارا ہے
وہ ادا ہے کہ دل کو وارا ہے

وہ ہے وحیِ اللہ کا حامل
حکم اُس کا ہر اک گوارا ہے

اُس رسولِؐ گرامی کو ہو سلام
اور درود و دُعا مع الاکرام

وہ سراسر ہمارا ہمدم ہے
اور ہمدرد و ہم صدائے عوام

داعیٔ و سالکِ رہِ اسلام
حامیٔ علم و ماحیٔ اَوہام

اُس کا وعدہ ہے صُلحِ ملک و ملل
وحیِ اللہ اُس کا سارا کلام

***

(۳)

اک مردِ حق کی گرمیٔ تابِ نظر ہے یہ
سینہ فگار شب نے دکھایا سحر ہے یہ

تعظیم میں بھی جذب و کشش کا اثر ہے یہ
جھکتی ہوئی جبیں نے کہا اُن کا در ہے یہ

اک جھونپڑی سے آتی تھی تسبیح کی صدا
خود وحیِ حق نے ڈھونڈلیا کس کا گھر ہے یہ

قرآن جس کو کہتے ہیں ہم آپ اور سب
اللہ کا قصیدۂ خیر البشرؐ ہے یہ

ہر سنگدل کو نرم کیا موم کی طرح
غارِ حرا کی گرم ہوا کا اثر ہے یہ

اسلام کا شجر تو بہت سایہ دار ہے
صحرا میں آب یاری کا اچھا ثمر ہے یہ

پل میں گئے بھی آئے بھی، معراج بھی ہوئی
یکتا مسافر اور انوکھا سفر ہے یہ

محشر میں آئیں گے وہ شفاعت کے واسطے
خوش ہے بہت شبیبؔ کہ اچھی خبر ہے یہ

***

(۴)

اللہ اللہ ہے عجب شانِ رسولِ عربی — دل ہے سو جان سے قربانِ رسولِ عربیؐ
تابشِ وقت سے گھبرا کے ٹھکانا ڈھونڈے — سارا عالم تہہِ دامان رسول عربیؐ
کہکشاں اور مہ و خورشید ہمیشہ سے ہیں — خوشہ چین رُخِ تابانِ رسول عربی
سایہ باغ جناں مہکا خوشی سے جھوما — دیکھ کر گیسوے پیچانِ رسولِ عربیؐ
غنچہ و گل حسنینؓ اور علیؓ و زہراؓ — جن سے تازہ ہے گلستانِ رسولِ عربیؐ
وحی و تنزیل سے پُر نور ہوا ہے برسوں — مرکزِ قُدس، شبستانِ رسولؐ عربی
دینِ کامل ملا بھٹکے ہوئے انسانوں کو — تا قیامت ہے یہ احسانِ رسولؐ عربی
درسِ اخلاق و ادب پا کے اسی ڈیوڑھی سے — ساری دنیا ہے دبستانِ رسولِؐ عربی
آؤ اے مومنو قسمت کے برابر لے لو — عام ہے کوثرِ فیضان رسولِ عربی

***

(۵)

تری حدیثیں، تری حق بیانیاں شاہا — کلامِ رب کی ہے سب ترجمانیاں شاہا
امانتوں کی طرح آج بھی ہیں صدیوں سے — ساعتوں میں تری تر زبانیاں شاہا
ترے عمل، ترے افکارِ زندگانی نے — دل و دماغ کو دیں شادمانیاں شاہا
بہ نام حضرتِ معبود، لوحِ ہستی سے — مٹادیں تو نے بتوں کی کہانیاں شاہا
بنی ہوئی ہیں ثمرور ہر ایک موسم میں — وہ دشت دشت تری باغبانیاں شاہا
ہر اک محاذ، ہر اک مرحلے پہ ہمت سے — ملی ہیں تجھ کو بہت کامرانیاں شاہا
خدا شناسی و راہِ ہُدا و خُلقِ عظیم — ترے کرم کی ہیں یہ سب نشانیاں شاہا
حقیقت ایک ہے اور نام دو ہیں رحمت کے — خدا کا فضل، تری مہربانیاں شاہا
وہ دن بھی آئے گا پہنچے گا تیرے در پہ شبیبؔ — یقیں بنیں گی مری خوش گمانیاں شاہا

***

پروفیسر محمد حیات عامر حسینی

شعبۂ فلاسفی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

(۱)

موج نور جاوداں رقص سرور — آفتاب ضوفشاں بزم طہور
سازمانِ جاوداں فرمودہ اند — کنت کنزاً مخفیً رمز ظہور
یک شب رقص سراپا دیدہ ام — بیش گاہ مصطفیٰؐ صد کوہِ طور
داستانِ جانِ جاں جانِ زمن — داستانِ ہل اتیٰ روح شعور
رازدانِ معنیٔ نورِ الست — نقطۂ قالو بلیٰ اصل شعور
اے ردائے نوریاں نور ہدیٰ — اے صدائے جاوداں عین ظہور
یک نگاہِ رحمتش بر عاصیاں — اے کریم و ساقیٔ رود طہور
اے امین و محور بساز انا — اے رئیس مرسلاں اصل زبور

***

(۲)

آں امام الانبیاء و مرسلینؑ — جانِ رحمت، رحمۃٌ للعالمین
مبدۂ تخلیق و وجہِ کائنات — روح بزم عارفین و عاشقین
آں شفیع المذنبین ، بحر کرم — آں ردائے نوریان و متقین
وردۂ بستان آں حضرت خلیلؑ — منبع جود و کرم نور مبین
ساز دوران و حکیم شش جہات — مجلس آں رحمت و خیر متین
تشنگی آموختم از کربلا — راستی ، نور عمل از صادقین
یک نگاہ آں فصیل کائنات — آں رئیس و صادق خیر و امین
گفتۂ او گفتۂ ربّ جلیل — نام نامش رحمۃٌ للعالمین
ساقی و عالی جناب و محترم — فاتح و خیر الوریٰ و نازنین

***

(۳)

اے نگاہ مصطفیٰؐ اے جانِ جاں یک نگاہ رحمتش بر عاصیاں
علم و آثار و ادب بے کار شد در زماں احوال ما کار زیاں
سائلم بے کار و بیمارم ببین چارہ کن اے چار سازِ سائلاں
آمدم بر آستانش یا نبیؐ پاس للّٰہ رحم کن بر ناتواں
یک نگاہش جاودانی می دہد اے پناہ عاشقان و عارفاں

....

خدا داند مقام کبریائی سرِ بطحیٰ مقام مصطفائی
اگر عاشق شود آتش سراپا اشارش فاش کروند بادشاہی
اگر خواہی کلیمی بازیابی فدا شو بر سریر مصطفائی
اگر خواہی حصول اصل ہستی جدا شو از فریب کجکلاہی

***

(۴)

ردئے پاک بینی موج کوثر صدائے خوش نشینی عود و عنبر
حصار نور یزداں نقش مومن سرود ساز یزداں رقص دلبر
ہدیث ساربانی بزم شاہی حدیث رخت جانی رقص پیکر
فریب ساز و ساماں راز ہستی نوائے اشک بینا ساز اکبر
سرود بزم گیتی خود فریبی سرود رقص ہستی اصل حیدر
پناہ عاشقان و نور یزداں محمدؐ روح رقص و ساز و پیکر
اگر خواہی حیات جاودانی بیابا مجلس سلمان و بوذرؓ
"نشان مرد مومن باتو گویم" ردائے تشنہ کامی، فرش حیدر

***

خورشید بسمل
تھنہ منڈی، راجوری (جموں وکشمیر)

○
(۱)

کمال جینا ہے ، جینا ہو گر مدینے میں
ہر ایک درد کا درماں ملے مدینے میں
مدینہ آکے یہ احساس اور گہرایا
جو چند روز جئے ، وہ جئے مدینے میں
تھکا ہوا تھا میں آزارِ زندگی سے بہت
بہت سکون ملا دوستو مدینے میں
مدینے تیری محبت کا ہوگیا ہوں اسیر
ہیں پاؤں سوئے وطن اور دل مدینے میں
اک آرزو کو لئے جارہا ہوں طیبہ سے
جیوں کچھ اور اگر تو جیوں مدینے میں
مدینے والے تری رفعتوں کا ذکر محال
یہ راز مجھ پہ کھلا آکے بس مدینے میں
مدینہ شہر سے اب کوچ کرنے والا ہوں
ابھی سے درد سوا ہوگیا مدینے میں
فقط خدا سے یہی آرزو کرے بسملؔ
مدینہ مجھ میں رہے اور میں مدینے میں
(۲۱ر جنوری ۲۰۲۰ء)

***

(۲)

دل کے تو بدلتے ہیں حالات مدینے میں
کچھ اور ہی ہوتے ہیں جذبات مدینے میں
اللہ کی عنایت سے میں دوڑا چلا آیا
آنے کی نہ تھی ورنہ اوقات مدینے میں
اے سوختہ جاں لوگو! طیبہ میں چلے آؤ
رحمت کی برستی ہے برسات مدینے میں
گر قربِ محمد ﷺ کا تحفہ تو مجھے دیدے
مل جائے گی جنت کی سوغات مدینے میں
وہ جس کی ثنا خواں ہے خود شانِ خداوندی
جس سے ہے جہاں روشن وہ ذات مدینے میں
بسملؔ سے نہ پوچھو تم رودادِ سفر یارو
تم کو بھی خدا دے دے اک رات مدینے میں

***

(۳)

میرے آقا بہار لے آئے — رنگ اجلے ہزار لے آئے
رشک جنت بنادیا صحرا — کیا فضا خوشگوار لے آئے
جاں کے دشمن کو بھی اماں دیدی — کتنا اچھا شعار لے آئے
دے کے قرآن کا ہمیں تحفہ — نعمت شہکار لے آئے
گلہ بانوں کو آگہی بخشی — رفعتیں بے کنار لے آئے
دور دختر کشی کا ختم ہوا — بیٹیوں کا وقار لے آئے
حق نے بخشا عروج لاثانی — آسمانوں سے پار لے آئے
بند مٹھی میں بولتے پتھر — بت پرستوں کی ہار لے آئے
درِ اقدس پہ حاضری بسملؔ — ساعت یادگار لے آئے

***

ذوالفقار نقوی
سینئر لیکچرار انگریزی، پونچھ (جموں وکشمیر)

غیر منقوط نعت

دل کے لہو سے مدحِ محمد لکھا کرو
دل کھول کر رسول سے دل کی کہا کرو

دل کی لگی ہے دل کو مسلسل لگی ہوئی
اے سرورِ امم کوئی دل کی دوا کرو

اسمِ رسول آئے، کوئی ہمکلام ہو
دل سے سلام کر کے اے لوگو اٹھا کرو

گمراہی ڈس رہی ہے دلوں کو سحر مسا
ادراک و آگہی مرے مولا عطا کرو

اکمل ہے وہ، کمالِ الٰہی کا عکس ہے
اس عکسِ دائمی کو سروں کی ردا کرو

***

ذوالفقار نقوی

(۲)

لکھ نہیں سکتا مگر نعتِ نبی لکھتا ہوں
دے دیا اُس نے ہنر نعتِ نبی لکھتا ہوں

زیبِ قرطاس کیا نامِ محمد میں نے
ہو گئی اُن کو خبر نعتِ نبی لکھتا ہوں

عازمِ دیدِ محمد جو کبھی ہوتا ہوں
رکھ کے جالی پہ نظر نعتِ نبی لکھتا ہوں

اُن کی مدحت کے سوا کچھ بھی نہیں دامن میں
ہوں گے الفاظ گہر نعتِ نبی لکھتا ہوں

وہ محمد کے تصدق میں مجھے بخشے گا
روز با دیدۂ تر نعتِ نبی لکھتا ہوں

وہ ہے ممدوحِ خدا، میری جسارت دیکھو
گو کہ ہوں ادنی بشر نعتِ نبی لکھتا ہوں

ختم ہو جاتے ہیں آلام شبِ ظلمت کے
جب کبھی وقتِ سحر نعتِ نبی لکھتا ہوں

بہرِ حسنین و علی اور طفیلِ زہرا
ہو گیا زادِ سفر نعتِ نبی لکھتا ہوں

***

(۳)

دل ہوا محوِ ثنا آنکھ میں آنسو آئے
بہرِ دیداد مچلتا ہے نہ قابو آئے

آ گیا نامِ محمد جو زباں پر میری
کھل اٹھا سارا چمن آپ کی خوشبو آئے

میرے مولا ہو ترا مجھ پہ کرم اتنا سا
گنبدِ روضۂ اقدس کو نظر چھو آئے

میری ہر سانس چلے بہرِ محمد یا رب
میرے اطوار سے بس ایک وہی بو آئے

آخری سانس مدینے کی گلی میں نکلے
بہرِ امداد مصیبت میں فقط تو آئے

***

ذوالفقار نقوی

(۴)

درِ رسول پہ گزرے، تمام ہو جائے
مری حیات محمدؐ کے نام ہو جائے

ہے در پہ ساقئ کوثر کے نوک خم اِس کی
مرے قلم کو عطا کوئی جام ہو جائے

پڑھوں درود لکھوں نعتِ شافعِ محشر
کہ روزِ حشر کا کچھ انتظام ہو جائے

نہ جس میں ذکر ہو تیرے حبیب کا یا رب
ہر ایک سانس وہ، مجھ پر حرام ہو جائے

جو چھو کے آئی ہے بادِ صبا ترا روضہ
اے کاش مجھ سے کبھی ہمکلام ہو جائے

پڑھوں نماز تو بس روبرو محمد ہوں
مرے شعور میں ایسا قیام ہو جائے

پیامِ امن ہے اُسوہ ہمارے آقا کا
طریقہ رحمتِ عالم کا عام ہو جائے

***

(۵)

اے رسولِ مکرّم کرم ہو کرم
لے کے جاؤں کہاں اپنے رنج و الم

در پہ حُر کی طرح سر جھکائے ہوئے
جسم لرزاں ندامت سے ہے چشم نم

آپ کو ہے خبر میرے احوال کی
بارِ عصیاں سے اٹھتے نہیں اب قدم

آگہی دور بستی سے ہے اے شہا
بے کلی ، بے بسی، گمرہی ہے بہم

کوئی یاور نہیں ، نہ عصائے عمل
منہ ہیں کھولے ہوئے اژدہے دم بدم

کوئی سورج نہ تارہ نہ چندہ کوئی
نعت خوانی کے بدلے نہ لوں جامِ جم

ذوالفقارِ حزیں کی ہے بس یہ دعا
وقتِ آخر مرے سامنے ہو حرم

***

ذوالفقار نقوی

(۶)

انکار کی سبیل کر اقرار لے کے آ
اپنی زبان پر کوئی گفتار لے کے آ

طاہا کا جس میں رنگ ہو، خوشبوئے ہل اتا
واللیل کے بیان سا معیار لے کے آ

جس میں خریدے جائیں مودّت کے پھول بس
سودائے عشق میں وہی بازار لے کے آ

الحاد سر اٹھائے ہے دہلیز پر کھڑا
ایمان میں بجھی ہوئی تلوار لے کے آ

نخوت کے پیڑ کیوں اُگیں ارضِ خلوص میں
احمد کے در سے غنچۂ ایثار لے کے آ

سب ساکنانِ قصر ہیں بے کل، تو چھوڑ دے
اس بوریا نشین سا مختار لے کے آ

ہیں زلزلوں کے درمیاں خستہ عمارتیں
آقائے نامدار سا معمار لے کے آ

ظلمت کدے میں روزنِ ایمان کھول دے
احمد کے در سے مطلعِ انوار لے کے آ

رضوان دیکھتا ہے تری رہ پہ ذوالفقار
خلقِ رسول ، حیدری کردار لے کے آ

***

(۷)

صلّوا کی صاد میں نہاں فرمانِ نعت ہے
صلِ علیٰ کے ورد میں اعلانِ نعت ہے

اس کِشتِ لالہ زار میں مصروف ہیں مَلک
ہر ذی شعور دیکھئے دہقانِ نعت ہے

مہکے ہوئے ہیں ذرّے رَفَعنا کے ذکر سے
زِ ارض تا ثریا خیابانِ نعت ہے

ہے نورِ مصطفیٰ سے زمانے میں روشنی
سب کائنات شمعِ شبستانِ نعت ہے

محشر میں ہو گی پرسشِ اعمال جس گھڑی
کہہ دوں گا میرے پاس یہ دیوانِ نعت ہے

کر کے وضو درود سے، فکریں سنوار کر
لفظیں سجا رہا ہوں کہ میدانِ نعت ہے

والنجم و ھل اَتی سے مودّت کے باب تک
قرآن حرف حرف دبستانِ نعت ہے

صبح و مسا نہ کیوں رہوں سجدے میں ذوالفقار
ہر آن میری فکر پہ بارانِ نعت ہے

***

پروفیسر محمد اسداللہ وانی

علامہ اقبال لین، سنجواں روڈ، بٹھنڈی، جموں

نعت

محمدؐ کا زباں پر میری یارو جب بھی نام آیا
نگاہیں جھک گئیں لب پر درود آیا، سلام آیا

تری شیریں کلامی میں کسی کو کب کلام آیا
زمانے میں سوا تیرے جو آیا، نا تمام آیا

مٹیں سب کلفتیں میری ، بجھی سب تشنگی میری
محمدؐ مصطفیٰ کے در پہ جب میں تشنہ کام آیا

خدا کے میہماں بن کر مکاں سے لا مکاں پہنچے
خدا کے شوق کا روح الامین لے کر پیام آیا

یہ شب معراج کی شب ہے سنو اے عرش والو تم
دل و دیدہ ہوں فرشِ راہ ، دنیا کا امام آیا

فلک! طائف کی گلیوں کا وہ منظر یاد ہے تجھ کو
دعا دیتا ہوا بستی سے جب عالی مقام آیا

بشر آخر بشر ٹھہرا ، خدا کی تو خدا جانے
فرشتوں میں ہے غُل سوئے فلک خیرالانام آیا

یہاں تو بے کلی ہر دم ستاتی رہتی ہے مجھ کو
سکونِ دل کی خاطر میں بھی لے کر یہ سلام آیا

مبارک ہو اسدؔ تجھ کو یہ رتبہ جو ہوا حاصل
محمدؐ کے ثنا خوانوں میں اب تو تیرا نام آیا

***

سید مقصود علی شاہ

برمنگھم، برطانیہ



لفظ، خاموش ہے اور دیدۂ حیرت چُپ ہے
مرے محبوب مرا صیغۂ مدحت چُپ ہے

سوچتا ہوں مَیں مدینے کا سفر کیسے کروں
دل دھڑکتا ہے مگر جانے کی ہمت چُپ ہے

ایک تبریک کی صورت میں کہی، جب بھی کہی
ورنہ یہ نعت ہے اور ساری بلاغت چُپ ہے

روبرو آپ کے پھر کون رکھے حرفِ نیاز
جذبِ اظہار تو دیوار کی صورت چُپ ہے

نطق ویسے تو محبت کی ہے تطبیق، مگر
چہرۂ مصحفِ زندہ کی تلاوت، چُپ ہے

حیطۂ فہم سے آگے کا سفر ہے معراج
اور معراج سے آگے کی حقیقت چُپ ہے

ایک پتھرائی ہوئی آنکھ ہو جیسے خاموش
مرے احساس کی مقصود عقیدت چُپ ہے

***

نعیم صدیقی (مرحوم)

○

ہے چہرہ چاند، ساری شخصیت ہے چاندنی، آ ہا
گواہی دی نگاہوں نے، تمہی یٰسیں ، تمہی طاہا

بہ صد پیرایہ ہر سُو انعکاسِ حسنِ گل دیکھا
تکلّم ہا ، تبسّم ہا ، تجلّی ہا ، تماشا ہا!

یہ صبر و حِلم و وَقر و نظم کے داعی کا مکتب ہے
صدا اونچی نہ یاں اٹھے! خدا کے واسطے! "ہاہا"

بچارے آدمی کی آزمائش کتنی مشکل ہے
مسلسل کشمکش ما بینِ طغواھا وَ تقوٰھا

انوکھا ہے سفر بھی، راہ بھی، اے جادہ پیماؤ!
کہیں ہے کوئی دوراہا! کہیں آتا ہے چوراہا

حضورِ پاکؐ شاہی کو مٹانے کے لیے آئے
ملے اذنِ تخاطب تو کہوں میں. کس طرح، "شاہا"!

خرد بھٹکی نہ پھر اپنی ، تمھیںؐ جس روز سے سمجھا
نظر بہکی نہ پھر اپنی ، تمھیںؐ جس روز سے چاہا

پریشاں بھیڑیوں کے درمیاں اقوام کا ریوڑ
تحفظ ان کا ہو کیسے ، نہیں ہے کوئی چرواہا

مرے اعمال نامے سے بس اک نیکی یہی نکلی
کہ میں نے اُنؐ کو پورے دل سے، پوری جان سے چاہا

***

تنویر پھولؔ (امریکہ)



اب روشنی نہیں کوئی اِس روشنی کے بعد
کوئی نبی نہ آئے گا میرے نبیؐ کے بعد
لائے کتاب آخری ، آقا ہی رب کے ہیں
بھُولو نہ سیدھی راہ تم اِس آگہی کے بعد
ظلمت وہاں تھی چھائی ہوئی شرک و کفر کی
مہرِ عربؐ کی پھیلی ضیا تیرگی کے بعد
طائف میں سنگ باری کے بدلے دعائے خیر!
دیتا دعا ہے کون ، عدو کو بدی کے بعد
بعثت سے اُنؐ کی روشنی .. پھیلی حجاز میں
آیا ہدیٰ کا نور وہاں گمرہی کے بعد
قرآں میں ہے ، نبیؐ کا ہے اُسوہ ہی بہترین
اب چھوڑو تفرقے کو تم ، اِس کج روی کے بعد
خیر الامم ہوئے ہو تم ، آقا کے فیض سے
کیوں جارہے ہو نیچے اب اس برتری کے بعد
فرمانِ مصطفیٰؐ سے ملی ہے سند ہمیں
دل میں نہیں نفاق ہے حُبِّ علیؓ کے بعد
یہ التجا ہے تجھ سے ، الٰہی! قبول کر
قدموں میں شہؐ کے، پھولؔ ہو اِس زندگی کے بعد

***

پروفیسر حمید نسیمؔ رفیع آبادی
سکونت : لسجن، سرینگر، کشمیر

(۱)

ہمارے شوق و محبت کی انتہا ، وہ ذاتؐ
ہمارے ذوق و تمنا کی مدّعا ، وہ ذاتؐ
قرینہ مدح و ثنا کا کہاں سے لائیں ہم
ثنا گزار ہو جس ذات کا خدا ، وہ ذاتؐ
ہمارا عزم سفر منزلوں کو کیا پاتا
نہ بخشتی جو جہاں کو رہِ ہدا ، وہ ذاتؐ
دلوں کی اجڑی زمینوں میں پھر بہار آئی
ہے موسموں کے تناظر میں گُل ادا ، وہ ذاتؐ
ہو فلسفہ کہ ادائے سخنوری کا خیال
فروغ پائے گا جب ہوگی رہنما ، وہ ذاتؐ
عداوتوں کے مسلسل عذاب سے دوچار
محبتوں کی مجسم ہے دل رُبا ، وہ ذاتؐ
کریں گے یاد زمانے کے اہل دانش بھی
کہ ظلمتوں میں بنی ہے سحر کُشا ، وہ ذاتؐ
حواسِ ظاہر و باطن کی اک نویدِ شگفت
کبھی ہے گُل، کبھی خوشبو کبھی صبا ، وہ ذاتؐ
دلیلِ حکمت و عرفان ، سبیلِ علم و یقین
صراط ذاتِ مشیت کی رہنما ، وہ ذاتؐ

***

(۲)

میرے قلم کی جستجو مری زبان کی آبرو
ذکر دوامی ہے ترا اے مصطفےٰؐ اے مصطفےٰؐ

فکر و خیال معرفت ذکر و بیان منزلت
ہے جانفزا ہی جانفزا اے مصطفےٰؐ اے مصطفےٰؐ

ہے یاد تیری دلکشا ہے ذکر تیرا دِلربا
خود درد ہے دل کی دوا اے مصطفےٰؐ اے مصطفےٰؐ

صبح و شام زندگی کھو جائے راہوں میں تری
راہِ ہدیٰ کے رہ نما اے مصطفےٰؐ اے مصطفےٰؐ

اس صبح صادق کی قسم روشن ہے تیرا دم قدم
اس پر ہے شاہد والضحیٰ اے مصطفےٰؐ اے مصطفےٰؐ

رب سے فقط ہے یہ دُعا چھپ جائے میری ہر خطا
تجھ سے میرے مشکل کُشا اے مصطفےٰؐ اے مصطفےٰؐ

میں بے نوا، میں بے امان نذرِ ستمہائے جہان
در پر ہوں ترے اک گدا اے مصطفےٰؐ اے مصطفےٰؐ

جامیؒ، نہ میں اقبالؒ ہوں اک شاعرِ بے حال ہوں
ممکن نہیں تری ثنا اے مصطفےٰؐ اے مصطفےٰؐ

الفت تری سب سے سوا میرا جہان سب سے جُدا
تو ابتداء تو انتہاء اے مصطفےٰؐ اے مصطفےٰؐ

تری ولا دل میں رہے خلوت میں، محفل میں رہے
ہے یہ متاع بے بہا اے مصطفےٰؐ اے مصطفےٰؐ

تو عرش کا مہمان ہے تو فرش کی بس جان ہے
دلدار و محبوبِ خدا اے مصطفےٰؐ اے مصطفےٰؐ

اے شافع روزِ جزا بہر نسیمؔ بے نوا
کوئی نہیں ترے سوا اے مصطفےٰؐ اے مصطفےٰؐ

(۳)

نبیؐ کے دیدار کی تمنا
بہارِ گُل بار کی تمنا
حضور میں ہے ، غیاب میں ہے
رسولؐ مختار کی تمنا
وفائے شوق سوال رکھ کر
جواب سرکار کی تمنا
ہمارے ہر ذکر و فکر میں ہو
خدا کے اس یار کی تمنا
مدینہ دیکھوں کہ اب ہے دل میں
شگفتہ گلزار کی تمنا
ادب سے نظریں جھکا رہی ہے
فضائے انوار کی تمنا
خوشی سے سرشار ہو رہی ہے
خیال بیدار کی تمنا
نگاہ نیچی کئے ہوئے ہے
یہ اِک گنہگار کی تمنا
فقیر ہے پھر بھی کر رہا ہے
عظیم دربار کی تمنا
قبول ہوگی قبول ہوگی
غریب و ناچار کی تمنا
نسیمؔ نالوں میں دب نہ جائے
ادائے اظہار کی تمنا

***

ڈاکٹر شکیل شفائی
بمنہ، سرینگر، کشمیر

(۱)

فی مدح النبي محمدٍ رسولِ اللهِ و رحمةٍ للوحِ والقلم
(صلی الله علیه وسلم)

ترفعتُ صفاتُکم ' تنورتُ بذاتکم
جمیعً ما تفاخرتُ به النجومُ فی السماء

وفی بنا علاجُکم ' کفی بنا شفاءُکم
مضت ذنوبُنا إذاٖ سترتَنا لفی الرداءِ

دعوتَنا إلی الهدی ' وقیتَنا من الغوی
رأیتَنا لفی الهوی ' رفعتَنا إلی العلاء

کتابکم حیاتنا ' عتابکم مماتنا
نجا الذي أطاعکم بشاشةً و فی الرضا

ثناءُکم متی یکن بشرٌ بذاک قادراً
فقام اللهُ نفسُه بمدحکم لحبَّذا

هو الذی أحبَّکم هو الذی أسرَّکم
هو الذی أقرَّکم بقولهٖ لقائما

علا بفضلکم رسولَ ربِّ ذی المِنَن بشر
لحسرة علی البشر بوعدهٖ لأخلفا

نحبُّکم رسولَ رب ذی الجلال و الکرم
ولا نزال ذاکرین کلّنا محمَّدا

***

(۲)

ربیع الاوّل کی آمد پر

یہ کس کی آمد سے غنچے کھلنے لگے چمن میں قدم قدم پر
یہ کس نے درسِ خودی سے روح کو جگایا تن میں قدم قدم پر

یہ کس نے اپنوں کے دُکھ سہے پر زباں سے شکوہ کیا نہ ہرگز
یہ کس نے خلقِ عظیم پیدا کیا چلن میں قدم قدم پر

غلاموں کو کس نے روشنی دی بتائے اسرار سلطنت کے
وگر نہ انسانیت تھی مُردہ پڑی کفن میں قدم قدم پر

یہ کس نے عورت کو بخشی عظمت عطا کیا اس کو تاجِ رفعت
لگا دیے ڈھیر خوشبوؤں کے ہر اک چمن میں قدم قدم پر

یہ کس نے ظلم و ستم مٹا کر کیا منوّر گلی گلی کو
مہک یہ کیسے فضا معطّر اٹھی صحن میں قدم قدم پر

یتیموں کے سر پہ ہاتھ پھیرا گلے لگایا گرے ہوؤں کو
چمک خوشی کی ابھر کے آنے لگی نین میں قدم قدم پر

شفائیؔ لے ان کی بات دل میں انہی کو بس پیشوا بنا دے
قرار پھر دیکھنا کہ آنے لگے وطن میں قدم قدم پر

***

حسن انظرؔ

بمنہ،سرینگر،کشمیر (9419027593)

فارسی نعتیہ اشعار

(مع منظوم اُردو ترجمہ)

خداوندا نہ سلطانم. نہ گنج بے بہا دارم
ولے شادم کہ لا ثانی رسول و رہنما دارم

بہ ہر صورت، بہ ہر موسم ، سکونِ قلب می دارم
کہ من پیہم نگہ بر نقش پائے مصطفےٰ دارم

بصد اخلاص و شفقت اے یزید وقت می گویم
مسلمانم پس و پیش نظر نور الہدیٰ دارم

بیا صحرا نوردی ترک کُن بامن بہ رحمت زِی
مثالِ مہرِ تابان اسوۂ خیر الوریٰ دارم

بشر ہستم و دارم دامن از عصیان آلودہ
ولے بہرِ شفاعت منبعٔ جود و سخا دارم

بِروں از روز و شب انظرؔ بروں ایں ظلمتِ غم کُن
بگو نازم کہ بہرِ زیستن شمس الضحیٰ دارم

***

حسن انظرؔ

فارسی نعتیہ اشعار کا
اُردو میں منظوم ترجمہ

کوئی حاکم ہوں نہ گنج بے بہا رکھتا ہوں میں
پر منفرد اک رسول و رہنما رکھتا ہوں میں

اطمینانِ قلب حاصل مجھ کو ہر حالت میں ہے
سامنے بس نقش پائے مصطفےٰؐ رکھتا ہوں میں

اے یزیدِ وقت میں اخلاص سے کہتا ہوں سُن!
آ خدا کے فضل سے نور الہدیٰ رکھتا ہوں میں

چھوڑ یہ صحرا نوردی ساتھ جی کر خوش رہیں
مہرِ تاباں، اسوۂ خیر الوریٰ رکھتا ہوں میں

میں بھی آدم زاد ہوں دامن سیاہ میرا بھی ہے
پر شفیع و منبعٔ جود و سخا رکھتا ہوں میں

تیرے روز و شب میں انظرؔ غم کے سایے کیوں رہیں
فخر سے کہہ دو کہ اِک شمس الضحیٰ رکھتا ہوں میں

***

سلطان الحق شہیدی، سرینگر، کشمیر



اے شہہ دو جہاںؐ نور حق نور جاں
حاصل این و آں بے گماں بے گماں
اک قدم ہے زمیں اِک قدم آسماں
آپؐ کا ہے مکان آپ کا لامکاں
آپ ﷺ کے ذکر سے ذکر حق ہے عیاں
سرور سروراں مرجع قدسیاں
چشمہ شہر دین جوئے آب رواں
آپ کا حرف حق اور لفظ و بیاں
حسن یوسف بھی ششدر رہا دیکھ کر
پرتو روے انور تھا یو ضوفشاں
صدق و عدل و حیا اور جواں مردیاں
آپؐ کی ترجماں آپؐ کی ترجماں
عام بھی آپؐ ہی خاص بھی آپ ہی
ہے نہاں اور عیاں مظہر جسم و جاں
آپ لاریب ہیں سید الصادقین
نازش پر یقین اپؐ کا ہرگماں
دیدہ و دل سے قربان عارف ہوئے
آپؐ کا ہر سخن درفشاں دُر فشاں
جاگزیں گرچہ تھی بے کل بے کلی
آپؐ سے کل ملی آپؐ سے اطمینان
در بدر در بدر جس کا کوئی نہ تھا
آپؐ اس کے ہوئے پاسباں پاسباں
بحر احدیت کےگ وہر بے بدل
احد و واحد کے محبوب ہیں بے گماں
ظلمتیں چھٹ گئیں قلب انسان سے
اے فروغ جہاں اے فروغ جہاں
ظلم و جور و جفا عام تھا عام تھا
آپؐ نے ختم ان کو کیا بے گماں
وہ سر یکتا ہے جو از ازل تا ابد
آپؐ سا کوئی اس کا نہیں ہم عناں
آپ کے در کی جب سے ملی حاضری
دیدنی تب سے ہیں دل کی سرشاریاں
میں کہیں بھی رہوں آپؐ ہیں سامنے
اس سے آگے ہے قاصر زبان و بیاں

(۲)

اے حبیب کبریا طٰہٰ خطاب
آپؐ کا سچ مچ نہیں کوئی جواب
پاک صورت پاک سیرت پاک باز
آپؐ کا بچپن تھا یا عہد شباب
آپؐ کے گیسو میں ہے پوشیدہ رات
آپؐ کے چہرے سے اُبھرا آفتاب
رونق ارض و سما ہے واقعی
آپ کے نقشِ قدم کی آب و تاب
مصدر قوت ہیں بازو آپ کے
آپ کا گرویدہ ہر اک شیخ و شباب
گلشن ہستی ہے خوشبو سے بھری
آپ کی باتوں سے کھلتے ہیں گلاب
مشکلوں کی کھول دی ہر اِک گرہ
آدمی سے بٹ گیا اُس کا عذاب
راستہ ایسا دکھایا زیست کا
جو چلا اس پر ہوا ہے کامیاب
اس کو خوش خبری ملی فردوس کی
آپ کے ہاں جو ہوا ہے بازیاب

***

مسعودساموں

بانڈی پورہ (کشمیر)

○

حسن خیال سلسلہ جنبان نعت ہے
اک سلسلۂ نور بداماں نعت ہے

اسوہ جنابؐ کا جو حسن ہے تو لازماً
"ہر شعبۂ حیات میں امکان نعت ہے"

ہاں اے سمند شوق سنبھل کر قدم بڑھا
آساں نہیں یہ جادۂ پیچان نعت ہے

ہشیار خامہ! سجدے میں لغزش کوئی نہ ہو
ہاں چل کشاں کشاں یہ خیابان نعت ہے

ملحوظ انتہائے ادب رکھ جنابؐ میں
شان نبیؐ کا ذکر ہے ایوان نعت ہے

نیچی نگہ خمیدہ بدن چشم باوضو
لرزیدہ جاں ہو ہاں یہی شایان نعت ہے

ساموںؔ ثنا کے پھول عقیدت کی پتّیاں
پائے نبیؐ میں رکھ یہی سامان نعت ہے

***

سلطان الحق شہیدی

سرینگر، کشمیر

○

حضورؐ کا اسوہ جہان رحمت ہے
فصیح و بلیغ تیرا بیان رحمت ہے

بعثت تیری اہلاً سہلاً مرحبا
خیر الامت شایان شانِ رحمت ہے

تیرا کلام ستہ صحاح وحیٌ یوحیٰ
شیریں دہانی در افشانِ رحمت ہے

خلوت گزین دیوانے تیرے قید ہیں
شعب ابی طالب زندان رحمت ہے

مہاجرین انصار تیرے کاالنجوم
حرمین کی روشن کہکشانِ رحمت ہے

گمشدہ گم گشتہ گمراہ کے لیے
صبح و مسا ان کی اذان رحمت ہے

دنیا نے آزمائے تمام باطل نظام
اسلام بحر بیکرانِ رحمت ہے

ہم بھی پہلے کالانعام تھے بل اضل
ایک اب منہ میں عنانِ رحمت ہے

نبیؐ رحمت کا غلام عاجزؔ ہوں میں
رحمت بر آنکہ رطب اللسانِ رحمت ہے

***

ڈاکٹر کاشف عرفان

kashifirfan787@gmail.com



نعت ہم عاصیوں کے لیے اک جہان رحمت ہے
زمین حب نبی آسمان رحمت ہے

اتر رہی ہے فلک سے مثال ماہ و نجوم
یہ نعت، نعت کہاں ہے نشان رحمت ہے

اسی کے ساتھ گزرتے ہیں میرے شام و سحر
حیات سرور دیں داستان رحمت ہے

وباء کے عہد میں تنہا نہیں ہوں میں گھر میں
خیال شعب نبی پاسبان رحمت ہے

سفر نبی کا تھا امکان کی حدوں سے ورا
بہ سمت عرش جہاں لا مکان رحمت ہے

ادا کروں تو مرے لب معانقہ کر لیں
وہ نام شان لطافت ہے جان رحمت ہے

نماز عشق کبھی اب قضا نہ ہو اے دل
درون روح یہ گونجی اذان رحمت ہے

***

سید محمد عزیز الحسن شاہ نوابی



دماغ و روح میں جلوے سمائے جاتے ہیں
وہ پیار بن کے دلوں کو سجائے جاتے ہیں

عجب ہے فلسفہ سرکار کی محبت کا
دکھے بغیر وہ اپنا بنائے جاتے ہیں

خمار جلوۂ یوسف کو کیا کریں جبریل
تمہارے تلوؤں سے آنکھیں لگائے جاتے ہیں

کھلی ہے بزم محبت میں دلکشی ان کی
وہ حسن بن کے سر عرش چھائے جاتے ہیں

ترے مراتب اعلیٰ پہ دل ہے سجدہ ریز
یہاں خرد کے قدم دور پائے جاتے ہیں

تری سواری کے قدموں کی دھول کا اعجاز
اسی دوا سے تو مردے جلائے جاتے ہیں

یہ داغ عشق شہ دیں ہے بس متاع عزیز
اسی سے اجڑے ہوئے دل بسائے جاتے ہیں

***

پروفیسر ڈاکٹر یسین احمد
ڈائریکٹر کالجز(ر)،محکمہ اعلیٰ تعلیم،جموں وکشمیر

(۱)

مجھے کچھ اس طرح سے عصرِ حاضر نے پلایا ہے
اداروں اور فردوں کی بنائی حکمتوں کا رس
علم اپنے ہی مطلب کا، رچائی خواندگی اپنی
کہ میرا فہم کٹ پتلی، بصیرت پرکٹی ہے بس

.....

حیات اِک گردِش بے سود ، جس کے کر گذرنے کو
ہزاروں زیرکوں نے راستے اپنے سجھائے ہیں
غمِ دوران غلط کرنے کی خاطر اُن کے نسخوں نے
ذہن کے کونے کونے میں کئی فتنے جگائے ہیں

.....

میرے حصے کے موسم کے تھپیڑوں سے پکا ہے بس
جسد میری جوانی کا و رنگت میرے بالوں کی
نظر پختہ ہوئی ، اور نا ملی فہم و فراست ہی
نہ وسعت ہی اُمنگوں کی ، نہ عظمت ہی خیالوں کی

.....

محمدؐ کے قدم کا نقش آنکھوں سے اگر سِرکے
گماں اپنا پریشاں اور خیال آوارہ رہتا ہے
تمہارا راستہ میری نگاہوں میں سما جائے
میرے آقا میرا دل کیوں سیاہ راتوں کو سہتا ہے
قرینہ عشق احمدؐ کا خدایا بے شمار آئے
میری آوارگی جائے ، میرے دل کو قرار آئے

***

(۲)

وردِ نام شہہ زمین مہکے
معافیوں کا میرا یقین مہکے
نامِ احمدؐ جہاں کہیں مہکے
سونی دھرتی کا ہر مکین مہکے
آج مہکے ہیں آرزو کے گلاب
روح مہکے دلِ حزیں مہکے
مژدۂ آمدِ محمدؐ سے
عرش اور جنّتِ بریں مہکے
بی. حلیمہؓ کے بخت میں قربان
دشت بھی جن کے یاسمین مہکے
دینِ حق پھول ہے تو خیر الوریٰؐ
خوشبوئے گل بہ آستین مہکے
پھول، عرقِ نبی جسے نہ چھوئے
لاکھ نکھرے، مگر نہیں مہکے
جب تلک آپؐ دل میں ہوتے ہیں
میری ہر بات کی جبین مہکے
نہ اُٹھا چشمِ تر کو دیکھنے دے
یوں ہی یہ موئے عنبریں مہکے
بختِ نادر ہے اُنؐ کی برکت سے
بے نوا بادیہ نشین مہکے
پیش کرتا میں چشم کے موتی
خواب میں نورِ گلبدین مہکے

***

جسٹس رانا بھگوان داس

○

عرش حق کی طرف جب چلے مجتبیٰ
جلوہ آرا تھا ہر سمت نورِ خدا
کہکشاں سے بنا اِک نیا راستہ
فرش خاکی تا سدرۃ المنتہیٰ
احتراماً تھے ایستادہ جن و ملک
نغمہ گر حور و غلماں تھے صل اعلیٰ
نعرہ کرتے تھے سب اصفیاء اتقیاء
آج دولہا بنا سیدالانبیاء
عرش اعظم سے آنے لگی یہ صدا
مرحبا مرحبا مصطفیٰ مصطفیٰ
زد میں گردوں ہی کیا ماہ و انجم بھی ہیں
کس نے جانا ہے یاں عشق کا مرتبہ
پہنچے معراج میں جب رسول خداؐ
کائنات دو عالم سے آئی صدا
جب خودی کی حقیقت سے پردہ اٹھا
پھر کہاں دوسرا میں رہا دوسرا
حسن اور عشق میں آج پردہ کشا
فرش پہ مصطفیٰ عرش پہ کبریا
شان معراج سے بس یہ عقدہ کھلا
مرکزِ عشق ہیں خاتم الانبیاء
لا نبی بعدی ہے قول محبوبِ حق
وِرد اس کا ہے بھگوانؔ صبح و مسا

غلام مصطفیٰ نعیمی

ویانا--آسٹریا-فون نمبر: 00447539612278



بساط فلک پر جیسے قمر ستارے ہیں
فرش کی سیج پر ویسے نبیؐ ہمارے ہیں
انہی کا تذکرہ الحمد سے والناس تلک
نعت ان کی ہی پڑھتے یہ تیس پارے ہیں
چاند آگیا قدموں میں چھوڑ کر افلاک
میرے حضورؐ کی انگشت کے اشارے ہیں
کہے جو میں ہوں نبی آخر الزماںؐ کے بعد
وہ ہے کذّاب ، اسی کے لیے انگارے ہیں
جو منکرین وسیلہ ہو فکر ہو ان کو
ہمیں تو ہر جگہ سرکارؐ کے سہارے ہیں
حشر میں ان کا حشر دیکھیں گے محشر والے
جنہوں نے بوجہلی کی ، نہ زنگ اتارے ہیں
جو اپنی مثل سمجھتے ہیں سرورِ دیںؐ کو
نہ بخشش ان کے لیے نہ کوئی کفارے ہیں
ان کا روضہ بساط فرش یہ ہے جنت
تبھی تو آتے عرش سے فرشتے سارے ہیں
نعیمی کہتا ہے تو نعت ہو بھلا تیرا
تیرے کام میں ہوتے کہاں خسارے ہیں

***

سید محمد نور الحسن نور نوابی عزیزی



زندگی اپنی اسی طور سنواری جائے
دل میں تصویر مدینے کی اتاری جائے
کہکشاں راہ میں یوں بچھتی چلی جاتی ہے
جانبِ عرش شہ دیں کی سواری جائے
اس قدر بھرتے ہیں دامن کہ اٹھائے نہ بنے
ان کے کوچے میں اگر کوئی بھکاری جائے
حسن ایسا ترے رب نے تجھے بخشا آقا
چاند سو بار ترے چہرے پہ واری جائے
جس طرف ان کے غلاموں کے قدم اٹھ جائیں
اس طرف قافلۂ رحمت باری جائے
جب بڑھے گنبد خضریٰ کی طرف میرے قدم
دل مرا کرتا ہوا گریہ و زاری جائے
جس کے صدقے میں پلا کرتی ہے مخلوق تمام
اسی چوکھٹ پہ چلو جھولی پساری جائے
عشق آقا کے ہیں ہر شاخ پہ غنچے روشن
میرے گلزار سے کیوں باد بہاری جائے
جی نہ پاؤں گا اگر ہجر کی نوبت آئی
چھوڑ کر مجھ کو نہ اب نعت نگاری جائے
نورؔ وہ بارگہِ سرور کونین ہے بس
بات خالی نہ جہاں کوئی ہماری جائے

***

سید محمد مجیب الحسن نوابی عزیزی



لوحِ الفت پر بہ حرفِ معتبر لکھتا رہوں
یعنی مدحِ مصطفیٰ میں عمر بھر لکھتا رہوں
خم کیے نوکِ قلم شام و سحر با چشمِ نم
شہرِ طیبہ کو امیدوں کا نگر لکھتا رہوں
بھول جاؤں زندگی کے اور سارے کام میں
اسمِ پاکِ مصطفیٰ شام و سحر لکھتا رہوں
سرورِ کونین کا سینے میں رکھتا ہو جو عشق
دشمنِ جانی کو اپنا دل جگر لکھتا رہوں
بھیجتا ہوں رکھ کے دامانِ درودِ پاک میں
یہ کہا کس نے دعا کو بے اثر لکھتا رہوں
مصطفیٰ رکھ دیں جو اپنے نقشِ پا کے چند پھول
زندگی کو خوشبوؤں کی رہ گذر لکھتا رہوں
مصطفیٰ صل علیٰ لکھوں سرِ قرطاسِ دل
اور پھر ہر سانس پر بارِ دگر لکھتا رہوں
الفتوں کی شاخ پر کھلتے رہیں تازہ گلاب
نعت کے اشعار ہر اک پھول پر لکھتا رہوں
مصطفیٰ کا عشق کیا ہے مصطفیٰ کا ذکر کیا
کوئے بے خوابی ہو اور میں رات بھر لکھتا رہوں
زلزلہ بھی آئے تو بیٹھا درِ توفیق پر
کچھ نہ سوچوں عظمتِ خیر البشر لکھتا رہوں
لے نہیں جاتے درِ سرکار تک مجھ کو مجیبؔ
کس لیے میں بال و پر کو بال و پر لکھتا رہوں

***

حافظ محبوب



انکے صدقے کے ہی سبھی کے ہیں ستارے چمکے
جو بھی چمکے ہیں یہاں انکے سہارے چمکے

وہ نہ ہوتے تو نہ قرآن بھی ہوتا نازل
انکے صدقے ہی یہ سب حرف یہ پارے چمکے

انکے صدقے ہی ہوئیں مسجدیں آباد سبھی
ہوئے محراب منوّر، ہیں منارے چمکے

انکی آمد سے ہی یثرب ہے مدینہ ٹھہرا
انکی برکت سے ہی طیبہ کے نظارے چمکے

منعقد محفلِ سرکار جہاں بھی ہے ہوئی
وہ سبھی گھر، سبھی دالان، دوارے چمکے

ان سے وابستہ ہوا جو بھی وہ ناجی ٹھہرا
کتنے ظلمت زدہ بے دین و بچارے چمکے

مدحت شاہ میں جب سے ہے لگا یا رب نے
مثلِ خورشید مقدر ہیں ہمارے چمکے

شبِ ظلمت ہوئی تبدیل بہ روزِ روشن
اسطرح اپنے مقدّر کے ستارے چمکے

***

حافظ محبوب



آپکے قدموں پہ قرباں مرے ماں باپ اولاد
آپکے در کے ہیں درباں مرے ماں باپ اولاد

نسل در نسل ہے حاصل یہ سعادت ہمکو
آپ ہی کے ہیں ثناخواں میرے ماں باپ اولاد

میزباں آپ ہوں جس دن سرِ حوضِ کوثر
کاش ہوں آپ کے مہماں مرے ماں باپ اولاد

ڈال ڈال دیں بس اپنے کرم کی خیرات
کیسے پھیلائے ہیں داماں مرے ماں باپ اولاد

رات دن آپکی مدحت میں ہیں جب یوں سرگرم
میری بخشش کا ہیں ساماں مرے ماں باپ اولاد

نعت کہنے میں اگر مجھ سے ہو غفلت سرزد
مجھ سے تب ہوتے ہیں نالاں مرے ماں باپ اولاد

میرا ہر لمحہ ہے موقوفِ ثنائے خواجہ
کیسے مجھ پر نہ ہوں نازاں مرے ماں باپ اولاد

بخدا آپ سے بڑھ کر نہیں کوئی بھی عزیز
آپکے تابعِ فرماں مرے ماں باپ اولاد

***

یاور وارثی عزیزی نو ابی



مرے آقا کی مسجد کے منارے داد دیتے ہیں
کبوتر نعت پڑھتے ہیں، نظارے داد دیتے ہیں

میں پانی پر جو انگلی سے نبی کا نام لکھتا ہوں
مچل کر مجھ کو دریا کے کنارے داد دیتے ہیں

یہ کس نے لحن داؤدی میں چھیڑی نعت آقا کی
ہوائیں رقص میں ہیں چاند تارے داد دیتے ہیں

نبی کا ذکر کرنے کا مزا ہی اور ہوتا ہے
علی و فاطمہ کے جب دلارے داد دیتے ہیں

نبی کے ذکر کی محفل سجاتا ہوں تصور میں
برس کر دشت دل پر ابر پارے داد دیتے ہیں

سلیقے سے جو شاعر مدحتِ سرکار میں برتے
دعائیں دیں کنائے، استعارے داد دیتے ہیں

رسول پاک جب ذکر خدا کرتے ہیں اے یاور
کلام پاک کے جتنے ہیں پارے داد دیتے ہیں

***

شمائلہ صدف عزیزی نو ابی



حسن جان و دل نثارے مصطفیٰ کے شہر میں
خلد پرور ہیں نظارے مصطفیٰ کے شہر میں

فتح یابی لشکر فرح و مسرت کا نصیب
اور حسرت دم نہ مارے مصطفیٰ کے شہر میں

میں نے جب پوچھا متاع نور بٹتی ہے کہاں
بول اٹھے سب چاند تارے مصطفیٰ کے شہر میں

ہیں وہی در اصل جان زندگی، رشک حیات
ہم نے جتنے دن گزارے مصطفیٰ کے شہر میں

وہ جنہیں آلام کی آندھی اڑائے در بدر
ان کو ملتے ہیں سہارے مصطفیٰ کے شہر میں

لے کے بوسہ گنبد سر سبز کا باد سحر
اپنی قسمت کو سنوارے مصطفیٰ کے شہر میں

اے صدف! چل تو بھی بھر لے اپنا کشکول مراد
ہیں رواں رحمت کے دھارے مصطفیٰ کے شہر میں

***

شاہنواز سرمد



آنکھوں کی ضیا دل کی صدا نام محمد ﷺ
میں پڑھ کے سدا جھوم اٹھا نام محمد ﷺ

ہے مرکزِ انوار و تجلّی مری دھڑکن
ہر تارِ رگِ جاں پہ لکھا نام محمد ﷺ

جپتا ہے چمن سُن کے تیرے نام کی مالا
پڑھتی ہوئی آتی ہے صبا نام محمد ﷺ

ہاں ذات وہی عالم ہستی کا سبب ہے
مخلوق پہ خالق کی عطا نام محمد ﷺ

ماتھے پہ یہی عرش معلیٰ کے لکھا ہے
ہے منبع اسرار خدا نام محمد ﷺ

میں روز ازل سے ہوں گدا آپ کا آقا
گھٹی میں مری تب سے رچا نام محمد ﷺ

گھبراؤ نہ بس ورد کرو صلی علیٰ کا
ہر درد کی سرمد ہے دوا نام محمد ﷺ

***

ڈاکٹر خورشید رضوی



فشار دل پہ بڑھا، پھر مدینہ یاد آیا
میانِ شورشِ طوفاں، سفینہ یاد آیا

میں اپنے آپ سے باہر خراب تھا کہ مجھے
جو میرے دل میں نہاں ہے خزینہ یاد آیا

لحد میں پوچھی گئی مجھ سے جب شناخت مری
مجھے وہ نام مثالِ نگینہ یاد آیا

ہوا نہ خطۂ جنت میں بھی کبھی ایسا
کہ مجھ کو خطۂ شہر نبی نہ یاد آیا

وہ رات اور وہ روضے کا قرب اور میرا دل
ٹھہر ٹھہر کے وہ لطفِ شبینہ یاد آیا

نہاں نظر سے تہہِ خاک جگمگاتا ہوا
ہمیں بقیع میں کیا کیا دفینہ یاد آیا

نظر سے جب بھی یہ تقویم روز و شب گذری
ہمیں بہار کا پہلا مہینہ یاد آیا

بڑا ہجوم تھا یادوں کا عرصۂ دل میں
وہ یاد آگئے تو پھر کوئی نہ یاد آیا

***

حقانیؔ

(مقام نامعلوم)

(۱)

ہیں دو عالم کے شہنشاہ رسولِ عربیؐ
باعثِ خلقِ مہر ماہ رسولِ عربیؐ

فرش ہو، عرش ہو، وہ بحر ہو یا بر، تیری
رشک جنت ہے گذر گاہ رسولِ عربیؐ

حق ادا کیسے کریں ہم تیری توصیف کا جب
خود ثنا خوان ہیں اللہ رسولِ عربیؐ

حق نے فرمایا وہی لوگ معظم ہیں جو
ہوں تیرے رتبے سے آگاہ رسولِ عربیؐ

حق نے فرمایا فرائض ہیں اُنہی کے مقبول
جو ہوں سنت سے بھی آگاہ رسولِ عربیؐ

عافیت تیری حقانی ہے اُسی راستے میں
کہ دکھا کر گئے جو راہِ رسولِ عربیؐ

***

(۲)

ذکرِ نبیؐ کے چھڑتے ہی دِل اُس کا روتا ہے
کھویا کھویا ہجر میں جو بھی عاشق ہوتا ہے
مثل اک ایسی قائم کردی حضرتِ قرنیؓ نے
کون اپنے سارے دانتوں کو عشق میں کھوتا ہے
تنہا نہ چھوڑوں گا میں اُن کو رب نے فرمایا
دیکھا اُمت اُمت کرتے پیارا روتا ہے
کیا حقانیؔ مدح کرے گا جب مداح ہے کدا
بس مدحت کے دھاگے میں چند لفظ پروتا ہے

***

فریدی صدیقی مصباحی بارہ بنکوی

مسقط (عمان)



مبارک ہو کہ حاصل یہ سعادت ہونے والی ہے
رسول اللہؐ کے در کی زیارت ہونے والی ہے

بسی ہے جس میں اب بھی سرورِ کونین کی خوشبو
اُسی شہرِ مقدس میں سکونت ہونے والی ہے

بلایا ہے مرے سرکار نے تو یوں نوازیں گے
تمہارے حق میں آقا کی شفاعت ہونے والی ہے

ذرا سوچو کہ وہ پہلی نظر اور گنبدِ خضریٰ
خیال و فکر سے بڑھکر وہ لذت ہونے والی ہے

نبی سے پائیں گے "مَن زارَ قبری" کا حسیں تحفہ
پیامِ خلد، روضے کی نظارت ہونے والی ہے

خدائے پاک کے مہمان بن کر گھر سے نکلے ہیں
حرم کے خوان پر سب کی ضیافت ہونے والی ہے

اِدھر لب پر صدا ہوگی، میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں
اُدھر اللہ کے در سے اِجابت ہونے والی ہے

نظر میں کعبہ، ہاتھوں میں پیالہ آبِ زمزم کا
کرم کی دھار سے سیراب قسمت ہونے والی ہے

ٹپکتا نور کا پانی جو ہے میزابِ رحمت سے
نہا کر اس سے تازہ دم عقیدت ہونے والی ہے

لباسِ زندگی سے دُور ہوگا مَیل عصیاں کا
کرم کے آب سے پاکیزہ فطرت ہونے والی ہے

نکھر جائے گا باغِ زندگی عرفات کے اندر
وہاں پر عفو و بخشش کی بشارت ہونے والی ہے

مِنیٰ کی سرزمیں اور جگمگاتی شب کے نظارے
ہر اک غم سے، وہاں دل کی طہارت ہونے والی ہے

بہارِ خلد ہوگی، حاجیوں کا قافلہ ہوگا
مسلسل اب عنایت پر عنایت ہونے والی ہے

اُٹھیں گے وصل کے پردے، ملیں گے دید کے جلوے
مُیَسَّر زندگی کو ایسی طلعت ہونے والی ہے

ہزاروں نیکیاں، لاکھوں جزائیں ایک نیکی پر
مدینے مکے میں ایسی اطاعت ہونے والی ہے

دعا ہم سب کی ہے مولیٰ اِسے مقبول فرمائے
جو یہ حجّ و زیارت کی عبادت ہونے والی ہے

ہمیں بھی یاد رکھنا التجاؤں میں دعاؤں میں
وہاں ساری مرادوں کی سماعت ہونے والی ہے

گلابوں کی طرح ہر زخمِ ہستی کھِل کے مہکے گا
دل و جاں کو وہاں پر ایسی راحت ہونے والی ہے

نبی کے عاشقو! اِن خوش نصیبوں کے قدم چومو
کہ ارضِ طیبہ پر اِن کی اقامت ہونے والی ہے

فریدیؔ یہ خوشی لفظوں میں ڈھالی جا نہیں سکتی
مَسرت کو بھی اُس در سے مَسرت ہونے والی ہے

***

فاضل میسوری

زیر بارِ یقیں نعت کیسے لکھوں
تو بتا ہم نشیں نعت کیسے لکھوں

حرفِ شایاں کوئی دسترس میں نہیں
اے شہنشاہِ دیں نعت کیسے لکھوں

فکر مبہوت ہے لفظ مرعوب ہیں
سوجھتا کچھ نہیں نعت کیسے لکھوں

غرقِ افکار ہوں الغیاث المدد
دستِ روح الامیں نعت کیسے لکھوں

اے جمالِ مجسم شہِ والضحیٰ
آپ کی میں حسیں نعت کیسے لکھوں

شرمِ عصیاں سے اک کیفِ خوف و خطر
دل میں ہے جاگزیں نعت کیسے لکھوں

فاضلؔ ان کے ثناخوان کو عمر بھر
حسرتیں ہی رہیں نعت کیسے لکھوں

***

غلام فرید واصل

دیدنی ہو گا نظارہ، جب وہاں ساغر چلے
جامِ کوثر، دستِ اقدس سے سرِ کوثر چلے

کربلا میدان میں لڑنے علی اکبر چلے
دیکھنے والو! رسول اللہ کے مظہر چلے

کربلا کے جاں نثاروں کے مقدس جسم پر
برچھیاں، نیزے چلے ہیں،اور کبھی خنجر چلے

کربلا کی دھوپ سے تپتے ہوئے ذرّات سے
گلعذارانِ نبی کے حلق میں نِشتر چلے

روزِ محشر ہم گنہگاروں کی کچھ ڈھارس بندھی
آگے، آگے جب ہمارے شافعِ محشر چلے

تین سو تیرہ خدائے پاک کی نصرت لیے
سر ہتھیلی پر قسم اللہ کی رکھ کر چلے

میں حِصارِ مصطفیٰ میں جی رہا ہوں، سن لو تم
کیسے واصلؔ پر تمھارا دشمنو منتر چلے؟

***

محمد سمعان خلیفہ ندوی

بھٹکل، انڈیا



اے نازشِ کون ومکاں، اے نُوریوں کے رازداں
اے وجہِ تخلیقِ جہاں، اے تاج دارِ اِنس وجاں

سالارِ بزمِ قدسیاں، اے شاہِ دینِ مرسلاں
تو ہے شفیعِ عاصیاں جانِ جہانِ بے کساں

تیری زباں میں نورِ حق، تیرا بیاں مخمورِ حق
تیری صدا معمورِ حق، سچائیوں کے ترجماں

تیری نوائے دلبری، تیری ادائے عاشقی
تعمیرِ ہستی کے لیے کردار تیرا جاوداں

تو منتہائے جستجو، تو ہی کمالِ آرزو
تجھ سے نشاطِ رنگ وبو، اے شمعِ قلبِ عاشقاں

تجھ سے گلوں کا بانکپن، تو ہے چمن کی آبرو
میں ہوں غبارِ رہ گزر، تو ہے امیرِ کارواں

تیری ضیائے خُلق سے بزمِ جہاں کی دل کشی
روشن ترے انوار سے قلب ونظر کی کہکشاں

اقبالِ حق کو دیکھ کر شاہوں کے سر بھی جھک گئے
آزر کدوں میں گونجتی ہے اب تلک تیری اذاں

موجِ طرب کے جوش میں، اِس بزمِ ناؤ نوش میں
آنکھیں ہیں تیری منتظر غارِ حرا کے میہماں

ذوقِ مئے افرنگ میں شوقِ طلب بھی کھو گیا
بے تابیاں ہوں پھر عطا، دل کو ملیں سرمستیاں

ترسے ہوئے دیدار کو، با چشمِ تر ہم آئے ہیں
اک التفاتِ ناز بس، اے بے کسوں کے مہرباں

بن کر گدائے بے نوا سمعانؔ ہے در پر پڑا
تجھ پر فدا اس کی زباں، اس کا قلم اس کا بیاں

***

اسیرؔ کشتواڑی

بٹھنڈی، جموں (جموں وکشمیر)



محمد مصطفیٰ خیر الوریٰ ہیں وہ
کہ احمد مجتبیٰ کہفُ الوَرا ہیں وہ

عظیم الشاں ہیں سارے انبیاءؑ لیکن
اِمامُ الانبیاءؑ کشف الدُجیٰ ہیں وہ

یہ دنیا سج گئی ہے جن کی آمد سے
بنی آدمؑ ہیں وہ نور الھدیٰ ہیں وہ

نہ کیسے معترف ہو کائنات اُن کی
کہ ہیں فخرِ جہاں شمس الضحیٰ ہیں وہ

مٹی ظلمت جہاں میں چھا گئی رحمت
ہیں داعی حق کے اور بلغ العلیٰ ہیں وہ

جو دیکھا تھم گئی کچھ وقت کی گردِش
خدا کے مہماں صدرُ العُلا ہیں وہ

سِتم کے تیر کھاکر بھی نہیں ہارے
جہاں میں بے بسوں کے رہنما ہیں وہ

وہی کام آئیں گے دُنیا و محشر میں
کہ ہر اِک درد وغم کی اِک دوا ہیں وہ

نہ آئے گا نبیؑ دنیا میں اب کوئی
کہ ختم الانبیاءؑ ہیں پیشوا ہیں وہ

اسیرؔ اُس روضے کی قسمت کا کیا کہنا؟
کہ جس روضے میں خود جلوہ نما ہیں وہ

***

سیّد عتیق اللہ عاشقؔ کاشمیری

دھرمنہ، بڈگام (حال: بمنہ، سرینگر)

تجھ پہ میری زندگی ہوجائے قربان یا رسولؐ
اس سے بڑھ کے اور کیا عقبیٰ کا ساماں یا رسولؐ

تجھؐ سے ہی وابستہ ہے انسانیت کی آبرو
تیریؐ آمد سے ہوا آزاد انساں یا رسولؐ

تیری آمد انتہائے منصبِ پیغمبری
تا ابد ہے بس یہی معیارِ ایماں یا رسولؐ

تیری آمد ذرّے ذرّے کی تجلی کی امین
بحر و بر تجھ سے ہی ہیں حرکت بداماں یا رسولؐ

تیری آمد سے ملا قلب و نظر کو پھر عروج
فکر آدم ورنہ تھی ہر جا پریشاں یا رسولؐ

تیری آمد بے نواؤں کے لیے وجہِ سکون
بن گیا دنیا میں ہر مجبور ذی شاں یا رسولؐ

تیری آمد سے فقیروں کو ملا تاجِ وقار
ہوگیا ہر اک گدا ہمدوشِ سلطاں یا رسولؐ

تیری آمد سے غلامی کی زنجیریں کٹ گئیں
روحِ آزادی تھی مدت سے ہراساں یا رسولؐ

تیری آمد سے ہوئے محتاج غم سے بے نیاز
آدمیت ہے تری ممنونِ احساں یا رسولؐ

تیری آمد سے ہوا رنگ و نسل کا جامہ چاک
خونِ آدم ورنہ تھا پانی سے ارزاں یا رسولؐ

تیری آمد سے چلے محروم و منعم ساتھ ساتھ
ورنہ تھے لاچار و بے یار و پریشاں یا رسولؐ

***

سیّدہ زینب سروری



جتنی توصیف محمدؐ کی رقم ہے، کم ہے
ساری مخلوقِ خدا بھی کرے کم ہے، کم ہے

شاہؐ کی رحمت و رافت ہے جہانوں پہ محیط
اُن کا احساں جو نہ مانے تو ستم ہے، کم ہے

جب سے ہوں شاہِ اممؐ کی میں ثنا گر تب سے
فکرِ عقبیٰ کی جو احساس ہے، غم ہے، کم ہے

شاہؐ کے آگے جلا دیکھ، کسی کا نہ چراغ
اُن سے ہر ایک نبی کا جو حشم ہے، کم ہے

سانس بھی زور سے ازراہِ ادب مت لینا
سر جو سرکار کی دہلیز پہ خم ہے، کم ہے

تا دمِ مرگ سلامت ہو مرا عشقِ رسولؐ
جسقدر یہ دلِ حیران میں ضم ہے، کم ہے

دہر میں مجھ پہ عطائیں ہیں، کرم ہے اُن کا
جو بھی حالات کا دکھ، اور ستم ہے، کم ہے

بے کراں الفتِ سرکارؐ خدا سے مانگوں
جسقدر جان و جگر، قلب میں دم ہے، کم ہے

آنکھ روتی ہے غمِ ہجر میں لیکن اب تک
عشقِ سرکار میں آنکھوں میں جو نم ہے، کم ہے

دہر میں اُنؐ کے سوا اور نہ کسی نے پایا
جن کا بھی شاہِ امم، جاہ و حشم ہے، کم ہے

وجہِ بخشش ہے ثنا شاہؐ کی زینبؔ لاریب
آخرت کا جو دلِ زار میں غم ہے، کم ہے

***

مصیبؔ

(جگہ نامعلوم)

○

(۱)

بیاں کیا کریں وہ زمامِ محمدؐ — جنہیں ہو نہ علمِ مقامِ محمدؐ
خدا جانتا ہے مقامِ محمدؐ — اُسی کو ہے علم تمام محمدؐ
ہمیں کیا پتہ ہے مقامِ محمدؐ — ہمیں صرف آتا ہے نامِ محمدؐ
قسم ہے خدائی کی تجھ کو خدایا — بنادے ہمیں بھی غلام محمدؐ
ادب کی بلندی سے واقف نہیں تھا — سنا تھا نہ جب تک کلامِ محمدؐ
ملے لذتِ ذکر کامل اُسی کو — لے کثرت سے ہر دم جو نامِ محمدؐ
وہ عاشق طلبگارِ جنت رہیں کیا — رہے جن کے دل میں قیام محمدؐ
سوا لاکھ ائمہ تھے موجود لیکن — کوئی ہو سکا نہ امامِ محمدؐ
مخالف جو افراد اسلام کے ہیں — پسند ہے انہیں بھی نظامِ محمدؐ
ضمیر بشر یہ صدا دے رہا ہے — صدائے خدا ہے پیام محمدؐ
کریں خدمتِ دیں جو دنیا لٹاکر — کہاں اب وہ ڈھونڈیں خدام محمدؐ
محبت کی تاثیر سے دین پھیلا — نہ کہ بزورِ نیامِ محمدؐ
مصیبؔ اُن کے چہروں کی رونق تو دیکھو — لیے پھرتے ہیں جو پیامِ محمدؐ

***

(۲)

خدا کی شانِ کُل ظاہر ہوئی ہے — محمد مصطفیٰ صلِّ علیٰ سے
لبِ حق سے ستائش سُن چکے تھے — ملے سب انبیاء صلِّ علیٰ سے
مسائل تھے پیچیدہ زندگی کے — ہر عقد حل ہوا صلِّ علیٰ سے
دلوں کے پاک جذبوں کی قسم ہے — سرورِ دِل مِلا صلِّ علیٰ سے
نظر نے اشکوں سے تصدیق دے دی — دلوں نے کیا سُنا صلِّ علیٰ سے
ہے شوق تکمیلِ ایماں جو دِل میں — لگا دِل مصطفیٰ صلِّ علیٰ سے
نوازش سے رہا نہ وہ بھی خالی — کیا جس نے بُرا صلِّ علیٰ سے
ہوا دُنیا کے اندر امن قائم — گُل راحت کھلا صلِّ علیٰ سے
زمین پہ نیکیوں کی بُو نہیں تھی — عمل زندہ ہوا صلِّ علیٰ سے
رضائے حق نہ حاصل کرسکو گے — کرو حاصل رضا صلِّ علیٰ سے
ہے احسان دل پہ دونوں ہستیوں کا — دیا رب نے کیا صلِّ علیٰ سے
مصیبؔ آساں نہیں ہے نعت کہنا — ملے نہ حوصلہ صلِّ علیٰ سے

***

(۳)

تجھے پہچان سکتا ہوں کہیں بھی — ابھی حالاں تمہیں دیکھا نہیں ہے
جہاں ہے ذکر تیریؔ رفعتوں کا — وہاں پہ عرش کا چرچا نہیں ہے
ہوا تیرےؔ تصور میں جو مدغم — وہ فکرِ دنیا میں ڈوبا نہیں ہے
ٹپکتا ہے مصیبؔ اپنے قلم سے — مگر اِک حرف بھی اپنا نہیں ہے

***

پروفیسر ڈاکٹر مرغوب بانہالی (مرحوم)
(سابق بانی صدر "نعت اکادمی" کشمیر)

مدیر
mail2quddusi@gmail.com



ہر سورۂ فُرقان اِک دیوانِ نعت ہے!
ہر سُنّتِ رسولؐ اِک عُنوانِ نعت ہے!

"لولاک" سُن کر وُسعتِ افلاک میں جاری
"صلّوا علیہ دائماً" اعلانِ نعت ہے

اُن کے وقار و صبر کے ذکرِ جمیل سے
ملکوت میں سرسبز خیابانِ نعت ہے!

شجر و حجر بھی آپؐ کے مِدحت گذار ہیں
عالم نواز کِس قدر فیضانِ نعت ہے!

ایثار سراپا ہے اُن کا اُسوۂ حسنہ!
ہر اِک حوالہ جِس کا چراغانِ نعت ہے!

مرغوبؔ اُن کے اُسوہ میں ڈھلنے کی بدولت
ہر شعبۂ حیات میں اِمکانِ نعت ہے

***



ارض وسماء میں چار سو فیضانِ نعت ہے
فرقان لا یزال ہی شایانِ نعت ہے

مدح و ثنائے خواجہؐ ہو دورانِ نیم شب
اشکِ سحر گہی سے ہی عرفان نعت ہے

شعروادب کی نوع میں محدود کب رہا
"ہر شعبۂ حیات میں امکان نعت ہے"

عشقِ نبی فزوں سے فزوں تر ہے قلب میں
یہ میرا جذب و کیف بھی احسانِ نعت ہے

میں بے ہنر ہوں، تابِ سخن کی طلب مجھے
ارمان کوئی ہے تو بس ارمانِ نعت ہے

***

بشیر احمد بشیر (ابنِ نشاط کشتواڑی)

○

نبیؐ ہے سرورِ عالمؐ وہ محبوب خدا بھی ہے
وہی ہے ہادی برحق امامُ الانبیاءؐ بھی ہے
سہارا روزِ محشر ہم کو اس اُمید کا بھی ہے
اگر طوفانِ غم ہے تو وسیلہ مصطفیٰ بھی ہے
قسم کھائی ہے اُن کی جان کی خود حق تعالیٰ نے
تو کیا اس شان کا دنیا میں کوئی دوسرا بھی ہے؟
یہی نور محمدؐ باعثِ تخلیق عالم ہے
جبھی قرآں میں لولاک لما کہتا خدا بھی ہے
عیاں ہوتی حقیقت ہے یہی لولاک لما سے
نبیؐ کی شان کا اظہار حق کا مدعا بھی ہے
جسے شان لعمرُک پر ہے زیبا تاج لولاکی
وہی سلطان عالمؐ ہے امامُ الانبیاءؐ بھی ہے
ارسطو اور افلاطوں طفل ناداں سامنے جس کے
وہی گنجینۂ اسرار ہے نور الہدیٰ بھی ہے
وہ جس کے حکم سے ڈوبا ہوا سورج پلٹ آیا
وہی شمس الضحیٰ بدر الدجیٰ خیر الوریٰ بھی ہے
مری عشقِ نبیؐ میں زندگی ساری گزر جائے
یہی ہے انتہا میری یہ میری ابتدا بھی ہے
نہایت پُر خطر دنیائے دُوں کے تیر ہیں آقا
جگر چھلنی ہے ان سے اور دل اب رو رہا بھی ہے
یہ واعتصموا بحبل اللہ ہے حکمِ خدا بے شک
مگر نا اتفاقی میں یہ اُمت مبتلا بھی ہے
نہیں پابند اب قرآن و سنت کی ہے یہ اُمت
ہے یہ مغرب زدہ اور معصیت میں مبتلا بھی ہے
دُعا فرمایئے اُمت کے حق میں یا نبی اللہؐ
ہدایت دے ہمیں اب وہ خدا جو بخشتا بھی ہے
ترے دربار میں ہوتے ہیں پیش اعمال اُمت کے
وہاں رُسوا نہ ہوں میں اس سے یہ دل کانپتا بھی ہے
مرے دل پر بھی اک نظر کرم فرمایئے آقا
نہیں جلتا چراغِ دل کہ یہ اب گُل ہوا بھی ہے
جو ارشادِ نبیؐ ہے ''صبر ہر حالت میں بہتر ہے''
فلاحِ دین و دنیا کا یہ نسخۂ کیمیا بھی ہے
جو احمدؐ نام اُنؐ کا حق نے رکھا آسماں پر ہے
زمیں پر اسمِ آنسرور محمد مصطفیٰؐ بھی ہے
پہنچتا جائے ہر دم اے بشیرؔ اُن تک درود اپنا
تو اس سے بڑھ کے کیا اس زندگی کا مدعا بھی ہے

***

علی محمد عاجز (بڈگام، کشمیر)

التحیات للہ والصلوات رحمت
و طیّبات رحمت عبادات رحمت
اللہ کی رحمت نے رحمت کو بھیجا
نبیؐ پر تسلیم والصلوٰت رحمت
لَقَد مَنَ اللہ کی آیت ہے شاہد
ولادت بعثت حیات رحمت
بچپن لڑکپن جوانی ادھیڑ پن
پل، پل جینے کے لمحات رحمت
آمد بھی رحمت ہے رفتن بھی رحمت
ولادت ہے رحمت وفات رحمت
نہ خوشیوں میں پھولو نہ غموں کو بھولو
خوشی اور غمی کے اوقات رحمت
صداقت امانت سخاوت شجاعت
اخلاق و آداب عادات رحمت
اللہ نے بخشی عرب کو یہ عظمت
مقاماتِ رحمت مضافات رحمت
فضائیں بھی رحمت قضائیں بھی رحمت
معلیٰ بقیع کے مزارات رحمت
حرآ بھی ثورؔ بھی بدرؔ و احدؔ بھی
منیٰ مزدلفہ عرفات رحمت
زمزم کا پانی شفا بھی غذا بھی
خرما کھجوروں کے باغات رحمت
خواہشات و لذات حرص و ہوس سے
محدثات بدعات سے نجات رحمت
عاجزؔ اُکتا گیا ہوں عجم میں
بزمِ رسالتؐ کی ہر ساعت رحمت

عرفان الحسن مہدیؔ

مہند، بجبہاڑہ، اسلام آباد، کشمیر

○

ہے خوشی دینِ حق راز دار آگیا
روحِ انسان کا نقش و نگار آگیا
شانِ رحمت اے بلبل ذرا دیکھ لے
تیرا گلشن کہاں اعتبار آگیا
تیرِ محبوب کی اک جھلک دیکھ لے
بے قراری کا اب رازدار آگیا
جلوۂ طور ہے اور وہ مردوں میں جاں
دیکھ اقصیٰ ترا تاجدار آگیا
جن کو مشکل کشائی میں مشکل ملی
اے مدینے تڑپ وہ سوار آگیا
بنتِ آدم عرب کی تڑپ مٹ گئی
بے قراری تجھے اختیار آگیا
اے عرب کے غلام آنکل آگ سے
دو جہاں میں ترا اقتدار آگیا
اے اندھیرو! بتاؤ آج حالت ہے کیا؟
سب سے اعلیٰ یہاں تابدار آگیا
ہے جنوں کو مرے عشق کی تشنگی
پیاس بجھنے کو ہے ہمکنار آگیا
اے لہو اُن کی یادوں میں آنکھوں سے آ
خوب قسمت ہے وقتِ نثار آگیا
بے خودی کی تڑپ بول مہدیؔ ہے کیا
نعتِ احمد ﷺ سے دل کو قرار آگیا

***

باب

تاثرات

حمد ونعت:

نامہ ہائے شوق، رقعاتِ ذوق، نقطہ ہائے نظر

[صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے]

نامہ ھائے شوق

پروفیسر ڈاکٹر احمد قدوس جاوید،

سیّد صبیح رحمانی،

محمد ابرار حنیف مغل،

ڈاکٹر شکیل شفائی،

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسد اللہ وانی،

پروفیسر ڈاکٹر محمد حیات عامر حسینی،

پروفیسر ڈاکٹر مشتاق احمد وانی،

میر امتیاز آفریں،

مفتی محمد اسحٰق نازکی قاسمی،

مشتاقؔ کاشمیری،

غلام علی گلزار،

حافظ مقصود احمد ضیائی،

ڈاکٹر عبد اللہ امتیاز احمد،

محمد عارف اقبال،

پروفیسر ڈاکٹر شمس کمال انجم،

ریاض الاسلام،

سید بشیر احمد بشیر،

احمد کشمیری،

ایڈوکیٹ محمد اشرف وانی،

فیروز احمد سیفی،

رخسانہ جبین،

احمد مقصود،

ڈاکٹر پریمی رومانی،

عبد اللہ خاور

نامہ ھائے شوق، رقعاتِ ذوق، نقطہ ھائے نظر

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ دان کے لیے

● پروفیسر ڈاکٹر احمد قدوس جاوید
سابق صدر شعبہ اُردو، کشمیر یونیورسٹی (حال : بٹھنڈی، جموں) ..... رابطہ : 9419010472

''فشار علم وادب'' کا یہ دور عالمِ انسانیت کے لئے باعثِ رحمت بھی ثابت ہو سکتا ہے اور وجہِ زحمت بھی۔ اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ انسان اپنی ذات میں ربِ عظیم کی ربوبیت اور اس کے رسول ﷺ کے اُسوہ حسنہ کی روشنی میں انفرادی اور اجتماعی طور پر زندگی اور زمانہ کو برتنے کا کتنا اور کیسا ''شعور'' حاصل کر سکا ہے۔ یہ شعور توفیقِ خداوندی بھی ہو سکتا ہے اور علمی و روحانی ریاضت کا نتیجہ بھی۔ 'حمد' اور 'نعت' اسی شعور کے گُل وثمر ہیں۔ لیکن علمی وادبی کتابوں کے اژدہام میں ایسی کوئی کتاب نصیبوں سے ہی مل پاتی ہے، جو وجود کے اندر ایسا شعور پیدا کرنے کا وسیلہ بھی بن سکے اور جو پاکیزگئ جان وتن کے ساتھ ساتھ ذوقِ جمال کی تسکین کا سبب بھی ثابت ہو۔ ''جہانِ حمد ونعت'' (مرتبہ پروفیسر جوہر قدوسی: پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج، اُترسو، اسلام آباد) کی حصولیابی کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ میرے لئے یہ بات باعثِ صد افتخار ہے کہ جوہر قدوسی جیسا باکردار اور صاحبِ نظر شخص مجھ سے محبت ااور عقیدت رکھتا ہے۔ ''جہان حمد ونعت میں داخل ہوتے ہی اس کا اداریہ قلب وجگر شکار کر لیتا ہے۔ عزیزی جوہر قدوسی نے بڑے ہی عالمانہ انداز میں ''حمد ونعت کی صنفی حیثیت، اُردو میں حمدیہ ونعتیہ شاعری کی روایت، بیسویں / اکیسویں صدی میں حمدیہ ونعتیہ شاعری کی جہات اور امکانات میں اضافہ جیسے موضوعات سے متعلق مختصر لیکن جامع انداز میں روشنی ڈالی ہے۔

طاغوتی طاقتوں کی سازشوں کے سبب خلافت عثمانیہ کے زوال کے بعد بھی بیسویں صدی میں دو عظیم جنگوں، تقسیم ملک، فسادات، ہجرت، سے لے کر آزاد ہندوستان میں بابری مسجد کی شہادت اور گجرات کی مسلم کشی جیسے واقعات کے تسلسل کے تناظر میں، ابتدائے آفرینش سے تا قیامت، صرف مسلمانوں کا ہی نہیں پورے عالمِ انسانیت کا حافظ وناصر اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی ہیں۔ ایسے میں شعرا کا حمد ونعت کی طرف متوجہ ہونا فالِ نیک ہی ہے، ان اصناف کے لئے بھی اور انسانی معاشروں

کے لئے بھی۔ واقعہ یہ ہے کہ چند مستثنیات سے قطع نظر اردو میں حمد نگاری اور نعت گوئی کو بھی 'تصوف' کی طرح، عام طور پر ''برائے شعر گفتن'' ہی برتا جاتا رہا ہے، لیکن ملکی اور عالمی پیمانے پر جاری وساری نامساعد حالات وحوادث کی حرارت نے عالم انسانیت کی فہم وفراست پر جمی برف کو پگھلنے پر مجبور بھی کر دیا ہے۔ لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ ''کوئی تو ہے جو نظام ہستی چلا رہا ہے'' اور اس ''محسن انسانیت' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' کی ذات ہی تو ہے جو اس سارے نظام کا مرکز بھی ہے اور محور بھی۔ چنانچہ اداریے میں یہ مژدہ بھی سنایا گیا ہے کہ گذشتہ صدی کی آخری دہائیوں سے اُردو میں بھی ایمان کی حرارت والوں کی ایک بڑی تعداد سامنے آئی، جنہوں نے روایات ورسومات سے فنی وتکنیکی رشتہ قائم رکھتے ہوئے فکری اعتبار سے حمد ونعت کی زمین کو آسمان کر کے اپنی عاقبت سنوارنے کا سامان پیدا کر لیا۔

اس مجلے میں جوہر صاحب نے ایسے اکثر وبیشتر بندگان خدا کے اسمائے گرامی درج کر دیے ہیں، اگر چہ چند اور ناموں کا اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ اس ضمن میں جوہر صاحب نے خصوصیت کے ساتھ سید صبیح الدین صبیح رحمانی اور ان کے مجلہ ''نعت رنگ'' کا ذکر کیا ہے، اور یہ بھی فرمایا ہے کہ 'نعت رنگ' کی بدولت نعت کی تفہیم وتعبیر اور توسیع کے باب میں ''اُردو تنقید'' کے دروازے وا ہوئے ہیں۔ اس ضمن میں ''نعت رنگ' کے تنقیدی کردار کے بارے میں باتیں ہو سکتی ہیں، لیکن یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ اُردو شاعری ابتدا سے، خاص طور پر چودھویں صدی میں 'بہمنی سلطنت' کے زوال اور پانچ آزاد ریاستوں کے قیام اور ان ریاستوں (گولکنڈہ، بیجاپور، احمد نگر، بیدر اور برار) کے حکمرانوں کی عیش پسندی اور غیر مسلم ازواج یا داشتاؤں کے تغلب کے سبب معاشرت، تہذیب وثقافت اور شعر وادب پر جو غیر اسلامی، بلکہ کافرانہ اثرات مرتب ہوئے، اُن کی نشاندہی تو جمیل جالبی، وزیر آغا اور سیدہ جعفر سے لے کر تبسم کاشمیری وغیرہ متعدد مورخین نے کر دی ہے۔ ایسے ماحول میں، چند ایک صوفی منش بزرگوں اور مبلغوں سے قطع نظر اردو شعرا کی اکثریت کو ''کنگھی چوٹی کی شاعری'' سے ہی کہاں فرصت ملتی تھی کہ حمدیہ اور نعتیہ اشعار کہہ کر گناہ بخشوانے کی کوئی سبیل نکالتے۔ سلطنتِ مغلیہ کا زوال بھی شہزادوں کی نااہلیوں اور آپسی جنگ وجدال کے سبب ہوا۔ نامساعد حالات کے تحت، اردو شعرا نے مثنوی اور غزل سے آگے بڑھ کر شہر آشوب تو لکھے، لیکن حمد ونعت لکھ کر 'حفظ وامان' طلب کرنے کی توفیق کم ہی شاعروں کو ہوئی، اور جب بہادر شاہ ظفر کی قیادت میں لڑی گئی آزادی کی پہلی جنگ ناکام ہو گئی تو معاملہ ''کھلی جو آنکھ تو بدلا ہوا زمانہ'' جیسا تھا۔ ماحول، معاشرہ، سیاست اور شعر وادب میں جدید کاری (Modernisation) کا جو عمل شروع ہوا، اُس میں حالی اور شبلی جیسے بزرگوں نے بھی، جو بلاشبہ اردو میں تنقید کے بنیاد گزار ہیں،

شرعی اور اخلاقی زاویے سے غزلیہ شاعری کے منفی کردار پر نکتہ چینی تو کی، شاعری کے اصول وضوابط (گرامر) بھی سکھائے، قوم کی سماجی وسیاسی بیداری کے نسخے بھی بتائے، شاعری کے لئے الگ الگ دو کانیں بھی کھولیں لیکن کھل کر یہ نہ کہہ سکے کہ حمدیہ اور نعتیہ شاعری کو حرزِ جاں بنا کر شاعری کے ساتھ ساتھ قوم وملت کی بھی آبرو بچائی جاسکتی ہے۔ گویا تنقید نے ابتدا سے ہی حمد اور نعت پر اپنے دروازے بند رکھے۔ حالانکہ یہ سبھی حضرات مشرقی (عربی، فارسی) شعریات کی بصیرت رکھتے تھے اور دور جاہلی کے علاوہ بعثتِ نبوی کے بعد شاعری سے متعلق خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے علاوہ حضرت علیؓ کے اقوال اور خصوصاً حضرت عمرؓ کی اس تنقیدی رائے کا بھی علم رکھتے تھے، جس کا اظہار انہوں نے ایک موقع پر حضرت زہیر کو دیگر شعرا پر مقدم قرار دیتے ہوئے کیا تھا۔

حضرت عمر نے کہا تھا: ''زہیر سب سے بڑا شاعر اس لئے ہے کہ اس کی زبان آسان ہوتی ہے۔ اسکی لفظیات مشکل نہیں ہوتی۔ وہ نامانوس الفاظ کا استعمال نہیں کرتا۔ اس کے خیالات غلو اور مبالغہ آرائی سے پاک ہوتے ہیں۔ کسی کی مدح گوئی میں وہ افراط سے کام نہیں لیتا اور اصلیت کا لحاظ رکھتا ہے''۔ اس سے آگے عربی اور فارسی کے ناقدین نے شاعری کے بارے میں جو تنقیدی خیالات ظاہر کئے ہیں، اُن سے بھی حالی اور شبلی یقیناً آگاہ ہونگے۔ حضرت عمرؓ کی یہ تنقیدی رائے شعر کی ہیئت، مضمون ومعنی آفرینی، الفاظ کے انتخاب اور برتاؤ، حقیقت اور مبالغہ اور اظہار وبیان میں توازن وتناسب وغیرہ کا احاطہ کرتی ہے۔ حمد ونعت کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے بھی حضرت عمرؓ کی بیان کردہ خصوصیات کو رہنما اصول کے طور پر برتا جاسکتا ہے۔

یہ بات درست ہے کہ حمدیہ اور نعتیہ شاعری کے حوالے سے اب اردو تنقید بُخل یا بے دلی سے کام لینے کی روش بہت پیچھے چھوڑ آئی ہے، جس کا ثبوت ''جہان حمد ونعت'' میں شامل مضامین ہیں۔ لیکن اس ضمن میں ایک بات قابل غور ہے کہ ابھی تک مذہبی شاعری، صوفیانہ شاعری، اخلاقی شاعری اور حمدیہ ونعتیہ شاعری کے مابین افتراق وامتیاز کی جو باریک لکیریں ہیں، ان کی نشاندہی کی کوششیں بھی خال خال ہی ہوئی ہیں۔ یہ کام آسان بھی نہیں لیکن فرائض، سنن اور نوافل کے درجات کی طرح روحانی شاعری کی ان قسموں کے مقام ومرتبہ کو بھی سمجھنا سمجھانا بھی ضروری ہے۔ البتہ جوہر قدوسی نے اداریہ میں، اور کئی دیگر قلم کاروں نے (اپنے مضامین میں) اس ضمن میں اشارے کئے ہیں۔ ایک اور بات پر غور کیا جاسکتا ہے کہ کیا ''نعت'' کی 'نعتیت' کے تقدس کو برتتے ہوئے اس میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے سماجی، سیاسی، تجارتی، دفاعی اور سفارتی پہلوؤں کے بیان کی بھی گنجائش نکالی جاسکتی ہے یا نہیں؟ بعض شعرا کی نعتوں میں اس کی مثالیں ملتی بھی ہیں۔

بہر حال مدیر ''جہان حمد و نعت'' نے اس شمارے میں حمد و نعت سے متعلق چنندہ ناقدین اور دانشوروں کے جو تنقیدی اور تاثراتی خیالات جمع کر کے پیش کئے ہیں، وہ عام قارئین میں حمد و نعت کی معنویت کا شعور پیدا کرنے کے لئے بہت کافی ہیں۔ نیز ان سے شعرائے کرام کو حمد و نعت گوئی کی ترغیب بھی ملے گی۔ آج کی تاریخ میں یوں تو نہ جانے کن کن زبانوں کے وسیلے سے حمد اور نعت کی کرنیں دنیا بھر میں اُجالا کر رہی ہیں، لیکن ''جہان حمد و نعت'' میں شامل حمدیہ و نعتیہ کلام کے نمونوں، حمد و نعت گو شعرا کی کتابوں پر تبصروں اور مشاہیر کے اقتباسات سے اتنی بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ ''حمد اور نعت'' دیگر اصناف شاعری کے برعکس خالصتاً ایمانی و روحانی اصناف ہیں۔

حمد اور نعت لکھنا یا کہنا ایک توفیق ہے۔ غزل یا نظم کی طرح حمد یا نعت لکھنے کے لئے شعر گوئی کی مہارت سے کہیں زیادہ ایمانی و ایقانی قوت کا ہونا ضروری ہے۔ جس شاعر کا ایمان، اور خدا اور اس کے رسولؐ سے عشق جتنا زیادہ پختہ ہوگا، اس کی حمد اور نعت بھی اتنی ہی پُر تاثیر ہوگی۔ بہر حال کشمیر کے معتبر شاعر اور دانشور پروفیسر مرغوب بانہالی کی سرپرستی میں ڈاکٹر جوہر قدوسی نے ''نعت اکادمی جموں و کشمیر'' کے زیر اہتمام ''جہانِ حمد و نعت'' کی اشاعت کا جو سلسلہ شروع کیا ہے، اس کے لئے انہیں جس قدر بھی مبارک باد دی جائے کم ہوگی۔ اللہ تعالیٰ انہیں استقامت دے اور ''جہان حمد و نعت'' کے شمارے اسی طرح منظر عام پر آ کر ایمان و ایقان کو تازہ کرنے کا سبب بنتے رہیں۔

❀ ❀ ❀

● سید صبیح رحمانی

مدیر "نعت رنگ" کراچی ،پاکستان

اللہ کامیاب کرے۔ آپ محنت جاری رکھیے۔ آپ کا رسالہ (’جہان حمد و نعت‘) آپ کی انفرادی محنت اور لگن سے نعت شناسوں میں اہمیت حاصل کر رہا ہے۔ اللہ حمد و نعت کی معرفت کو عام کرنے کا ذریعہ بنائے آمین (’جہان حمد و نعت‘ کا پہلا شمارہ دیکھنے کے بعد موصوف کا سوشل میڈیا پر ایک کومنٹ)۔

❀ ❀ ❀

● محمد ابرار حنیف مغل

مدیر: ماہنامہ "کاروان نعت"، یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ ، اردو بازار، لاہور، پاکستان

جناب ڈاکٹر صاحب! ''جہان حمد و نعت'' کے پہلے شمارے کی اشاعت اور پھر گروپ کا اجراء...... دونوں (کام) قابل تحسین ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ کریم آپ کو ایک متحرک ٹیم میسر رکھے، تاکہ

حمد ونعت کے فروغ کا یہ کارواں سوئے طیبہ رواں دواں رہے؛ آمین، بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔karwanenaat92@gmail.com



● ڈاکٹر شکیل شفائی

بمنہ ، سرینگر (کشمیر)

نعت کے لغوی معنی مدح، ثناء اور تعریف کے آتے ہیں، عربی نحو وصرف کی قدیم وجدید کتابوں میں موصوف صفت کو منعوت نعت سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ لغوی معنی کی رعایت کرتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ نعت وہ صنف سخن ہے جس میں کسی شخصیت کی برگزیدہ صفتوں کو بیان کیا جائے۔ اس کے اصطلاحی معنی بھی اس کے لغوی معنی سے کچھ زیادہ مختلف نہیں سوائے اس کے کہ اصطلاحاً نعت سے وہ صنفِ شاعری مراد لی جاتی ہے، جس میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح اور ثناء کی گئی ہو، اور آپؐ کے اوصاف حمیدہ کو بیان کیا گیا ہو۔ نعت کی اپنی کوئی مخصوص ہیئت نہیں ہوتی؛ یہ کسی بھی ہیئت میں کہی جاسکتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ غزل، نظم، مسدس، مخمس، ترجیع بند، مثنوی اور رباعی کی ہیئتوں میں بھی نعتیں کہی گئی ہیں۔ نعت کیا ہے؟ اُس جہاں تابِ رسالت کی جلوہ نمائی کا ذکر جو افق عرب سے طلوع ہو کر اس ادا سے تجلی ریز ہوا کہ اس کی ضیا پاش کرنوں سے عالم کا ذرہ ذرہ جگمگا اٹھا۔ زمین کا گوشہ گوشہ اس کی تجلیات سے بقعۂ نور بن گیا۔

حمد ونعت گوئی کا سلسلہ اُردو ادب میں خاصا پرانا ہے۔ صاحبِ دیوان شعراء نے ہمیشہ اپنے دیوان کا آغاز حمد ونعت سے کیا ہے لیکن حمد اور نعت کا یہ سلسلہ ایک روایت کا تسلسل تھا۔ (قدیم ذخیرہ شاعری میں) حمد ونعت پر مشتمل کلام میں نکتہ دانی اور نکتہ وری تو مل سکتی ہے، تعلّیوں اور لفاظیوں کا طومار نظر تو آئے گا لیکن سوز وگداز، خستگی وتشتریت، دل گرفتگی، پُر تاثیری اور وارداتِ قلبیہ کا احساس نہیں اُبھرے گا۔ یہاں قلب دردمند، ذہن ارجمند اور زبانِ ہوشمند کا فقدان محسوس ہوتا ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ بعد کے زمانے میں اس بات کو محسوس کیا گیا۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ چودھویں صدی ہجری کی ابتداء ہی سے نعت کے مضامین میں تبدیلی رونما ہونے لگی۔ اس سلسلے میں خواجہ الطاف حسین حالیؔ کا نام بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔ خواجہ صاحب نے جس طرح اُردو شاعری کے عمومی ڈھانچے میں موضوع کے لحاظ سے خوشگوار تبدیلیاں لائیں، نعت گوئی بھی ان کی بدولت اپنے حقیقی مقصد سے جاملی۔ انہوں نے مقصدی نعتیں کہیں، اور اپنی نعتوں میں نہایت سادگی سے اور غیر مبالغہ

اندازِ بیان میں آپؐ کی اُن صفاتِ جلیلہ کو بیان کیا، جن سے اُسوۂ حسنہ کی شان جھلک رہی تھی۔ انہوں نے رسولِ پاک ﷺ کی اُن مساعی جمیلہ کو خوشنما اسلوب میں شاعری کے قالب میں ڈھالا، جن سے تاریخ نے ایک صالح اور پاکیزہ انقلاب کا مشاہدہ کیا۔ انسانیت جس منصبِ خلافت کو کھو چکی تھی، اس پر دوبارہ بحال ہوگئی۔ اس کا بہترین نمونہ اُن کی وہ مشہور نعت ہے، جو مسدس میں شامل ہے اور جس کا پہلا شعر یعنی مطلع یہ ہے۔

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا　　　مُرادیں غریبوں کی بَر لانے والا

خواجہ صاحب کی پیروی نعت گوئی کے ضمن میں دوسرے شعراء نے بھی کی۔ ان میں مولانا محمد علی جوہرؔ، علامہ اقبالؔ، ظفر علی خاںؔ، ماہر القادریؔ، نعیم صدیقیؔ، حفیظ میرٹھیؔ، ابوالمجاہد زاہد، سہیل زیدیؔ، عزیز بگھرویؔ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے ایسی نعتیں کہیں، جن کا سرچشمہ تخلیق محبتِ رسول ﷺ تھا، لیکن جو مقصدی نعتیں تھیں اور جن میں آپؐ کی اُن صفتوں کو شاعرانہ پیکر میں ڈھالنے کا جذبہ کارفرما تھا، جن سے انسانیت کو عروجِ واقعی نصیب ہوا۔

مجلہ ''جہانِ حمد و نعت'' اسی سلسلہ زریں کی ایک خوبصورت کڑی ہے؛ بلکہ وادیٔ کشمیر کے تناظر میں آقائے نامدار ﷺ کے تئیں حُسنِ عقیدت کا حسنِ آغاز ہے۔ یہ مجلہ مدیر کی جانکاہی محنت، حُسنِ ترتیب، فنِ نعت سے آگاہی، نعت جیسی نازک ترین صنف پر خامہ فرسائی کی عمدہ، معتدل، متوازن مثال ہے۔

حرف آغاز (از مدیر)، ہدیۂ حمد (مظفر وارثی) ندائے نعت (نعیم صدیقی) کو مستثنیٰ کر کے مجلّے کو سات عناوین (باب بھی کہہ سکتے ہیں) میں تقسیم کیا گیا ہے:

۱۔ تفکرات (اس میں حمد و نعت گوئی کے فن اور آداب و اسلوب پر مضامین جمع کئے گئے ہیں)

۲۔ تدبرات (اس میں حمدیہ و نعتیہ شاعری پر تحقیقی و تنقیدی مضامین شامل ہیں)

۳۔ تفہیمات (یہ حصہ حمدیہ نعتیہ فن پاروں پر تبصرے اور تاثرات پر مشتمل ہے)

۴۔ تصورات (اس میں حمد و نعت سے متعلق اصحابِ فکر و دانش کے منتخب اقوال درج ہیں)

۵۔ تخیلات (یہ حصہ شعرائے کرام کے منظوم حمدیہ و نعتیہ کلام پر مشتمل ہے)

۶۔ تاثرات (اس حصہ میں پروفیسر مرغوب بانہالی کا ایک خط ہے) نعت اکادمی کا دستور اور مدیر جوہر قدوسی کے تحقیقی مقالے برائے پی ایچ ڈی کا تعارف ہے)

۷۔ متفرقات (اس حصہ میں بعض اہل دانش کے انٹرویو شامل ہیں)

حرفِ آغاز میں مدیر نے نعت اکادمی اور مجلہ ''جہان حمد و نعت'' کا تفصیلی تعارف پیش کیا ہے۔ یہ

مجلہ چونکہ کافی ضخیم ہے اور اکثر مقالے تحقیقی نوعیت کے ہیں، لہٰذا اس کو سال میں ایک ہی بار شائع کرنا ممکن ہے۔ اس وجہ سے یہ سالانہ مجلہ کہلایا جائے گا۔

تفکرات کا باب کم وبیش اسی (۸۰) صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا پہلا مضمون ''حمد نگاری: اولین صنفِ شاعری'' سمیہ اسلام کا لکھا ہوا ہے۔ دوسرا مضمون ''حمد و مناجات اور قرآن کا اسلوب بیان'' ڈاکٹر حاجی ابوالکلام (ناگپور) کا تحریر کردہ ہے۔ اس مضمون میں مضمون نگار نے ''مناجات کی اصطلاح کو منت سماجت سے مشتق بتایا ہے۔ حالانکہ یہ محض غلط ہے۔ ''منت سماجت'' مرکب ہے دو لفظوں سے منت جو عربی لفظ ہے؛ اس کے معنی ہیں ''احسان'' (المنجد) اور سماجت فارسی لفظ ہے؛ اس کے معنی فارسی میں خرابی اور بُرائی کے ہیں (فرہنگ عامرہ) اور اُردو میں چاپلوسی اور خوشامد کے ہیں (فیروز)۔ جہاں تک مناجات کا تعلق ہے، یہ خالص عربی لفظ ہے۔ باب مفاعلہ سے ہے۔ لفظ ناجی، یناجی، مناجاۃ۔ تائے مدورۃ اُردو میں تائے کاملہ سے بدل دی گئی ہے۔ اس کے لفظی معنی سرگوشی کے ہیں۔ چنانچہ حدیث بخاری میں ہے:

''اذا قام احدکم الی الصلاۃ فانما یناجی ربہ'' (جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے کھڑا ہوجاتا ہے تو وہ دراصل اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے)۔

تیسرا مضمون ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی (بہار) کا ہے۔ اس کا عنوان ''حمد کی دینی وادبی قدرو قیمت ہے''۔ اس مضمون میں ڈاکٹر مناظر عاشق نے ایک پتے کی بات لکھی ہے:

> ''اُردو میں ابتداء سے ۱۹۳۷ تک ادب اور مذہب کو ہم الگ الگ خانوں میں منقسم نہیں دیکھتے۔ اگر زیریں لہر ہے بھی تو اس میں شدت نہیں۔ لیکن ترقی پسند تحریک اور روسی اشتراکیت کے نظریے سے متاثر ہونے والوں نے ادب اور مذہب کو خانوں میں تقسیم کرنے کی شعوری کوشش کی تھی، جس کا منفی اثر سرمایۂ ادب پر ضرور پڑا۔ لیکن ۱۹۶۰ اور ۱۹۸۰ کے بعد کے شعراء نے اس فیشن سے جان چھڑا کر حقیقت کے **perception** کو سمجھ لیا ہے اور متعین طرز اظہار ''حمد'' کو بلا جھجک اپنایا ہے'' (ص ۳۲)

چوتھا مضمون ڈاکٹر عاصی کرنالی کا ہے۔ اس کا عنوان ''حمد یہ شاعری پر تنقید ہے''۔ حمد یہ شاعری کی تعیین قدر نہایت ضروری ہے۔ چونکہ عام طور پر مسلمان اللہ تعالیٰ کے بارے میں قرآن وسنت اور مسلمانوں کے اجماعی عقیدے سے واقف نہیں ہوتے، جو کہ ایک المیہ ہے، لہٰذا حمد میں بھی ایسے اشعار کہہ ڈالتے ہیں، جو رب العزت کی شانِ ارفع میں گستاخی کی طرف مُشیر ہوتے ہیں۔ نعتیہ کلام تو اس

طرح کی لچر، متبذل، نازل درجہ اور سوءِ ادب پر مشتمل باتوں سے بھرا پڑا ہے۔ ڈاکٹر عاصی نے ایک شعر بھی درج کیا ہے ۔

اللہ کے پلڑے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ ہمیں لینا ہے، لیں گے محمدؐ سے

ہر چند یہ شعر کسی نعتیہ نظم کا ہوگا اور حمدیہ شاعری کی تنقید کی ذیل میں نہیں آئے گا، بایں ہمہ یہ مثال واضح کرتی ہے کہ جوشِ عقیدت میں اللہ کی بارگاہ میں سوءِ ادب بلکہ ایک معنی میں ارتکابِ کفر کی صورتیں کیسے داخل ہوئی ہیں۔ مضمون گو معلومات سے پُر ہے لیکن اسے حمد یہ نعت کی تنقید کے ذیل میں بمشکل ہی درج کر سکتے ہیں۔ مضمون نگار کو حمد یہ نعت کی تنقید کے عملی نمونے پیش کرنے چاہئے تھے، (تاہم) انہوں نے حمد یہ نعت کے کچھ رہنما اصول بتائے ہیں۔

پانچواں مضمون مقصود احمد ضیائی (پونچھ) کا ہے۔ اس کا عنوان ہے ''حمد و نعت کا تحلیلی مطالعہ''۔ اس مضمون میں مضمون نگار نے اقبالؒ کے مشہور نعتیہ شعر:

وہ دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا

میں وارد لفظ ''مولائے کل'' پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے:

''بظاہر آپ کو اس شعر میں کوئی جھول یا جھل نظر نہیں آتا ہوگا اور سچ ہے ہم اور آپ تو کیا، بڑے بڑوں کو بھی نظر نہیں آتا۔ جھوم جھوم کر اور گھوم گھوم کر پڑھتے ہوئے سنتے رہتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کے پہلے مصرعہ کا آخری لفظ ''مولائے کل'' یہ صفت الوہیت کے مناسبات میں سے ہے۔ (ص ۴۳)

مضمون نگار نے لکھا ہے کہ جب علامہ جیسی دیو قامت شخصیت کے کلام میں ایسی باتیں ہیں تو ان سے نیچے درجے کے شعراء کا کیا حال ہوگا۔ مضمون نگار نے اس کے بعد دوسرے شعراء کے بھی چند شعر درج کر کے ان پر تنقیدی نظر ڈالی ہے۔

علامہ اقبال پر یہ تنقید درست نہیں ہے۔ مضمون نگار نے ''مولائے کل'' کا لفظ دیکھ کر ہی اسے صفتِ الوہیت کے مناسبات میں سے قرار دیا ہے۔ حالانکہ اگر وہ لفظ مولیٰ کے معنی اور اس کے انسلاکات پر مزید تحقیق کرتے تو سمجھ لیتے کہ ''مولائے کل'' کی ترکیب صفتِ الوہیت کے منافی نہیں۔ 'مولیٰ' کا لفظ ولی یلی سے مشتق ہے۔ اس کے معنی قریب ہونے کے ہیں۔ مولیٰ کے معنی رب، مالک،

سردار، غلام، آقا، آزاد کرنے والا، انعام دینے والا، پڑوسی، حلیف، دوست، قریب رشتہ دار، شریک تابع وغیرہ کے ہیں۔ چناں چہ المعجم الوسیط میں لکھا ہے:

(المولیٰ) ۔ الرب و المالک۔ کلّ من ولی أمراً أوقام به و الولی المحب، الصاحب، الحلیف، النزیل، و الجار، و الشریک، و الصهر۔ القریب من العصبة کا لعم و ابن العم و لنحو ذلک۔ المنعم۔ و المنعم علیه، و المعتق و المعتق۔ العبد و التابع۔

اتنے سارے معانی میں سے مضمون نگار نے صرف رب اور مالک کے معنی مراد لے کر مولائے کل کی ترکیب کو قابلِ اعتراض قرار دیا۔ پھر یہ بھی لکھا کہ بڑے بڑوں کو یہ غلطی نظر نہیں آئی ہے۔ اقبال بڑے شاعر تھے، تاہم تنقید سے بالاتر نہیں تھے۔ لیکن اقبال پر تنقید کرتے وقت اپنے قد کو بھی دیکھنا چاہیے اور اس پر بھی غور کرنا لازمی ہے کہ بڑے بڑوں نے اس کو قابلِ گرفت کیوں نہ سمجھا۔

دراصل مولیٰ کا لفظ اُن عربی الفاظ میں سے ہے، جو متضاد و متخالف معنی رکھتے ہیں۔ اب دیکھئے مولیٰ اللہ کو بھی کہتے ہیں۔ پھر نبی نے خود کو بھی مولیٰ کہا۔ علی کو بھی مولیٰ کہا۔ آپؐ کے آزاد کردہ غلاموں کو بھی مولیٰ کہا جاتا ہے۔ دوست، عزیز، داماد، آقا، سردار، وغیرہ معنی کو آپ نے المعجم الوسیط کے حوالے سے ملاحظہ کیا۔ اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ مولیٰ کا لفظ جب اللہ کے لئے بولا جائیگا تو اس کے وہی معنی مراد لئے جائیں گے جو اللہ تعالیٰ کے شایانِ شان ہیں۔ اسی طرح جب اس لفظ کا استعمال آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر کیا جائے تو اس وقت اس کے وہ مراد لئے جائیں گے جو آپؐ کے شایانِ شان ہیں۔ اسی طرح جب اس کا اطلاق عالم دین یا کسی غلام پر کیا جائے تو ان کے حسبِ حال اس کے معنی مراد لئے جائیں گے۔ الوہیت کے منافی وہ الفاظ ہوتے ہیں جن میں ایک ہی معنی ہوں یا اگر متعدد معنی ہوں تو وہ سب کے سب اللہ کی ذات سے خاص ہوں۔

چھٹا مضمون ''حمد و نعت اور منقبت: ایک تقابلی مطالعہ'' خود مدیر مجلہ ڈاکٹر جوہر قدوسی کا نتیجۂ فکر ہے۔ اس مضمون میں انہوں نے تفصیل کے ساتھ ان تین لفظوں ''حمد'' نعت اور منقبت کے لفظی، لغوی اور اصطلاحی معنی پر بحث کی ہے۔ یہ مضمون نہایت معلومات افزا ہونے کے ساتھ ساتھ مضمون نگار کی قابلِ تحسین کاوشوں کا آئینہ بھی ہے۔

ساتواں مضمون ''حمد ونگاری و نعت گوئی: چند معروضات'' علی محمد عاجز (کشمیر) کا لکھا ہوا ہے۔ مضمون نگار نے اس میں حمد نگاری کے عربی نمونے بھی دیئے ہیں اور ان کے معنی پر دلچسپ بحث کی ہے۔ انہوں نے غیر مسلموں کی نعت گوئی کے حوالے سے ڈاکٹر راہی فدوی بنگلوری کا یہ قول نقل کیا ہے:

''غیر مسلموں کے اس جذبہ واحساس کو عشق ومحبت کا نام دینا اور اسے عشقیہ شاعری کہنا جیسا کہ عام نقادوں کا خیال ہے غیر حقیقی رویہ بھی ہے اور بعید از قیاس رجحان بھی۔ اگر واقعی ان کو حضور ﷺ کی ذات اقدس سے سچی اور پکا عشق ہوتو ضرور حلقہ بگوش اسلام ہونے کی توفیق مل جاتی۔ غیر مسلم جس سے متاثر ہو جاتے ہیں، اس کی پوجا شروع کر دیتے ہیں (اس لئے ان کے معبود بھی لاتعداد ہیں) (ص ۶۲)

آٹھواں مضمون علیم صبا نویدی (تامل ناڈو) کا ہے، جس کا عنوان ہے ''نعتیہ شاعر کا تاریخی پس منظر''۔ اس میں مضمون نگار نے لکھا ہے کہ نعت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بطورِ استعانت اپنی بے کسی اور پریشانی کا اظہار غلط نہیں ہے۔ اس کی دلیل مضمون نگار نے یہ دی ہے کہ حضرت حسان بن ثابتؓ، حضرت کعب بن زہیر، حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ نے اپنی نعتوں میں جہاں اپنی اپنی حالتِ زار کا ذکر میں ہے، وہیں پر آپؐ سے استعانت کی درخواست بھی کی ہے۔ علماء میں امام محمد بن سعید البوصیری کے قصیدے کو پیش کیا ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کی مدح خوانی کرنے سے پیشتر اپنی حالات زار اور خستہ زندگی کا اظہار حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں کیا ہے۔

معلوم نہیں کہ علیم صبا نویدی صاحب کے ذہن میں استعانت کا کیا مفہوم ہے؟ استعانت کی ایک قسم کو ''استعانت ظاہری'' کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی آپؐ کے سامنے ہے اور آپ کسی کام کے سلسلے میں اس سے مدد طلب کرتے ہیں۔ مثلاً ایک سائل آپ کو آواز دے اور از راہِ للہ آپ سے مدد کی درخواست کرے۔ یا ایک شخص پانی میں ڈوب رہا ہو اور وہ کنارے پر کھڑے کسی آدمی کو پکارے کہ للہ پانی سے نکلنے میں میری مدد کرو۔ استعانت کی یہ قسم سب کے نزدیک جائز ہے۔ اگر کعب بن زہیر اس طرح کی استعانت رسول اللہ ﷺ سے کرتے تو ظاہر تھا، کیوں کہ کعبؓ نے رسول اللہ ﷺ کی ہجو کر کے ظلم کیا تھا، لہٰذا مناسب تھا کہ وہ بارگاہِ نبوی میں حاضر ہو کر آپؐ سے معافی طلب کرتے۔ اگر علیم صاحب کی ''استعانت'' سے یہی مراد ہے تو اس میں کوئی نزاع نہیں؛ اگر چہ اشعار سے استعانت کا یہ مفہوم بھی متبادر نہیں ہوتا ہے۔

میرے سامنے کعب بن زہیرؓ کا جو قصیدہ ہے اس میں ۵۴ اشعار ہیں۔ ابتدائی تیرہ شعروں میں شاعر اپنی ایک (غالباً فرضی) محبوبہ کا ذکر کرتا ہے۔ چودھویں سے چونتیسویں اشعار تک اپنی اونٹنی کا ذکر کیا ہے۔ ۳۵ ویں شعر سے لیکر ۳۸ ویں شعر تک حاسدوں (جن کو وہ دوست سمجھتا تھا) کی شکایت کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو کعبؓ سے بدظن کیا ہے۔ اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے تجھے

ہلاک کئے جانے کی دھمکی دی ہے۔ میں نے کہا کہ میرا راستہ چھوڑو۔ ہوگا وہی جو اللہ نے مقدر کیا ہوگا۔ ہر شخص کو بہر حال مرنا ہی ہے، وہ کون ہے جسکو کسی عورت نے جنم دیا اور پھر اس کی نعش کو چارپائی پر نہ اٹھایا گیا۔ ۳۹ویں شعر سے ۵۰ویں شعر تک معذرت کا مضمون ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عفو و درگذر کے عادی ہیں۔ قسم اس ذات کی جس نے قرآن آپ کو عطیہ کیا، جس میں ہدایت اور احکام شریعت ہیں، میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ یہ سب لوگوں کا حسد ہے، جنھوں نے چغلی کھائی۔ ۵۱واں شعر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں ہے۔ ان الرسول لنور یستضاء به مهند من سیوف الله مسلول۔ اس کے بعد صحابہ کرام کی تعریف کی ہے۔

ان اشعار میں استعانت کا کوئی ذکر یا مفہوم ہی نہیں ہے۔ حالانکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سامنے ہوں تو آپؐ سے کسی مسئلے کے حل میں استعانت بلا اختلاف جائز تھا۔

استعانت کی دوسری قسم ''استعانت تکوینی'' ہے۔ یعنی کسی کو دور سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ وہ میری مدد پر قادر ہے۔ چاہے وہ زندہ ہو یا فوت شدہ۔ یہ استعانت اللہ کے ساتھ خاص ہے۔ اگر یہ استعانت غیر اللہ کے ساتھ بھی جائز ہوتو ایاک نعبد و ایاک نستعین کے کوئی معنی باقی ہی نہیں رہتے۔ استعانت تکوینی یا باطنی کا کوئی تصور کعب بن زہیرؓ کے قصیدے میں دور دور تک نہیں پایا جاتا۔ حسان بن ثابتؓ کی شاعری میں کہیں پر بھی اس طرح کی استعانت کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا۔

اگر علیم صاحب کی مراد استعانت سے اسی قسم کی استعانت ہے، (بظاہر لگتا ہے یہی دوسری قسم کی استعانت مراد ہے) تو یہ محض غلط ہے۔ استعانت تکوینی پر کعب بن زہیرؓ یا حسان بن ثابتؓ کے قصائد سے دلیل قائم کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ اس طرح کا مفہوم علیم صاحب کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے۔ جہاں تک بوصیری کے قصیدے کا تعلق ہے، علیم صاحب نے لکھا ہے کہ بوصیری نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح خوانی کرنے سے پیشتر اپنی حالت زار اور خستہ زندگی کا اظہار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ رسالتمآب میں کیا ہے۔

میرے سامنے بوصیری کا حمد وسلام کے علاوہ جو قصیدہ ہے، یہ دس فصلوں پر مشتمل ہے۔ پہلی فصل میں عشق رسول کا ذکر ہے۔ دوسری فصل میں نفسانی خواہشات کی مذمت کی ہے۔ تیسری فصل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی ہے۔ اور ان کو جملہ انبیاء و رسل سے افضل قرار دیا ہے جیسا کہ مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ ہے۔ چوتھی فصل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ کا ذکر ہے۔ پانچویں فصل میں آپؐ کے معجزات کا بیان ہے۔ چھٹی فصل میں قرآن کی فضیلت بیان کی ہے۔ ساتویں فصل میں معراج

النبی کا ذکر کیا ہے۔ آٹھویں فصل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات اور جہاد فی سبیل اللہ کو بیان کیا ہے۔ نویں فصل میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت طلب کی ہے۔ دسویں فصل میں مناجات اور اللہ کی بارگاہ میں اپنی حاجات پیش کی ہیں۔ اشعار کی کل تعداد جیسا کہ انہوں نے خود لکھا ہے ۱۶۰ ہے۔ اس پورے قصیدے کو سامنے رکھ کر ہرگز کہیں سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بوصیری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استعانت (طلب) کی ہے۔

لہٰذا مضمون نگار کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بطور استعانت اپنی بے کسی اور پریشانی کا اظہار کرنا غلط نہیں۔ بطورِ استعانت ایسا کرنا بالکل غلط ہے؛ البتہ اگر استعانت کے بغیر محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب بنا کر اپنا کوئی دکھ درد وغیرہ نظم کرے تو اس کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ اس کی مثال دنیا کے ہر ادب میں پیش کی جاسکتی ہے۔ اُردو میں حالی مرحوم کی دعا ہے:

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقتِ دعا ہے
امت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے

یا علامہ اقبال ؎

اس راز کو تُو فاش کر اے روحِ محمدؐ
آیاتِ الٰہی کا نگہباں کدھر جائے

یا قاری طیب صاحب ؎

نبی اکرم شفیعِ اعظم دکھے دلوں کا پیام لے لو
تمام دنیا کے ہم ستائے کھڑے ہوئے ہیں سلام لے لو

نواں مضمون ''نعت کے لغوی و اصطلاحی معانی و مفاہیم پر ایک نظر'' ہے یہ مضمون مدیر مجلہ ڈاکٹر جوہر قدوسی صاحب کا ہے۔ اس مضمون میں نعت کے لغوی، اصطلاحی معانی پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ مضمون نگار نے لفظِ نعت کے کئی معانی لکھے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

''عربی لغت نویسوں کے خیالات کا مطالعہ کرنے سے لفظ نعت کے مفہوم کے بارے میں جو نمایاں تاثرات اُبھرے ہیں، وہ اسے اپنے قبیل کے دوسرے الفاظ مثلاً وصف، صفت، تعریف، ثنا، حمد، منقبت سے منفرد اور ممتاز ٹھہراتے ہیں۔ اولاً یہ لفظ خاص طور پر تعریف میں یعنی اوصاف حسنہ یا وصفِ محمود کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ ثانیاً یہ لفظ اپنے اندر بہ تکلف عمدہ صفات رکھنے کا مفہوم رکھتا ہے ثالثاً یہ لفظ خلقاً عمدہ صفات کے مالک کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

یعنی اس شخص کیلئے جو پیدائشی طور پر خوبصورت، عمدہ خصلتوں اور اچھے اخلاق والا ہو۔ رابعاً یہ لفظ اوصاف کے انتہائی درجے کے مفہوم میں آتا ہے۔

دسواں مضمون بھی مدیر ہی کا ہے۔ اس کا عنوان ہے ''لفظ نعت کا اولین استعمال ایک تاریخی جائزہ''۔ اس مضمون کو سابقہ مضمون کا تکملہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ اگر چہ اس کی اپنی انفرادی حیثیت بھی ہے۔ اس مضمون میں مضمون نگار نے اس غلط فہمی کا ازالہ کرنے کی کوشش کی ہے کہ لفظ نعت پہلی بار حضرت علی سے منقول ہوا ہے جو انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیہ مبارک کو بیان کرنے کے سلسلے میں کہا تھا۔ مضمون نگار نے ثابت کیا ہے کہ نعت کا لفظ حضرت علی سے بہت قبل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام اور یہودی عالموں کی زبان سے بلکہ نبی برحق کی ولادت سے پہلے یہودیوں کی دعاؤں میں وقتاً فوقتاً استعمال ہوتا رہا ہے۔

گیارہواں مضمون بھی ڈاکٹر جوہر قدوسی صاحب کا ہی ہے۔ اس کا عنوان ہے ''اُردو نعت میں موضوعات کی بوقلمونی''۔ یہ انتہائی اہم مضمون ہے جو ہمیں بتاتا ہے کہ نعت کا موضوع کیا ہونا چاہئے۔ مضمون نگار نے حفیظ تائب کا یہ قول بجا طور پر نقل کیا ہے: ''زندگی کا ہر مسئلہ نعت کا موضوع بن رہا ہے اور یوں نعت کا کینوس وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جارہا ہے'' (ص ۱۰۱)

یہاں پر نعت کا پہلا باب ختم ہو جاتا ہے۔

دوسرا باب 'تدبرات' کے عنوان سے ہے۔ اس کا پہلا مضمون ''اُردو شاعری میں حمد یہ مضامین'' ہے۔ یہ مدیر مجلہ ڈاکٹر جوہر قدوسی کا تحریر کردہ ہے۔ اُردو شاعری میں حمدیہ نظموں کا رواج بہت قدیم ہے۔ اُردو کے تمام ہی شعراء نے حمدیہ کلام کہا ہے۔ ڈاکٹر قدوسی نے ولی دکنی، میر تقی میر، میر حسن، نظیر اکبر آبادی، انشاء اللہ خان انشاء، آتش، ذوق، غالب، انیس، دبیر، داغ، حالی، اسماعیل میرٹھی، شاد عظیم آبادی، جلال لکھنوی، ریاض خیر آبادی وغیرہ اساتذۂ فن کے کلام سے حمدیہ مضامین پر مبنی اشعار درج کر کے اپنا نقطہ نظر پیش کیا ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر قدوسی کی یہ بات بھی قابل توجہ ہے:

''قدیم سے لیکر جدید اور موجودہ دور تک حمد گو شعراء کے کلام کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات نمایاں طور سامنے آتی ہے کہ اسلام کے تصور توحید کے ساتھ حمدیہ و نعتیہ مضامین ہر دور کے شعرائے کرام کے کلام میں موجود ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ اعتراف بھی کیا جانا چاہئے کہ جیسے جیسے مسلمانوں کے صحیح عقائد میں بگاڑ آتا گیا ہمارے شعراء کے کلام میں بھی اس کا عکس جھلکنے لگا۔ چنانچہ اردو شاعری کے بیش بہا ذخیرے میں ایسے اشعار بھی کثرت سے نظر

آتے ہیں جن میں عقیدۂ توحید باری کے منافی ایسے موضوعات ومضامین پائے جاتے ہیں جو مشرکانہ عقائد کے حامل ہیں'' (ص ۱۰۵)

اس باب کا دوسرا مضمون ڈاکٹر طفیل احمد مدنی کا ''حمد ومناجات بیسویں صدی میں'' ہے۔ مضمون نگار نے اس مضمون میں تین حمد ومناجات گوشعراء کا انتخاب کر کے اُن کے کلام پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ یہ تین شاعر مولانا محمد ثانی، سید عبدالرب صوفی اور مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھی ہیں، اخیر میں پاکستانی شاعر راز کاشمیری کی ایک مناجات نقل کی ہے۔ ص ۱۱۷ پر مولانا محمد منظور نعمانی صاحب کا نام ''مولانا منظور احمد نعمانی'' درج ہوا ہے جو غالباً کاتبی سہو ہے۔

تیسرا مضمون عبید اللہ کوٹی کا ہے۔ اس کا عنوان ''کلامِ اقبال میں حمد ومناجات'' ہے۔ اس میں جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے، علامہ اقبال کے اُردو اور فارسی کلام میں حمد ومناجات پر مبنی اشعار نقل کر کے ان پر اظہار رائے کیا گیا ہے۔

چوتھا مضمون پروفیسر حامدی کاشمیری کا ہے۔ اس کا عنوان ہے ''صلاح الدین پرویز کی نعتیہ نظم : محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم''۔ اس مضمون میں حامدی صاحب نے صلاح الدین پرویز کی نظم ''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کا تجزیہ پیش کیا ہے۔ صلاح الدین پرویز کی یہ نعت آزاد نظم کی ہیت میں ہے اور پانچ بندوں پر مشتمل ہے۔ صنفِ نعت میں اس طرح کے تجربے حوصلہ افزا ہیں۔ اس سے نعت کے کینوس میں مزید وسعت پیدا ہو جائے گی۔ حامدی صاحب اُردو کے معتبر نقاد ہیں (افسوس کہ اب وہ ہم میں نہیں رہے)۔ انہوں نے اس نظم کا نہایت خوبصورت تجزیہ پیش کیا ہے، جس سے نظم کا پورا معنوی ہیولیٰ اُبھر کر نگاہوں کے سامنے آتا ہے۔

پانچواں مضمون ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری کا ہے۔ اس کا عنوان ''نعت اور شاعراتِ نعت'' ہے۔ اس میں انہوں نے ان خواتین کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے نعتیہ اشعار یا نظمیں کہی ہیں۔ البتہ انہوں نے ایک دو کو مستثنیٰ کر کے ان کے نمونے پیش نہیں کیے ہیں۔ شاعراتِ صنفِ نعت میں ایک نام انہوں نے زینب بی بی کا لیا ہے۔ اس پر ڈاکٹر قدوسی نے نہایت معلومات افزا حاشیہ درج کیا ہے، جس کے مطابق زینت بی بی کا تعلق کشمیر سے تھا اور وہ سید محمد انور شاہ (ساکنہ بجبہاڑہ) کی صاحبزادی تھیں۔ محجوب تخلص تھا۔ ''گلشنِ نعت'' کے نام سے اپنا نعتیہ مجموعہ مرتب کیا تھا۔

چھٹا مضمون ڈاکٹر عزیز احسن کا ہے، جس کا عنوان ہے ''نقدِ نعت میں تنقیدی دبستانوں کی بوقلمونی''۔ اس میں مختلف نعتیہ مجموعوں پر نقادوں نے اپنے اپنے نقطۂ نظر سے خامہ فرسائی کی ہے۔

''مقدمہ سحر وساحری''، جمیل نظر کی کتاب ہے۔اس کتاب میں عام شاعری کے تجزیے کے ساتھ ساتھ حنیف اسدی کے مجموعۂ نعت ''خیر الانام'' اور تابش دہلوی کی نعتیہ تصنیف ''تقدیس'' کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔''بت خانہ شکستم''، یہ امیر حسنین جلیسی کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے۔اس کتاب میں دو مضامین نعتیہ شاعری کے حوالے سے عملی تنقید کے حامل نہیں۔''پروفیسر اقبال عظیم اور راغب مرادآبادی'' اور ''راغب مرادآبادی اپنے معیارِ نقد کے آئینے میں''۔''ردِعمل'' امین راحت چغتائی کے تنقیدی و تحقیقی مضامین کا مجموعہ ہے۔اس میں ''مشکلاتِ تنقید'' کے عنوان سے لکھا ہوا مضمون نعت کے آداب سے متعلق ہے۔''جستجو''، تحسین فراقی کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے۔''علامہ اقبال اور ثنائے خواجہ'' کے عنوان سے ایک مضمون شاملِ کتاب ہے۔اس میں نفسِ نعت اور اس کی شعری جمالیات کے حوالے سے بھی عمومی رائے ملتی ہے۔''ولائے رسول''، قمر عینی کا مجموعہ نعت ہے۔انہوں نے نعت گوئی کے ضمن میں اپنے آپ پر کچھ پابندیاں عائد کی ہیں۔مضمون نگار نے قمر عینی کے ان نکات کو پیش کیا ہے جو انہوں نے شعرِ عقیدت کے ضمن میں درج کئے ہیں۔

مذکورۃ الصدر نعتیہ مضامین اور مجموعوں پر تنقیدی نقطۂ نظر سے بات کرنے کی پوری گنجائش موجود ہے۔تنقید نگاروں نے بعض صحیح باتوں کی نشاندہی تو کی ہے لیکن کئی مقامات پر ان کے قلم نے بھی ٹھوکر کھائی ہے، لیکن تبصرے کی طوالت مانع ہو رہی ہے، لہٰذا اسے کسی اور نشست کیلئے موقوف کیا جاتا ہے۔

ساتواں مضمون ڈاکٹر شہزاد احمد کا ہے۔اس کا عنوان ''نعتیہ ادب میں پی ایچ ڈی مقالات کی روایت'' ہے۔ڈاکٹر موصوف نے ۱۱۵ ایسے مطبوعہ مقالات کی فہرست دی ہے، جو صنفِ نعت کے مختلف پہلوؤں پر تحریر کئے گئے ہیں۔ان میں مدیر مجلہ ''ڈاکٹر جوہر قدوسی'' کا مقالہ بھی شامل ہے۔مضمون نگار نے اسے مطبوعہ مقالات میں درج کیا ہے، جبکہ خود مدیر مقالہ نے اسے غیر مطبوعہ قرار دیا ہے۔ان کے علاوہ چار ایسے مقالات کی فہرست دی ہے جو ہنوز تشنۂ طباعت ہیں۔علاوہ ازیں تین ایسے مقالات کا بھی ذکر کیا ہے، جن پر مقالہ نگاروں کو پی ایچ ڈی کی سند تفویض نہ ہو سکی۔

آٹھواں مضمون علامہ ناوک حمزہ پوری کا ہے۔اس کا عنوان ''علیم صبا نویدی کی نورانی نعت گوئی؛ بحوالۂ نورِ اعظم ہے۔اس مضمون سے علیم صبا نویدی کی صنفِ نعت میں مہارت اور تبحر کا پتہ چلتا ہے۔

نواں مضمون ''علیم صبا نویدی کا ہے۔اس کا عنوان ''نادم بلخی کی نعتیہ سانیٹس'' ہے۔سانیٹ اگرچہ مغربی صنفِ سخن ہے لیکن اب اردو میں بھی اس کے تجربے کئے جا رہے ہیں۔ایسا ہی ایک تجربہ نادم بلخی نے بھی کیا ہے۔مضمون نگار نے کلام بلخی کے دو سانیٹ ''جستجو اور ٹھنڈا سایہ'' پر اظہار خیال کیا

ہے۔دسواں مضمون پرفیسر علیم اللہ حالی کا ہے۔اس کا عنوان ہے ''علیم صبانویدی کی نعتیہ شاعری''۔اس میں مضمون نگار نے ان خصوصیات کا تفصیلی بیان پیش کیا ہے جو علیم کی نعتیہ شاعری میں پائی جاتی ہیں۔

گیارہواں مضمون مدیر مجلہ ڈاکٹر جوہر قدوسی کا ہے۔اس کا عنوان ہے ''نعیم صدیقی کی نعتیہ شاعری''۔نعیم صدیقی اردو زبان وادب کے معتبر شاعر ونقاد تھے۔فکر کی سلامتی کے ساتھ ان کو زبان و بیان کی نزاکتوں کے فہم کا وافر حصہ قدرت سے ملا تھا۔انہوں نے نعت گوئی میں نئے تجربات کئے ہیں۔ مضمون نگار نے نعیم صاحب کی خصوصیات کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔مضمون نگار نے نعیم کے اُس دیباچے کا ایک حصہ نقل کیا ہے جو انہوں نے اپنے نعتیہ مجموعہ ''نور کی ندیاں رواں'' کے شروع میں لکھا ہے۔

نعیم صاحب لکھتے ہیں:

''میں نے نعت ہمیشہ ایک جذبۂ بیتاب کے طاری ہونے یا کسی شدید کرب کے عالم میں نہایت خلوص سے لکھی ہے۔معنوی طور پر فرمائشی نعتیں لکھنے کی صلاحیت مجھ میں کم ہے۔ میرے سامنے تین تقاضے بیک وقت رہتے ہیں۔ایک حضورؐ کی دعوتِ انقلاب کا ابھارنا، اس انقلاب کی روح کو کارفرما کرنے کیلئے ہی نعت کے پیرایوں میں نئے اضافی تجربے کرنا۔ (حتی کہ اصطلاحات اور الفاظ وتراکیب کے دائروں میں ایجادیں کرنا) اور فنی ولسانی حسن کی حباب آسانازک لطافتوں کا تحفظ کرنا بلکہ ان کو نشوونما دینا''۔

بارہواں مضمون بھی مدیر مجلہ ہی کا ہے۔اس کا عنوان ''علامہ عامر عثمانی کا نعتیہ کلام''۔عامر عثمانی سند یافتہ عالم دین تھے۔پختہ قلمکار ہونے کے ساتھ کہنہ مشق شاعر بھی تھے۔اگر چہ انہوں نے اپنا کوئی نعتیہ مجموعہ ترتیب نہیں دیا ہے، تاہم بقول مضمون نگار ''ان کا کلام نعتیہ عناصر کی موجودگی کا جابجا پتہ دیتا ہے''۔مضمون نگار نے عامر کی نعت، جو ان کے مجموعہ کلام ''یہ قدم قدم بلائیں'' کے شروع میں درج کی ہے۔جس کا مطلع ہے:

تمہاری نعت کے قربان جان و دل لیکن
تمہاری نعت کے قابل کہاں زبان و قلم

کے کچھ اشعار نقل بھی کئے ہیں۔

تیرہواں مضمون بھی مدیر مجلہ ہی کا ہے۔اس کا عنوان ہے ''پروفیسر نادم بلخی کی نعت نگاری''۔اس مضمون میں مضمون نگار نے نادم بلخی کے دو نعتیہ مجموعوں ''چودہ طبق'' اور ''ضیائے عرفان'' پر اظہارِ خیال کیا ہے۔مضمون نگار نے لکھا ہے کہ نادم کا طرہ امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے غزل، رباعی، قطعہ اور ماہیہ جیسی

قدیم اصناف کے ساتھ ساتھ سانیٹ اور ہائکو کی جدید ترین ہئیتوں میں بھی نعتیں لکھی ہیں۔

چودھواں مضمون علیم صبانویدی کا ہے۔اس کا عنوان ''دانش فرازی کی نعت گوئی'' ہے۔علیم نے دانش فرازی کی نعت گوئی کے سلسلے میں لکھا ہے :

''حضرت دانش نے نعت گوئی کیلئے بہترین ذریعہ حیات طیبہ ہی کو قرار دیا (ہے)، کیوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر بھر پور نظر اسی پہلو سے پڑتی ہے اور حقائق بیانی ممکن ہے۔آپ نے منظوم سیرت اسی بنا پر پسند فرمائی تاکہ وہ آپکے لئے وسیلۂ نجات بنے'' (ص ۱۹۹)

پندرھواں مضمون مناظر عاشق ہرگانوی کا ہے۔اس کا عنوان ''مشاہد رضوی کی نعت میں محسوساتی عمل'' ہے۔مضمون نگار لکھتے ہیں: ''محمد حسین مشاہد رضوی کی نعت گوئی سے ایمان میں تازگی اور روح میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے مشاہد رضوی نے نعت کہتے وقت اختراعیت کو راہ دی ہے۔ ؎

اوروں کا کام کرکے مسرت سمیٹ لو
اخلاق کا انہیں سے یہ درسِ حسیں ملا

سولہواں مضمون ''مناظر عاشق ہرگانوی کی نعت گوئی'' ہے۔اس کو علیم صبانویدی نے لکھا ہے۔ مضمون میں پہلے مطلق نعت گوئی پر تمہیدی گفتگو کی (گئی) ہے۔پھر مناظر عاشق کی نعت گوئی کی خصوصیات بیان ہوئی ہیں۔علیم لکھتے ہیں:

''مناظر کی نعتوں کے مطالعہ نے راقم کو اتنا احساس تو ضرور دلایا ہے کہ ان کے لاشعور میں نورانی نعتوں کا جذبہ برسوں سے پوشیدہ تھا۔لیکن اسے شعور تک پہنچنے اور قرطاس کی زمین پر قدم رکھنے میں تقریباً ساٹھ سال کا وقفہ لگا ہے۔اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ مناظر کے اندر کا جذبۂ نعت نویسی برسوں سے وردِ اسم محمد میں محو رہا ہے جس کا اظہار موصوف نے یوں کیا ہے ؎

بھیجو درود اُس پہ مناظر نہ کیوں بھلا
دافع مرے غموں کا محمدؐ کا نام ہے

رشید اختر کا مضمون ''نعت کی ہمہ گیری اور ہنداسلامی تہذیب (محسن کے قصیدے مدیح البشر کے حوالے سے) اس سلسلے کا پندرھواں مضمون ہے۔محسن کاکوروی اپنے زمانہ کے مشہور نعت گو شاعر تھے۔ ان کے نعتوں کا کلیات بھی شائع کیا ہے۔ان کی ایک نعت ؎

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

برق کے کاندھے پر لائی ہے صبا گنگا جل

اپنے وقت میں مشہور اور مقبول نعت رہی ہے، لیکن ان پر جا بجا اعتراضات بھی ہوئے ہیں، جن کے نقادوں اور خود محسن نے جوابات دیئے ہیں۔ مضمون نگار نے اسی نعت کو بنیاد بنا کر اسلامی ہند کی تہذیب پر خامہ فرسائی کی ہے۔

سترہواں مضمون ڈاکٹر سراج احمد قادری کا ہے۔ ''نعت نبی اکرمؐ: نظریاتی افکار وخیالات کی نذر (تین کتابوں کے حوالے سے ایک مکالمہ، ایک محاکمہ)''۔ اس مضمون میں ڈاکٹر سراج نے تین کتابوں ''نعت گوئی کا موضوعاتی مطالعہ'' (ڈاکٹر حبیب الرحمن رحیمی)، ''نعت گوئی اور اس کے آداب'' (پروفیسر عبداللہ شاہین) اور ''عربی میں نعتیہ کلام'' (ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی) کا موازنہ کر کے اپنا نقطہ نظر بیان کیا ہے۔ ڈاکٹر حبیب الرحمن رحیمی کے مقالے کی نسبت ڈاکٹر سراج قادری نے لکھا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو تو چاہئے تھا کہ وہ اپنے مؤقف پر قائم رہ کر نعت گوئی کے موضوعات پر قرآن واحادیث، سیرت رسول اکرم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے اقوال واشعار سے ان موضوعات کی تحقیق وتفحص کر کے نشاندہی کرتے جس سے کہ عصر حاضر یا مابعد کے نعت گو شعراء یا نعت خواں حضرات کو راہ راست کی ضیاء ملی، مگر ایسا نہ کر کے انہوں نے اپنے اس تحقیقی مقالے کو باطل نظریاتی مقالہ بنا دیا اور گھما پھرا کر وہی باتیں کی ہیں، جو ان کے اپنے من کی بات یا ان کا اپنا خود کا عقیدہ ونظریہ ہے۔ اس کے چند سطور بعد ڈاکٹر سراج نے اپنی بات کو ثابت کرنے کیلئے ڈاکٹر رحیمی کا ایک اقتباس نقل کیا ہے، جس میں ڈاکٹر رحیمی نے حالی کی مشہور نظم ''اے خاصہ خاصان رسل وقت دعا ہے'' کے ضمن میں لکھا ہے کہ اس نعت میں تو مولانا حالی نے امت کی بددینی اور درپیش مسائل کا ذکر آں حضرت ﷺ کے حضور کیا ہے۔ مگر بعد میں شعراء اس سے پھسل کر استغاثہ، استمداد اور استعانت تک پہنچ گئے جو قطعی مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ کیوں کہ اگر کسی سے فریاد کی جاسکتی ہے، کسی سے مدد مانگی جاسکتی ہے تو وہ ذات صرف اللہ وحدہ لاشریک کی ہے۔ (ص ۲۲۴)

ڈاکٹر حبیب الرحمن رحیمی کا مقالہ میرے پاس موجود ہے۔ اس کے تئیں جو رائے ڈاکٹر قادری نے پیش کی ہے، امر واقعہ یہ ہے کہ یہ ان کی زیادتی ہے۔ لیکن فی الحال اس مقالے پر گفتگو میرا مقصد نہیں۔ البتہ تعجب ہے کہ ڈاکٹر سراج نے ڈاکٹر رحیمی کے درج بالا اقتباس کو اُن کے من کی بات یا خود کا عقیدہ قرار دیا ہے جو کہ قطعاً غلط ہے۔ ڈاکٹر رحیمی کی بات تو سو فیصد قرآن وسنت اور سلف صالحین کی تشریح سے ماخوذ مستنبط ہے۔ اگر اس واضح اور غیر مبہم بات کو من کی بات اور خود کا عقیدہ کہہ کر نظر انداز کیا جاسکتا ہے تو بعینہ یہی بات ڈاکٹر سراج کے تبصرے پر بھی صادق آتی ہے اور اس کے بارے میں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ان کا

تبصرہ ایک خاص مذہبی سوچ کی عکاسی کرتا ہے۔ یہی زیادتی ڈاکٹر سراج صاحب نے عبداللہ شاہین اور ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی کے ساتھ بھی کی ہے۔ عبداللہ شاہین کی یہ بات تو یقیناً غلط ہے ''امام بوصیری کا قصیدہ بردہ جو انفرادی مصائب کا نمونہ ہے اور ملت اسلامیہ کی اجتماعی تباہی و بربادی کا المیہ جسے حالی جیسے موحد شاعر نے بھی (ٹھوکر کھاتے ہوئے) روایتی شاعری کی رو میں بہہ کر بصورت ''استغاثہ'' بارگاہ رسالت پیش کیا ہے۔'' ممکن ہے اس طرح اور بھی کئی دوسری غیر تحقیقی باتیں عبداللہ شاہین صاحب نے اپنی کتاب میں درج کی ہوں۔ بظاہر لگتا ہے کہ انہوں نے امام بوصیری کا قصیدہ مکمل ملاحظہ نہیں کیا ہے، ورنہ وہ اسے انفرادی مصائب کا نمونہ اور ملت اسلامیہ کی اجتماعی تباہی و بربادی کا المیہ قرار نہ دیتے اور اگر امام بوصیری کا قصیدہ پڑھ کر انہوں نے یہ رائے قائم کی ہے تو اس سے خود عبداللہ شاہین صاحب ہی کا عقیدہ اور فہم معرض بحث میں آجاتا ہے۔ البتہ ڈاکٹر سراج کا یہ کہنا بھی طفلانہ سوچ کا زائدہ معلوم ہوتا ہے کہ:

''میں ڈاکٹر رحیمی صاحب اور پروفیسر شاہین صاحب سے ادب کے ساتھ پوچھنا چاہوں گا کہ کیا حکم صادر فرمائیں گے اس جلیل القدر صحابی رسول کے بارے میں جنہوں نے آقا علیہ السلام سے براہ راست اپنے گناہوں کی معافی طلب کی ہے''

تعجب ہے کہ ڈاکٹر سراج صاحب اتنی کمزور بات کس طرح لکھ گئے۔ معرضِ بحث یہ امر نہیں ہے کہ ایک صحابی جس نے زمانۂ جہالت میں رسول اللہ ﷺ کے خلاف کفار کو بھڑکایا تھا اور اپنے اشعار میں آپؐ کی ہجو کی تھی، اُس کا رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں آکر معافی طلب کرنا جائز ہے یا نہیں۔ اس کو ناجائز کون کہتا ہے۔ پھر یہاں زیادتی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوئی تھی۔ معاملہ حقوق العباد کا تھا۔ تو معافی بھی رسول اللہ ہی سے مانگنی تھی۔ آج بھی اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص پر ظلم کرے تو وہ معافی بھی اُسی شخص سے طلب کرتا ہے جس پر ظلم کیا تھا۔ اس کا اللہ کی بارگاہ میں اپنے جملہ بداعمالیوں کے لئے توبہ واستغفار کرنے سے کیا تعلق؟۔ معرض بحث امر یہ ہے کہ کیا آپؐ کی وفات کے بعد کسی دور یا نزدیک مقام سے آپؐ کو پکارنا اور اپنے گناہوں کی معافی طلب کرنا درست ہے یا نہیں؟۔ قرآن وحدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ اس طرح کی پکار صرف اللہ کے ساتھ خاص ہے۔ پھر ڈاکٹر سراج کا عبداللہ شاہین کو ڈاکٹر رحیمی اور ڈاکٹر عبداللہ عباس کا ہم عقیدہ وہم نظریہ قرار دینا بھی غلط ہے۔ دین کی اصولی باتوں میں ان کے یہاں گو توارد پایا جاتا ہو، تاہم ڈاکٹر رحیمی اور ڈاکٹر عبداللہ عباس کے یہاں جو فکر ونظر کا اعتدال پایا جاتا ہے، شاہین صاحب کے یہاں اس کا فقدان صاف نظر آتا ہے۔

''کشمیر میں نعتیہ شاعری کی صورتحال'' (ایک ناتمام تذکرہ) از مدیر مجلہ اس باب کا سترہواں

مضمون ہے۔ مضمون نگار نے لکھا ہے کہ ریاست جموں وکشمیر میں ایسے شعراء کی تعداد نہایت قلیل ہے جن کو معروف معنوں میں نعت گو شعراء کہا جاسکتا ہے۔ مضمون نگار کے مطابق اُردو یا کشمیری زبان میں حمدیہ ونعتیہ مجموعہ کے حامل شعراء کی تعداد ایک درجن سے زیادہ نہیں ہوگی۔ البتہ بقول مضمون نگار "رسمی نعت" کہنے والوں کی تعداد خاطر خواہ ہوسکتی ہے۔ بہر حال مضمون نگار نے جن شعرائے کشمیر کی نعت نگاری پر اظہار خیال کیا ہے وہ یہ ہیں: زینت بی بی مجوب، مولانا عبدالقدیر بدری، ضیاء الدین ضیاء کشتواڑی، غلام حمد مہجور، چودھری خوشی محمد ناظر، پروفیسر محمد طیب صدیقی ضیغم، چودھری دینا ناتھ رفیق، سعد الدین تارہ بلی، طالب حسین رند بھدرواہی، غ، م، طاؤس، قاری سیف الدین، میر غلام رسول نازکی، مرزا غلام حسن بیگ عارف، سرون ناتھ آفتاب، سردار وزیر محمد خاں وزیر، پروفیسر ایم اے شیدا، سید جلال الدین اعجاز، مشتاق کاشمیری۔ جدید شعراء میں ڈاکٹر نذیر آزاد، ڈاکٹر حیات عامر حسینی اور خود مضمون نگار ڈاکٹر جوہر قدوسی نے اپنے نعتیہ کلام پر بھی خامہ فرسائی کی ہے۔

اس باب کا اٹھارہواں مضمون "مشتاق فریدی کا ہے۔ اس کا عنوان ہے "وادئ چناب کے چند نعت گو شعراء"۔ مضمون نگار نے غلام رسول کامگار، رسا جاودانی، نشاط کشتواڑی، غلام نبی ڈول وال (جانباز کشتواڑی)، اسیر کشتواڑی، پروفیسر محمد اسداللہ دوانی، غلام قادر بیرواڑی، جگدیش راج رانا، شمیم اختر شمیم، شمیمہ بانو، ہاجرہ بیگم چرواز گول، مہتاب بیگم اور نیلوفر ڈوڈہ کے کلام کے نمونے پیش کئے ہیں۔

کتاب کا تیسرا باب "تفہیمات" کے نام سے ہے۔ اس میں حمدیہ ونعتیہ فن پاروں پر تبصرے اور تاثرات درج کئے گئے ہیں۔ اس کا پہلا مضمون ڈاکٹر محمد حسین شاہد رضوی کا ہے۔ اس کا عنوان ہے "حمدیہ مجموعہ" ربنا لک الحمد' از جمال ناصر۔ دوسرا مضمون مفتی محمد اسحٰق نازکی کا ہے۔ اس کا عنوان ہے "علامہ انور شاہ کشمیری کا قصیدہ معراجیہ"۔ علامہ انور شاہ کشمیری بہت بڑے محدث اور عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ، عربی کے جید اور کہنہ مشق شاعر بھی تھے۔ مفتی محمد اسحٰق نازکی نے ان کے قصیدہ معراجیہ کو سلیس اُردو کے قالب میں ڈال دیا ہے۔

"حمدیہ ونعتیہ مجموعہ" 'بحر تجلیات' اس باب کا تیسرا مضمون ہے لیکن اس پر مضمون نگار کا نام درج نہیں ہے۔ نیچے (ابن عبداللہ) لکھا ہے۔ چوتھا مضمون مدیر مجلہ ڈاکٹر جوہر قدوسی کا ہے۔ اس میں کشمیری نعتوں کے نمائندہ انتخاب پر اظہار رائے کیا گیا ہے۔

پانچواں مضمون ڈاکٹر احسان اللہ طاہر کا ہے۔ "حافظ محمد الیاس کا نعتیہ دیوان۔ سبیل عطا"۔ چھٹا مضمون ڈاکٹر محمد سہیل شفیق کا "نعتیہ شاعری کے فروغ میں 'نعت رنگ' کی خدمات" ہے۔ اس نوع کا

ساتواں مضمون ڈاکٹر ریاض مجید کا ہے ''نعت رنگ کی تنقیدی خدمات''۔

اس سلسلے کی ایک اور کڑی ملک الظفر سہسرامی کا مضمون ''نعت رنگ کا تجزیاتی وتنقیدی مطالعہ'' ہے۔اطہر علی ہاشمی اور ندیم صدیقی نے نعت رنگ کے ۲۷ ویں اور ۲۸ ویں شمارے پر تبصرہ لکھے ہیں۔

''ثنا کی نکہتیں: عشق رسول کا استعارہ'' ڈاکٹر منصور فریدی کا مضمون ہے۔ 'ثناء کی نکہتیں' سید نورالحسن نور کا مجموعہ نعت ہے۔ڈاکٹر منصور کے تعارف سے معلوم ہوتا ہے کہ سید نورالحسن نور صنفِ نعت کے قدآور اور متبحر شاعر تھے۔

آخر یہ برف پگھلی تو نعت رسول سے /// ورنہ خیال وفکر پہ طاری جمود تھا

گھر میں چراغ نعت تھا روشن تمام شب /// اک سیل رنگ ونور کا پیہم ورود تھا

ابوالمیزاب محمد اویس رضوی نے سلیم شہزاد کے تقدیسی شاعری کے مجموعے ''کشفیہ'' پر اظہار خیال کیا ہے۔اس باب میں عقیل ملک کا مضمون ''نقش: سرمایۂ نعت میں ایک گراں قدر اضافہ'' شامل ہے۔ ''نقش'' دلاور علی آزاد کا مجموعہ نعت ہے۔نمونۂ کلام ؎

روشنی اس کی مہ ومہر سے بڑھ کر نکلی /// وہ ستارہ جو نمودار مدینے سے ہوا

رفیع الزماں زبیری نے ''پاکستان میں اردو نعت کا ادبی سفر'' پر تبصرہ لکھا ہے۔کتاب مذکورہ ڈاکٹر عزیز احسن کی ہے۔رفیع الزماں نے لکھا ہے:

''ڈاکٹر عزیز احسن نے پاکستان کے ابتدائی دور کے نعت گو شعراء کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ تمام شعراء جن میں انہوں نے حفیظ جالندھری، ماہر القادری، اثر صہبائی، صبا اکبر آبادی، رسول محشر نگری، رعنا اکبر آبادی، اقبال صفی پوری کو شامل کیا ہے، شعر وسخن کی کلاسیکی قدروں کے محافظ تھے۔ان کی نعتوں میں زبان کی صفائی ہے اور قادر الکلامی کی شان بھی'' (ص ۳۱۱)

صبیح رحمانی کی دو کتابوں ''غالب اور ثنائے خواجہ'' اور ''اُردو نعت کی شعری روایت'' پر تبصرے شائع کیے گئے ہیں۔یہ تبصرے علمی نوعیت کے ہیں لیکن یہاں پر تفصیل پیش نہیں کی جاسکتی۔

''اردو نعت پاکستان'' یہ ڈاکٹر شہزاد احمد کا تحقیقی مقالہ ہے۔''نعت انسائیکلوپیڈیا (جلد اول)۔ ان دونوں کتابوں کا تعارف ابن عبداللہ نے پیش کیا ہے۔صبیح رحمانی نے ''کلیات عزیز احسن'' پر چند معروضات کے نام سے مضمون لکھا ہے۔خاور اعجاز نے جلیل عالی کے مجموعۂ حمد ونعت ''نور نہایا راستہ'' پر اظہار خیال کیا ہے۔ڈاکٹر شمس کمال انجم کے نعتیہ مجموعہ ''بلغ العلیٰ بکمالہ'' پر عبدالرشید فدا راجوری نے اظہار خیال کیا ہے۔

"تصورات" مجلہ 'جہان حمد و نعت' کا اگلا باب ہے۔اس میں حمد و نعت سے متعلق اصحاب فکر و دانش کے منتخب اقوال نقل کئے گئے ہیں۔ان میں احسان دانش، ابوالمجاہد زاہد، ابواللیث صدیقی، ابوالخیر کشفی، عثمان چستی، نثار احمد فاروقی، سید اسعد گیلانی، شورش کاشمیری، تنویر احمد علوی، احمد ندیم قاسمی، نعیم صدیقی، احمد رضا خاں بریلوی، مولوی عبدالحق، ابوالاعلیٰ مودودی، مفتی محمد شفیع، حافظ محمد گوندوی قابل ذکر ہیں۔

تخیلات اس کتاب کا اگلا باب ہے۔یہ ۳۴۳ سے لیکر ۴۵۸ تک پھیلا ہوا ہے۔اس میں برصغیر کے مختلف شعراء کا حمدیہ و نعتیہ کلام پیش کیا گیا ہے۔"تاثرات" والے باب میں خطوط درج ہیں۔متفرقات میں صبیح رحمانی اور ابوالحسن خاور کا انٹرویو دیا گیا ہے۔اخیر میں کشمیری حصہ ہے۔اس میں کشمیر کے چند شعراء کا حمدیہ و نعتیہ کلام بزبانِ کشمیری پیش کیا گیا ہے۔



● پروفیسر ڈاکٹر محمد اسد اللہ وانی

علامہ اقبال لین، سنجواں روڈ، بٹھنڈی، جموں : 9419194261

'جہانِ حمد و نعت'، حمدیہ اور نعتیہ ادب کے فروغ، اشاعت، ترقی اور ترویج کے لیے وقف کیا گیا ادبی اور تحقیقی مجلہ ریاست جموں و کشمیر کا اوّلین کتابی سلسلہ ہے۔اس مجلہ کی پہلی جلد (شمارہ اوّل) نعت اکادمی جموں و کشمیر کی جانب سے مئی-- جون ۲۰۱۹ء میں شائع ہوئی ہے۔نعت اکادمی جموں و کشمیر کے قیام کے سلسلے میں ۱۲ربیع الاوّل ۱۴۱۹ھ بمطابق ۷رجولائی ۱۹۹۸ء بروز منگل وار کشمیر یونی ورسٹی میں پہلی میٹنگ منعقد ہوئی، جس میں پروفیسر مرغوب بانہالی، جناب مشتاق کاشمیری، پروفیسر جوہر قدوسی، ڈاکٹر حیات عامر، جناب غلام حسن غمگین اور ایڈوکیٹ جناب مظفر احمد نے شرکت کی۔اکادمی کے قیام میں ان شخصیات کی حیثیت تاسیسی ارکان کی رہے گی، جو تاحیات مجلسِ منتظمہ کے اراکین ہوں گے۔کسی رکن کی وفات واقع پانے یا مستعفی ہوجانے یا طویل عرصہ کے لیے ملک سے باہر چلے جانے کی صورت میں تاسیسی اراکین شورائی طریقے پر عمل کرتے ہوئے نئے رکن / اراکان کا تقرر کریں گے۔نعت اکادمی کا دستور یا آئین بھی ترتیب دیا گیا ہے۔یہ ۱۶ دفعات پر مبنی ہے اور اسے اس کے قیام کے دن سے ہی نافذ کیا گیا ہے۔مختلف زبانوں میں نعتیہ اور حمدیہ کلام کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں جس طرح اس کا دائرہ وسیع رکھا گیا ہے، اُسی طرح 'صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے' کے تحت ہر کلمہ گو کو اس اکادمی کی رُکنیت اختیار کرنے کی سہولت رکھی گئی ہے۔

'جہانِ حمد و نعت' کا مجلہ مکتبۂ الحیات مدینہ چوک گاؤ کدل سری نگر سے شائع ہوتا ہے۔اس

کے سرپرست پروفیسر مرغوب بانہالی ہیں اور مدیر ڈاکٹر جوہر قدوسی ہیں۔ اس مجلہ کی مجلسِ مشاورت یا ادارتی مجلس اس انداز سے ترتیب دی گئی ہے کہ ایک اُچٹتی نظر سے اس میں اردو دُنیا کی ایک ہلکی سی جھلک نظر آتی ہے۔ کشمیر سے پروفیسر مرغوب بانہالی، مشتاق کاشمیری اور مشتاق فریدی، نیو یارک سے فیروز احمد سیفی، اُتر پردیش سے ڈاکٹر سراج احمد قادری، جھارکھنڈ سے رشید اختر خاں اور لاہور سے ابوالحسن خاور کی نمایندگی اِس ضخیم صحیفۂ ادب کو عالمی یا آفاقی بنانے کی ایک کاوش کا احساس دلاتی ہے۔ اتنا ہی نہیں اس کی نگارشات کو ڈاکٹر ریاض مجید، سیّد صبیح الدّین صبیح رحمانی، ڈاکٹر اسمٰعیل آزاد فتح پوری، پروفیسر اقبال عظیم مرحوم، پروفیسر مرغوب بانہالی، مشتاق کاشمیری اور مشتاق فریدی کی حمد شناسی کے نام معنون کرنا اس امر کو مزید تقویت عطا کرتا ہے۔

'جہانِ حمد و نعت' ۵۱۲ صفحات کا حامل ایک ضخیم ادبی اور تحقیقی مجلہ ہے۔ اس کے ابتدائی تین صفحات نام، پتہ، ادارت، مجلسِ مشاورت، نگران، ناشر اور انتساب وغیرہ امور سے متعلق ہیں، جب کہ صفحہ ۴ پر سورۂ لقمان کی ۲۷ ویں آیت، اس کا ترجمہ اور سعدی شیرازی کی مشہور اور مقبول چار مصرعوں پر مشتمل نعت 'یا صاحب الجمال و یا سیّد البشر' موقع اور محل کے مطابق انتہائی موزوں اور برجستہ ہے، مگر 'سیّد البشر' سے قبل 'یا' لفظ کمپوز کرنے سے رہ گیا ہے۔ صفحہ ۵ سے صفحہ ۸ تک لمعاتِ ثنا، تفکّرات، تدبّرات، تفہیمات، تصوّرات، تخیّلات، تاثرات اور متفرقات جیسے مختلف عنوانات کے تحت مشمولاتِ مجلہ کی تفصیلات درج ہیں۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے اگر ہم ان عنوانات کے روزنوں سے جھانکنے کی سعی کریں تو حمد و نعت کے حوالے سے جو نو بہ نو گہرِ تابدار نظر نواز ہوتے ہیں، اُن کی پرتیں تہہ بہ تہہ کچھ اس طرح سے اُٹھتی چلی جاتی ہیں :

'لمعاتِ ثنا' کے تحت مدیر کا حرفِ آغاز یا اداریہ، مظفر وارثی اور نعیم صدیقی کا ہدیۂ حمد اور ندائے نعت کو اوّلیت حاصل ہے۔ 'تفکرات' کی سرخی کی توسیع کرتے ہوئے حمد و نعت کے اکتشافِ فکر اور اقتضائے فن کو مدِ نظر رکھتے ہوئے حمد و نعت گوئی کے فن اور آداب و اسلوب پر مختلف موضوعات کے حامل ۱۱ مضامین شاملِ اشاعت ہیں، جن میں سے ۴ مضامین بعنوان حمد، نعت اور منقبت: ایک تقابلی جائزہ، نعت کے لغوی و اصطلاحی معانی و مفاہیم پر ایک نظر، لفظ نعت کا اوّلین استعمال: ایک تاریخی جائزہ اور 'اردو نعت میں موضوعات کی بوقلمونی' مدیر مجلہ ڈاکٹر جوہر قدوسی کے تحریر کردہ ہیں۔ یہ مضامین قلم بند کرنے میں مدیر اس لیے بھی حق بجانب ہیں کہ انھوں نے 'اردو میں نعت گوئی: روایت اور ارتقا' کے موضوع پر مقالہ لکھ کر کشمیر یونی ورسٹی سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔

اس باب کے دیگر مضامین کا جہاں تک تعلق ہے، اُن کی تفصیل یوں ہے: حمد نگاری: اوّلین صنفِ شاعری (سمیّہ اسلام)، حمد و مناجات اور قرآن کا اسلوبِ بیان (ڈاکٹر ابوالکلام)، حمد کی دینی اور ادبی قدر و قیمت (ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی)، حمدیہ شاعری پر تنقید (پروفیسر ڈاکٹر عاصی کرنالی)، حمد و نعت کا تحلیلی مطالعہ (مقصود احمد ضیائی)، حمد نگاری و نعت گوئی: چند معروضات (علی محمد عاجز)، نعتیہ شاعری کا تاریخی پس منظر (علیم صبا نویدی)۔

'تدبّرات' باب کے تحت حمد و نعت کے سلسلے میں 'عکسِ تحقیق اور نقشِ تنقید' کے ذیل میں حمدیہ و نعتیہ شاعری پر ۲۰ تحقیقی و تنقیدی مقالات میں سے 'اردو میں حمدیہ مضامین، نعیم صدیقی کی نعتیہ شاعری، علامہ عامر عثمانی کا نعتیہ کلام، پروفیسر نادم بلخی کی نعت نگاری اور 'کشمیر میں نعتیہ شاعری کی صورت حال' ۵ مقالے مدیر کے زورِ قلم کا نتیجہ ہیں، جب کہ بقیہ ۱۵ مقالے حمد و مناجات بیسویں صدی میں (ڈاکٹر طفیل احمد مدنی)، کلامِ اقبال میں حمد و مناجات (عبیداللہ کوٹی) صلاح الدین پرویز کی نعتیہ نظم: محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (پروفیسر حامدی کاشمیری)، نعت اور شاعراتِ نعت (ڈاکٹر اسمٰعیل آزاد فتح پوری)، نقدِ نعت میں تنقیدی دبستانوں کی بوقلمونی (ڈاکٹر عزیز احسن) نعتیہ ادب میں پی ایچ ڈی مقالات کی اہمیت (ڈاکٹر شہزاد احمد)، علیم صبا نویدی کی نورانی نعت گوئی (علامہ ناوک حمزہ پوری)، نادم بلخی کی نعتیہ سانیٹس (علیم صبا نویدی)، علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری (پروفیسر علیم اللہ حالی)، دانش فرازی کی نعت گوئی (علیم صبا نویدی)، مشاہد رضوی کی نعت گوئی میں محسوساتی عمل (پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی)، مناظر عاشق ہرگانوی کی نعت گوئی (علیم صبا نویدی)، نعت کی ہمہ گیری اور ہند اسلامی تہذیب (رشید اختر خاں) نعتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم: نظریاتی افکار و خیالات کی نذر (ڈاکٹر سراج احمد قادری)، وادیِ چناب کے چند نعت گو شعرا (مشتاق فریدی) کے تحریر کردہ مقالات ہیں۔

'جہانِ حمد و نعت' کا چوتھا باب 'تفہیمات' ہے۔ اس میں انتقادِ سخن اور احتسابِ اسلوب کا ایک ذیلی باب قائم کر کے حمدیہ اور نعتیہ فن پاروں پر مختلف ادبا کے تحریر کردہ ۱۹ تبصرے اور تاثرات شاملِ اشاعت کیے ہیں، جن میں سے کشمیری نعتوں کا نمائندہ انتخاب اور جناب صبیح رحمانی کی دو اہم کتابیں 'غالب اور ثنائے خواجہ صلی اللہ علیہ وسلم' اور 'اردو نعت کی شعری روایت' پر مدیر نے اظہارِ خیال کیا ہے۔ اس باب کے دیگر مشمولات کی تفصیل اس طور ہے: حمدیہ مجموعہ 'ربنا لک الحمد' (ڈاکٹر مشاہد رضوی)، علامہ انور شاہ کشمیری کا قصیدۂ معراجیہ (مفتی اسحٰق نازکی قاسمی)، حمدیہ و نعتیہ مجموعہ: 'سحرِ تجلیات' (ابن عبداللہ)، حافظ محمد الیاس کا نعتیہ دیوان (ڈاکٹر احسان اللہ طاہر)، نعتیہ شاعری کے فروغ میں 'نعت رنگ' کی

خدمات (ڈاکٹر محمد سہیل شفیق)، 'نعت رنگ' کی خدمات (ڈاکٹر ریاض مجید)، 'نعت رنگ' کا تجزیاتی وتنقیدی مطالعہ (ملک الظفر سہرامی)، 'نعت رنگ' ۲۷ واں اور ۲۸ واں شمارہ (اطہر علی، ندیم صدیقی)، ثنا کی نکہتیں، عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا استعارہ (ڈاکٹر منصور فریدی)، سلیم شہزاد کا مجموعہ 'کشفیہ' (محمد اویس رضوی)، نقش: سرمایۂ نعت میں گراں قدر اضافہ (عقیل ملک)، پاکستان میں اردو نعت کا ادبی سفر (رفیع الزماں زبیری)، اردو نعت پاکستان میں (ابنِ عبداللہ)، نعت انسائیکلو پیڈیا جلد اوّل (ابنِ عبداللہ)، کلیاتِ عزیز احسن: چند معروضات (صبیح رحمانی)، نور نہایا رستہ، از جلیل عالی (خاور اعجاز)، ڈاکٹر شمس کمال انجم کا نعتیہ مجموعہ: بلغ العلیٰ بکمالہٖ (فدا راجوروی)۔

'جہانِ حمد و نعت' کے پانچویں باب کا عنوان 'تصوّرات' کافی دل کش ہے اور اس کے تحت حمد و نعت سے متعلق اصحابِ فکر و دانش کے منتخب اقوال 'اقوالِ زرّیں اور افکارِ روشن' کے ایک ذیلی عنوان کے تحت نعت کے فن اور اس کے لوازمات و مقتضیات، مشاہیر کے اقوال و افکار کی روشنی میں پیش کیے ہیں۔ اِن اقوال و افکار کا انتخاب 'جہانِ حمد و نعت' کے مدیر نے کیا ہے اور یہ مجلہ کے دس صفحات پر مشتمل ہیں۔ مدیرِ موصوف نے جن مشاہیر کے یہ اقوال منتخب کیے ہیں، اُن میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، احسان دانش، علامہ احمد رضا خان بریلوی، ابوالمجاہد زاہد، قمر مرادآبادی، ابواللیث صدیقی، پروفیسر ابوالخیر کشفی، پروفیسر عنوان چشتی، پروفیسر نثار احمد فاروقی، ڈاکٹر اسعد گیلانی، شورش کاشمیری، پروفیسر ظہیر صدیقی، ڈاکٹر تنویر علوی، احمد ندیم قاسمی، ڈاکٹر سیّد عبداللہ، نعیم صدیقی، بابائے اردو مولوی عبدالحق، سیّد ابوالاعلیٰ مودودی اور مفتی محمد شفیع وغیرہم کے اسمائے گرامی 'مشتے نمونہ از خروارے' کے مصداق لیے جاتے ہیں۔ میری ناقص رائے میں اس باب کا عنوان 'تاثرات' زیادہ موزوں تھا۔

'تخیلات' ''جہانِ حمد و نعت'' کا چھٹا اور ایک ایسا باب ہے، جو حقیقتاً اس ضخیم مجلہ کے شائع کرنے کا باعث ہے۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس فکر انگیز اور معلومات افزا جریدے کی اشاعت کی وجہ جو موضوع، یعنی حمد و نعت ہے، اس باب میں اُسی موضوع کی توسیع کے طور پر شعرا کا حمدیہ اور نعتیہ کلام شاملِ اشاعت ہے۔ چنانچہ اس حصہ کے ذیلی باب میں 'حمد و ثنائے ساقئ ازل' کے تحت ۲۴ اور 'مدح و ثنائے ساقئ کوثر' کے تحت ۶ ۳ شعرا کا بالترتیب حمدیہ، مدحیہ اور نعتیہ کلام شائع کیا گیا ہے۔ جہاں تک شعرا کے کلام کا تعلق ہے، ان میں سے کئی شعرا کی ایک سے زیادہ تخلیقات بھی شاملِ اشاعت ہیں اور وہ شاعر کے نام کے ساتھ ایک ہی جگہ دی گئی ہیں، جب کہ ابوالمیز اب محمد اویس آب کی نعتیں نہ جانے سہو کی وجہ سے یا کسی اور مصلحت کی بنا پر دو مختلف مقامات پر یعنی ایک نعت صفحہ ۲ ۳ ۴ پر اور دو نعتیں صفحہ ۷ ۴ ۴ پر شائع کی گئی ہیں۔

'تخیّلات' کی ایک ذیلی سرخی 'کشمیری میں حمدیہ ونعتیہ کلام' بھی ہے۔ اس کے تحت ۱۶ کشمیری شعرا کا کلام شاملِ اشاعت ہے۔ فہرست کی مشمولات کی ترتیب کے مطابق کشمیری شعرا کا یہ کلام صفحہ ۴۵۹ یا ۴۶۰ سے شروع ہونا چاہیے تھا، لیکن مجلس مشاورت یا مدیر نے اس حصّے کو مجلہ کے آخر میں صفحہ ۴۸۱ سے صفحہ ۵۱۲ تک نہ جانے کس مصلحت کی بنا پر شامل کیا ہے۔ چونکہ کلام کا یہ حصہ فہرست کی ترتیب کے اعتبار سے جہاں ہونا چاہیے تھا، وہاں صرف شعرا کے نام درج ہیں اور کلام سب سے آخر میں شامل کیا گیا ہے۔

'جہانِ حمد ونعت' مجلہ کے ارباب بست وکشاد نے یہاں ایک اور یعنی ساتواں باب 'تاثرات' کے تحت 'نامہ ہائے شوق، رقعاتِ ذوق، نقطہ ہائے نظر' کی ایک ذیلی سرخی 'صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے' قائم کرکے جناب پروفیسر مرغوب بانہالی کا جوہر قدوسی کے نام ایک گرانقدر مکتوب اور نعت اکادمی جموں وکشمیر کے دستور کا مسودہ شائع کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ 'جہانِ حمد ونعت' کے مدیر جناب جوہر قدوسی کے اُس تحقیقی مقالے کے ابواب کی تفصیل بھی شاملِ اشاعت ہے، جس پر کشمیر یونیورسٹی نے انھیں ۱۹۹۶ء میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض کی ہے۔

'جہانِ حمد ونعت' کی فہرست کے اعتبار سے مجلہ کا آخری اور آٹھواں باب 'متفرقات' کے عنوان سے ہے، جس کا آغاز اصولی طور پر سب سے آخر میں صفحہ ۴۸۱ سے ہونا چاہیے تھا مگر اسے ۴۶۷ صفحہ سے شروع کیا ہے جو فہرست کے مطابق اصل میں کشمیری حمدیہ اور نعتیہ شاعری کے لیے مختص دکھایا ہے۔ اس ذیل میں دو انٹرویوز کی تفصیلات پیش کی گئی ہیں۔ 'نعت گوئی اور نعت خوانی' از سیّد صبیح رحمانی اور 'نعتوں کا وِکی پیڈیا: 'نعت کائنات' از ابوالحسن خاور۔ سیّد صبیح رحمانی سے محمد مہدی نے انٹرویو لیا ہے جس میں رحمانی صاحب نے نعت گوئی اور نعت خوانی کے لیے شرعی اور شعری شعور کا ہونا ضروری اور لازمی قرار دیا ہے، جبکہ نعتوں کا وِکی پیڈیا: 'نعت کائنات' کے عنوان کے تحت جو تفصیلات فراہم کی گئی ہیں، وہ ابوالحسن خاور کی ویب سائٹ 'نعت کائنات' سے ماخوذ ہیں۔ نعت کے تعلق سے اِن دونوں انٹرویوز کی تفصیلات کافی اہم اور مفید ہیں۔

ذکرِ حمد ونعت کا ہوا ہو اور لب کشائی وہ کرے، جو اِس مقام اور مرتبہ سے کما حقہٗ واقف نہ ہو تو اُس کی تبصرے کی ذمہ داری سے سبک دوشی کیسے ممکن ہے؟ حمد، اللہ کی، خالقِ کائنات کی، ربِّ دو جہاں کی، جو اوّل بھی ہے اور آخر بھی، جو ظاہر بھی ہے اور باطن بھی، جو جمیل بھی ہے اور محبِ جمال بھی۔ ایک حدیث ہے 'اللہ جمیلٌ وَیحب الجمال' (اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے)۔ جمیل کیا ہے؟

جمال کیا ہے؟ خالقِ دوسرا اور نظام کائنات جمیل ہی جمیل ہے، سب مخلوق جمال ہی جمال ہے۔ ہے کوئی جو اُس جمیل کا جمال بیان کرے؟ ہے کسی کو اُس کی حمد کا یارا؟ ہے کوئی جو اس کا تعارف کرائے؟ وہ تو آپ اپنا تعارف کراتا ہے :

''کہو، وہ اللہ ہے، یکتا، اللہ ہے بے نیاز، نہ اُس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد اور کوئی اس کا ہم سر نہیں ہے۔'' وہ آپ ہی اپنی تعریف بھی کرتا ہے :

تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے۔ رحمٰن اور رحیم ہے۔ روزِ جزا کا مالک ہے۔

اور نعت؟ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح، ثنا، تعریف، توصیف اور شان میں مدحیہ اشعار کا نذرانہ، جوؐ باعثِ تخلیقِ کونین ہے، جن کے نام محمدؐ کا مطلب ہی تعریف کیا گیا اور سراہا گیا ہے اور احمدؐ تعریف اور حمد و ثنا کرنے والا، جنؐ پر اللہ اور اُس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اور انسانوں کو بھی درود بھیجنے کی تلقین کی ہے۔ اللہ نے اُنؐ پر اپنا آخری صحیفۂ ہدایت قرآن نازل فرمایا اور یہ بھی فرمایا 'ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت' یعنی وہؐ رحمۃ لِلعالمین ہیں۔ شعرا جو اپنا نذرانۂ عقیدت اُنؐ کی شان میں پیش کرتے ہیں، وہ نعت ہے۔ نعت کیا ہے؟ رئیس امروہوی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

نعت کیا ہے؟ نغمۂ پر کیفِ روحانی ہے نعت /// نعت کیا ہے؟ اہلِ حق کی زمزمہ خوانی ہے نعت
نعت کیا ہے؟ ایک آہنگِ صداقت روح کا /// نعت کیا ہے؟ نغمہ سازِ عقیدت روح کا

'جہانِ حمد و نعت' نعت اکادمی جموں و کشمیر کی جانب سے شائع ہونے والا مجلہ ہے جو نعت اکادمی کے دستور کی دفعہ ۵ رشق (د) کی تعمیل میں اجرا کیا گیا ہے۔ اس شق میں اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ 'ایک ماہانہ، سہ ماہی یا ششماہی رسالے کی اشاعت، جس کے صفحات خالص حمد و نعت، نعتیہ کلام اور اس سے متعلق مضامین و موضوعات کو محیط ہوں'۔ چنانچہ یہ ضخیم رسالہ دستور کی اسی شق کی پیروی میں انتہائی محنتِ شاقہ اور تن دہی سے منظرِ عام پر لایا گیا ہے، جس کے لیے مدیرِ رسالہ جناب جوہر قدوسی مبارک باد کے مستحق ہیں۔ یہ اس لیے بھی کہ کشمیر میں کئی دہائیوں سے مسلسل چلے آ رہے نامساعد حالات سے نبرد آزما ہوتے ہوئے اس معیار کے مجلہ کا منصۂ شہود پہ لانا کسی بھی لحاظ سے کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مدیر موصوف کو **تکبیر**، الحیات، البنات، Crescent اور Globe جیسے رسائل کی ادارت اور اشاعت کا وسیع تجربہ ہے۔ علاوہ ازیں انہوں نے دینِ اسلام کے تعلق سے

ماہنامہ **الحیات** کے کم وبیش تین درجن ایسے خصوصی شمارے بھی مدون ومرتب کر کے شائع کیے ہیں، جو اپنے موضوع اور مواد کے اعتبار سے یکتائے عصر ہیں۔ چنانچہ حمد ونعت سے متعلق معلومات کے اس ضخیم گنجینے کو وجود میں لانا ہر کسی کے بس کا کام نہیں ہے، بلکہ یہ ایک ایسے تجربہ کار شخص کا کارنامہ ہوسکتا ہے جس کے کام کرنے کا ایک اور ہی انداز ہے۔ بقول عرش صہبائی ؎

ہر کسی کو کب میسر ہے یہ طرزِ گفتگو // آپ کا لہجہ الگ ہے آپ کا انداز اور

اور یہ کہ ؎ ایں کار از تو آید مرداں چنیں کنند



● پروفیسر ڈاکٹر محمد حیات عامر حسینی

شعبہ فلاسفی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

مبارک ہیں وہ لوگ، جو ذکر اللہ اور ذکر حبیبؐ سے اپنی روح کو سکون بخشتے ہیں۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔

''جہانِ حمد ونعت'' ذکرِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وقف ہے۔ اسے شائع کرنے کی سعادت اللہ نے ڈاکٹر جوہر قدوسی کو بخشی۔ میری تمنا ہے کہ یہ رسالہ نعت و ذکر حبیب کے معیارات سے مزیّن رہے، اور ہماری تاریخ کے روشن ابواب کو روشن کرتا رہے۔ حمد ونعت ومناقب ہر دور میں لکھے گئے اور انہوں نے لکھے جنہیں اللہ نے اپنی عنایات اور رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر رحمت کے قابل سمجھا۔ کشمیر جنت بے نظیر ان ارواحِ مبارکہ کی رحمتوں اور روشنی سے مزین ہے، جنہوں نے محبتِ نبیؐ اور ذکر حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی زندگی گزاری۔

وادی مقہور ومغضوب (کشمیر) کا وجود محض اس لیے باقی ہے کہ اس میں ابھی بھی ایسے سعید وجود موجود ہیں، جن کے دل ذکر محمدیؐ سے روشن ہیں۔ ہماری قوم کے لیے اس کے سوا نجات کا کوئی راستہ نہیں کہ ہم نادم ہو کر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں اپنی کثافتوں، گناہوں اور جرائم کا اعتراف کرلیں اور ایاک نعبد و ایاک نستعین اور صراط الذین انعمت علیہم پر مکمل یقین و ایمان کے ساتھ نجات مانگیں۔

مجلہ "جہانِ حمد ونعت" کا معیار اور مضامین آنے والے وقت کے ساتھ اعلیٰ سے اعلیٰ بنانے کی کوشش، اعلیٰ علمی کامیابی کی دلیل ہے۔ حمد ونعت ومناقب کا انتخاب انتہائی اعلیٰ ہو، ان حسین وروح افزا

موضوعات پر وسعتِ علم اور تفقہ کے ساتھ مضامین لکھے جائیں اور صاحبانِ علم وفن سے اس کی درخواست کی جائے۔لیکن خیال رہے کہ نعت وحمد ومناقب کا تعلق عشق محمدیؐ سے ہے۔وہ لوگ جنہیں اپنے علم کا زعم ہے،لیکن نور محمدیؐ سے دور جا پڑے ہیں اور نتیجتاً حمد ونعت کے متعلق بے وقعت باتوں کو تحقیق کہتے ہیں،ان کے مضامین پر گہری نظر رکھنے کی ضرورت ہے،تاکہ ایمان وعشق میں رخنہ نہ پڑے۔ہم علمی نظریات اور مباحث کو بہت اعلیٰ مقام دیتے ہیں لیکن جہاں میرے حبیبؐ کا ذکر ہو،یہ(مباحث) کیا---ساری دنیا بے معنی بن جاتی ہے۔

خدا جوہر قدوسی اور" جہان حمد ونعت" کے ادارے کو اپنی رحمتوں اور وسعتوں سے نوازے اور انہیں وہ سرمایہ علمی عطا کرے جو..... مظلوم ومقہور قوم کو ایک نئی زندگی اور نئی حر کی تاریخ عطا کرے۔

غلامِ غلامانِ محمدؐ وآلِ محمدؐ: حیات عامر حسینی،علی گڑھ



● پروفیسر ڈاکٹر مشتاق احمد وانی

شعبۂ اردو،بابا غلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی،راجوری(جموں) -7889952532

ڈاکٹر جوہر قدوسی کا شمار کشمیر کے اُن مخلص،روشن ضمیر،محنتی اور حق پرست لوگوں میں ہوتا ہے جنھوں نے دین کو دنیا پہ ترجیح دی ہے اور جن کے قول وفعل میں تضاد نہیں پایا جاتا۔اس مادیت پرستی کے دور میں کہ جہاں لوگوں کی کثیر تعداد دنیا طلبی،خود غرضی اور شکم پروری کی خاطر ہر طرح کے حربے استعمال کرنے میں ماہر ہوگئی ہے،وہاں ڈاکٹر جوہر قدوسی جیسے لوگوں کی فکر آخرت اور دینی شعور کو عام کرنے کی کاوشیں غنیمت ہیں۔محکمۂ اعلیٰ تعلیم میں اُردو کے ایک دیانتدار پروفیسر کی حیثیت سے اُنھوں نے دو دہائیوں سے زیادہ مستحسن خدمات انجام دی ہیں۔اُن کے مقصد حیات میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ اور نورانی طریقوں کے مطابق حاصل کرنا شامل ہے۔چنانچہ اس مقصد کے تحت اُنھوں نے 2002ء سے ''الحیات'' نام کا ایک دینی رسالہ جاری کیا ہے،جو ہر ماہ بڑی پابندی سے قارئین تک پہنچایا جاتا ہے۔دراصل خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنھیں یہ سمجھ آ گئی ہے کہ دنیا ایک امتحان گاہ ہے اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔علاوہ ازیں جو اللہ تعالیٰ کے پیارے اور لاڈلے محبوب،رحمت عالم،خاتم النبین اور فخر دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ اور نورانی طریقوں کے مطابق زندگی گزارنے کو اپنا مقصد حیات بنائے ہوئے ہیں۔غرضیکہ

تعریف اُس خدا کی جس نے جہاں بنایا اور کروڑوں درود وسلام محمد ﷺ کی ذات اقدس پر کہ جن کی آمد سے مقصد حیات وکائنات کے بارے میں انسان کو مکمل واقفیت حاصل ہوئی۔

''جہانِ حمد ونعت'' ایک ایسا بیش بہا اور قابل قدر علمی وعقیدتی نمبر ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور محمد مصطفیٰ ﷺ کے اوصاف حمیدہ کو مخلصانہ عقیدت کے ساتھ نعت کی صورت میں ترتیب دیا گیا ہے۔ اس کی ترتیب وتہذیب سے ڈاکٹر جوہر قدوسی کی مدیرانہ صلاحیتوں کا انکشاف ہوتا ہے۔ جموں کشمیر میں اس نوعیت کا یہ پہلا حمد ونعت نمبر (کتابی سلسلہ) ہے، جس میں اہم مصنفین کے حمد ونعت کے بارے میں مضامین شامل کیے گئے ہیں، جن میں بڑی وضاحت وصراحت اور دلائل وشواہد کے ساتھ حمد ونعت کا صحیح معنی ومفہوم اور مقام ومرتبہ بیان کیا گیا ہے۔ 512 صفحات پر مشتمل ''جہانِ حمد ونعت'' کا مطالعہ میں نے نہایت عقیدت واحترام کے ساتھ کیا اور تقریباً ڈیڑھ مہینے میں میں نے اسے پڑھ ڈالا۔ حمد ونعت کا یہ ضخیم نمبر بڑی عرق ریزی اور عقیدت مندی سے تیار کیا گیا ہے۔ فہرست مضامین میں جہاں برصغیر کے نامور ناقدین ومحققین کے مضامین شامل کیے گئے ہیں تو وہیں برصغیر سے باہر کے ملکوں کے ادبا وشعرا کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ اس طرح نثری ونظمی نگارشات کو جس حسن ترتیب سے الگ الگ عنوانات میں منقسم کیا گیا ہے، وہ قاری کی دلچسپی اور معلومات میں اضافے کا باعث بنتے ہیں۔ مجلس مشاورت میں جناب پروفیسر مرغوب بانہالی (سری نگر، کشمیر) علیم صبا نویدی (چینئی، تامل ناڈو) فیروز احمد سیفی (نیویارک) ڈاکٹر سراج احمد قادری (خلیل آباد، اتر پردیش) رشید اختر خاں (دھنباد، جھارکھنڈ) ابوالحسن خاور (نعت ورثہ/نعت کائنات، لاہور) مشتاق کاشمیری (سری نگر، کشمیر) مشتاق فریدی (ڈوڈہ، جموں کشمیر) اور ڈاکٹر جوہر قدوسی (مدیر، سری نگر، کشمیر) شامل ہیں۔ ظاہر ہے ان تمام عالم وفاضل حضرات کے بہتر مشوروں سے ''جہانِ حمد ونعت'' عالم وجود میں آیا ہے۔ علاوہ ازیں جن حمد ونعت شناسوں کے نام یہ نمبر منسوب کیا گیا ہے، اُن میں ڈاکٹر ریاض مجید، سید صبیح الدّین رحمانی، ڈاکٹر اسمٰعیل آزاد فتح پوری، پروفیسر اقبال عظیم مرحوم، پروفیسر مرغوب بانہالی، مشتاق کاشمیری اور مشتاق فریدی شامل ہیں۔ حمد ونعت کے اس ضخیم نمبر میں پورے نثری وشعری مواد کو تفکرات، تدبرات، تفہیمات، تصورات، تخیلات، تاثرات اور متفرقات جیسے ابواب کے تحت سمیٹا گیا ہے۔ ان مترادفات کے علاوہ قارئین کی آسانی کے لیے کچھ ضمنی ابواب بھی ترتیب دیے گئے ہیں مثلاً حمد ونعت: انکشاف فکر، اقتضائے فن، حمد ونعت: عکس تحقیق نقش تنقید، حمد ونعت: انتقاد سخن، احتساب اسلوب، حمد ونعت: اقوال زرّیں، افکار روشن، حمد ونعت: حمد وثنائے ساقئ ازل، مدح وثنائے ساقئ کوثر ﷺ۔ حرف آغاز میں مدیر جوہر قدوسی کا اداریہ شامل ہے،

جس میں انھوں نے اس جہانِ حمد ونعت کی اشاعت، اہمیت وافادیت اور اغراض ومقاصد پر بھر پور روشنی ڈالی ہے۔ اپنے اداریے میں انھوں نے ’’نعت رنگ‘ جیسے ادارے کا بھی خصوصی طور پر ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد مظفر وارثی کا ’ہدیۂ حمد‘ کے تحت حمدیہ کلام اور نعیم صدیقی کا ’ندائے نعت‘ کے تحت نعتیہ کلام پڑھنے کو ملتا ہے۔ حصہ ’تفکرات میں حمد ونعت گوئی کے فن اور آداب واسلوب پر گیارہ مضامین شامل کیے گئے ہیں، جن میں چار مضامین ڈاکٹر جوہر قدوسی کے ہیں۔ اس حصے کے مضامین بڑے معلوماتی اور مصنفین کے نام بڑے معروف ومعتبر ہیں۔ سمیہ اسلام کا مضمون ’’حمد نگاری: اوّلین صنف شاعری‘‘ ڈاکٹر حاجی ابوالکلام کا ’’حمد ومناجات اور قرآن کا سلوب بیان‘‘ پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کا ’’حمد کی دینی وادبی قدر وقیمت‘‘ پروفیسر عاصی کرنالی کا ’’حمدیہ شاعری پر تنقید‘‘ مقصود احمد ضیائی کا ’’حمد ونعت کا تحلیلی مطالعہ‘‘ ڈاکٹر جوہر قدوسی کا ’’حمد، نعت اور منقبت: ایک تقابلی جائزہ‘‘ علی محمد عاجز کا ’’حمد نگاری ونعت گوئی: چند معروضات‘‘ علیم صبا نویدی کا ’’نعتیہ شاعری کا تاریخی پس منظر‘‘ اور ڈاکٹر جوہر قدوسی کے تین مضامین ’’نعت کے لغوی واصطلاحی معانی ومفاہیم پر ایک نظر‘‘ لفظ نعت کا اوّلین استعمال: ایک تاریخی جائزہ‘‘ اور ’’اردو نعت میں موضوعات کی بوقلمونی‘‘ ایسے مضامین ہیں جو حمدیہ ونعتیہ شاعری کی فکری وفنی باریکیوں کو ہی سامنے نہیں لاتے، بلکہ تحقیقی وتنقیدی شعور کے کئی باب بھی کھولتے ہیں۔

حمد سے زیادہ نعت لکھنا مشکل ہے کیونکہ نعت میں معمولی سی لغزش یا غلو شاعر کو کہیں کا نہیں رکھتا یا اگر یوں کہا جائے کہ کلام میں آدابِ رسالت کی رعایت ملحوظ نہ رکھنا اور جذباتیت سے مغلوب ہونا دونوں باتوں سے احتراز برتنا ایک اچھے شاعر کا بنیادی فرض ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ اسی احساس اور خوف کے سبب نعیم صدیقی اپنی نعت شریف میں اس طرح کلام کرتے ہیں:

ترے مقام کی عظمت بھلا بیٹھے ہیں
ترے پیام کی شمعیں بجھا کے بیٹھے ہیں
ترے نظام کا خاکہ اُڑا کے بیٹھے ہیں
ضمیر شرم سے پُرداغ، قلب ہے محزوں

نہ کار ساز خرد ہے، نہ حشر خیز جنوں

میں ایک نعت کہوں، سوچتا ہوں کیسے کہوں!

جیسا کہ اس بات کا ذکر ہو چکا ہے کہ حصہ تفکرات میں تمام مضامین معلوماتی اور قابل مطالعہ ہیں لیکن بطور حوالہ یہاں دو مضامین ایک علی محمد عاجز کا ''حمد نگاری ونعت گوئی: چند معروضات'' اور دوسرا عصر حاضر کے جیّد عالم جناب علیم صبانویدی کا مضمون ''نعتیہ شاعری کا تاریخی پس منظر'' پر اظہار خیال تحریری صورت میں کرنا لازمی معلوم ہوتا ہے۔علی محمد عاجز کشمیر کے رہنے والے ہیں۔انھوں نے اپنے مضمون میں حمد نگاری ونعت گوئی پر چند اپنے معروضات پیش کیے ہیں۔انھوں نے سب سے پہلے لفظ حمد کا معنی ومفہوم بڑی وضاحت کے ساتھ کیا ہے کہ جس سے خالق کائنات کی ربوبیت اور قدرت کے بارے میں بہتر معلومات حاصل ہوتی ہیں۔اپنے مضمون میں انھوں نے مختلف مقامات پر صحابہ کرامؓ کے اقول بھی درج کیے ہیں۔نعت گوئی کے حوالے سے انھوں نے جہاں بہت سے فارسی اور اردو شعرا کے نام گنوائے ہیں تو وہیں چند غیر مسلم شعرا کے اشعار کا حوالہ دے کر اس بات کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے کہ رحمۃ للعالمین حضرت محمد ﷺ کی محبت والفت غیر مسلموں کے دلوں میں بھی ہے۔علاوہ ازیں انھوں نے وادیٔ کشمیر میں کشمیری زبان میں بھی نعت گوئی کی مستحکم روایت کا ذکر کیا ہے۔ایک جگہ رقمطراز ہیں:

''ہماری وادیٔ گلپوش میں بھی کشمیری زبان میں نعتوں کا اچھا خاصا ذخیرہ پایا جاتا ہے اور وادی کے ابھرتے شعرا میں نعت گوئی کی طرف حد درجہ میلان نظر آتا ہے۔اردو فارسی اور کشمیری زبان میں مساجد، خانقاہوں، مدرسوں اور سیرتی اجتماعات میں تلاوت کلام اللہ کے بعد نعتوں کی گونج سنائی دیتی ہے۔سکول سطح سے لے کر یونیورسٹی سطح تک اور ان پڑھ طبقہ سے لے کر اعلیٰ ڈگری یافتہ طبقہ تک ہر عام وخاص نعت نویسی ،نعت گوئی اور نعت خوانی میں کافی دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور نعتیہ مقابلوں میں شریک ہوتے ہیں۔جو اس حقیقت کا بین ثبوت ہے کہ ہر نام لیوا کی رگ وپے میں پیارے رسول ﷺ کی محبت بدرجہ اتم سرایت کر چکی ہے۔اگر چہ ملت اسلامیہ امتدادِ زمانہ کے ہاتھوں ٹکڑیوں اور ٹولوں میں بٹ چکی ہے۔جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ہے کہ غیر مسلم شعرا نے بھی پیارے نبی ﷺ کے تئیں اپنی عقیدت کا خراج پیش کیا ہے جو لائق صد تحسین ہے'' (مشمولہ: جہان حمد ونعت، مدیر: جوہر قدوسی؛ نعت اکادمی جموں کشمیر، 2019ء ص 63)

''نعتیہ شاعری کا تاریخی پس منظر''، علیم صبانویدی کا مضمون ہے۔یہ مضمون علی محمد عاجز کے مضمون

سے زیادہ بصیرت افروز اور نہایت عرق ریزی سے لکھا گیا ہے۔اس مضمون کا اختصاص یہ ہے کہ مضمون نگار نے بڑے عالمانہ اسلوب میں نعتیہ شاعری کا پس منظر بیان کیا ہے اور اس کے لیے انھیں صحابہ اور عرب کے شعرا کے متعدد اشعار کا حوالہ دینا پڑا ہے۔اس مضمون میں جہاں انھوں نے شعرائے عرب کے اشعار کو عربی میں درج کیا ہے تو وہیں اردو والوں کے لیے انھوں نے ہر شعر کا اردو میں ترجمہ بھی لکھ دیا ہے۔پورے مضمون میں تاریخی حقائق کی روشنی میں نعتیہ شاعری کے بارے میں مکمل واقفیت حاصل ہوتی ہے اور قاری علیم صبا نویدی کی شعری و علمی استعداد کا قائل ہو جاتا ہے۔مزید برآں اس مضمون کی ایک اہم خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں موصوف نے فارسی شعرا کے اشعار کے ساتھ ساتھ اپنے مضمون کے آخری حصے میں گرونانک جی اور کبیر داس جی بنارسی کے اشعار کا بھی حوالہ دیا ہے۔علیم صبا نویدی کے اس بیان سے ہر ایمان والا اتفاق کرے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لاڈلے اور پیارے محبوب حضرت محمد ﷺ کی اپنے پاک کلام میں خود تعریف کی ہے۔ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''بہر حال یہ تسلیم شدہ اور حقیقت پر مبنی بات ہے کہ سب سے پہلا نعت گو اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے اپنے کلام پاک میں حضور اکرمؐ کی تعریف و توصیف بیان کی ہے۔یہ اور بات ہے کہ کلام اللہ کو شاعری ہرگز نہیں کہا جا سکتا مگر یہ شاعری سے کہیں بڑھ کر ہی اونچا اور اعلیٰ فصاحت و بلاغت سے مزین اور مملو کلام ربانی ہے۔ہمارے بعض جدید اور قدیم نقادوں (مولانا الطاف حسین حالیؔ اور ڈاکٹر علیم اللہ حالی) کے نزدیک شاعری میں بحر شرطِ داخلی نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت خارجی اور فروعی ہے۔ہر کلام میں کچھ نہ کچھ وزن ضرور ہوتا ہے جس کی وجہ سے کلام موثر و متداول ہوتا ہے۔راقم الحروف کی رائے میں نثری نظم کے جواز کا سبب بھی یہی ہے، مگر قرآن پاک کی زبان پر نثری شاعری کا اطلاق بھی نہیں ہوتا۔اس لیے کہ خالق کائنات نے اس کی تردید کر دی ہے'' (جہان حمد و نعت، ص 68)

''جہان حمد و نعت'' کا دوسرا باب 'تدبرات' کے نام سے قائم کیا گیا ہے، جس میں حمد و نعت: عکس تحقیق، نقش تنقید کے تحت حمدیہ و نعتیہ شاعری پر تحقیقی و تنقیدی مضامین شامل کیے گئے ہیں۔اس باب میں بھی ڈاکٹر جوہر قدوسی (مدیر) کے پانچ مضامین ہیں۔پہلا مضمون ڈاکٹر جوہر قدوسی کا ''اردو شاعری میں حمدیہ مضامین'' ڈاکٹر طفیل احمد مدنی کا ''حمد و مناجات بیسویں صدی میں'' عبید اللہ کوٹی کا ''کلام اقبال میں حمد و مناجات'' پروفیسر حامدی کاشمیری کا ''صلاح الدین پرویز کی نعتیہ نظم: رسول اللہ ﷺ'' ڈاکٹر اسمٰعیل آزاد فتح پوری کا ''نعت اور شاعرات نعت'' ڈاکٹر عزیز احسن کا ''نقد نعت میں تنقیدی دبستانوں کی

بوقلمونی''ڈاکٹر شہزاد احمد کا ''نعتیہ ادب میں پی۔ ایچ۔ ڈی مقالات کی اہمیت''علامہ ناوک حمزہ پوری کا ''علیم صبا نویدی کی نورانی نعت گوئی''علیم صبا نویدی کا ''نادم بلخی کی نعتیہ سانٹیں''پروفیسر علیم اللہ حالی کا ''علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری''ڈاکٹر جوہر قدوسی کے مضامین ''نعیم صدیقی کی نعتیہ شاعری''علامہ عامر عثمانی کا نعتیہ کلام''پروفیسر نادم بلخی کی نعت نگاری''علیم صبا نویدی کا ''دانش فرازی کی نعت گوئی''پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کا ''مشاہد رضوی کی نعت میں محسوساتی عمل''علیم صبا نویدی کا ''مناظر عاشق ہرگانوی کی نعت گوئی''رشید اختر خاں کا ''نعت کی ہمہ گیری اور ہند اسلامی تہذیب''ڈاکٹر سراج احمد قادری کا ''نعت نبی ﷺ: نظریاتی افکار و خیالات کی نذر''ڈاکٹر جوہر قدوسی کا ''کشمیر میں نعتیہ شاعری کی صورت حال''اور مشتاق فریدی کا ''وادیٔ چناب کے چند نعت گو شعرا''ایسے مضامین ہیں جن میں حمد و نعت نگاری اور نعت گو شعرا کے بارے میں تحقیقی و تنقیدی افکار و خیالات اور احساسات کی بوقلمونی نظر آتی ہے۔اس ضمن میں یہاں چند مضامین پر اظہار خیال اور اُن سے ماخوذ کچھ اقتباسات کو بطور حوالہ پیش کرنا لازمی سمجھتا ہوں تا کہ قارئین کی واقفیت میں اضافہ ہو اور مضمون نگار کا فکری ارتکاز اور اسلوبیاتی پہلو کھل کر سامنے آئے۔اس سلسلے میں ڈاکٹر طفیل احمد مدنی کا مضمون ''حمد و مناجات بیسویں صدی میں''عبید اللہ کوٹی کا مضمون ''کلام اقبال میں حمد و مناجات''ڈاکٹر عزیز احسن کا مضمون ''نقد نعت میں تنقیدی دبستانوں کی بوقلمونی''پروفیسر علیم اللہ حالی کا مضمون ''علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری''اور ڈاکٹر جوہر قدوسی کا مضمون ''پروفیسر نادم بلخی کی نعت نگاری''شامل تذکرہ ہے۔

ڈاکٹر طفیل احمد مدنی نے اپنے مضمون ''حمد و مناجات بیسویں صدی میں''کے تمہیدی حصے میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بارے میں مولانا رومی کے فارسی اشعار اور اُن کا ترجمہ درج کیا ہے۔اُن کے علاوہ علامہ اقبال، مولانا محمد ثانی مرحوم کی لکھی پوری ایک حمد اور مناجات کے علاوہ مولانا محمد احمد پرتاپ گڑھی اور پاکستانی شاعر راز کاشمیری کی حمدیہ شاعری پر نہ صرف اظہار خیال کیا ہے بلکہ کچھ نمونے بھی پیش کیے ہیں۔اس مضمون میں ایک اہم معلوماتی بیان مولانا شبلی کے حوالے سے یہ رقم کیا گیا ہے کہ حضرت دواؤد علیہ السّلام کی زبور از اوّل تا آخر مناجاتوں پر مشتمل تھی۔بقول طفیل احمد مدنی:

''حضرت دواؤد علیہ السّلام کی زبور از اوّل تا آخر مناجاتوں پر مشتمل تھی۔چونکہ اُن کے عہد میں موسیقی و ترنم کا رواج تھا۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مناجاتوں کا معجزہ عطا کیا تھا۔ چنانچہ جب وہ زبور کے نغمے چھیڑتے تھے تو چرند و پرند بھی محو ہو جاتے تھے۔۔علامہ شبلی نعمانی اپنے مقالات جلد دوم کے مضمون ''فن بلاغت''میں رقم طراز ہیں کہ حضرت داؤدؑ پر جب خدا

کے احسانات کا اثر غالب آتا تھا تو بے ساختہ وجد میں آکر رقص کرنے لگتے تھے، اُن کا کلام جس قدر ہے سرتا پا شعر ہے جو اُن کے پُر جوش دل سے بے ساختہ نکلتا تھا، اسی بنا پر ان کے اشعار کو مزامیر کہتے ہیں'' (جہان حمد و نعت، ص 115)

دوسرا مضمون عبیداللہ کوٹی کا ہے جس کا عنوان ہے ''کلام اقبال میں حمد و مناجات'' ظاہر ہے علامہ اقبال جیسی عبقری شخصیت کہ جن کی شاعری میں حیات و کائنات کے کئی سربستہ رازوں کا انکشاف موجود ہے۔ مضمون نگار نے شعوری طور پر کلام اقبال میں حمد و مناجات کے اُن اشعار کی نشاندہی کی ہے جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی حکمت و قدرت اور محمد رسول اللہ ؐ کی ذات اقدس اور اُن کی نورانی و پاکیزہ زندگی سے ہے۔ اس سلسلے میں عبیداللہ کوٹی نے علامہ اقبال کی اردو اور فارسی نظمیہ شاعری سے اشعار اخذ کیے ہیں۔ اس مضمون کے مطالعے سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ مضمون نگار کو اقبال کی اردو اور فارسی شاعری کی خاصی جانکاری ہے۔ کہیں کہیں اقبال کی رباعیات سے بھی اشعار لیے گیے ہیں اور اُن کی صراحت و وضاحت میں کوئی کمی نظر نہیں آتی۔ مثلاً مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''اقبال کے یہاں دُعا و مناجات کی مستقل صنفیں اگرچہ بار بار مختلف صورتوں میں پائی جاتی ہیں مگر بارگاہِ الٰہی میں سرگوشی اور ہم کلامی کا یہ رنگ اُن کی غزلوں اور نظموں میں بھی شوق و سرمستی کی بہاریں دکھلاتا ہے۔ ان میں شوخی کے ساتھ ادب، ناز کے ساتھ نیاز مندی، احساس عبدیت کے ساتھ خدائے تعالیٰ کے فور رحمت اور کمال بندہ نوازی پر وہ اعتماد ہے جس نے اُن کے ساز دل کے ہر نغمہ کو جاں افزا اور ہر شعر کو بادۂ معرفت بنا دیا ہے'' (جہان حمد و نعت، ص 121)

''نقد نعت میں تنقیدی دبستانوں کی بوقلمونی'' میں نعتیہ ادب کی تنقید اور منطقی استدلال و استدراک کے کئی پہلو سامنے آئے ہیں۔ اس مضمون میں ڈاکٹر عزیز احسن جن کا تعلق کراچی (پاکستان) سے ہے پانچ کتابوں کو موضوع بنایا ہے جن میں انھوں نے اپنے تنقیدی نقطۂ نظر سے نقد نعت پر بھرپور روشنی ڈالی ہے اور اس بات کی وضاحت کی ہے کہ اکثر نعت گو شعرا کفر و شرک کی حدود میں داخل ہو جاتے ہیں۔ جن نعتیہ مجموعوں کو ڈاکٹر عزیز احسن نے اپنے مضمون میں زیر بحث لایا ہے اُن میں جمیل نظر کا ''مقدمۂ سحر وساحری''، امیر حسنین جلیسی کا ''بت خانہ شکستم''، امین راحت چغتائی کا ''ردِ عمل''، تحسین فراقی کا ''جستجو'' اور قمر عینی کا ''ولائے رسول'' شامل ہیں۔ ڈاکٹر عزیز احسن نے اپنے مضمون کی ابتدائی سطور میں نعتیہ ادب کے ناقدین کے بارے میں جو رائے قائم کی ہے وہ ہمارے ذہن کے کئی دریچوں کو کھولتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''آج ہم نعتیہ ادب کے کچھ ناقدین کی آرا پیش کر رہے ہیں تاکہ اختلاف فکر و نظر کی مثالوں

کے ساتھ ساتھ ناقدین کے مزاجوں کی گرمی اور نرمی بھی منعکس ہو جائے۔ یہاں پیش کردہ نکات، بلاشبہ نعت گو شعرا کے لیے رہنما اُصولوں کے طور پر روشن رہیں گے اور اگر نعت خواں حضرات بھی محافل میں نعتیں پیش کرتے ہوئے ان نکات کو سامنے رکھیں تو وہ بھی نعتیہ ادب کے معیارات کے فروغ میں حصہ لے سکتے ہیں۔ ناقدین کی ان آرا میں طبائع کا فرق اور نظریات کی بوقلمونی بھی نظر آئے گی اور کہیں کہیں تندی اور تیزی بھی۔ مسلکی اختلافات کی جھلک بھی دیکھنے میں آئے گی اور اعتدال کی نظیریں بھی ملیں گی۔ لیکن خیال رہے کہ علمی اختلاف کبھی عداوت میں تبدیل نہیں ہوتا یا نہیں ہونا چاہیے۔ ہر فکری زاویہ اس توجہ کا متقاضی ہے کہ اسے قبول یا رد کرنے کے لیے آپ کے پاس بھی کوئی نہ کوئی نظریہ ہو جسے آپ دلائل کی روشنی میں پیش کر سکیں۔ علمی معاملات میں جذباتیت، ہمیشہ گمراہ کن ہوتی ہے''

(جہانِ حمد و نعت، ص 149)

ڈاکٹر عزیز احسن نے تحسین فراقی کے تنقیدی مضامین کے مجموعہ ''جستجو'' کو بھی زیرِ بحث لایا ہے جس میں انھوں نے نعت کی ادبی ولسانی خوبیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے تحسین فراقی کے تنقیدی شعور کو قابلِ قدر گردانا ہے۔ اُنھوں نے تحسین فراقی کے ایک تنقیدی مضمون ''علامہ اقبال اور ثنائے خواجہ'' سے ایک اقتباس بھی نقل کیا ہے جس میں تحسین فراقی نے لکھا ہے:

''میرا ایمان ہے کہ جب تک حضور اکرمؐ کی ذات بابرکات سے والہانہ شیفتگی اور شدید جذباتی وابستگی نہ پائی جاتی ہو، کامیاب نعت کہنا ناممکن ہے اور ظاہر ہے کہ کامیاب نعت وہی ہے جس سے حضورؐ کی متحرک حیاتِ طیبہ اپنی تمام آب و تاب اور اپنے تمام محاسنِ جمیلہ کے ساتھ جلوہ گر ہو کر دامنِ دل کھینچنے لگے۔ اب اگر پوچھا جائے کہ حضور اکرمؐ کی سیرتِ صادقہ کا منبع و ماخذ کیا ہے تو بلا تامل قرآن حکیم کا نام لیا جا سکتا ہے۔ جو اُن کے اسوۂ حسنہ پر دلیل ثابتہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کی چال ڈھال، ان کا سفر و حضر، ان کا خورد و نوش، ان کی استراحت و بیداری، ان کی قیل و قال اور ان کی گفتار و کردار سبھی قرآن حکیم کے مبینہ اسلوبِ حیات کے عین مطابق تھے'' (جہانِ حمد و نعت، ص 167)

پروفیسر علیم اللہ حالی کا مضمون ''علیم صبا نویدی کی نعتیہ شاعری'' مختصر لیکن مدلل ہے جس میں انھوں نے علیم صبا نویدی جیسی ہمہ جہت ادبی شخصیت اور اُن کی فنکارانہ مہارت کے بارے میں کچھ بنیادی باتوں کا ذکر کرنے کے بعد بالخصوص اُن کی نعتیہ شاعری کو احاطۂ تحریر میں لایا ہے۔ اس میں کوئی شک

نہیں کہ علیم صبا نویدی ایک ذہین، باذوق اور عصر حاضر کے ایک بہت بڑے شاعر وادیب کی حیثیت سے مشہور ومقبول ہیں جن کا شعر وادب اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ علیم صبانویدی اپنی عملی زندگی میں بھی ایک نیک اور مرنجان مرنج شخصیت ہیں۔انھوں نے جہاں ادب کی متعدد اصناف میں اپنی فکری وفنی جوہر دکھائے ہیں تو وہیں انھوں نے ہر مقام پہ اپنی انفرادیت کے نقوش چھوڑے ہیں۔اُن کی غیر معمولی تخلیقی اپج اور غیر رسمی وغیر روایتی موضوعات سے دُوری نے اُنھیں ایک منفرد مقام ومرتبے پر فائز کیا ہے۔

پروفیسر علیم اللہ حالی نے علیم صبانویدی کی نعتیہ شاعری کے بارے میں ایک جگہ بالکل صحیح لکھا ہے:

''نویدی کی تخلیقی جودت جب نعت گوئی کے میدان میں آتی ہے تو یہاں بھی اپنی انفرادیت منوالیتی ہے۔اُن کی نعتیہ شاعری میں والہانہ کیفیت ہے۔جذبہ کی فضا کے باوجود صبآ نویدی کی زبان سے کوئی ایسی بات نہیں نکلتی جس سے افراط وتفریط کا گمان ہو۔وہ یہ جانتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان مبارکہ میں جذبۂ بے پناہ کا کیا قرینہ ہونا چاہیے۔وہ کیفیات قلبی کے اظہار میں ادب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں۔وہ جانتے ہیں کہ نعت گوئی ایک نہایت نازک مرحلہ ہے۔یہ تلوار کی دھار پر چلنے کا کام ہے۔ایک ذرا لغزش نعت گو شاعر کو نہایت پست بنا سکتی ہے۔شاعری میں براہ راست محبت کا اظہار یوں بھی ایک نازک مسئلہ ہے۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان طیبہ سے بے پناہ عقیدت رکھنے والے شخص کے لیے یہ منزل بڑی سخت ہوتی ہے۔علیم صبانویدی اس منزل دشوار سے کامیاب وکامران گزرے ہیں۔اگر چہ اظہار محبت میں وہ ہوش سے زیادہ جوش کے استعمال پر زور دیتے ہیں۔لیکن درحقیقت ان کے یہاں اگر جوش ہے تو اس میں سرمستی اور سرمدیت، جاں سپاری اور جان گدازی، ارتکاز اور انہماک ہے۔اگر ہوش ہے تو یہ کہ کوئی دوسرا شخص ممدوح سے آگے نہ بڑھ سکے۔محبت میں کس موقع پر کون سے جذبے کا اظہار کیا جائے اس کے لیے بھی ایک سلیقہ درکار ہے۔نویدیؔ کے یہاں ہوش اور سلیقہ انہیں معنوں میں پایا جاتا ہے اور اسی لیے ان کی نعتیہ شاعری روایت نعت گوئی سے مختلف اور ممتاز ہے'' (جہان حمد ونعت، ص 186)

ڈاکٹر جوہر قدوسی کا ایک مضمون ''پروفیسر نادم بلخی کی نعت نگاری'' کے عنوان سے 'جہان حمد ونعت' میں شامل ہے، جس میں انھوں نے اختصار سے کام لیتے ہوئے پروفیسر نادم بلخی کی نعت نگاری پر ایک اچھا تجزیہ رقم کیا ہے۔نادم بلخی کے ایک درجن سے زائد شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں لیکن زیر نظر مضمون میں ڈاکٹر جوہر قدوسی نے نادم بلخی کے جن مجموعوں کو زیر بحث لایا ہے، اُن میں ''چودہ طبق'' (نعتیہ سانیٹ کا

مجموعہ) ''جیون درشن'' اور ''ضیائے عرفان'' شامل ہیں۔ نادم بلخی کی نعتیہ شاعری کا انفرادیہ ہے کہ انھوں نے زیادہ تر ہندی الفاظ ومحاورات کا خاص طور پر استعمال کیا ہے اور رسول پاک محمد عربیؐ کی عقیدت ومحبت میں جذبات پہ قابو رکھتے ہوئے نعت نگاری کا معیار ووقار قائم کیا ہے۔ بقول ڈاکٹر جوہر قدوسی:

''جیون درشن'' نادم کا ساتواں شعری مجموعہ ہے۔ جو اُن کے دوہوں پر مشتمل ہے۔ اس میں متعدد نعتیہ دوہے بھی نظر آتے ہیں، جو شاعر کی جولانی طبع کے شہکار ہیں۔ ان دونوں کی زبان میں ہندی الفاظ وتراکیب کا بکثرت استعمال ملتا ہے، یہاں تک کہ فہرست میں دکھائے گئے ۱۲ عنوانات بھی ٹھیٹھ ہندی میں ہیں۔ مثلاً پرتھم بول، جگ داتا درشن، گیان داتا درشن، گیان درشن، دیش بھگتی درشن، انتم بول وغیرہ۔ نعتیہ دوہے ''گیان درشن'' کے ذیلی عنوان کے تحت کتاب کے صفحہ نمبر ۱۷ سے شروع ہو کر صفحہ نمبر ۲۰ تک پھیلے ہوئے ہیں۔ خالص ہندی الفاظ کے استعمال نے ان نعتیہ دوہوں کو ایک نیا آہنگ عطا کیا ہے، جو اردو کی نعتیہ شاعری میں بہت کم نظر آتا ہے۔ ملاحظہ ہوں یہ چند دوہے:

جگمگ جگمگ روپ مدینہ جس نگری کا نام
کالی کملی والے داتا کریں وہاں وشرام
نام محمدؐ پیارا پیارا جگ مگ اُن کا روپ
گھور اندھیرے میں آئے لیے سنہری دھوپ
دے گئے ہم کو پاک نبیؐ جو آکاشی فرمان
جیون کا دستور مکمل، نام اُس کا قرآن'' (جہان حمد ونعت، ص 196)

'حصہ تدبرات' میں ایک مضمون مشتاق فریدی کا ہے، جس کا عنوان ہے ''وادیٔ چناب کے چند نعت گو شعرا'' اس مضمون میں مضمون نگار نے تین چار اشعار کے علاوہ بقیہ تمام اشعار کشمیری میں درج کیے ہیں۔ انھوں نے جتنے بھی شعرا کا ذکر کیا ہے، وہ سب کشمیری میں نعت کہتے رہے ہیں۔

'حصہ تفہیمات' کا تعلق حمد ونعت کے انتقادِ سخن اور احتساب اسلوب سے ہے۔ اس ذیلی عنوان کے تحت اُن نعت گو شعرا کے مجموعہ ہائے کلام کے حوالے سے تاثراتی اور انتقادی مضامین شامل ہیں جن کی نعتیہ شاعری نے ملکی سطح پر ایک امتیاز قائم کیا ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر مشاہد رضوی کا مضمون ''ربنا لک الحمد''، مفتی اسحٰق قاسمی کا ''علامہ انور شاہ کشمیری کا قصیدہ معراجیہ'' ابن عبداللہ کا ''بحر تجلیات'' جوہر قدوسی کا ''کشمیری نعتوں کا نمائندہ انتخاب'' ڈاکٹر احسان اللہ طاہر کا ''حافظ محمد الیاس کا نعتیہ دیوان'' ڈاکٹر محمد سہیل

شفیق کا ''نعتیہ شاعری کے فروغ میں ''نعت رنگ'' کی خدمات'' ڈاکٹر ریاض مجید کا ''نعت رنگ'' کی تنقیدی خدمات'' ملک الظفر سہرامی کا ''نعت رنگ'' کا تجزیاتی وتنقیدی مطالعہ'' اطہر علی + ندیم صدیقی کا ''نعت رنگ'' کا 27 واں اور 28 واں شمارہ'' ڈاکٹر منصور فریدی کا ''ثنا کی نکہتیں: عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا استعارہ'' محمد اویس رضوی کا ''سلیم شہزاد کا مجموعہ: کشفیہ'' عقیل ملک کا ''نقش: سرمایہ نعت میں گراں قدر اضافہ'' رفیع الزماں زبیری ''پاکستان میں اردو نعت کا ادبی سفر'' ڈاکٹر جوہر قدوسی کا ''جناب صبیح رحمانی کی دو اہم کتابیں'' ابن عبداللہ کا ''اردو نعت پاکستان میں'' ابن عبداللہ کا ''نعت انسائیکلوپیڈیا (جلد اوّل)'' صبیح رحمانی کا ''کلیات عزیز احسن: چند معروضات'' خاور اعجاز کا ''نور نہایا رستہ، از: جلیل عالی'' اور فدا راجوروی کا ''ڈاکٹر شمس کمال انجم کا نعتیہ مجموعہ: ''بلغ العلی بکمالہ'' مضمون شامل ہے۔

'حصہ تصورات' میں نعت نگاری کے فن اور اس کے لوازمات ومقتضیات کے بارے میں مشاہیر کے اقوال وافکار اور آراء کو ترتیب دیا گیا ہے۔ یہ تمام تصورات قاری کی نعت جیسی مشکل صنف شعر کی تفہیم اور اس کے مقتضیات سے متعلق اضافے کا باعث بنتے ہیں۔ مثلاً اس حصے میں ضیا احمد مدنی نے نعت کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

''کہنے کو تو نعت گوئی آسان ہے لیکن غور کیجیے تو اس سے مشکل صنف کوئی نہیں۔ ایک طرف شاعر کا فرض ہے کہ آداب شریعت کا رشتہ ہاتھ سے نہ جانے دے اور دوسری طرف اس پر لازم ہے کہ لطفِ کلام اور حسن بیان میں فرق نہ آنے دے۔ اگر اس میں ذرا بھر لغزش ہوئی تو سمجھیے کہ شاعر کہیں کا نہ رہا۔ کلام میں آداب رسالتؐ کی رعایت ملحوظ نہ رکھنا یا شعر کا جذباتِ محبت سے معریٰ ہونا، دونوں باتیں ایک اچھے نعت گو شاعر کے لیے نازیبا ہیں'' (جہان حمد ونعت، ص 332)

'حصہ تخیلات' میں وہ منظوم حمدیہ ونعتیہ حصہ شامل ہے جسے ''حمد وثنائے ساقئ ازل'' اور ''مدح وثنائے ساقئ کوثرؐ'' کا نام دیا گیا ہے۔ اس حصے میں جن شعرائے کرام نے حمدیہ منظومات پیش کی ہیں اُن میں علیم صبا نویدی، سلطان الحق شہیدی، مسعود ساموں، ڈاکٹر ریاض مجید، ڈاکٹر شبیب رضوی، ذوالفقار نقوی، ریاض حسین چودھری، شرف الدین ساحل، احمد سلمان اشرف، شاذ تمکنت، صبا اکبر آبادی، رفیق راز، رخسانہ جبیں، مشاہد رضوی، حکیم فاروق اعظم، صائمہ جبین مہک، بابر حسین بابر، تنویر پھول، ڈاکٹر محبوب راہی، قاضی رؤف انجم، افتخار راغب، فدا راجوری، ڈاکٹر ذوالفقار علی دانش اور خان حسنین عاقب شامل ہیں۔ حصۂ نعت ومدحت میں جن شعرا کی حصہ داری رہی ہے اُن میں علیم صبا نویدی، سلطان الحق

شہیدی، مسعود سامون، ذولفقار نقوی، ڈاکٹر شبیب رضوی، سید رضا، رخسانہ جبیں، مظفر ایرج، ڈاکٹر نذیر آزاد، فدا راجوروی، صائمہ جبیں مہک، مصطفٰی دلکش، ابوالحسن خاور، سید اولاد رسول، ڈاکٹر ذولفقار علی دانش، عائشہ ناز، علی شیدا، میر امتیاز آفریں، فردوس فاطمہ اشرفی، ازہر مدنی، ابوالمیز اب محمد اویس آبؔ، پرویز اشرفی، فاضل میسوری، عروس فاروقی، مشتاق کاشمیری، مشتاق فریدی، احمد جمیل، سجاد بخاری، محتشم احتشام، رفیع سرسوی، شمشاد شاد، عبدالغنی بیگ اطہر، مزمل ابن عبداللہ، خان حسنین عاقب، بابر حسین بابر اور ریاض انزنو شامل ہیں۔

''جہان حمد ونعت'' کا ایک اور حصہ نہایت معلوماتی اور بصیرت افروز ہے، جس کا نام ہے 'تاثرات' اس حصے کو ایک ایسا عنوان دیا گیا ہے، جس میں گہری معنویت پوشیدہ ہے عنوان ہے ''نامہ ہائے شوق، رقعاتِ ذوق، نقطہ ہائے نظر''۔ اس عنوان کے تحت بہت سی کارآمد باتیں درج کی گئی ہیں۔ 'متفرقات' آخری حصہ ہے جس میں ''نعت گوئی اور نعت خوانی کے لیے شرعی اور شعری شعور ضروری ہے'' کے عنوان سے سید صبیح رحمانی کا انٹرویو ہے۔ اس کے علاوہ ''نعتوں کا'' ''وکی پیڈیا'': نعت کائنات'' سے متعلق انٹرنیٹ سے ماخوذ سوال وجواب نامہ موجود ہے۔ آخر پہ کشمیری نعتیں درج کی گئی ہیں، جو مقامی لوگوں کی زبان میں نعتوں کا گلدستہ کہا جاسکتا ہے۔

حاصل مطالعہ ومشاہدہ یہ کہ ''جہان حمد ونعت'' ایک ایسا قابل قدر، تقدس احساس اور محبت الٰہی وعشق رسولؐ سے پُر یادگاری مجلہ ہے، جس کو ترتیب دینے میں مشاورت کمیٹی کے تمام اراکین اور بالخصوص ڈاکٹر جوہر قدوسی نے بہت محنت وعقیدت سے کام کیا ہے۔ [**ادارتی نوٹ**: یہاں پر اس امر کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ 'جہان حمد ونعت' کے زیر تبصرہ شمارے میں شائع شدہ مشمولات کے اخذ وانتخاب، ترتیب وتہذیب، تصحیح و تدوین اور تعین وتقسیمِ ابواب کے عمل میں مجلہ کی 'مجلس مشاورت' میں شامل بزرگ حضرات بری الذمہ ہیں؛ اور حسن وقبح کی ساری ذمہ داری مدیر کی ہے.....مدیر]۔ کہیں کہیں متن میں غلطیاں رہ گئی ہیں لیکن وہ غلطیاں کمپوزنگ کی ہیں۔ اتنے ضخیم اور معلوماتی نمبر کی جلد بندی مضبوط ہونی چاہیے تھی، تاکہ یہ طویل مدت تک محفوظ رہتا۔ مضبوط جلد بندی نہ ہونے کی صورت میں اس کا شیرازہ بکھرنے میں دیر نہیں لگے گی۔ مجھے یہ کہتے ہوئے مسرت محسوس ہو رہی ہے کہ ''جہان حمد ونعت'' ایمان والوں کے لیے ایک بہترین سوغات ہے''۔



• میر امتیاز آفریں

رضائے مصطفی فاؤنڈیشن، بڈگام ، کشمیر (سینئر لیکچرار انگریزی ادبیات)

حمد عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں: تعریف، مدح، شکر و ثناء وغیرہ۔ حمد سے مراد: "ایسے اشعار (ہیں) جو اللہ تعالیٰ کی تعریف میں رقم کئے جائیں"۔ جس منظوم کلام میں اللہ تعالیٰ کی تعریف و توصیف بیان کی جائے، اسے حمد کہتے ہیں۔

"نعت" بھی عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ ن، ع، ت ہے۔ یہ لفظ عام طور پر وصف اور بیان کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے، چنانچہ نعت کے لغوی معنی صفت، وصف، جوہر، تعریف، تعریف، خاصیت۔ گن اور خوبی کے ہیں۔ خصوصاً جب کسی چیز کی تعریف میں مبالغے سے کام لیا جائے تو اس وقت نعت کا لفظ بولا جاتا ہے۔ شعری اصطلاح میں نعت اس شاعرانہ اظہار کو کہا جاتا ہے جس کا موضوع رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجودِ مسعود، اخلاق حسنہ، عظمت و رفعت اور سیرت و شمائل ہیں۔ احادیث میں 'نعت' کا لفظ واضع طور پر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف و توصیف میں مستعمل نظر آتا ہے، مثلاً: حضرت انسؓ سے مروی بیہقی کی روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا۔ وہ ایک مرتبہ بیمار پڑ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی عیادت کیلئے تشریف لے گئے۔ اس کا باپ سرہانے بیٹھا تورات پڑھ رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: اے یہودی! هَلْ تَجِدُ فِي التَّوْرَاةِ نَعْتِيْ یعنی کیا تم تورات میں میری نعت پاتے ہو؟ اس نے جھوٹ بولتے ہوئے کہا 'نہیں' لڑکے نے فوراً سچ بولا: ہاں اللہ کی قسم، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم تورات میں آپ کی نعت (تعریف و توصیف) پاتے ہیں۔

نعت کائنات کی اس عظیم شخصیت کا تذکرہ جمیل ہے جس کا مداح اور ثنا خوان خود اس کا پروردگار ہے۔ قرآن مجید کے صفحات جس کی عظمت و رفعت کے ذکر خیر سے جگمگا رہے ہیں، سارے جہانوں کا خدا جس پر صلوٰۃ وسلام کے بیش بہا موتیوں کی بارش برسا رہا ہے۔ ملاء اعلیٰ کے نوری فرشتے جس پر ہر لحظ درود وسلام کے مہکتے پھول نچھاور کر رہے ہیں۔ جس کے خلق کو اس کے خالق نے عظیم کہا، جس کے اسوہ کو رب نے حسین فرمایا۔ زبان قدرت نے جس کو رحمۃ للعالمین فرما کر اپنی ساری مخلوق سے روشناس کرایا اور وما ارسلنک الا کافۃ للناس بشیر ونذیرا فرما کر جملہ انسانیت کے لئے نجات دہندہ قرار دیا۔ آسمانِ رشد وہدایت پر جس کا آفتاب رسالت نور افشانی کر رہا ہے اور تا ابد کرتا رہے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے پہلے یہ لفظ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصف کیلئے حضرت علیؓ نے استعمال کیا، اس خیال کا مرجع شمائل ترمذی کی اک حدیث ہے جس میں حضرت علیؓ کا یہ بیان درج ہے: 'جو اپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلی دفعہ دیکھتا ہے، اس

پر آپ ﷺ کی ہیبت طاری ہو جاتی ہے، اور آپ ﷺ سے جس کے تعلقات بن جائیں، وہ آپ ﷺ سے محبت کرتا ہے یقُولُ نَاعِتُہٗ: لَم اَرَ قَبلَہٗ وَلَا بَعدَہٗ مِثلَہٗ یعنی آپ ﷺ کا وصف بیان کرنے والا کہتا ہے کہ میں نے آپ ﷺ سے پہلے نہ آپ ﷺ کے بعد آپ جیسا کوئی دیکھا ہے۔ (ترمذی: ۳۶۳۸)

عربی زبان میں نعت کی روایت حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ، حضرت حسان بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن رواحہؓ جیسے جلیل القدر صحابہ سے شروع ہوتی ہے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک مشہور شعر ہے:

وشق اللّٰہُ لہٗ مِن اسمہٖ لیجلس /// فذو العرش محمود هذا محمد

یعنی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے اپنے نام سے ہی آپ ﷺ کے مبارک نام کو نکالا۔ اللہ تعالیٰ خود تو محمود ہے اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو محمد بنا کے بھیجا۔

آپؓ کا ہی ایک اور شعر ہے:

ما ان مدحت محمداً بمقالتی // لکن مدحت مقالتی بمحمدٍ

یعنی میں نے اپنے کلمات سے محمدؐ کی مدح نہیں کی بلکہ محمدؐ کے طفیل اپنے کلمات کی مدح عرض کی ہے اور اپنے شعروں کو قابل مدح بنایا ہے۔

نعت گوئی کا یہ سلسلہ تابعین، تبع تابعین اور متاخرین کے ذریعے سارے عالم میں پھیلتا گیا۔ مسلمان تو مسلمان، غیر مسلم شعراء و ادباء نے بھی والہانہ انداز سے آپؐ کی خدمت میں محبت بھرا خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ مشہور مستشرق مارگولیتھ کے الفاظ میں "محمد ﷺ کے مداحوں کا ایک وسیع سلسلہ ہے جس کا ختم ہونا غیر ممکن ہے لیکن اس میں جگہ پانا قابل فخر چیز ہے"۔

عرب شعراء کے تتبع میں دیگر زبانوں خصوصاً فارسی میں بہت زیادہ نعتیہ قصائد اور نعتیں کہی گئیں۔ اس سلسلے میں عطار، رومی، نظامی، جامی، خسرو، فیضی، سعدی، عرفی، اور دیگر بے شمار شعراء نظر آتے ہیں جن کے نعتیہ کلام میں محبت رسول ﷺ کے سمندر موجزن ہیں۔ نعت و ادب کے یہی دھارے اردو ادب میں بھی موجیں مارنے لگے۔ ولی دکنی سے لے کر امیر مینائی تک اردو شعراء کی ایک کھیپ ہمیں نعت سرائی کرتی نظر آتی ہے اور پھر حالی سے ہوتی ہوئی یہ روایت مولانا احمد رضا خان صاحب تک قوت و توانائی کا ایک عظیم مینار بن کر ہمارے سامنے آئی ہے۔ علامہ اقبالؒ کے ہاں نعت آفاقی منازل تک صعود کر گئی اور پھر اس کی روشنی کچھ اس طرح پھیلی کہ نعت گوئی ہر مسلمان شاعر کا جزو ایمان بن

گئی۔ کشمیری زبان میں بھی اس وقت ہم دیکھ رہے ہیں کہ شائد ہی کوئی مسلمان شاعر ہوگا، جس نے نعت نہ کہی ہو۔ شیخ العالم نورالدین ولیؒ سے لے کر عزیز اللہ حقانی تک، فاضل کشمیری سے رحمٰن راہی اور مرغوب بانہالی تک شائد ہی کوئی شاعر ہوگا جس نے اپنے علم وعرفان کی پوری صلاحیتیں عقیدت اور محبت کے گل ہائے رنگا رنگ کے گلدستے سجانے میں صرف نہ کی ہونگی۔

حمد ونعت کا یہ گرانقدر ورثہ ہمارے لئے سرمایۂ افتخار ہے جسے سمیٹ کر آنے والی نسلوں تک پہنچانا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ لہذا حمد ونعت کے فروغ میں کوئی قابلِ ذکر کام انجام دینا بذات خود ایک عظیم الشان کارنامہ ہے جسے انجام دینے کی اک قابل تحسین کوشش نعت اکادمی جموں وکشمیر کے ذریعے شایع کردہ ادبی وتحقیقی مجلہ اور کتابی سلسلہ ''جہانِ حمد ونعت'' ہے، جو حمد ونعت کے متعلق تنقیدی مضامین اور روح پرور کلام کا ایک خوبصورت گلدستہ ہے، جس سے عشاقانِ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ کل ملا کر دیکھا جائے تو شمارے میں حمد کے متعلق تقریباً ایک درجن تنقیدی مضامین شامل کئے گئے ہیں اور تقریباً تین درجن سے زائد مضامین نعتیہ ادب کے نشیب وفراز کے بارے میں شامل ہیں۔ اس طرح سے دیکھا جائے تو مجلہ پر زیادہ غلبہ حمد سے زیادہ نعتیہ ادب کا واضح طور پر نظر آتا ہے۔

یہ مجلہ کئی دہائیوں سے مذہبی صحافت میں سرگرمِ عمل شخصیت ڈاکٹر جوہر قدوسی کی ادارت میں منظر عام پر آیا ہے۔ دراصل یہ مجلہ ڈاکٹر صاحب کی نعت کے تئیں محنت اور لگن کا ثمر ہے، جو ہر سال شجرِ امید پر سجنے کو بے تاب نظر آتا ہے۔ مجلّے کے پہلے شمارے کی ضخامت اور تنوع دیکھ کر بیک وقت حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی کہ قلیل وقت میں بہت ہی بہترین سوغات حمد ونعت کے حوالے سے پیش کی گئی ہے۔

چونکہ اردو میں نعت گوئی کا تفصیلی وتنقیدی مطالعہ پی ایچ ڈی کے لئے ڈاکٹر صاحب کا موضوع رہا ہے، لہذا وہ اس کام کے لئے صحیح فرد ہیں۔ وہ اس میدان کے نشیب وفراز سے اچھی طرح واقف ہیں۔ صبیح رحمانی کے ''نعت رنگ'' کی مشعل سے روشنی لے کر ڈاکٹر صاحب نے کشمیر میں نعت کی روایت کے فروغ کیلئے ایک حسین سوغات پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب 'حرف آغاز' میں خود لکھتے ہیں: ''زیر نظر ادبی وتحقیقی مجلہ 'جہانِ حمد ونعت' کا تصور وتخیل اگرچہ نعت اکادمی جموں وکشمیر کے اساسی اغراض ومقاصد میں بہت پہلے پیش کیا گیا تھا، لیکن اس کو عملی جامہ پہنانے میں 'نعت رنگ' سے ہی تحریک وترغیب ملی ہے۔'' (صفحہ 12)

فروغ نعت کے حوالے سے 'نعت رنگ' کے عظیم کردار کے بارے میں ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی

کے الفاظ نقل کئے گئے ہیں:

"''نعت رنگ' نے نعت کی توسیع، تفہیم اور تنقید میں رجحان ساز کردار ادا کیا ہے۔ پڑھنے والوں کا ایک حلقہ نعت کے ادبی معیار کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنے لگا ہے۔ اس سے پہلے لوگ سمجھتے تھے کہ نعت کے مطالعے میں اچھی اور بری نعت کی تقسیم 'گناہ' ہے۔ 'نعت رنگ' میں چھپنے والے خطوط میں لوگ اب مضامین اور نعتوں کے بارے میں سنجیدہ اور گہری تنقیدی فکر کا اظہار کر رہے ہیں'' (صفحہ:10)

بالکل یہی تنقیدی اور تجزیاتی رجحان پیدا کرنے کی راہ پر 'جہان حمد و نعت' چل پڑا ہے اور اس کا مستقبل بہت ہی روشن نظر آ رہا ہے۔ شمارے کا مطالعہ کرنے کے بعد ایسا لگتا ہے کہ ریاست جموں و کشمیر میں نعتیہ صحافت کا سورج طلوع ہونے جا رہا ہے اور نئے دریچے کھلنے والے ہیں۔ حمد و نعت کے حوالے سے وادیٔ کشمیر سے چھپنے والے اس منفرد مجلہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ریاست جموں و کشمیر میں حمد و نعت کے حوالے سے زمین کافی زرخیز ہے۔ تیس سے زیادہ نوجوان اور نئے شعراء کے کلام کو اس میں شامل کیا گیا ہے اور ایسا لگتا ہے جیسے ایک رنگا رنگ گلدستہ سج کر تیار ہو گیا ہے۔ حمد و نعت کے متعلق تنقیدی مضامین نے شمارے میں چار چاند لگا دئے ہیں اور حقوق و آدابِ نعت گوئی کے حوالے سے رہنما خطوط کھینچنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے۔ چنانچہ نعت کی راہ شاعری کی سخت ترین راہ ہے اور یہ تیز تلوار کی دھار پر قدم رکھنے کے مترادف ہے۔ شاعر جب تک اقلیم عشق کا تاجدار، اسرار شریعت کا رازدار اور ساتھ ہی مؤید من اللہ نہیں ہو، اس صنف کی مشکلات سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ یہاں کسی فکر و خیال کو فنی پیکر عطا کرنے سے پہلے احتیاط کی چھلنی میں سو بار چھان لینا پڑتا ہے، کیونکہ افراط و تفریط دونوں خطرے سے خالی نہیں، اور خطرہ بھی جان کا نہیں، ایمان کا ہے۔ رسولِ گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ قدس، جہاں آواز بلند کرنا بھی اعمال ضائع ہونے کا باعث ہے، وہاں تخیل کی بے راہروی اور غیر ذمہ دارانہ سخن سازی کی گنجائش کہاں۔ الوہیت اور رسالت کے درمیان جو نازک رشتہ ہے، اسے نبھانا ہر شخص کے حوصلے اور مقدر کی بات نہیں۔ شائد اسی لئے عرفی شیرازی نے فرمایا ہے:

عرفی مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا // آہستہ کہ رہ بر دمِ تیغ است قدم را

'جہانِ حمد و نعت' میں شامل کچھ تنقیدی مضامین اس افراط و تفریط سے دامن بچا کر شاہراہِ اعتدال پر گامزن ہونے کا سلیقہ دیتے نظر آتے ہیں۔ اس ضمن میں مجلہ میں شامل (صفحہ:۳۳۲) مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی کا یہ قول چشم کشا ہے:

''حقیقتاً نعت شریف لکھنا بہت مشکل کام ہے، جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر شاعر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔''

جس طرح اردو نعتیہ ادب میں "نعت رنگ" ادبی حلقوں میں ایک Trend Setter کے روپ میں متعارف ہوا، ایسا لگتا ہے کہ "جہانِ حمد و نعت" ایک مشعلِ راہ کی طرح اپنی روشنی سے اجلی راہیں دکھاتا رہے گا۔ نہ صرف شعراء کے بہترین حمدیہ و نعتیہ کلام کے انتخاب نے شمارے کو زینت بخشی ہے، بلکہ اس میں شامل کچھ اہم تنقیدی مضامین نے حمد و نعت کو دو الگ اصناف کی حیثیت سے پیش کرنے کی سمت میں ایک بہترین کوشش کی ہے۔ تفہیمات نامی حصے میں 15 سے زائد حمدیہ و نعتیہ فن پاروں پر تبصرے اور تاثرات شامل کئے گیے ہیں جیسے بحر تجلیات، نعت رنگ، کشفیہ، ثنا کی نکہتیں، نعت انسائکلو پیڈیا، بلغ العلی بکمالہ وغیرہ۔

ڈاکٹر جوہر قدوسی صاحب کا ''کشمیر میں نعتیہ شاعری کی صورت حال'' کے عنوان سے ایک فاضلانہ مقالہ لائق مطالعہ ہے۔ اس مضمون میں انہوں نے کشمیر میں اردو نعتیہ ادب کی پوری تاریخ کو نظر میں رکھ کر یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ کشمیر میں باقاعدہ طور پر حقیقی نعت کے کم ہی نمونے پائے جاتے ہیں؛ (جبکہ) زیادہ تر رسمی نعت کے نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں، جنہیں اکثر صرف حصول ثواب و برکت کی نیت سے لکھا جاتا ہے۔ ان کے اندر وہ کیف نہیں جو حقیقی نعت کی جان ہے۔ مشتاق فریدی صاحب کا مقالہ ''وادی چناب کے چند نعت گو شعراء'' بھی بہت ہی معلوماتی اور تاثیر سے معمور ہے، جس میں وادیٔ چناب کے کئی نعت گو شعراء جیسے رسا جاودانی، غلام نبی ڈول وال جانباز کشتواڑی، غلام رسول کامگار، نشاط کشتواڑی، بشیر بدرواہی، اسیر کشتواڑی وغیرہ کے کلام کے نمونے پیش کر کے ان کی خدمات کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ڈاکٹر اسماعیل آزاد، علیم صبا نویدی، ڈاکٹر ریاض مجید، صبیح رحمانی، ڈاکٹر عزیز احسن کے مقالے خاص طور سے لائق مطالعہ ہیں۔ صبیح رحمانی اور علیم صبا نویدی کا کیا کہنا! انہوں نے دور حاضر میں نعت کو نئی اونچائیوں تک پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے اور نعت کے حوالے سے ایک تجدیدی کام کا آغاز کیا ہے۔ ان کے گرانقدر مقالات میں نعت کے مختلف نقطہ ہائے نظر اور رجحانات کا احاطہ کرنے کی لائقِ تحسین کوشش کی گئی ہے۔ شمارے میں مدیرِ مجلہ ڈاکٹر قدوسی صاحب کے حمد و نعت کے مختلف پہلوؤں پر کئی گرانقدر مقالے شامل ہیں۔ خاص کر ''اردو نعت میں موضوعات کی بوقلمونی'' میں انہوں نے اردو نعت کی موضوعاتی تقسیم پر خوب کلام کیا ہے اور شعراء کے تین روّیوں کا تذکرہ کیا ہے۔ پہلا حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس سے متعلق ہے، دوسرا حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کی سیرت وسوانح کوموضوعِ سخن بناتا ہے اور تیسرا حصہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات، تعلیمات اور احسانات کومرکز بناتا ہے۔ گویا نعت کے حوالے سے وحدت میں کثرت آگئی ہے اور کثرت وحدت کی لڑی میں آگئی ہے۔

شمارے میں ''تصورات'' کے نام سے شامل حصہ بھی خاصا دلچسپ ہے، جس میں حمد ونعت سے متعلق اصحابِ فکر و دانش کے منتخب اقوال کو ترتیب دیا گیا ہے، جس سے حمد و نعت کے اسلوب اور موضوعات کے بارے میں رہنما خطوط کھینچنے میں مدد ملی ہے۔ اسمیں احسان دانش، امام احمد رضاؒ، ابو المجاہد زاہد، شورش کشمیری، احمد ندیم قاسمی، نعیم صدیقی، مولوی عبدالحق، مفتی محمد شفیعؒ، مولانا مودودیؒ، مجید امجد جیسی قدآور شخصیات کے اقوال زریں کو نمایاں کر کے پیش کیا گیا ہے تاکہ نوجوان نعت گوشعراء ان سے رہنمائی حاصل کر سکیں۔ مجلہ میں شامل جملہ حمدیہ ونعتیہ کلام بہت ہی خوبصورت اور دلآویز ہے۔

شمارے کا کشمیری حصہ نہایت ہی مختصر ہے اور کچھ ہی شعراء کا کلام اور تنقیدی مضامین اس میں پڑھنے کو ملتے ہیں۔ آنے والے شمارے میں اس جانب زیادہ توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ کل ملا کر دیکھا جائے تو ''جہانِ حمد ونعت'' نعتیہ صحافت کے میدان میں ایک گرانقدر اضافہ ہے اور امید یہ ہے کہ یہ مجلہ نہ صرف کشمیر میں بلکہ پوری نعتیہ دنیا میں 'نعت رنگ' کی طرح ایک Trend Setting جرنل ثابت ہوگا، جس سے نہ صرف نعتیہ ادب کو چار چاند لگ جائیں گے، بلکہ ساتھ ہی نعتیہ تنقید کا دامن بھی مزید وسیع ہونے کی طرف گامزن ہوگا۔

آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری
گھر گھر لئے پھرتی ہے پیغام صبا تیرا



● مفتی محمد اسحٰق نازکی قاسمی

استاذ دارالعلوم رحیمیه، بانڈی پوره، کشمیر 8899958510

ابتداء اس کے نام سے جس کی کوئی ابتداء نہیں!

پچھلے سال مدیر محترم ومرتب گرامی قدر (جناب ڈاکٹر جوہر قدوسی حفظہ اللہ) کی نوازشوں سے زیر اہتمام نعت اکادمی جموں وکشمیر کا مبارک شمارہ ''جہان حمد ونعت'' [جلد اول مطبوعہ رمضان المبارک ۱۴۴۰ھ مطابق مئی، جون ۲۰۱۹ء] نظر نواز ہوا۔ روز اول سے ہی محض حُسنِ ظن کی بنا پر ڈاکٹر صاحب موصوف کا اس شمارے کے بارے میں کچھ ''خامہ فرسائی'' بلکہ ''سمع خراشی'' و ''ضیاعِ وقتی'' کرنے پر

اصرار رہا، مگر سرسری طور پوری کتاب کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ اس شمارے کے بارے میں کچھ لکھنا "آفتاب کو چراغ دکھلانا" کے مترادف ہے اور احقر بوجوہ لکھ نہ سکا، تاہم اُدھر سے اصرار تھا تو اِدھر سے انکار مگر اِصرار انکار پر غالب آیا تو احقر نے یہ چند سطور عاجلانہ طور پر سپردِ قلم کیں؛ بلکہ نمبروار چند طالب علمانہ گزارشات کی ہیں ع گر قبول افتد زہے عز و شرف

(۱)

ادباء و شعراء اور تخلیقی صلاحیتوں کے حاملین میں سے ہر ایک کو دادِ تحسین نہ دینا یقیناً ظلم ہوگا۔ اس دور میں اتنی ضخیم کتاب کی طباعت اتنی خصوصیتوں کے ساتھ یقیناً رب کردگار کا مرتب و مدیر پر احسان عظیم ہے۔ اس حساس اور از حد نازک موضوع پر قلم اٹھانا (بشرطے کہ تمام شرعی قیود اور اخلاقی پابندیوں کی رعایت ہو) جوئے شیر لانے کے مترادف ہے کیونکہ نعت خوانی اور نعت گوئی کے حوالے سے امت میں بہت ہی زیادہ افراط و تفریط پایا جاتا ہے۔ چنانچہ کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو کسی محبوب مجازی کے ساتھ تشبیہ دے کر نعت خوانی و نعت گوئی کے بجائے غزل سرائی کی ہے اور کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دائرہ نبوت و رسالت سے نکال کر کہیں الوہیت کے مقام پر پہونچا دیا ہے۔ یہ دونوں چیزیں افراط و تفریط (اور) گمراہی کی پگڈنڈیاں ہیں، جہاں سے پھسل کر آدمی شرک و کفر اور بے دینی و بددینی کے دلدل میں پھنس کر ہلاک ہو جاتا ہے۔

اس شمارے میں اس حوالے سے بہترین ادبی شہپارے بھی ہیں اور تنقید کے صحت مند تبصرے بھی ہیں۔ مجموعی طور پر حمدیہ و نعتیہ ادب میں کافی اضافہ بھی ہے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ وایاہم خیراً۔

(۲)

انسانی کلام [چاہے تحریری ہو یا تقریری] کی دو قسمیں ہیں (۱) کلام منثور (۲) کلام منظوم۔ مگر کلام منظوم انسانی خیالات و جذبات کے اظہار کا زیادہ موثر ذریعہ ہے اور سب سے زیادہ موزون بھی، عشق و وفا اور حسن و جمال کی لطیف کیفیات کو [جن کا تعلق احساس و ادراک سے ہوتا ہے اور دل کے نہاں خانوں میں پرورش پاتی ہیں] نثر کے مقابلے میں نظم کی صورت میں پیش کرنا مناسب رہتا ہے۔

اگرچہ شعر و شاعری کا اصل موضوع حسن و جمال اور عشق و محبت ہی ہے مگر توحید کا متوالا اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق زار و وفا شعار امتی اس حسن و جمال اور عشق و محبت کے محور کو ذاتِ حضرت اللہ جل مجدہٗ اور ذاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو گردانتا ہے، لہٰذا اس کی شعر و شاعری کے حوالے سے نغمہ سرائی حمد و ثنا اور نعت خوانی ہی تک محدود ہوتی ہے۔

(۳)

نعت گوئی میں جہاں اسی عشق و محبت اور وفا کا اظہار ہوتا ہے، وہاں یہ بہت ہی نزاکت کا حامل کلام ہوتا ہے۔ یہ کسی محبوب مجازی کے خد و خال کا اور اس کے زلفِ مشک آگیں کا اظہار نہیں ہوتا ہے۔ اس میں کسی طرح کی تشبیب اور غزلوں والی غزل سرائی نہیں ہوتی ہے کہ جو منہ میں آئے اسے کہہ دیا یا جو نوکِ قلم پر آئے اس کو لکھ دے؛ صرف وزن اور قافیہ کا خیال رکھے، بلکہ یہ بارگاہِ نبوت و رسالت میں اس کی شان کے مناسب اظہارِ عقیدت و محبت ہے۔ یہاں تو حسان (۱) جیسا شخص بھی یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا ؎

ہزار بار بشویم دہن بہ مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبیست

(یہاں) سحبان جیسا فصیح و بلیغ، ابوالکلام جیسا ابوالکلام اور اقبال جیسا فطری شاعر بھی اپنی بے بسی کا اظہار کرنے پر مجبور ہے، کیونکہ اظہار و بیان کے تمام اسالیب بھی اس بارگاہِ نبوت عظمٰی و دربارِ رسالت کبریٰ میں اس کی حقیقی تعریف پیش کرنے سے عاجز ہیں۔ بقول شمس الدین محمد حافظ شیرازیؒ ؎ ۲

لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ — بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ہاں شہید تلوارِ عشق و وفا مرزا مظہر جانِ جاناں شہید دہلویؒ کی زبانی کہہ سکتے ہیں ؎

خدا در انتظارِ حمد مانیست — محمد چشم بر راہِ ثنا نیست
خدا مدح آفرین مصطفٰی بس — محمد حامد حمد خدا بس

نیز ؎

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم — کآن ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

---

(۱) یہاں فاضل مضمون نگار نے سہواً نام غلط لکھا ہے۔ یہ شعر حسان کا نہیں، بلکہ فارسی کے سر برآوردہ شاعر ہمام الدین علاء تبریزی کا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے: ''ہزار بھی اگر اپنا منہ مشک و گلاب سے دھوؤں، تو پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا (پاکیزہ) نام لینا بہت بڑی بے ادبی ہے''۔ یہ شعر بعض اوقات سعدی اور کئی بار غالب سے منسوب کیا گیا ہے۔ تاہم اس کے شاعر خواجہ ہمام الدین علاء تبریزی ہیں۔ [بحوالہ: عشقِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم: از: نواز رومانی]........(مدیر)

۲...ان اشعار کے ساتھ شیخ سعدی، عبدالرحمن جامی یا شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی کا نام لیا جاتا رہا ہے اور اب تو حافظ شیرازی اور عبدالحق محدث دہلوی کا نام بھی لیا جانے لگا ہے، البتہ ڈاکٹر نجم الاسلام کے مطابق [ابھی تک] 'یہ امر تحقیق طلب ہے'۔ (تحقیق، شمارہ ۱۰-۱۱، ۱۹۹۶ء-۱۹۹۷ء، ص ۹۰۲).....(مدیر)

(۴)

حضرت اللہ جل مجدہٗ کی ذات والا صفات نے خود اپنی تعریف اور اپنا تعارف یعنی حمد و ثنا اپنی صفات [کمالیہ وجلالیہ و جمالیہ سرمدیہ ابدیہ و ازلیہ] سے فرمائی ہے؛ مثلاً: اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم؛ لہٗ ما فی السمٰوات وما فی الارض؛ ولا یؤدہٗ حفظھما وھو العلی العظیم؛ قل ھو اللہ احد؛ اللہ نور السمٰوات والارض؛ ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو؛ عالم الغیب والشھادۃ؛ وغیرھا طرح کی بے شمار آیات کریمہ ہیں۔ خود حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اللہ جل مجدہٗ کی حمد و ثنا ان مبارک صفات سے فرمائی ہیں جن کو ہم قرآنی اصطلاح میں اسمائے حسنیٰ اور عرفی زبان میں ننانوے (۹۹) ناموں سے تعبیر کرتے ہیں اور حدیث صحیحین میں ان اسمائے حسنیٰ کے متعلق یہ فضیلت آئی ہے: ان للہ تعالیٰ تسعاو تسعین اسما من احصاھا دخل الجنۃ۔ یقیناً حضرت اللہ جل مجدہٗ کے ننانوے نام ہیں یعنی صفاتی اور وصفی نام جو انہیں یاد کرے [اور ان کے مقتضایات پر عمل کرے] وہ یقیناً داخل جنت ہوگا۔

خود حضرت حق جل شانہٗ نے فرمایا ہے: وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بھا۔ (سنو) حضرت اللہ جل شانہٗ کے بہت اچھے اچھے [اور پیارے پیارے] نام ہیں لہٰذا اس کو ان ہی مبارک ناموں سے [جن کا تذکرہ متذکرۂ بالا حدیث شریف میں آیا ہے] پکارا کرو۔

یاد رہے کہ ذاتِ باری والا صفات کے دو ذاتی نام ہیں [حضرت] اللہ [جل مجدہٗ] اور [حضرت] رحمٰن [جل شانہٗ] چنانچہ خود ہی فرمایا ہے: قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمٰن۔ [اے میرے پیارے نبی] آپ [اپنی امت سے] کہہ دیجئے کہ [حضرت] اللہ [جل مجدہ] کو [نام لے کر] پکارو یا رحمٰن [جل شانہٗ] کو (نام لے کر] پکارو۔ یہ دونوں ذاتی نام ہیں لہٰذا غیر اللہ پر ان کا اطلاق بر بنائے مجاز بھی ناجائز اور حرام ہے۔ اللہ کے نام پاک میں حمد و ثنا اور تعریف وتوصیف خود ہی موجود ہے یعنی معبود برحق و مسجود برحق یا جس کی تلاش میں ساری مخلوق حیران اور سرگردان ہو۔ یہی حمد یہ مفہوم رحمٰن میں بھی موجود ہے یعنی از حد مہربان۔ اللہ جو اپنی عظیم ذات اور اپنی کامل صفات واوصاف میں یکتا ہے اور نقص کی تمام تر آمیزشوں بلکہ ان کی علامتوں سے بھی پاک ہے، یعنی تمام کمالی صفات کے ساتھ موصوف ہے اور جملہ صفات سلبیہ [جو لازمِ مخلوقات ہیں] سے پاک ہے، اس کا وجود ذاتی ہے اور اس کی صفات بھی ذاتی ہیں۔ جل جلالہٗ۔

محمدؐ جملہ مخلوقات میں گروہِ انبیاء و جماعتِ مرسلین میں اپنی علمی و عرفانی صفات میں بے مثال ہے اور تمام طرح کی بشری خامیوں وکوتاہیوں سے پاک ہے، یعنی نقائص بشریہ سے پاک ہے، البتہ لوازمِ بشریہ

سے بری نہیں ہے، تا کہ خالق ومخلوق میں، عابد ومعبود میں، ساجد اور مسجود میں فرق و امتیاز رہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم

جب حضرت اللہ جل مجدہٗ اور حضرت رحمٰن عز اسمہٗ کی تعریف نظم کے پیرائے میں ہو تو اہل ادب کے یہاں اس کو حمد نگاری کہا جاتا ہے۔ قرآنِ کریم نے حمدیہ کلام کی بنیاد ڈالی ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف اور آپ کی تعریف خود حضرت حق جل مجدہٗ نے فرمائی ہے: یا ایھا النبی، یا ایھا الرسول جیسی آیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب و مقام کو بتایا گیا ہے کیونکہ یہ منصب نبوت و مقامِ رسالت سب سے بڑا منصب و مقام ہے۔ تمام علمی و عرفانی فیوض و برکات کا منبع اسی منصب و مقام کو قرار دیا گیا ہے۔ بلغ ما انزل الیك میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حق تعالیٰ شانہٗ کی مرضیات اور نامرضیات پہونچانے کا مکلف بنایا گیا ہے کہ مرضیات پر چل کر اور نامرضیات سے بچ کر وہ خدا شناس اور آخرت شناس بن جائیں۔ یا ایھا المزمل، یا ایھا المدثر امت کے تئیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فکرمندی اور غم خواری کی صفات جمالیہ کو بیان کیا گیا ہے۔ وما ارسلنٰك الا رحمةً للعالمین میں ان تمام کمالی صفات کا احاطہ کیا گیا ہے، جو حضرت حق کے دستِ جود و سخا نے آپ میں ودیعت فرمائی ہیں۔ وبالمؤمنین رؤف رحیم۔ الغرض وصفِ خلقی و خلقی کے حوالے سے حضرت حق واصف ہیں۔ وانك لعلیٰ خلق عظیم۔ اس طرح نعت گوئی کی بنیاد بھی قرآن کریم نے ڈالی ہے۔ پھر جس طرح حضرت حق تعالیٰ شانہٗ نے اپنا تعارف قرآن کریم کی زبانی اور لسان نبوی کے ذریعہ فرمایا ہے، بس اسی طرح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تعارف اپنی مبارک زبان یعنی لسان نبوت سے فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا: انا محمد، انا احمد، انا الحاشر، انا العاقب وغیرھا۔

جس طرح حضرت حق کے دو نام ذاتی ہیں، اسی طرح منبع جود و سخا، سرچشمۂ علوم و عرفان یعنی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی دو ذاتی نام ہیں (۱) محمد [صلی اللہ علیہ وسلم] (۲) احمد [صلی اللہ علیہ وسلم] جس طرح حضرت حق جل مجدہٗ کے مقدس ذاتی ناموں میں تعریف و تعارف چھپا ہوا ہے، اسی لیے حضرت رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس ذاتی ناموں میں تعریف و تعارف مخفی ہے۔

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ ذات والاصفات، جس کی پہلے بھی تعریف کی گئی ہے، ابھی بھی جس کی تعریف اور تعارف ہو رہا ہے اور آئندہ بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا، جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے: کلما ذکرت ذکرت۔ اے میرے پیارے جب بھی میرا تذکرہ ہوگا، آپ کا بھی تذکرہ ہوگا۔ چنانچہ ساری دنیا میں ہر وقت اذانیں ہو رہی ہیں۔ بحر و بر میں، آبادی و ویرانے میں، صحرا و بیابان میں، رات و دن میں کلمۂ توحید کے ساتھ ساتھ کلمۂ رسالت کی صدائے جان فزا سنائی دیتی ہے۔ یہ نام پاک کلام پاک میں چار

مقامات پر آیا ہے اور ہر مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبوبیت کا، آپ کی تشریعی حیثیت کا اور آپ کے منصب ومقام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ احمد نام پاک میں فاعلیت کی حیثیت سے مبالغہ ہے یعنی حضرت حق جل شانہٗ کی سب سے زیادہ تعریف کرنے والی ذات یا مفعولیت کی حیثیت سے بھی مبالغہ ہے کہ وہ ذات جس کی جملہ مخلوقات میں سب سے زیادہ تعریف کی جائے گی۔

اس طرح جب اس کو نظم کی صورت میں ڈھالا گیا ہے تو نعت گوئی کا جامہ پہن لیا۔

الحاصل حمد نگاری اور نعت گوئی کے اصول و اساس بھی قرآن و حدیث میں موجود ہے۔ فللّٰہ الحمد اولاً و آخراً۔

جس طرح حضرت حق جل مجدہٗ کے ننانوے نام ہیں، جو چار ہزار اسمائے مبارکہ کا خلاصہ ہے، اسی طرح حضرت حق جل شانہٗ کے اس عظیم نبی و رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جو ننانوے نام ہیں، وہ بھی چار ہزار اسمائے مبارکہ کا خلاصہ ہے۔ یہ سارے اسمائے مبارکہ قرآن کریم کی آیات کریمہ اور احادیث نبویہ ہی سے ماخوذ ہیں۔

(۵)

حمد وثنا کے حوالے سے سب سے زیادہ محبوب ترین بندے اور سب سے زیادہ عظیم پیغمبر نے اپنی عاجزی کو یوں بزبان عبدیت بیان فرمائی ہے:

لا احصی ثناءً علیک انت کما اثنیت علی نفسک

اے مولیٰ! میں تمہاری حمد وثنا کا احاطہ نہیں کر سکتا کیونکہ تمہاری ذات اور تمہاری صفات لامحدود ہیں؛ جو زمان و مکان کے قید سے ماورئی ہیں؛ بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ آپ اور آپ کی صفات وہی ہیں جو آپ نے خود ہی بیان فرمائی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ خود ہی اللہ نے فرمایا ہے:

قل لو کان البحر مداد لکلمات ربہٖ لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی....

کہ سارے سمندر روشنائی بن جائیں (اور سارے شجر قلم بن جائیں) تو تب بھی حضرت اللہ جل مجدہٗ کی صفات بیان نہیں ہوسکتیں، سارے سمندر خشک ہوجائیں گے مگر صفات باری کا شمار نہیں ہوسکتا۔

(۶)

حمد یہ کلام ہو اور نعتیہ کلام نہ ہو یا نعتیہ کلام تو ہو مگر حمد یہ کلام نہ ہو، ایسا نہیں ہوسکتا، دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں کیونکہ دونوں نے ایک دوسرے کا تعارف کرایا ہے اور تعریف بھی کی ہے۔ اس طرح حمد باری اور نعت نبی کے درمیان ویسی ہی نسبت و تعلق ہے جیسی نسبت و تعلق پانی کو مچھلی سے اور روح کو بدن سے ہوتا ہے۔ نام پاک (محمد و احمد) میں حمد کا مادہ ہے، لہٰذا آپ پیکر حمد وثنائے باری ہیں، تعلیم و تلقین،

سیرت وصورت اور ساری زندگی آپ کی حمد سے عبارت ہے۔

چنانچہ اذان واقامت ہو، نماز وروزہ ہو، حج وزکوٰۃ ہو، خروج ودخول ہو، ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے سلام وکلام ہو، اکل وشرب ہو یا بول وبراز کا تقاضا ہو، سونے اور جاگنے کی کیفیت ہو، ہر حرکت وسکون میں، ہر ہیئت وحالت میں حمد باری مومن کی زبان پر ہوتی ہے، حتیٰ کہ چھینک آئے تو اس میں بھی حمد ہے؛ اس کا جواب سنے تو اس میں حمد ہے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے اور چلتے پھرتے، اسی طرح مؤمن کی زبان پر بسم الله، الحمد لله، سبحان الله، ان شاء الله، ماشاء الله، الله اکبر، لاحول ولا قوة الا بالله، بسم الله توکلت علی الله، یہ سب حمد باری نہیں تو پھر کیا ہے۔

مشہور حدیث شریف ہے: ان من الشعر الحکمة یعنی یقیناً بعض اشعار بہت ہی حکمتوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے شعر سنانے کا تقاضا فرماتے تھے اور اچھے اور عمدہ اشعار کی خوب داد دیتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمروؓ بن شرید سے ایک مرتبہ فرمایا: کیا آپ کو امیة بن الصلت (زمانۂ جاہلیت کے مشہور شاعر) کے اشعار یاد ہیں تو انہوں نے اس نبوی فرمائش پر ان کے بہت سارے اشعار سنادیئے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انه کاد لیسلم۔ بعید نہیں کہ وہ اسلام قبول کرے۔

ایک مرتبہ جب عرب کی ایک مشہور شاعرہ خنساءؓ اپنی قوم کے ساتھ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوکر مسلمان ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی زبانی اشعار سنے اور تحسین فرمائی بلکہ بعض موقعوں پر انعامات بھی عطا فرمائے ہیں، جیسا کہ حضرت کعبؓ بن زہیر کے قصیدۂ بانت سعاد کے اکاون اشعار کی سماعت پر انہیں اپنی مبارک چادر عطا فرمائی، حالانکہ بعض اشعار میں اظہار ندامت وطلب عفو کے ساتھ ساتھ تشبیب، اونٹنی کے اوصاف کا تذکرہ کیا گیا تھا۔ اسی طرح حضرت عباسؓ بن مرداس کے اشعار پر حضرت صدیق اکبرؓ نے باشارہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سو اونٹ بطور ہدیہ عطا فرمائے ہیں۔ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ذوقِ ادب کا اندازہ ہوتا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ دوسروں کے حقیقت پر مبنی اشعار ہوں یا کسی صحابی نے میدانِ جہاد میں رجزیہ اشعار پڑھے ہوں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مزے لے لے کر ان اشعار کو اپنی مبارک زبان سے پڑھتے تھے؛ مثلاً لبید (زمانۂ جاہلیت کا مشہور شاعر) کے اس شعر کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار دہراتے تھے ؎

الا کل شئی ما خلا الله باطل   و کل نعیم لا محاله زایل

یا بروایت حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کا یہ رجزیہ شعر بار بار پڑھتے تھے ؎

ستبدی لک الایام ما کنت جاھلا   و یاتیك بالاخبار من لم تزود

غزوۂ خندق کے موقعہ پر جب خندق کی کھدائی میں مٹی اپنی مبارک پیٹھ پر ڈھوتے تھے تو یہ رجزیہ اشعار آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک زبان پر تھے ؎

واللہ لو لاہ ما اھتدینا   ولا تصدقنا ولا صلینا

و ثبت الاقدام ان لاقینا   ان الاولی قد بغوا علینا

واذا ارادوا فتنۃ ابینا

آخری مصرعہ کو بار بار سر مبارک ہلا ہلا کر پڑھتے رہے۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک انگلی زخمی ہوگئی تو بے اختیار یہ شعر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک زبان پر جاری ہوا ؎

ھل انت الا اصبع دمیت   و فی سبیل اللہ ما لقیت

(۸)

نعت گوئی میں مبالغہ آرائی انسان کو دائرہ توحید سے باہر کردیتی ہے۔ کتنے نام نہاد نعت گو لوگوں نے عظمتِ مصطفیٰ کے نام پر اپنا سرمایۂ توحید کھودیا ہے۔ العیاذ باللہ العظیم۔ حالانکہ خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی کا ارشاد گرامی ہے:

لا نظرونی کما اطرت النصاری عیسیٰ بن مریم (سنو! جس طرح عیسائیوں نے سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی محبت میں غلو کرکے انہیں ابن اللہ کہا، اس طرح میری محبت میں غلو نہ کرنا) مرض وصال شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یوں دعا مانگی، جو بارگاہِ احدیت میں قبول ہوئی ہے: اللھم لا تجعل قبری و ثنا تعبد (اے اللہ میری قبر کو میری امت سجدہ گاہ نہ بنائے)۔ (چنانچہ) وصال شریف [۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ مطابق جون ۶۳۲ء] سے اب تک ایسی کوئی مثال نہیں ملتی ہے کہ کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قبر اطہر کے سامنے سجدہ کیا ہو، جیسا کہ ہمارے یہاں بے دین مجاوروں اور پیشہ ور گدی نشینوں کے یہاں مزار اولیائے کرام کی مبارک قبور کے سامنے دن دھاڑے جبین نیاز خم ہوتے ہیں، طواف کئے جاتے ہیں اور کوئی روکنے والا نہیں۔ استغفر اللہ العظیم۔ غیر اللہ کے لیے سجدۂ عبودیت شرک ہے اور سجدۂ تعظیمی حرام ہے، شرک کے قریب ہے اور بیت اللہ (زادہا اللہ شرافۃً) کے سوا کہیں بھی طواف کرنا تو شرک صریح ہے، کیونکہ طواف کو مثل نماز بتایا گیا ہے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مرتبۂ نبوت و رسالت سے نیچے لانا صریح گستاخی ہے، جو باعثِ کفر ہے۔ العیاذ باللہ العظیم۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مرتبہ و مقام وہی ہے جو حضرت حق جل مجدہٗ نے

آپ ﷺ کو عطا فرمایا ہے، نہ اس سے اوپر کہ وحدت [عقیدۂ توحید] کی سرحدیں متزلزل ہوں؛ نہ اس سے نیچے کہ گستاخی لازم آئے۔ کسی شاعر نے اس مفہوم کو یوں ادا کیا ہے ؎

محمد بشر لا کالبشر یا قوت حجر لا کالحجر

یعنی سیدنا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ انسان ہی ہیں مگر عام انسانوں کی طرح نہیں ہے بلکہ افضل البشر و خیر البشر ہیں؛ جس طرح یاقوت [ایک نہایت ہی قیمتی پتھر کا نام ہے] پتھر تو ہے، مگر عام پتھروں کی طرح نہیں۔ بہر حال حمدیہ کلام ہو یا نعتیہ کلام، اعتدال بہر حال رہے؛ یہی صراطِ مستقیم ہے۔



● پروفیسر مصرہ مریم حامدی (بیگم پروفیسر حامدی کاشمیری مرحوم)

شالیمار-سرینگر-کشمیر

"جہانِ حمد و نعت" نام کا ادبی اور تحقیقی مجلہ دیکھ کر بے حد خوشی اور حیرت ہوئی۔ یہ مجلہ، جو ریاست جموں و کشمیر میں حمدیہ اور نعتیہ شعر و ادب کا اولین کتابی سلسلہ ہے، بہت ہی وقیع ہے۔ آپ نے واقعی حمد و نعت گوئی کو جداگانہ وجود اور تشخص عطا کیا ہے۔ محترم پروفیسر مرغوب بانہالی صاحب، اربابِ نعت اکادمی اور آپ کو مبارک باد کہ آپ نے ایسا مبارک قدم اٹھایا ہے۔

مجھے گورنمنٹ میڈیکل کالج کے طالب علم طفیل شفیع کی نعت بہت پسند آئی۔ میڈیکل کا طالب علم ہو کر اسلامی تعلیم اور قرآن پر ان کی پوری نظر ہے۔ اندازِ بیان بالکل مختلف اور موثر ہے اور کشمیری زبان پر عبور ہے۔ کشمیر میں آج کل کے بچے اپنی ہی زبان سے غیریت برت رہے ہیں۔

حامدی صاحب یہ مجلہ دیکھ کر بہت خوش ہو جاتے۔ انھوں نے بھی نعتیں اور حمد لکھے ہیں۔ میں ان کی چار نعتیں اور ایک حمدیہ غزل "جہانِ حمد و نعت" کے آئندہ شمارے کے لیے بھیج رہی ہوں، چار اردو میں ہیں اور ایک کشمیری میں۔



● مشتاق کاشمیری

خانیار-سرینگر-کشمیر (کہنہ مشق، معروف و ممتاز بزرگ شاعر)

ڈاکٹر جوہر قدوسی صاحب لائقِ صد احترام ہیں کہ آپ نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے تشنگانِ حمد و نعت کی پیاس بجھانے کے لیے ایسا سرچشمہ تیار کیا، جو اِن شاء اللہ العزیز ہمیشہ بہتا ہی رہے گا۔ آپ نے حمد و نعت کے بارے میں ایک تو ریاست جموں و کشمیر سے ہمارے اسلاف شعراء کرام کے بارے

میں حدامکان تک معلومات جمع کی ہیں اور اُن کے حمد ونعت کے اشعار سے بھی ہمیں متعارف کیا اور دوسرا آپ نے برصغیر ہندوپاک سے شائع ہورہے حمد ونعت کے اداروں اور اُن سے منسلک خوش نصیب پاک نفوس سے بھی ہمیں ملایا جو اس چمن زار حمد ونعت میں برسوں سے محوسفر ہیں اور ان اداروں کی وساطت سے مدحتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ثنائے رب جلیل کے خزانے لٹاتے رہے ہیں۔

اللہ پاک ڈاکٹر قدوسی صاحب کو جزائے خیر سے نوازے کہ کئی دہائیوں سے ہم دہشت زدوں اور بے بضاعت مسلمانوں کو اس جانب توجہ دلا کر حمد ونعت کی تابناک صنف کو گلے لگانے کا بیڑا اٹھایا۔ میں امید کرتا ہوں کہ 'جہانِ حمد ونعت' ہمارے ادبا اور محترم شعراء کرام کو مدحِ رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور ثنائے کبریا کے تئیں ادب کی دنیا میں اپنا ذخیرہ تیار کرنے کی جانب مہمیز کا کام دے گا۔ اور ہم اللہ پاک کی حقیقی بندگی اور رسول محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ والہانہ عشق کا بے باکانہ اظہار کر کے دنیا کو باور کرائیں کہ ہم خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانبردار بنیں اور قرآن محترم ہی ہمارا حیات آفرین سرمایۂ ادب ہے۔

کشمیر میں حمد ونعت کے بارے میں بہت سے مقدس نفوس کا تذکرہ نہیں ہوا ہے، جن میں محترم عبدالاحد نادم ''مکہ کس ٹاٹھس مدنی لالس سوز یہ استقبالس جان'' اور پیر عزیز اللہ حقانی (صدا بوزم گدا آسے برس تل یا رسول اللہ) اور بھی بہت پا کباز۔ امید ہے جناب قدوسی صاحب اپنا تحقیقی کام جاری رکھیں گے اور کشمیر میں سرمایۂ حمد ونعت سے دنیا کو روشناس کرنے کا بیڑا اٹھائیں گے۔



● غلام علی گلزار

16/2 گلزار منزل، حسن آباد، رعناواری سرینگر

مجلہ 'جہانِ حمد ونعت' کا پہلا شمارہ موصول ہوا۔ شکریہ۔ بڑی محنت سے تیار کیا گیا ہے، شاندار اور معیاری ہے۔ مضامین ''حمدیہ شاعری پر تنقید'' (از پروفیسر ڈاکٹر عاصی کرنالی) اور ''نعتیہ شاعری کا تاریخی پس منظر'' (از جناب علیم صبا نویدی، تامل ناڈو) بہت پسند آئے۔ اداریہ کے علاوہ آپ نے اطلاعاتی وتجزیاتی مضمون بعنوان ''کشمیر میں نعتیہ شاعری کی صورتحال'' (ایک نا تمام تذکرہ) لکھا ہے۔ یقیناً یہ سلسلہ ناتمام ہے، استقبال میں جاری وساری ہے، ماضی قریب وبعید کے تعلق سے نہ معلوم تلاش کرنے پر کتنے خزینے برآمد ہوں گے۔

رثائی ادب کا سلسلہ قدیم ہے۔ کربلا کے حوالہ سے گذشتہ تقریباً تین سو برس کے دوران کشمیری مراثی کا جو سلسلہ چلا ہے، اس میں ''حمد ونعت'' کا وافر ذخیرہ ہے۔ کشمیری مرثیہ نگاری کا ایک خاص (ادبی لحاظ سے

منفرد) pattern ہے۔اس حوالہ سے حمد ونعت کے مختصر حوالوں کے ساتھ، مشمولہ مضمون ''کشمیری مراثی میں حمد ونعت کا شرعی معیار'' مذکورہ پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا گیا ہے۔ کشمیری مرثیہ نگاری کی ادبی صنف میں اس تلاش کی دُھن سے طائرانہ نظر ڈالی جائے تو نعتیہ جواہرات کا سلجھا ہوا درخشاں ذخیرہ ملے گا۔ آپ باذوق ہیں، اس علمی وادبی سرمایہ سے ضرور محظوظ ومسرور ہوں گے۔ میں نے نہایت اختصار سے کام لے کر نمونہ کے طور پر چند ہی حوالوں کو قلمبند کیا ہے۔اس مضمون کو پڑھ کر ضرور شائع کریں، اِن شاءاللہ مفید اور دلچسپ ثابت ہوگا۔ آپ چاہیں تو میرے خط کا حوالہ دے کر اپنا نوٹ بھی لکھیں۔ عموماً مرثیہ نگاری میں ''حمد ونعت'' کو جذبات انگیزی کا شکار نہیں ہونے دیا گیا ہے۔ مرثیہ خوانی یا ماتم داری الگ چیز ہے۔ غرض وغایت کشمیری مراثی میں مطلوب علمی وادبی جواہر کے فیض سے ہے۔ کتاب ''اوش تہ آب'' میں مشہور مصنف ومورخ حکیم غلام صفدر ہمدانی (مرحوم) نے حمد ونعت کے منتخب نمونوں کو compile کیا ہے۔



● حافظ مقصود احمد ضیائی

پونچھ ،جموں و کشمیر

محمد عربی نور سرمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ارفع واعلی صفات، آپؐ کی محبت جانِ جاں ، جانِ ایماں، یقین کی آن، اسلام کی شان، دین کی روح اور شریعت کی اساس ہے۔جس کے دل میں آپؐ کی محبت کی آنچ نہ ہو، وہ کافر بھی ہے منکر بھی۔ دنیا کی تمام عظمتیں آپؐ کی بارگاہ میں سرنگوں، ساری رفعتیں آپؐ کے قدموں کی دھول اور ساری نیک نامیاں آپؐ پہ نثار ہیں۔ ازخاک تا عالم پاک، ازفرش زمیں تا عرش بریں، ازثری تا ثریا ہر شئے آپؐ کی عظمت کی گواہ، فضیلت کی شاہد، کمال کی قصیدہ خواں، جمال کی نغمہ سرا اور نوال کی بانگ درا ہیں۔ زندہ جاوید ہیں وہ زبانیں جن سے نعتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمزمے بلند ہوں، قابل رشک ہیں وہ قلم، جن سے منقبتِ نبیؐ کے آبشار پھوٹیں، لائق ناز ہیں وہ صلاحیتیں جو مدحتِ نبی رحمتؐ کی پاکیزہ فضا اور مقدس جولان گاہ میں شب وروز اڑان بھرتی ہوں۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد فرخ فال سے لے کر دنیا کی ہر زبان میں عشاق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعتیہ کلام کو اگر جمع کیا جائے تو بستیوں کی بستیاں کتب خانوں میں تبدیل ہوں، اور یہ کام کسی ایک حکومت سے نہیں، متعدد حکومتوں سے بھی بہ مشکل تمام انجام پائے۔

ان سطور کا شانِ ورود یہ ہے کہ حال ہی میں "نعت اکادمی" جموں وکشمیر کے زیر اہتمام ششماہی "جہان حمد ونعت" کا اوّلین شمارہ منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا ہے۔ خوش قسمتی سے اس وقت آپ حمد ونعت کی اسی

خصوصی اشاعت کے روبرو ہیں، جس کی تہذیب وترتیب اور اشاعت کی سعادت ادیب اریب فاضل گرامی، جناب ڈاکٹر جوہر قدوسی صاحب زاداللہ فیوضہم المبارکہ، ایڈیٹر ماہنامہ "**الحیات**"، بانی سیکرٹری "نعت اکادمی" جموں وکشمیر و مدیر ششماہی مجلہ "جہانِ حمد ونعت" کے حصہ میں آئی۔ صاحب فضیلت اپنی شستہ ورفتہ اردو زبان، چاندنی میں ڈھلی ہوئی انشاء اور جادو نگار قلم کے حوالے سے علمی وادبی دوائر میں نہ صرف معروف، بلکہ نیک نامی وخوش انجامی کا تمغہ زرّیں رکھتے ہیں۔ رمضان المبارک میں بحالتِ سفر ریاست جموں وکشمیر کی سرمائی راجدھانی جموں میں موصوف کی خصوصی عنایت سے "جہانِ حمد ونعت" کا یہ شمارہ موصول ہوا، جس کے بالاستیعاب مطالعہ کی بھی توفیق مقدر ہوگئی۔ اس شمارے کو ڈاکٹر جوہر قدوسی صاحب زیدہ مجدہم کی فاضلانہ تحریری اور فکری صفات کا ترجمان اور جنبشِ قلم کی معراج تصور کرتے ہوئے یہ کاتب الحروف قارئین کرام سے ملتمس ہے کہ اس شمارے کو پڑھیں اور محبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں چند قدم نہیں، ان گنت منزلیں آگے بڑھیں۔

قبل اس کے کہ اس دلگداز تذکرہ پر مزید کلام کیا جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کرام کی خدمت میں اس گنجینۂ علم وادب کے عناوین کا اختصار پیش کردیا جائے۔ "جہان حمد ونعت" کی یہ خصوصی اشاعت، حمدیہ ونعتیہ شعروادب کا اوّلین اور زرّیں کتابی سلسلہ نیز حمدیہ ونعتیہ ادب کے فروغ واشاعت کا اپنی قسم کا منفرد ادبی وتحقیقی مجلہ ہے۔ اس منفرد پہچان کے حامل جریدے کی مشمولات متعدد حصوں میں ہیں۔ حصہ اول "لمعاتِ ثنا" کے عنوان سے ہے، جس میں حرفِ آغاز (اداریہ)، ہدیۂ حمد اور ندائے نعت عناوین شامل ہیں۔ حصہ دوم "تفکرات" کے نام سے موسوم ہے: حمد ونعت: اکتشافِ فکر، اقتضائے فن۔ اس میں حمد ونعت گوئی کے فن اور آداب واسلوب پر گیارہ مضامین ہیں، جن میں کاتب الحروف (مقصود احمد ضیائی) کا مضمون بنام "حمد ونعت کا تحلیلی مطالعہ" بھی شامل ہے۔

حصہ سوم "تدبرات" کے نام سے ہے: حمد ونعت: عکسِ تحقیق، نقشِ تنقید۔ اس میں حمدیہ ونعتیہ شاعری پر تحقیقی وتنقیدی مضامین ہیں، جن کی تعداد بیس ہے۔ حصہ چہارم بنام "تفہیمات": حمد ونعت: انتقادِ سخن، احتسابِ اسلوب ہے۔ اس میں حمدیہ ونعتیہ فن پاروں پر تبصرے اور تاثرات شامل ہیں۔ یہ باب انیس مضامین پر مشتمل ہے۔ حصہ پنجم بنام "تصورات": حمد ونعت: اقوال زریں، افکار روشن ہے۔ اس میں حمد ونعت سے متعلق اصحابِ فکر ودانش کے منتخب اقوال پر عناوین ہیں۔ حصہ ششم بنام "تخیلات": حمد ونعت: حمد وثنائے ساقیٔ ازل، مدح وثنائے ساقیٔ کوثر ہے، جس میں ساٹھ شعرائے کرام کا حمدیہ ونعتیہ کلام ہے۔ علاوہ ازیں شمارے میں سولہ شعرائے کرام کا کشمیری زبان میں حمدیہ ونعتیہ کلام بھی شامل ہے۔

حصہ ہفتم: "تاثرات": نامہ ہائے شوق، رقعاتِ ذوق، نقطہ ہائے نظر: صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے" عنوان سے ہے۔ آخر میں "متفرقات" کے باب پر اس دلآویز دستاویز کو ختم کر دیا گیا ہے۔

غرضیکہ 516 صفحات پر مشتمل ششماہی" جہانِ حمد و نعت" کی یہ خصوصی اشاعت جناب ڈاکٹر جوہر قدوسی صاحب زاداللہ فیوضہم المبارکہ کے علم و ادب کی فتوحات کا ایک عظیم الشان پرچم ہے، جس کے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوتے ہی ایک چمنستان صد رنگ کھل گیا ہے۔ آں محترم دور اندیش اور عمدہ منصوبہ ساز بھی ہیں۔ جہاں تک ہماری نگاہ گئی ہے، علم و کتاب اور قرطاس و قلم سے آپ کا رشتہ و تعلق وجدانی اور سرمدی قسم کا معلوم ہوتا ہے۔ آپ نفیس ادبی لٹریچر کے شیفتہ اور گرویدہ بھی معلوم ہوتے ہیں۔ علوم و معارف کے موتیوں کی تلاش، ان سے استفادہ اور دوسروں کو بھی ان گنج ہائے گرانمایہ کا سودائی بنانے کا ذوق رکھتے ہیں۔ آپ کی علم و ادب میں ڈوبی کاوشیں ہم جیسے طفلانہ قلم کاروں کو بہت کچھ سیکھنے کا موقع دیتی ہیں۔ قدرت نے آپ کو مطالعہ کے ساتھ انشاء کا بھی اچھا اور پاکیزہ ذوق عطا فرمایا ہے۔ اس گلدستہ کے محتویات و مضامین میں آپ کا یہ وصف خاص صاف عیاں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کا قلم لکھتا ہی نہیں بلکہ صفحہ قرطاس پر علم و ادب کے موتی بکھیرتا ہے، جس کی ایک جیتی جاگتی تصویر تو" جہانِ حمد و نعت" کی یہ اشاعت خاص ہے، اور دوسرا ماہنامہ" **الحیات**" کی مسلسل اشاعت اور اس کے تحت مختلف مکاتبِ فکر کی نامور شخصیات کی حیات و خدمات پر شائع شدہ ضخیم خصوصی ضمیمے ہیں، جن کی تعداد لگ بھگ 29 ہے۔ ڈاکٹر جوہر قدوسی صاحب حفظہ اللہ علمی و ادبی خدمات کے تعلق سے محنت شاقہ کے لیے تعریف کے مستحق ہیں۔ آپ کی علمی و ادبی خدمات بدر کامل کی طرح ہویدا ہیں، جن سے انکار چمکتے سورج کی برستی شعاوں کو خیط اسود کہنے کے مترادف ہے۔ یقین کے ساتھ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ آپ کی نگارشات ہماری مذہبی صحافتی تاریخ کا خوبصورت اور بامعنی حصہ رہیں گی۔ ان شاء اللہ

بڑی ناسپاسی ہوگی اگر اس موقع پر" نعت اکادمی" جموں و کشمیر کے سرپرست جناب پروفیسر مرغوب بانہالی صاحب ادام اللہ فیوضہم المبارکہ کا ذکر خیر نہ آئے۔ آں موصوف میدان علم و ادب کی ہستی تاباں ہیں۔ اس شجر پر بہار کے قلم سیال سے کئی کتابیں صادر ہوئیں۔" جہان حمد و نعت" کے اس شمارے میں بھی آپ کے قلم گوہر بار کا عظیم شاہکار مکتوب اس اشاعت خاص کے صفحات پر چمک رہا ہے۔ آپ کی رائے کہ اس مجلہ کے اوّلین شمارے میں" نعت اکادمی" کا دستور بھی شائع کر دیا جائے، نہایت ہی اہمیت کی حامل ہے۔ غرضیکہ موصوف کی مفید آراء نے شمارے کو تاریخی حیثیت کا حامل بنا دیا ہے۔



● ڈاکٹر عبداللہ امتیاز احمد
پلوامہ، کشمیر

اللھم صل وسلم علیٰ محمدٍ

اپریل 2002 میں 'تحریکِ الحیات' کا سفر ماہنامہ ''الحیات'' سے شروع ہوا تھا۔ کچھ ہی عرصے بعد اس کارواں نے جون 2009 میں انگریزی ماہنامہ Crescent: A path breaking Islamic Jouranl کا اجرا کیا۔ کچھ سالوں بعد اس تحریک کو اور مہمیز ملی اور 2012 میں "ماہنامہ البنات" نے جنم لیا۔ اس تحریک نے "Globe: J&K's First Info-tech Magazine" کا بھی اجرا کیا اور اب "جہانِ حمد ونعت" آپ کے ہاتھوں کی زینت ہے۔ نعتیہ خدمات کے ضمن میں 'نعت اکادمی جموں و کشمیر' کو 1998ء میں قائم کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر جوہر قدوسی نے "اردو میں نعت گوئی: روایت اور ارتقا" پر 500 صفحات کا ضخیم مقالہ لکھا ہے۔ اسی طرح انہوں نے "اردو کے 25 نعت گو شعرا: ولی دکنی سے صلاح الدین پرویز تک" 320 صفحات کی کتاب بھی شائع کی ہے، جس کا دوسرا ایڈیشن اب جلد ہی منظر عام پر آئے گا، ان شاءاللہ۔ نعتیہ ادب کے حوالے سے ان کے اب تک 2 درجن مقالات بھی مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں۔ "نعت اکادمی جموں و کشمیر" کی طرف سے شائع کردہ مجلہ "جہانِ حمد ونعت" کی اشاعت پر ہم ان کو مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ 516 صفحات کی ضخامت پر مشتمل یہ مُجَلّہ جہاں ایک طرف چونکا دینے والا ہے، وہیں دوسری طرف اپنی بلند حوصلہ مندی، اولوالعزمی اور طویل سفر کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ مُجلے کا سابقہ لفظ "جہان" اس جہاں کی طرف اشارہ کرتا ہے جو اس مُجلے میں خود سما گیا ہے۔ اس کائنات کی تعمیر، لمعات، تفکرات، تدبرات، تفہیمات، تصورات، تخیلات، تاثرات اور تفرقات کے عالموں پر مشتمل ہے، جو کہ "اکتشافِ فکر، اقتضائے فن، عکسِ تحقیق، نقشِ تنقید، انتقادِ سخن، احتسابِ اسلوب، اقوالِ زریں، افکارِ روشن، حمد وثنائے ساقیٔ ازل، مدح وثنائے ساقیٔ کوثر صلی اللہ علیہ وسلم، نامہ ہائے شوق، رُقعاتِ ذوق، نقطہ ہائے نظر" کے چھوٹے چھوٹے نورانی ہالوں (مِلکی ویز) پر نمودار ہو گئے ہیں اور پھر ان سیاروں کے جھنڈ پر وہ تمام تخلیقات نمودار ہوئی ہیں، جو کہ اب ہمارے سامنے "جہانِ حمد ونعت" کی صورت میں جلوہ گر ہیں۔

یہ مُجلہ حمد ونعت گوئی کے فن، آداب اور اسلوب پر تحقیق و تنقید تبصرہ و تاثرات، اصحابِ فکر و دانش کے منتخب اقوال اور شعرائے کرام کا اللہ کے دربار اور حضورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک شان میں اپنی عقیدتوں کا نذرانہ ہے۔

حمد ونعت دونوں کے حوالے سے یہ حقیقت ہمیں تسلیم کرنی ہوگی کہ یہ دونوں (اصناف)، دونوں سطحوں (لکھنے اور کہنے) پر اس درجے کے عُشر عشیر تک بھی نہیں پہنچی ہیں، جس سطح تک ہم شاعری کو لے گئے ہیں۔ ہم نے عقیدت کو معذرت بنا دیا ہے اور زندگی کے بقیہ شعبوں کا وہی حشر کیا ہے، جو حمد و نعت کا کیا ہے یا حمد ونعت کا وہی حشر کیا ہے جو زندگی کے باقی شعبوں کا کیا ہے۔ جب کہ ہمارے پاس نعتیہ صنف کے بہترین نمونے موجود تھے۔ امید ہے کہ یہ مجلہ اس کمی کو پورا کرے گا، تا کہ حمد یہ و نعتیہ ادب کا صحیح رخ پروان چڑھے اور یہ صنف، شاعری کی بقیہ اصناف کی طرح محض عقیدت (جس میں کہ اکثر شرک و بدعات کی آمیزش ہوتی ہے) سے نکل کر خالص ادبیت کا بے ساختہ پن اور قدرتی لچک اپنے اندر پیدا کرے گی۔ اس مجموعے میں جہاں نعتوں کا بہت اہم ذخیرہ جمع کیا گیا ہے، وہیں اس میں اس صنف کے حوالے سے تحقیقی وتنقیدی مضامین بھی پیش کئے گئے ہیں، جن میں ''حمدیہ شاعری پر تنقید: عاصی کرنالی اور حمد ونعت کا تحلیلی مطالعہ: مقصود احمد ضیائی'' اس وجہ سے اہمیت کے حامل ہیں کہ انہوں نے ان دو اصناف کے حوالے سے ہمارے یہاں رائج کئی غلط فہمیوں کو دور کیا ہے۔

مجلہ میں نعتیہ متن کے عمدہ نمونے بھی پیش کئے گئے ہیں۔ اس میں اردو کے علاوہ کشمیری زبان کی نعتوں کو بھی جگہ دی گئی ہے۔ امید ہے کہ یہ مجلہ یہاں کے حمد ونعت لکھنے والوں کے لئے نہ صرف حوصلہ افزائی کا سبب بنے گا، بلکہ ان کے فن کو مہمیز بھی دے گا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ یہ مجلہ بھی **الحیات** کی طرح اپنا سفر جاری رکھے گا اور نعتیہ ادب لکھنے والوں کے لئے (ایک موثر پلیٹ فارم ثابت ہوگا)۔



● محمد عارف اقبال

مدیر: اردو بک ریویو، دہلی

حمد ونعت کے حوالے سے یہ گراں قدر پیشکش (جہان حمد ونعت) مبارک ہو۔ اللہ اسے تادیر قایم رکھے۔ صبیح رحمانی صاحب بلاشبہ مسرور ہوں گے۔



● پروفیسر ڈاکٹر شمس کمال انجم

شعبہ عربی، بابا غلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی، راجوری

ڈاکٹر قدوسی صاحب کا شکریہ کہ انھوں نے یہ 'جہان حمد ونعت' واٹس ایپ) گروپ create

کیا۔ مجھے اس کا ایک خصوصی اور بروقت فائدہ یہ ہوا کہ مجھے ''جہان حمد ونعت'' کا شمارہ موصول ہو گیا۔

نعت کہنا، سننا بذات خود ایک ادبی ریاضت وفنکاری کے ساتھ ساتھ باعث ثواب وخیر وبرکت عمل بھی ہے۔ مجھے اپنی ہی نعت کا ایک شعر یاد آرہا ہے کہ۔

میں اس جذبے سے نعت مصطفی کہتا ہوں اے لوگو
بہت ممکن ہے لے جائیں یہ نعتیں مجھ کو جنت میں

ایک دو شعر اور سنیں :۔

جب سر حشر مرا نام پکارا جائے /// مری نعتوں کو بھی پڑھ کر کے سنایا جائے
کوئی ادنی سا ہے مداح محمد یہ بھی /// میرے سرکار کو اس روز بتایا جائے

واٹس ایپ کے بے شمار گروپوں میں اگر اسے صرف نعت (اور حمد) کے لیے خاص کر دیا جائے تو مجھے بے حد خوشی ہوگی۔ یہ میری ذاتی رائے ہے۔ بہت بہت شکریہ۔



● ریاض الاسلام

معرفت : محفل نعت پاکستان، اسلام آباد

فروغ ذوقِ حمد ونعت ہی ہم اہلِ نعت کا مقصدِ اوّلین ہے۔ اس مقصد وحید کے لیے ان شاء اللہ ہمارا قلمی تعاون آپ کے لیے ہمیشہ موجود رہے گا۔ اوّلین شمارہ کی جھلکیاں دیکھنے کا موقعہ ملا؛ ماشاء اللہ؛ نہایت حسین مرقعہ نگارشات ترتیب دیا گیا ہے۔ آپ کی محنتِ شاقہ (صاف) نظر آرہی ہے۔ اللہ عزوجل مزید ترقی اور کامیابی سے نوازے، آمین بحق سید الامین الکریم۔

محفل نعت پاکستان، اسلام آباد کے اراکین کی جانب سے بھی دلی ہدیہ تبریک قبول کیجیے۔



● سید بشیر احمد بشیر

شیخ حمزہ کالونی، لعل بازار، سرینگر

''جہانِ حمد ونعت'' کا مبارک اور دیدہ زیب شمارہ دفتر الحیات سے وصول پا کر خوشی سے ہمکنار ہوا، جس کے لیے آپ اور کاروانِ ہم سفر، ہم سخن حضرات مبارکبادی کے مستحق ہیں۔

یوں تو دو عشرے گزر جانے کے بعد آپ کی کاوشیں رنگ لائیں۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور توفیق کی بدولت اِس کامیابی اور سعادت مندی کا سہرا آپ کے سر رہا۔ جو کام اوروں سے ہو نہ سکا

،وہ آپ کی ہمت، لگن اور خلوص کی وجہ سے پایہ تکمیل کو پہنچا۔"دیر آید درست آید"۔ آج یہ تحفہ ادیب/ادب نواز اور عام و خاص حضرات کے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ کرے یہ مجلہ بغیر رکاوٹ کے جاری و ساری رہے۔ (آمین)۔ استادِ محترم پروفیسر مرغوب بانہالی صاحب (جن کا میں ممنون ہوں) کی ایما اور صلاح پر چند کشمیری منظوم کلام (جو وقتاً فوقتاً کتابی صورت میں چھپ کر بھی آیا ہے) آنے والے شمارے کے لیے ارسال کر رہا ہوں۔



● احمد کشمیری

بی، فارم، پی جی جے ایم سی ahmadkashmiri@gmail.com-7006551196

"جہانِ حمد و نعت" کے پہلے سلسلے کی پی ڈی ایف کاپی موصول ہوئی۔ یہ اِس سلسلے کا پہلا شمارہ ہے۔ اوّل بات یہ ہے کہ آپکو مع ٹیم اس سلسلے کو شروع کرنے پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں، کیونکہ آج کے دور میں سخت دشواریوں کے باوجود خود اردو زبان اور بعد ازاں ادب کی اِس صنف پر موضوعات کو تلاش کر کر کے کتابی صورت میں قارئین تک پہنچانا کوئی آسان بات نہیں ہے۔ بہر حال ایسے کاموں کے لئے عزم اور استقلال کا ہونا ناگزیر ہوتا ہے، اور الحمدُ للہ آپکے اندر وہ دونوں صفات تسلی بخش حد تک موجود ہیں۔

دوئم یہ کہ جہاں تک علم و ادب میں "جہانِ حمد و نعت" کی اِس کاوش کا تعلق ہے، تو اسے ایک کارنامے کے طور پر دیکھا جانا چاہیے، کہ آج تک ادب میں ایک آدھ رسالوں میں حسبِ دلچسپی اور حسبِ مفاد کے دائیرے میں ہی اِس صنف کو دیکھا جاتا رہا ہے اور اسے شاید ہی کہیں پر کسی نے صحیح مقام دینے کی کوشش تک بھی کی ہو؛ اگر چہ عشق و نسبت کے بلند و بانگ دعوے بھی کئے جاتے رہے ہیں۔

"جہانِ حمد و نعت" کے سرورق پر موجود عبارت "نعت اکادمی جموں و کشمیر" اِس بات کا عندیہ دیتی ہے کہ آپکا یہ ادارہ کس قدر کوشاں اور متفکر ہے اس شعبے کو اپنا حقیقی اور مستحق مقام بخشنے کے لئے۔ راقم کو کشمیر یونیورسٹی میں محترم پروفیسر مرغوب بانہالی کے ساتھ ملاقات کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے اور اندازہ ہوا کہ وہ ہر معاملے کو کتنا سنجیدگی اور تفکر سے دیکھتے پرکھتے ہیں۔ مجلس مشاورت کے دیگر ارکان، جن میں مشتاق کاشمیری بھی خاص طور پر شامل ہیں، گویا علم و ادب میں آسمان کے تارے ہیں۔ اِن شاء اللہ "جہانِ حمد و نعت" کا رفعتوں کو پہنچنا کوئی مشکل کام نہیں رہے گا۔

اب اہم بات، بلکہ احقر کی گزارش یہ ہوگی کہ نوجوانو! (یا پھر میں نئی پود کا لفظ استعمال کر کے یہ بتانا چاہوں گا کہ) اردو زبان کا حال ہم سب کے سامنے ہے۔ نئی نسل اردو زبان کے استعمال اور اسکے لئے دلچسپی سے کافی دُور ہوگئی ہے۔ یہ نسل خود قصوروار نہیں، بلکہ اسکے لئے بہت سارے محرکات ذمہ دار ہیں۔ "جہانِ حمد و نعت" یا پھر "نعت اکادمی جموں و کشمیر" کے اِس علمی مشن میں آپ حضرات کو اس اہم نکتے کا خیال رکھنا چاہیے کہ نئی نسل کے ابھرتے نوجوان اردو مضمون پڑھنے والے اور نہ پڑھنے والے دونوں کی ضرورتوں کو یہاں شامل کرنا ہوگا۔ اسکے لئے ایڈیٹوریل یا پھر مشاورتی ٹیم کو داخلی اور بیرونی ماہرینِ لسانیات کی خدمات کو بھی اگر حاصل کرنا پڑے تو کوئی کسر باقی نہیں چھوڑنی چاہئے۔ مضامین اور مقالوں کے اندر آسان زبان کا استعمال نوجوانوں کی دلچسپی کو فروغ دے سکتا ہے۔ "نعت اکادمی جموں و کشمیر" کے اس سلسلے میں نوجوانوں کی (حمد و نعت کی صنف کے علاوہ پروفائیلز، انٹرویوز اور کمالات کے حوالے سے) دلچسپی کے موضوعات کو بھی شامل کیا جانا چاہیے۔ موضوعات میں دہرے پن کو/تکرار کو ختم کریں۔ اس سے قاری اُکتا جاتا ہے، مثلاً اگر ہر نعت پر لکھی گئی ہر تحریر میں قاری کو نعت کی ادبی تعریف (نعت کے لغوی معنی یہ ہیں) پڑھنے کو ملے، تو یہ ٹھیک نہیں ہے۔ اِس شعبے میں ترجمہ کاری میں کسقدر کام ہوا ہے، اسکا تذکرہ بھی ایک اچھا عنوان بن سکتا ہے۔ ادب میں مبینہ طور پر غلط روایتوں اور ادبی اصناف کے ناموں، تعریف اور تصور پر ریسرچ اور تردید کو بھی مشمولات میں جگہ دی جانی چاہیے۔ اسکے علاوہ ہر چھپی چیز کو ڈجٹائیز کر کے انٹرینٹ کے پلیٹ فارموں پر بہم رکھا جانا چاہیے، تا کہ دنیا بھر کے لوگ استفادہ کر سکیں۔ ہماری دعا ہے کہ یہ کوشش بار آور ثابت ہو اور اللہ کے فضل و کرم سے مرادِ اصلی کو حاصل کرے، آمین۔



Advocate Md. Ashraf Wani (J&K High Court)

I had occasion to go through the book (*Jahan-e-Hamd-o-Naat*). I have conveyed my gratitude earlier, I once again congratulate and thank you for compilation of the book, the best tribute to the Prophet SAW.



● **فیروز احمد سیفی**

ڈائریکٹر/ فائونڈر نعت ریسرچ سینٹر، انڈیا (نیوبارک)

مجلّہ "جہانِ حمد و نعت" کے پہلے شمارے کی پی ڈی ایف فائل کو ایک سرسری نظر دیکھا، دل خوش اور

آنکھیں روشن ہو گئیں۔ ایک لمحے کے لیے میں خواب و خیال کی دنیا میں کھو گیا اور من ہی من میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ شکر بجالایا کہ ہندوستان میں حمد و نعت کے فروغ وارتقاء کا جو خواب میں نے دیکھا تھا، وہ اب شرمندہ تعبیر کی طرف بڑھ رہا ہے۔

ڈاکٹر صاحب اولاً تو میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھ ناچیز کو مجلّے کی ''مجلسِ مشاورت'' میں شامل فرما کر میرے قد کو بہت اونچا کر دیا، جزاک اللہ عن خیر الجزاء۔

''جہانِ حمد و نعت'' میں شامل مضامین کو ایک نظر دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ سبھی مضامین اہم، معلوماتی اور فکر انگیز ہیں، لیکن سارے مضامین تقریباً ایک ہی جہت لیے ہوئے ہیں۔ مضامین کا متنوع ہونا قاری کی فکر اور اس کی توجہات کو اپنی جانب راغب کرتا ہے۔ جس تخلیق میں فکری جہات کے ساتھ تنوع کی کثرت ہوتی ہے، اس کی طرف قاری کا خود بخود مائل ہونا یقینی ہوتا ہے اور تنوع تحقیق و تنقید اور سمت و رفتار سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی تناظر میں یہ بھی عرض کرنا چاہوں گا کہ کسی بھی موضوع پر کام کرنے کے لیے اس کی جہات اور دائرے کی جستجو بہت اہم ہوا کرتی ہے۔ میں یہ چاہوں گا کہ آپ کشمیر میں نعت کے ان اثاثوں اور سرمائے کی حفاظت و صیانت کے ساتھ اس کی نشر و اشاعت کی طرف بھی متوجہ ہوں، جو ابھی تک پردۂ اخفا میں ہیں، جیسے نعتیہ کلیات و دواوین، مخطوطے، نیز کشمیر کے نعت گو شعراء کی تاریخ اور تذکرے پر بھی آپ کی توجہ ہونی چاہیے۔ ان ساری جہات کے ساتھ ایک سب سے اہم جہت یہ ہے کہ آپ ریاست جموں و کشمیر کی یونیورسٹیز اور تعلیمی اداروں کے نصاب کا جائزہ لیں اور وہاں کی نصابی کمیٹیوں سے ملاقات کر کے دیکھیں کہ حمد و نعت کو شامل نصاب کئے جانے میں مشکلات کیا کیا ہیں؟ ہم نے جو محسوس کیا ہے، وہ یہ ہے کہ لوگ سب سے اہم اور بنیادی بات یہ کہتے ہیں کہ نعت گو شعراء کے کلام کا کوئی مستند انتخاب نہیں ہے، تو میں عرض کرنا چاہوں گا کہ ہم نے بھی اسی سال بیسویں صدی کے مشاہیر نعت گو شعراء کا ایک انتخاب ''چمنستانِ نعت'' پروفیسر فاروق احمد صدیقی شائع کیا ہے، جو بروقت پیش کر کے گفتگو آگے بڑھائی جاسکتی ہے۔ آپ اس کام کو بہتر طریقے سے کر سکتے ہیں، اس لیے کہ آپ خود تعلیم و تعلیم سے وابستہ اور ایک ڈگری کالج کے پرنسپل جیسے عہدے پر ہیں۔ اس مرحلے میں درپیش تمام طرح کی مشکلات کے حل اور تعاون کے لیے ہم اور ہمارا ادارہ 'نعت ریسرچ سینٹر انڈیا' آپ کے ساتھ ساتھ ہے۔ آپ اس سلسلے میں ڈاکٹر سراج احمد قادری مدیر مجلہ ''دبستانِ نعت'' کی بھی مدد لے سکتے ہیں۔ فروغ حمد و نعت کی راہ میں ہم اور ہمارا ادارہ نعت ریسرچ سینٹر انڈیا آپ کے شانہ بشانہ کھڑا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اگر ''جہانِ حمد و نعت'' نے اس زاویے سے کام کیا تو یقیناً ہندوستان میں حمد و نعت کا مستقبل روشن و تابندہ ہے

اور مستقبل میں یہ وقیع مجلہ اردو ادب کی تاریخ وتذکرے کا ایک زرّیں باب ضرور قرار پائے گا۔



● رخسانہ جبین

ڈائریکٹر ریڈیو کشمیر (ر)، نٹی پورہ، سرینگر، کشمیر

"جہانِ حمد ونعت" کی فہرستِ مضامین سے اندازہ ھورہا ھے کہ یہ نعت گوئی کے حوالے سے ایک نادر دستاویز ھے۔ مبارکباد۔ آپ کو یاد ھوگا کہ مرحوم سید رضا کا یہ دیرینہ خواب تھا، جو اُن کی مختصر حیات میں شرمندۂ تعبیر نہیں ھوسکا۔ اس سلسلے میں ھم نے استادِ محترم جناب مسعود سامون صاحب کے دفتر میں حاضر ھوکر اُن سے گزارش کی تھی کہ وہ اس کی سرپرستی فرمائیں۔ لیکن رضا مرحوم کا یہ خواب بھی تشنۂ تکمیل رہ گیا۔ اب آپ اس نیک مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچا رھے ھیں۔ آپ مبارکبادی کے مستحق ھیں۔



● احمد مقصود

"جہانِ حمد ونعت" کی اشاعت جناب ڈاکٹر جوہر قدوسی صاحب کے علم وادب کی فتوحات کا ایک عظیم پرچم ہے، جس کے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوتے ہی ایک چمنستان صد رنگ کھل گیا ہے۔ خدائے قدوس مضامین ومقالات اور حمد ونعت کی اس دلآویز دستاویز کو خاص وعام میں مقبولیت عطا فرمائے۔ آمین۔



● ڈاکٹر پریمی رومانی

ایڈیٹر "ششماہی عالمی میراث"، پونے، مہاراشٹر

"جہانِ حمد ونعت" شائع کرنے کے نیک کام کے لیے دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ آپ خاموشی سے اپنے کام میں منہمک رہتے ہیں۔ خدا آپ کو کامیابی عطا کرے آمین

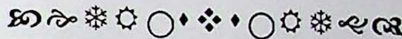


● عبداللہ خاور

سابق لائبریرین، علامہ اقبال سنٹرل لائبریری، کشمیر یونیورسٹی

مجلہ "جہانِ حمد ونعت" حمد ونعت کے حوالے سے دستاویزی حیثیت رکھتا ہے۔ آپ واقعی

مبارکبادی کے مستحق ہیں۔



RELEASING CEREMONY OF THE FIRST ISSUE

of "*Jahan-e-Hamd-o-Na'at*"

****

Ganderbal, May 30 (2019) : The department of Urdu, Central University of Kashmir (CUK), organised "*Husn-e- Na'at* competition" at Nunar campus of the varsity here on Thursday, May 30 (2019) in wchich maiden issue of newly launched journal "*Jahan-e-Hamd-o-Na'at*" was released.

Vice-Chancellor, Prof. Meraj-ud-Din Mir, while releasing the first-ever research journal of *Hamdia* & *Na'atia* literature "*Jahan-e-Hamd-o-Na'at*" edited by Prof. Jauhar Quddusi, on the occassion, appreciated the efforts of the Na'at Academy Kashmir in bringing out such a beautiful research journal. He also lauded the faculty of the Urdu department for organizing the event and complimented the students for evincing keen interest in the *Na'at* competition. Registrar Prof. Fayaz A Nikka while speaking on the occasion, said the department is regularly holding such *Na'at* competitions, particularly during the holy month of Ramadhan and is giving platform to the students to show their talent. Dean School of Life Sciences Prof. M Afzal Zargar appreciated the students for enthralling the audience by reciting beautiful *Na'ats*.

The judges in the competition included Prof. Jauhar Quddusi, Prof. Nasir Mirza and Mr. Ghulam Hassan Gamgeen.

The programme proceedings were conducted by Assistant Professor, Dr. Altaf Hussain while as Dr. Nusrat Jabeen proposed the vote of thanks.



باب

متفرقات

حمدیہ و نعتیہ ادب کی اہم شخصیات کا داغِ مفارقت

'بین الاقوامی آن لائن طرحی نعتیہ مشاعرہ'

اُردو نعتیہ ادب کے رجل عظیم پروفیسر ڈاکٹر ریاض مجید کا انٹرویو

ادارہ ''جہانِ حمد و نعت'' یتیم

نعت اکادمی کشمیر کے بانی صدر ؛ ''جہانِ حمد و نعت'' کے سرپرست

شاعرِ توحید : پروفیسر مرغوب بانہالیؒ

ماہِ رمضان کی نورانی ساعتوں میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے!

'نعت اکادمی' کشمیر کے بانی صدر؛ ''جہانِ حمد و نعت'' کے سرپرست، شاعرِ توحید، پروفیسر ڈاکٹر مرغوب بانہالی صاحب کو مرحوم لکھتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ وہ ایک ہمہ گیر اور ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ راقم کا اُن کے ساتھ قریبی تعلق تھا، جو زیادہ تر 'نعت اکادمی' اور 'جہانِ حمد و نعت' کے حوالے سے استوار تھا۔ زیرِ نظر مجلّے کے اوّلین شمارے کی اشاعت کے لیے وہ بے چین تھے اور شمارہ منظرِ عام پر آتے ہی انہوں نے والہانہ انداز میں اپنی انبساط و مسرت کا اظہار فرمایا۔ ساتھ ہی اس کی تقسیم کے لیے نہ صرف متفکر ہوئے، بلکہ عملی طور متحرک بھی ہو گئے۔ چنانچہ 'جہانِ حمد و نعت' کے دوسرے (زیرِ نظر) شمارے کے لیے وہ بڑی بے تابی سے انتظار کر رہے تھے کہ اُن کو مالک کا بلاوا آ گیا، جس کے لیے وہ ایک سچے مومن کی طرح ہر وقت تیار رہتے تھے۔ کاش کہ موصوف اپنی آنکھوں سے اس کا نظارہ کرتے، لیکن ہمیں ہر حال میں اللہ کی مرضی کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے کا حکم ہے۔ موصوف کی حمدیہ و نعتیہ خدمات اور اس کے لیے کشمیر کی تاریخ میں پہلی بار عملی اقدام کے طور پر ادارہ 'نعت اکادمی' کے قیام میں اُن کی مساعیٔ جمیلہ، نیز حمد و نعت کے ساتھ اُن کی وابستگی سے متعلق ایک مفصل مضمون کا قرضہ برقرار رکھتے ہوئے (فی الحال) یہاں پر حمد و نعت نگار شاعر جناب اسیرؔ کشتواڑی کا ایک مضمون شائع کیا جا رہا ہے۔ اِن شاء اللہ اگلے شمارے میں مرحوم کی حمدیہ و نعتیہ خدمات سے متعلق مبسوط مقالہ شائع کیا جائے گا۔ ادارہ 'نعت اکادمی' کشمیر اور ''جہانِ حمد و نعت'' خود کو یتیم سمجھ کر دُعا گو ہیں کہ اللہ انہیں اعلیٰ علیین میں مقامِ عطا فرمائے..... مدیر

تحریر : ولی محمد اسیرؔ کشتواڑی

ڈائریکٹر جنرل فائنانس، حکومت جموں و کشمیر (ر) --- رابطہ نمبر 9419000471

مرحوم و مغفور پروفیسر مرغوب بانہالی ۲۷ / اپریل ۲۰۲۱ء مطابق ۱۴ رمضان المبارک ۱۴۴۲ ہجری کو مرغوب منزل عمر کالونی، لال بازار، سرینگر (کشمیر) میں دارِ فانی سے کُوچ کر گئے۔ وہ جمّوں و کشمیر کے صفِ اوّل کے سخنور، محقق، نقاد، ترجمہ کار، نثر نگار، مُبصر، ماہرِ لسانیات، تاریخ نویس، ماہرِ

تعلیم، نعت گو شاعر اور اعلیٰ مذہبی وسماجی خدمتگار تھے۔ تادمِ تحریر اُن کی لگ بھگ پچاس تصنیفات وتالیفات شائع ہوئی ہیں، جن میں سے ''پرتوستان'' اُن کا اوّلین کشمیری مجموعۂ کلام ہے، جسے جموں وکشمیر کلچرل اکیڈیمی اور ساہتیہ اکادمی نئی دہلی نے یکے بعد دیگرے بہترین کتاب ہونے کے انعامات عطا کئے۔ بعد میں انھیں سٹیٹ ایوارڈ، غالبؔ ایوارڈ اور دیگر کئی اہم اعزازات وانعامات سے بھی نوازا گیا، جن میں صدر جمہوریہ ہند کا سالانہ وظیفہ بھی شامل ہے۔ جموّں وکشمیر کلچرل اکیڈیمی نے کشمیری شیرازہ کا ۷۵۲ صفحات پر مشتمل ایک انتہائی ضخیم اور خوبصورت ''مرغوبؔ بانہالی نمبر'' شائع کیا، جس میں عرضِ ناشر اور پیشِ لفظ کے علاوہ کُل ۴۷ مقالات، مضامین، تذکرے اور تبصرے شامل ہوئے ہیں، جن کی بنیاد پر یہ کہنا آسان ہو گیا ہے کہ مرحوم مرغوبؔ بانہالی علم وادب کے میدان میں ایک شہسوار کی سی حیثیت رکھتے تھے۔ سمندر کو کوزے میں بند کرتے ہوئے اُس وقت کے کلچرل اکیڈیمی کے سیکریٹری ڈاکٹر عزیز حاجنیؔ نے ''عرضِ ناشر'' میں لکھا ہے :

''جب میں نے مرغوبؔ بانہالی کے ادبی کارناموں کی ورق گردانی شروع کی تو مجھے محسوس ہوا کہ انھیں ہمہ جہت کہنا فی الحقیقت موزوں رہے گا۔ میرے ذاتی مطالعہ کے اعتبار سے بقیدِ حیات ہمعصر کشمیری ادیبوں میں سے کسی پر اتنا نہیں لکھا گیا ہے جتنا کہ مرغوبؔ صاحب پر تحریر ہوا ہے۔ شیرازہ کے اس خصوصی نمبر کے لئے اتنے مضامین، تذکرے اور تبصرے وغیرہ موصول ہوئے تھے جن میں سے بعض کو شیرازہ کی عام ضخامت میں کافی اضافہ کرنے کے باوجود بھی شامل کرنے سے قاصر رہے۔ ان مقالات اور مضامین کو بعد میں شیرازہ کے عام شماروں میں شائع کیا جائے گا''۔ (ص ۸)

''مرغوبؔ بانہالی نمبر'' کے ایڈیٹر جاوید اقبال تحریر کرتے ہیں :

''مرغوبؔ صاحب ایک ممتاز شاعر ہونے کے علاوہ بڑے ترجمہ کار، نقاد، محقق اور دانشور کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں جنھیں اُردو اور فارسی کا بے انتہا اور وسیع مطالعہ ہے۔ وہ عربی زبان اور ادب کے واقف کار اور مزاج شناس ہیں۔ انھیں انگریزی زبان پر بھی مکمل دسترس حاصل ہے'' (ص ۱۲)۔

محمد یوسف ٹینگ مرغوبؔ بانہالی کو ''شاعرِ پاک نہاد اور فردِ فرخندہ بنیاد'' قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''مرغوبؔ صاحب کی شخصیت کا ایک روشن پہلو، ان کی زندگی حلیمی، حلاوت، شرافت، خداد دوستی، پاکیزہ نفسی اور احباب نوازی کا ایک رنگین وخوشنما گلدستہ ہے۔ حقیقتاً وہ اپنی نیک

نفسی، درویش طبعی اور خوش اعتقادی سے ہماری ادبی دُنیا میں معزّز، محترم اور مقبول ہیں''۔

(شیرازہ؛ مرغوبؔ بانہالی نمبر، ص ۳۴)۔

بنیادی طور پر مرغوبؔ بانہالی اپنی خداداد شاعرانہ خصوصیات کی بنا پر عوام وخواص میں مقبول ہوگئے۔ ان کے نام کو اس وقت چار چاند لگ گئے جبکہ اُن کے کشمیری شعری مجموعے ''پرتوِ ستان'' نے ۱۹۷۸ء میں ساہتیہ اکادمی نئی دہلی کا بیسٹ بُک مین ایوارڈ حاصل کیا۔ ''پرتوستان'' کے علاوہ کشمیری شاعری کے جو مجموعات شائع ہوئے ان میں تجلستان، ''دیدمان''، ''خاص احسان'' اور ''الا بِسُلطان'' شامل ہیں۔ ان کی اُردو شاعری کا صرف ایک ہی مجموعہ شائع ہوا ہے جس کا نام ''چراغاں -- ایک درد بداماں دیوان'' رکھا گیا ہے۔ ۸۵ صفحات پر محیط اِس دیوان کو ادبی حلقوں میں کافی پسند کیا گیا۔ اس پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے پروفیسر ظہورالدین نے تحریر کیا ہے:

''مرغوبؔ صاحب صرف ریاستی اور ملکی حالات پر نگاہ نہیں رکھتے، بلکہ عالمِ اسلام کی مجموعی صورتِ حال پر بھی اُن کی نظر ہے۔ ان کے یہاں کچھ دوسرے اخلاقی، اصلاحی اور انسانی موضوعات نے بھی موثر انداز میں جگہ پائی ہے۔ جہاں تک مرغوبؔ کی شعری لغت کا تعلق ہے، وہ کلاسیکی رنگ وآہنگ کی حامل ہے۔ انھوں نے کچھ ایسے الفاظ بھی برتے ہیں، جو اَب متروک ہو چکے ہیں۔ مثلاً یاں، واں، تلک وغیرہ'' (چراغاں؛ ص ۲۲)۔

بات کو آگے بڑھاتے ہوئے پروفیسر حامدیؔ کاشمیری نے لکھا ہے :

''مرغوبؔ صاحب کا مجموعۂ کلام ''چراغاں'' ان کی تاریخی، معاشرتی اور اخلاقی علم وخبر کی آئینہ داری کرتا ہے۔ ایک بسیار جہت شخصیت ہے۔ اس کا نمایاں پہلو مذہبیات اور اخلاقیات ہے۔ اس مختصر سے مجموعۂ کلام میں ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جو ان کی شخصی دروں بینی، رمزیت اور قلبی سوز وگداز کا احساس دلاتے ہیں''۔ (چراغاں۔ ص ۹، ۱۰)۔

مرغوبؔ صاحب کا سارا کلام دلچسپ اور فکر انگیز ہے جس کو پڑھنے اور سمجھنے کیلئے اکثر ذہنی ورزش کرنا پڑتی ہے۔ وہ غزل کے مزاج اور تقاضوں سے نہ صرف بخوبی آشنا تھے، بلکہ وہ منفرد انداز میں دلکش اور دلفریب غزل گوئی میں بھی یکتائے روزگار تھے۔ مرغوبؔ ادب برائے زندگی کے قائل تھے لہٰذا فنِ شاعری کی انسانی معنویت وافادیت پر بھی کافی زور دیتے رہے۔ انسانوں کو رنگ ونسل، مذہب وملک اور زبان وثقافت کے نام پر تقسیم کرنا انھیں ناپسند تھا۔

مرغوبؔ کی شاعری سے متعلق پروفیسر شادؔ رمضان صاحب نے یہ تاثرات بیان کئے ہیں:

''آپ اپنے اُن چند ہم عصروں کی طرح اُس فیشن پرستی میں گرفتار نہیں ہوئے جو جدید فکری حِسیت اور آگہی کا مفہوم سمجھے بغیر ہی اور اس کو محسوس کئے بغیر ہی اپنے آپ کو جدید قرار دیتے رہے ہیں اور صوفیانہ شاعری کی اصلاحات کو اپنی شاعری کی بنیاد بنا کر خود کو صوفی شاعروں میں شمار کرنے لگے ہیں۔ مرغوبؔ صاحب نے ان سب سے ایک جُداگانہ راستہ تلاش کرلیا ہے۔ ان کی زبان بھی نئی ہے اور ان کا اندازِ بیان بھی نیا''۔ (مرغوب شناسی ص ۹۶، ۹۷)۔

مرغوبؔ بانہالی صرف کشمیری اصناف سخن میں جدت طرازی کے معمار اور محسن نہیں تھے، بلکہ وہ جمّوں و کشمیر میں اُردو شاعری کی بھی ایک امتیازی شان ہیں۔ صاحبِ موصوف ایک نڈر اور بے باک شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ بلند درجہ انشاء پرداز، تیز نظر محقق، نکتہ شناس نقاد، جادو بیان مقررؔ، مقالہ نگار اور انسان دوست بھی تھے۔ انھوں نے صوبہ جموں کے کشمیری بولنے والے علاقوں کی صحیح صحیح نشاند ہی کرکے ایک مُستند تحقیقی کارنامہ کشمیری زبان میں انجام دیا، جس کو کشمیر یونیورسٹی کے شعبۂ کشمیری نے ''کشیر بالہ اپار'' (Kashmir Across Pirpanchal) کے نام سے ۱۹۸۹ء میں شائع کیا۔ مرغوبؔ کے ادبی کارناموں میں رساؔ جاودانی، کامگار کشتواڑی، اعماؔ عبدالرحیم بانہالی اور ولی اللہ متو پر تحریر کردہ مونوگراف ہیں جو انھوں نے ساہتیہ اکادمی نئی دہلی کی فرمائش پر قلمبند کئے تھے۔ مرغوبؔ بانہالی نے ایک قدیم اور اہم فارسی کتاب ''کلیلہ و دِمنہ'' کا ایک کامیاب کشمیری ترجمہ کیا، جسے کلچرل اکیڈیمی نے ۱۹۷۵ء میں شائع کیا۔ علاوہ ازیں انھوں نے ساہتیہ اکادمی کے ایماء پر غالبؔ، سروجنی نائیڈو اور قاضی نذرالاسلام کے مونوگرافوں کے بھی کشمیری میں ترجمے کئے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ مرغوبؔ صاحب نے بابا نصیر الدینؒ کے فارسی نورنامہ کا اُردو میں ترجمہ کیا۔ اور تقریباً نصف درجن ترجمے ابھی طباعت کے منتظر ہیں۔

مرغوبؔ صاحب ایک ماہرِ لسانیات بھی تھے جس کا اندازہ اُن کی لکھی ہوئی قدیم کاشُر، مرغوبؔ تھیوری، کشمیر شناسی، فارسی بیچ پارزان وغیرہ کتابوں سے ہوتا ہے۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ کشمیری زبان سے متعلق تحریر کی گئی اُن کی معرکتہ الآرا تصنیف ''مرغوبؔ تھیوری'' اِملا سے متعلق کئی اختلافات کو جنم دینے کے باوجود اپنی بات منوانے میں کامیاب ہوگئی۔ چنانچہ ماہر لسانیات پروفیسر نذیر احمد ملک نے زیر بحث کتاب کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے تحریر کیا ہے :

''مرغوبؔ تھیوری'' اوّلین کتاب ہے، جس میں پہلی بار (میری دانست میں) کشمیری زبان کے رسم خط اور اِملا کے بارے میں سنجیدگی سے توجہ کی گئی ہے اور جس میں کشمیری اِملا کی

معیار بندی اوراس میں روا اِملائی انتشار کودور کرنے کی خاطر اہم تجاویز پیش کی گئی ہیں۔یہ تجاویز وسیع تر سماجی، تہذیبی، مذہبی اور لسانی تناظر میں پیش کی گئی ہیں۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ زبان، تحریر، رسمِ خط اور اِملا کے درمیان فرق اور تعلق سے متعلق اور پھر ایک قوم کے وسیع تر ثقافتی ورثے کے ساتھ ان کے رشتے سے متعلق مصنّف کا ذہن بالکل صاف ہے۔"

(مرغوبؔ شناسی، ص ۷۵)۔

مرغوبؔ بانہالی نے تحقیق کے میدان میں بھی کارہائے نمایاں سرانجام دے کر ایک الگ اور منفرد مقام حاصل کیا ہے۔اس سلسلہ میں اُن کا وہ جامع اور معتبر مقالہ ہے جوانھوں نے پی۔ایچ۔ڈی کے لئے قلمبند کیا ہے۔اُن کے درجنوں مقالات اور کئی تصنیفات وتالیفات اُن کی باریک نظری اور تنقیدی صلاحیتوں کی غماز ہیں۔"پوگلی" زبان کو متعارف کروانے اوراس کی اہمیت کوواضح کرنے میں بھی مرغوبؔ بانہالی کا خاص ہاتھ رہا ہے۔انھوں نے پوگلی کے مختلف لہجوں اور علاقوں کی جونشاندہی کی ہے اس میں ابھی تک کوئی بھی قلم کار ابھی تک خاص ترمیم واضافہ نہ کرسکا۔

مرغوبؔ صاحب ایک تجربہ کار معلّم ،معروف نعت نگاراوردین اسلام کے علمبردار تھے۔چنانچہ ان کا مرتب کردہ درسی کورس "اسلامیاتس کُن ستھ قدم" کافی مفیداورمقبول ہے۔یہ کورس سات کتابچوں پر مشتمل ہے، جسے بہت سے تعلیمی اداروں نے اپنے نصاب میں شامل کردیا ہے۔یہ ساتوں کتابیں مجموعی طور پر ۵۹۲ بڑے سائز کے صفحوں پر چھاپی گئی ہیں۔ان میں مصنّف کے ذاتی تقاضات اور تجربات کُھل کر سامنے آتے ہیں۔

پروفیسر مرغوبؔ بانہالی ایک اچھے مقرر اور خطیب بھی تھے۔اُن کی تقریروں میں اُن کے گہرے مطالعے کی جھلک صاف صاف دکھائی دیتی تھی۔ان کی تحریر ان کی تقریروں کی طرح ہی دلکش ودلفریب ہوا کرتی تھی۔اب اس قسم کی ہمہ گیر شخصیات کا ملنا دشوار ہی نہیں، بلکہ محال بھی ہے۔میں تقریباً گذشتہ نصف صدی سے مرحوم مرغوبؔ بانہالی صاحب کے بہت ہی قریب رہا اور ہمارے تعلقات زیادہ تر ادب وثقافت سے جُڑے ہوئے تھے۔جب کبھی کوئی شعری یا نثری تخلیق نظرثانی کے لئے اُن کے سامنے پیش کی جاتی تووہ پورے خلوص کے ساتھ اُس کی درستی فرمایا کرتے تھے۔علامہ اقبالؔ اور غالبؔ اُن کے پسندیدہ شاعر تھے۔چنانچہ پیر نصیر احمد کا "پروفیسر مرغوبؔ بانہالی بحیثیتِ اقبالؔ شناس" ایک جامع مقالہ ۲۰۰۹ء میں کتابی شکل میں شائع ہوا، جس کی تقاریظ پروفیسر بشیر احمد نحوی، پروفیسر شہاب عنایت ملک، پروفیسر شادؔ رمضان اوراسیر کشتواڑی نے تحریر کی ہیں۔نصیر احمد کے اس مقالے سے

بیسویں صدی کی عبقری ادبی شخصیت علامہ اقبالؔ کے ادبِ عالیہ کے حوالے سے پروفیسر مرغوبؔ بانہالی کی جمیل شخصیت اور وقیع ادبی خدمات اور بھی نکھر کر سامنے آگئی ہیں ۔ وادئ چناب کے ایک اور ہونہار اسکالر شبیر احمد بٹ نے جموں یونیورسٹی کے پروفیسر ضیاء الدین کی نگرانی میں ۲۰۰۳ء میں ''مرغوبؔ بانہالی کی اُردو ادبی خدمات'' کے عنوان سے ایک تحقیقی مقالہ مرتب کر کے ایم۔فل کی ڈگری حاصل کی تھی۔ ۲۰۰۹ء میں مذکورہ مقالہ کتابی صورت میں شائع ہوا، جس کے سرنامے ڈاکٹر عزیز حاجنی اور ڈاکٹر مشتاق احمد گنائی نے تحریر کئے ہیں۔ مرغوبؔ بانہالی کی وفات کے ساتھ ہی ان کی ادبی سرگرمیاں بھی بند ہو کر رہ گئی ہیں۔ وادئ چناب کو یہ فخر حاصل ہے کہ مرحوم نے سچ مچ اپنے علم و فن کا لوہا منوا کر جموں و کشمیر کی ادبی تاریخ میں اپنا نام سنہری حروف میں رقم کیا ہے، جس کی بدولت انہیں آئندہ نسلیں یاد کرتی رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ آمین ***

....

پروفیسر مرغوبؔ صاحب اُن خوش قسمت انسانوں میں سے تھے، جنہوں نے اس دورِ الحاد میں اپنے آپ کو اسلامی افکار و اعمال کے ساتھ مربوط رکھا، اپنی فکر و عمل کو کام میں لاکر زندگی کا صحیح استعمال کیا اور اسی سرکاری ملازمت کی زندگی میں اپنے منصبی فرائض کے عِلاوہ اپنی دینی خدمات کے ذریعے کشمیر کے علم دوست اور ادب نواز لوگوں کے لیے ایک وسیع علمی ذخیرہ مرتب کیا، حتیٰ کہ پچاس سے زائد علمی اور دینی کتب تصنیف فرمائیں۔ اپنی شاعرانہ مہارت کو استعمال میں لاکر ایک دردمند صاحبِ دل اور صوفی بزرگ کی طرح علم وعرفان کے جوہر بکھیرے۔ وہ مادی علوم کے پرستار بننے کے برعکس علم کے ایک باکردار داعی بن کر ابھرے۔ یہ اللہ کا ان کے ساتھ ایک خاص معاملہ تھا۔

موصوف یقیناً شاعر توحید تھے، کشمیر میں جب احقر نے ''مجلس علمی'' قائم کی تو موصوف نے اس کی دعوتی اور علمی خدمات کے ساتھ پورا اتفاق کیا اور ہمیشہ اپنی دعاؤں کے ذریعے سے ہماری مدد کرتے تھے۔ ایک دفعہ فرمایا کہ ''افسوس آپ جیسا دوست مجھے بڑھاپے میں مل گیا''۔ کئی دفعہ فرمایا کہ ''ڈاکٹروں نے مشورے کے تحت مجھے لمبے اسفار سے منع کیا ہے ورنہ مجالس میں ضرور شریک ہوتا''۔ وہ ظاہرداری سے کوسوں دور تھے۔ جب بھی احقر ان کی خدمت میں حاضری دیتا تھا تو اُن کی مہمان نوازی کا پورا اندازہ ہوتا تھا۔ مختصر یہ کہ موصوف دین پسند، دین پرور اور مخلص داعی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم دینی عالم بھی تھے۔ انہوں نے اپنا سارا زورِ قلم اشاعتِ دین کے سلسلے میں خرچ کیا۔ اللہ اُن کی حسنات کو قبول فرمائے، اُن کی قبر کو نور سے بھردے اور اُن کے علوم سے اہالیانِ کشمیر کو زیادہ سے زیادہ مستفید فرمائے، آمین [آسی غلام نبی وانی فتح گڈھی] ***

اُستاذی المکرم و محترم

عظیم شاعر، نظریہ ساز نقاد، معروف محقق، ممتاز دانشور، اور بلند قامت استاد

پروفیسر حامدی کاشمیری مرحوم

اُردو دُنیا اور ریاست جموں و کشمیر کے ایک عظیم شاعر، ممتاز محقق، فکشن نگار اور نظریہ ساز نقاد پروفیسر حامدی کاشمیری 2 دسمبر 2018ء بروز بدھ وار شب بوقت 9 بج کر 45 منٹ پر داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ مرحوم نے اکتشافی نظریہ پیش کر کے اردو تنقید کو ایک نئی تھیوری سے آشنا کیا۔ حامدی صاحب نے ابتدائی دور میں افسانے بھی لکھے۔ انھوں نے افسانہ نگاری کے ساتھ ہی شعر و شاعری کا آغاز بھی کیا۔ ان کے متعدد شعری مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ان کا اوّلین شعری مجموعہ بہت پہلے 'عروس تمنا' کے نام سے شائع ہوا، جو اُن کے ابتدائی کلام پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد ان کی شاعری میں نمایاں تبدیلی آنے لگی اور انھوں نے اس میدان میں مختلف مراحل طے کر کے اپنی محنت، لگن اور صلاحیت سے ایک انفرادی مقام بنایا۔ ''نایافت، لاحرف، شاخ زعفران، وادی امکان، خواب رواں، شہر گماں'' وغیرہ اُن کے چند شعری مجموعے ہیں، جن کی ادبی حلقوں میں خاطر خواہ پذیرائی ہوئی۔

حامدی کاشمیری نے اس زمانے میں اپنی شاعری کا آغاز کیا جب وہ اسکول میں زیر تعلیم تھے۔ وہ پہلے پہل اپنی مادری زبان کشمیری زبان میں شعر کہتے تھے۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد جب انھوں نے کالج کا رخ کیا تو ان کو کھلی فضا میں سانس لینے کا موقع ملا۔ کالج کی بزم ادب میں وہ بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے اور کامیابیوں کی منزلوں کو سر کرتے رہے۔ اسی دور میں کشمیر کے سربرآوردہ شاعر شہ زور کاشمیری، جو خود حضرت سیماب اکبرآبادی کے تلمذ میں رہے تھے اور اب فارغ الاصلاح قرار دیے گئے تھے، سے حامدی صاحب اصلاح سخن لیتے رہے۔ ڈاکٹر برج پریمی اپنی کتاب میں اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> ''شہ زور، سیماب اکبرآبادی کے حلقہ تلمذ میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ فارغ الاصلاح ہو کر اب آزادانہ طور پر مشق سخن کرتے تھے۔ زبان و بیان پر ماہرانہ قدرت رکھتے تھے، حامدی نے اپنے سنجیدہ کلام پر شہ زور سے اصلاح لے کر عروض اور زبان کے رموز سیکھے اور اب کالج میگزین کے علاوہ مقامی رسائل میں ان کا کلام شائع ہونے لگا۔ ابتداً ہفت روزہ وکیل سے کی جب ذرا قدم جم گئے تو ماہنامہ شاعر کے لیے لکھنے لگے۔ شاعر کے مدیر نامدار

اعجاز صدیقی نے ہمت اور حوصلہ دیا۔'' (جموں و کشمیر میں اردو ادب کی نشو ونما از ڈاکٹر برج پریمی ص 195-96)

حامدی کاشمیری نے اگرچہ اپنی شاعری کا آغاز روایتی شاعری سے کیا، اور وہ ایک زمانے میں ترقی پسند شاعری کے بھی دلدادہ تھے لیکن جب اس تحریک کا رنگ زائل ہونے لگا اور جدیدیت نے اپنے اثرات سے سارے ادب میں انقلابی تبدیلی پیدا کی تو حامدی بھی اس کی رنگ آمیزی کرنے لگے اور بقول مظہر امام، حامدی کا شمار نئی نسل میں نہیں ہوگا لیکن اگر جموں و کشمیر میں نئی نسل وہ نسل ہے جس نے جدید عصری حسیت اور نئے مزاج کو سب سے پہلے قبول کیا تو پھر یہ نئی نسل حامدی کاشمیری سے شروع ہوتی ہے (ماہنامہ تعمیر، جموں و کشمیر اردو ادب نمبر 1983 ص 199)۔ حامدی کاشمیری دراصل دو نسلوں کے درمیاں ایک کڑی ہیں، جنھوں نے اپنی فکر کی تازگی اور احساس کی گرمی سے کشمیر کی اردو شاعری میں نیا وقار پیدا کیا اور اس کی آبیاری کی۔

حامدی کاشمیری کو اردو میں اکتشافی تنقید کے بنیاد گزار ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اکتشاف کی اصطلاح لفظ کشف سے مشتق ہے، جس میں الجھے ہوئے نامعلوم رویوں اور اسلوب کی گرہیں کھولی جاتی ہیں۔ یہ تنقیدی مزاج کا کلیہ بھی ہے اور کسی علمی اور ادبی متن کے پوشیدہ مظاہر، ماہیت کا تجزیہ اور اس کے اندر چھپے ہوئے پوشیدہ حرکات و سکنات، جمود، تجربات اور روّیوں کی دریافت کرنے کا نام ہے۔ اس نظریہ میں نقاد قاری کو اپنے ساتھ لے کر چلتا ہے۔

حامدی صاحب نے حمدیہ و نعتیہ کلام بھی لکھا ہے۔ محمد صلاح الدین کی مشہور نعتیہ نظم ''محمد رسول اللہ'' پر حامدی صاحب کا ایک تجزیاتی مضمون زیر نظر مجلہ ''جہانِ حمد و نعت'' کے اوّلین شمارے میں شائع ہو چکا ہے۔ مجلہ کے زیر نظر شمارے میں اُن کا حمدیہ و نعتیہ کلام ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ چند اشعار۔

ہو رہا ہے کشفِ تخلیقِ وجود = یہ کرم ہے خالقِ اکبر ترا
کتنے دنیا کے بلاوے آئیں گے == اب جبینِ عجز ہے اور در ترا
نعت خوانی کرتا ہے ہر آبشار == تیری مدحت کرتی ہے ہر آبجو
نام تیرا منبعِ انوار حق ==نور کے دریا رواں ہیں سو بسو

حامدی صاحب کے انتقال سے اُردو ادب و تنقید میں ایک ایسا خلا پیدا ہو چکا ہے، جسے پُر کرنا ناممکن دکھائی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس عطا فرمائے، آمین .... مدیر

***

محمد احمد زاہد

نعتیہ ادبی تحریک کی نہایت فعّال اور اہم شخصیت ابوالحسن خاور کے اختراعی اور تخلیقی ذہن کی پیداوار

'بین الاقوامی آن لائن طرحی نعتیہ مشاعرہ'

تاریخ کا بنظرِ غائر مطالعہ اور تنقیدی جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح اور عیاں ہو گی کہ جتنی بھی بڑی بڑی کامیابیاں ملتی ہیں، ان کے پیچھے کثیر رقم یا خطیر مادی وسائل نہیں ہوتے، بلکہ خلوص اور شبانہ روز محنت کا اثر ہوتا ہے۔ یہ ازل سے قانونِ الٰہی رہا ہے کہ جس نے بھی خلوص کا دامن پکڑ لیا، کامیابی اس کا مقدر بن گئی اور پھر دنیا نے اس کا اثر بھی بجا طور پر ملاحظہ کیا۔ جسطرح میدانِ بدر میں تین سو تیرہ نفوس نے اپنے خلوص سے ایک ہزار کے لشکر کو ناکوں چنے چبوا دیے اور چاروں شانے چت کرتے ہوئے فتحِ مبین حاصل کی اور آئندہ کے لئے ایک ٹرینڈ بھی سیٹ کر دیا کہ کامیابی کے لئے واحد طریقہ صرف اور صرف خلوص ہی ہے۔ یہی وہ جذبۂ خلوص و محبت تھا، جس کے تحت جب ابوالحسن خاور نے اپنے فیس بک پر چلنے والے گروپ ''نعت ورثہ'' میں لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ کی منظوم ترجمانی کرتا ہوا مصرع ''ہر شعبۂ حیات میں امکان نعت ہے'' پیش کیا تو آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت گوئی کے شیدائیوں کا (دُنیا بھر میں) شوق اور ذوق دیدنی تھا۔ ہر شاعر محبت اور وفورِ عشق میں حضرتِ حسان بن ثابت رضی اللہ تعالی عنہ کی طرح اپنی محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قرض اتارنے اور فرض پورا کرنے کی کوشش میں لگا نظر آیا۔ بہت سے نعتیہ مشاعرے ہوتے رہے ہیں لیکن جتنی کثرت سے یہاں شعراء نے اپنی عقیدت کا اظہار کیا، وہ ابھی تک کہیں اور نظر نہیں آیا۔ اس لحاظ سے یہ تاریخی اور ریکارڈ ساز مشاعرہ معلوم ہوتا ہے، جس میں ۳۲۳ شعراء کا اس مصرعے (''ہر شعبۂ حیات میں اِمکانِ نعت ہے'') پر اپنا کلام پیش کرنا اک خواب ہی معلوم ہوتا ہے۔

اس شاندار کامیابی کو یادگار اور محفوظ بنانے کی غرض سے اس مشاعرے کو کتابی شکل میں پیش کرنے کا بھی انتظام کیا گیا اور حال ہی میں ''جواہر'' کے کتابی نام سے اس کی طباعت عمل میں آئی۔ اس سلسلے میں خود ابوالحسن خاور نے سوشل میڈیا کے توسط سے جو اعلان کیا، اس میں کہا گیا :

''ایک ہی مصرع پر عصر حاضر کے نامور و نوآموز شعراء کے تین سو تئیس (323) کلام۔ شعر کو شعر بنانے کا کونسا اسلوب اور قرینہ ہے جو اس کتاب میں نہیں ہوگا؟ کیا آپ کی نظر سے اس سے پہلے کوئی ایسا طرحی شعری گل دستہ گذرا ہے؟''

اس عالمی سطح کے نعتیہ مشاعرے میں یوں تو ہر شاعر نے اپنی عقیدت بہترین انداز اور محبت و عشق

میں ڈوب کر پیش کی ہے لیکن کچھ شعراء کے اشعار اپنے بہترین مضمون اور تخیلاتی زرخیزی کے باعث بہت عمدہ اور بہترین ثابت ہوئے ہیں، جن میں چند اشعار کا انتخاب پیش ہے :

ہوں طرزِ فکر پر جو کرم کی تجلیاں
"ہر شعبۂ حیات میں امکان نعت ہے"
سید وحید القادری عارف

محفوظ حرف حرف جو قرآنِ نعت ہے
خود رب کائنات نگہبان نعت ہے
غلام جیلانی سحر

لوح و قلم نے کاڑھا ہے توصیف کا لباس
یہ کائنات وسعتِ دامانِ نعت ہے
سجاد بخاری

مدحِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مری قسمت سنور گئی
کس درجہ میری ذات پہ احسانِ نعت ہے
نذیر اے قمر

نوک قلم پہ آتے ہیں الفاظ غیب سے
مقصود اور کیا ہے یہ فیضانِ نعت ہے
مقصود احمد ملک

قاری ہو کوزہ گر ہو معلم ہو یا ادیب
ہر گوشۂ حیات میں امکان نعت ہے
رضوان انجم

ہے نورِ مصطفیٰ سے زمانے میں روشنی
سب کائنات شمعِ شبستان نعت ہے
ذوالفقار علی نقوی

مجھ پر جو حرف و معنی کے دفتر ہوئے ہیں وا
یہ اہلیت نہیں مری احسانِ نعت ہے
عباس عدیم قریشی

عزت بھری نگاہ سے تکتے ہیں مجھ کو لوگ
نوری یہ اور کچھ نہیں فیضانِ نعت ہے
ندیم نوری برکاتی

الحمد ابتداء ہے تو والناس انتہا
قرآن سارا دیکھیے سامانِ نعت ہے
عدنان حسن زار

مجھ پر تری حدیث کے جوہر نہیں کھلے
کس منہ سے میں کہوں مجھے عرفانِ نعت ہے
فائق ترابی

اس سے بڑا شرف نہیں زینب کوئی یہاں
کاسے میں ہم گداؤں کے فیضانِ نعت ہے
سیدہ زینب سروری

اپنی تو جستجو کا خلاصہ یہی ہے اوج
جو کچھ ہے کائنات میں امکان نعت ہے
مرزا حفیظ اوج

جب سے خیال ڈھل گئے اشعار میں مرے
ہر سانس میں بسا ہوا عنوان نعت ہے
نگار سلطانہ

کیا صرف شعر گوئی ہی شایانِ نعت ہے
ہر شعبہ حیات میں امکان نعت ہے
ابوالحسن خاور

سمجھوں گا عمر بھر کی ریاضت کا پھل اسے
اک لفظ بھی اگر مرا شایانِ نعت ہے
ارشد جمال صارم

انٹرویور : رؤف ظفر

'اُردو سے زیادہ نعتیہ کلام دنیا کی کسی زبان میں موجود نہیں'

اُردو نعتیہ ادب کے رجل عظیم پروفیسر ڈاکٹر ریاض مجید سے انٹرویو

پروفیسر ڈاکٹر ریاض مجید کا تعلق فیصل آباد سے ہے۔ 1964ء میں ایم اے کرنے کے بعد 1981ء میں ''اُردو نعت گوئی'' میں پنجاب یونی ورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اس دَوران درس وتدریس سے وابستگی کے ساتھ کئی اعلیٰ انتظامی عُہدوں پر بھی فائز رہے۔ ''نعت اکیڈمی، فیصل آباد'' کے ڈائریکٹر کے علاوہ کئی اشاعتی اداروں کے سربراہ ہیں۔ ان کے زیرِ انتظام تقریباً 500 کتب شایع ہوچکی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب خود بھی مختلف موضوعات مثلاً تحقیق، تنقید، غزل، نظم، قطعات وغیرہ پر 35 کتب کے مصنّف ہیں۔ گزشتہ دنوں پروفیسر ڈاکٹر ریاض مجید سے برّصغیر پاک و ہند میں اُردو نعت کے ارتقاء پر خصوصی بات چیت ہوئی، جس کا احوال قارئین کی نذر ہے :

س: نعت کا یہ پودا، جس نے حجازِ مقدس میں جنم لیا، برصغیر میں کس طرح پروان چڑھا؟

ج: برّصغیر میں نعت گوئی کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ قدیم ترین نعت گو شعراء کا کلام اگرچہ ٹوٹی پھوٹی یا یوں کہہ لیجیے، اُردو کی ابتدائی شکل میں ہونے کے باوجود عقیدت میں ڈوبا ہوا ہے۔ یہی ٹوٹے پھوٹے لفظ اب وقت گزرنے کے ساتھ جدید نعت گو شعراء کے ایسے خُوب صُورت الفاظ میں ڈھل گئے ہیں کہ اُنھیں سُن کر انسان وجد میں آجاتا ہے۔

جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے، تو برّصغیر پاک و ہند میں اُردو کی ابتدا مسلمانوں کی آمد سے ہوئی۔ محمّد بن قاسم سے شہاب الدّین غوری تک کم وبیش 500 سال کے عرصے میں برّصغیر کے بہت سے علاقوں میں مسلم حکومتیں قائم ہوئیں، مگر وہ دمشق، بغداد یا غزنی کے مراکز کے ماتحت تھیں۔ غوری حکومت کے خاتمے کے بعد جب قطب الدّین ایبک نے سلطنتِ ہند پر قبضہ کیا، تو مسلمانوں کی پہلی خود مختار حکومت کا قیام عمل میں آیا۔ برّصغیر میں مسلمانوں کی آمد نے یہاں کی ثقافتی، سماجی، مذہبی، لسانی اور ادبی فضا پر گہرے اثرات مرتّب کیے۔ عربی، تُرکی اور فارسی نے مقامی بولیوں کے ساتھ مل کر ایک نئے لسانی اظہار کو جنم دیا، جو بعد میں اُردو کے نام سے موسوم ہوا۔ اس زبان نے آہستہ آہستہ مُلک گیر زبان کا مقام حاصل کرلیا۔ مقامی زبانوں میں فارسی، تُرکی اور عربی الفاظ، خیالات

اپنی جگہ بنانے لگے۔ یہی لسانی عمل سرحد اور پنجاب میں بھی ہوا۔ بعدازاں یہ زبان بول چال کی سطح سے بلند ہو کر شعروادب اور تصنیف و تالیف کی زبان بن گئی۔ صوفیائے کرامؒ نے تبلیغِ دین کے لیے عربی اور فارسی کے مقابلے میں اسی نئی زبان کو ترجیح دی۔

س: اِس کا یہ مطلب ہوا کہ برصغیر میں فارسی اور دیگر زبانوں کی بجائے ابتدائی نعتوں کا سہرا اُردو کے سَر ہے؟

ج: نہیں۔ برصغیر میں عربی اور فارسی شاعری کو بہر حال نعت گوئی کے آغاز اور ارتقاء کا کریڈٹ دینا پڑے گا۔ البتہ یہ اور بات کہ بعد میں یہ دونوں زبانیں پیچھے رہ گئیں اور اُردو میں نعت گوئی کا پودا انتہائی تیزی سے پروان چڑھنے لگا۔ عربی اور فارسی کو یہ کریڈٹ اِس لیے بھی جاتا ہے کہ یہ زبانیں اظہار و بیان کے ابتدائی مراحل سے گزر کر پختہ ہو چکی تھیں۔ اگر اُس دَور کے اوّلین نمونوں کا ذکر کیا جائے، تو حضرت خواجہ نواز گیسودراز کے اشعار کو پہلی نعت قرار دیا جاتا ہے۔ اُن کی نعت کا ایک شعر ہے۔ ''اور معشوق بے مثال ہے نور نبیؐ پایا...... نور نبی رسولؐ کا او میرے جیو میں بہایا۔'' تاہم، بعض محققین خواجہ گیسودرازؒ کی بجائے فخر الدّین نظامی کی مثنوی کو اُردو نعت کا باقاعدہ اوّلین اور مستند مجموعہ قرار دیتے ہیں، جس میں سنسکرت الفاظ کا زیادہ استعمال کیا گیا۔ صوفیائے کرامؒ کا کلام بھی اوّلین نعتیہ مجموعوں کا اہم اثاثہ ہے۔ مثلاً ساڑھے پانچ سو سال قبل حضرت سیّد برہان الدّین کی کتاب ''جمعات شاہی'' میں نعت کا یہ مصرع ملتا ہے۔ ''محمدؐ پر مَیں کھڑیا سائیں پریم چکھائے۔'' جنوبی ہند میں جب 200 سال قائم رہنے والی قطب شاہی سلطنت کا آغاز ہوا، تو گویا نعت گوئی کو ایک حیاتِ تازہ مل گئی، کیوں کہ اس سلطنت کے بادشاہ علم و ادب کے فروغ میں بہت دِل چسپی رکھتے تھے۔ اُس دور کے محمّد قلی قطب شاہ اُردو کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر ہیں۔ اُردو نعت کی تاریخ میں یہ شرف قلی قطب شاہ ہی کو حاصل ہے کہ اُنہوں نے نعت کو ایک جداگانہ موضوع کے طور پر برتا۔ غزل کی ہیئت میں سب سے پہلے اُنہوں نے ہی نعت لکھی۔ اُن کا ایک شعر یوں ہے۔ ''تج مکہ احب کے جوت تھے عالم و پہنارا ہوا...... اسم محمدؐ تھی رہے جگ میں سوتانی منج ...... آبِ کوثر کے شرف تھڈے کے پانی بور تھے...... دیا بندے کو حق نبیؐ کا خطاب۔'' قطب شاہی عہد میں عیدِ میلاد اہتمام سے منائی جاتی تھی اور اس حوالے سے منعقدہ تقریبات میں نعتیہ کلام پڑھا جاتا تھا۔

اُردو قدیم کی نعت گوئی کا ایک اور ماخذ ''معجزہ نامے'' ہیں، جو دکن میں دسویں اور گیارہویں صدی ہجری میں لکھے گئے۔ اُردو شاعری کے اوّلین معماروں میں سے ایک، ولی دکنی نے نعتیہ اشعار

کے ارتقائی سفر میں ایک نئی منزل کی نشان دہی کی۔ اُن کا ایک شعر ہے ''یا محمدؐ دو جہاں کی عہد ہے تجھ ذات سوں...... خلق کوں لازم ہے جی کوں تجھ پہ قربانی کرے۔'' محققین کے مطابق، ولی نے بحیثیتِ مجموعی اُردو قدیم کی نعت گوئی میں قابلِ ذکر اضافے کیے۔

س: کیا شمالی ہند کے شعرا نے بھی نعت گوئی میں کوئی کردار ادا کیا؟

ج: جی ہاں! وہاں بھی اُردو زبان میں نعت گوئی کے ابتدائی نمونے صوفیائے کرام کی تخلیقات میں ملتے ہیں۔ میر، سودا اور مصحفی کے دَور میں جب اُردو شاعری کا باقاعدہ رواج ہوا، تو اُردو نعت کا ایک نیا دَور شروع ہوا۔ اُردو شاعری کے اوّلین نعتیہ نمونوں پر بھی صوفیانہ افکار و نظریات کا رنگ غالب ہے۔ غلام قادر شاہی کی ایک نعتیہ غزل کا شعر ہے ''سب دیکھو نور محمدؐ کا، سب دیکھو نور محمدؐ کا...... سب پیچ ظہور محمدؐ کا، سب دیکھو نور محمدؐ کا۔'' مرزا محمد رفیع سودا شمالی ہند کے شعرا میں پہلے معروف شاعر ہیں، جنھوں نے نعت کو بھی اپنے فن میں برتا۔ اُنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شان میں قصیدے بھی لکھے ''ملک سجدہ نہ کرتے آدم خاکی کو گر اس کی...... امانت دار نورِ احمدیؐ ہوتی نہ پیشانی۔'' اُن کا ایک اور نعتیہ شعر ہے ''ہزار افسوس اے دل ہم نہ تھے اُس وقت دنیا میں...... وگرنہ کرتے یہ آنکھیں جمال اس کے سے نورانی۔'' سودا کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ اُنھوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعریف میں مختلف صفاتی نام بھی تخلیق کیے، جیسے عالمِ علمِ الٰہی، مشیرِ عالمِ غیب، راز دارِ حق، عادلِ کامل، عاقل، فخرِ انبیاء وغیرہ۔

سودا کے بعد میر کی نعت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عشق کے ساتھ اپنے گناہوں، خطا کاریوں پر ندامت کا اظہار اور رحمت طلبی کا تاثر نمایاں ہے۔ بعد ازاں، غلام ہمدانی مصحفی نے بھی یہی انداز اپنایا۔ حکیم مومن خان مومن نے بھی اُردو نعت کے سرمائے میں وقیع اضافہ کیا۔ شمالی ہند میں نعت گوئی کی روایت میر اور سودا کے دَور سے لے کر کم و بیش شمالی ہند کی پوری شاعری تک پھیلی ہوئی ہے۔ انیس، دبیر، میر نظام الدّین مسنون، میر مہدی مجروح، میر حسن، جرأت، ذوق، انشا اللہ خان انشاء، نظیر اکبر آبادی کے علاوہ اور بھی کئی شعرا کو اس ضمن میں اہم مقام حاصل ہے۔ شمالی ہند میں اُردو نعت کے دوسرے دَور میں کرامت علی مشہدی، مولانا لطف بریلوی اور مولوی تمنا مُراد آبادی نے اُردو نعت کے تشکیلی اور ارتقائی دَور میں اہم کردار ادا کیا۔

یہی وہ دَور ہے، جب غزل کے دیوان کی طرح پہلی بار ردیف دار نعتیہ دیوان مرتب کرنے کا آغاز ہوا۔ اُردو نعت کے اس تشکیلی دَور کے پس منظر میں سب سے بڑا ہاتھ معاشرتی اور مذہبی تحریکات کا ہے، جس میں سرِفہرست سیّد احمد شہید کی اصلاحی تحریک ہے۔ اُردو نعت کی تشکیل و ارتقاء کے سلسلے میں

جن شعراء کی خدمات نا قابلِ فراموش ہیں، اُن میں کرامت علی شہیدی اور مولوی حافظ لطف علی خان لطف شامل ہیں۔ اُنھیں غزل میں نعت نگاری کے پہلے بڑے شاعر ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ اس دَور میں غزل کو زیادہ تر نعت گوئی کے لیے پرکھا گیا۔ بعد کے ادوار میں امیر مینائی کا نام نمایاں ہے، جن کی تراکیب سازی میں ندرت کا اظہار اپنی مثال آپ ہے۔

اُنہیں اُردو شاعری کے پہلے صاحبِ طرز غزل گو کا مقام حاصل ہے کہ اُنہوں نے کیفِ نعت کو رنگِ تغزّل سے ہم کنار کیا۔ ان کے بعد سیّد محمد محسن کاکوروی ہیں، جن کے ہاں پہلی بار اُردو نعت کا فن تکمیل سے آشنا نظر آتا ہے۔ محققین کا کہنا ہے کہ ان کا نعتیہ کلام پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے وہ نعتیہ شاعری کو بامِ عروج پر پہنچانے ہی کے لیے پیدا کیے گئے تھے۔ اُن کا ایک شعر ملاحظہ فرمائیں۔ ’’سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل...... برق کے کاندھے پر لائی ہے صبا گنگا جل۔‘‘ شمالی ہند میں نعت کے ارتقاء میں مجموعی طور پر متذکرہ شعرائے کرام کے علاوہ الطاف حسین حالی، علیم آغا جان، عیسن دہلوی، مرزا غالب، بہادر شاہ ظفر جیسے قد آور شعرا نے اپنا حصّہ ڈالا۔

جنگِ آزادی 1857ء میں نعت گو شعرائے کرام

س: کہا جاتا ہے کہ جنگِ آزادی 1857ء میں نعت گو شعرائے کرام نے ایمان افروز کردار ادا کیا؟

ج: جی ہاں! اُس وقت تک نعت کا پودا جڑ پکڑ چکا تھا اور یہ بار آور ہونے کو تھا کہ جنگِ آزادی کی طوفان انگیزیوں نے اسے ایک نئی آزمائش سے دوچار کر دیا۔ مَیں تو اُسے اردو نعتیہ شاعری کا ایک ایمان افروز باب کہوں گا۔ جنگِ آزادی میں عوام کے ساتھ علماء اور شعراء کی نمایاں تعداد شامل تھی، جنھوں نے قید و بند کی صعوبتوں کے علاوہ جامِ شہادت بھی نوش کیا۔ اُردو نعت کا عصرِ جدید اسی دَور کے نعت گو شعرا کے ذکر سے شروع ہوتا ہے۔ مولانا لیاقت علی الہ آبادی کی مشہور نظم ’’جہادیہ‘‘ ایک اہم تاریخی دستاویز ہے۔ وہ انگریزوں کے خلاف جہاد کے پُرزور مبلّغ تھے۔ یہ نظم جگہ جگہ سُنائی جاتی اور لکھ کر دیواروں پر بھی چسپاں کی جاتی۔ لوگ اُسے پڑھتے اور ’’دین دین‘‘ کے نعرے لگا کر آزادی کی راہ میں لڑنے کے لیے تیار ہو جاتے۔ اس کا پہلا شعر ہے۔ بعد تمہید خدا، نعتِ رسولِ اکرمؐ...... یہ رسالہ جہادیہ کہ لکھتا ہے قلم۔‘‘ اِس نظم کے نعتیہ اشعار کچھ اس طرح ہیں۔ اے میرا در تو حدیثِ نبویؐ سُن لے...... باغِ فردوس ہے، تلوار کے سائے تلے۔‘‘ مولانا لیاقت کو گرفتار کر کے جزائرِ انڈیمان بھیج دیا گیا، جہاں وہ شہید ہو گئے۔ اسی طرح دوسرے شعراء میں مولانا رضی بدایونی شہید، مستی محمد اسماعیل، مولانا فضل احمد، میر دہلوی، امیر مینائی، مفتی سیّد احمد خان، مولانا فضل حق خیر آبادی، مولانا کفایت اللہ کافی شہید نے بھی نعتِ

رسول اکرمؐ کہیں اور تحریکِ آزادی کا پرچار کیا۔ ایک روایت کے مطابق، مولانا کفایت اللہ کافی کو مُراد آباد میں جب سرِ عام پھانسی دی جا رہی تھی، تو اُن کے ہونٹوں پر نعت کے اشعار تھے، جس کا مطلع تھا۔ ''کوئی گل باقی رہے گا، نہ چمن رہ جائے گا...... پر رسول اللہؐ کا دین حسن رہ جائے گا...... سب فنا ہو جائیں گے کافی ولیکن حشر تک...... نعت حضرتؐ کا زبانوں پر سخن رہ جائے گا۔'' مولانا فضل احمد امیر کو جب گرفتار کیا گیا تو اُن کی زبان پر یہ شعر تھا۔ ''یہ خوشی ہے کہ ہم ہوں گے شہید...... جان دیں گے ہم رسول اللہؐ تیری آن پر۔'' مفتی سیّد احمد خان نے، جو مرزا غالب کے شاگرد تھے، زمانۂ اسیری میں جزائر انڈیمان میں آنحضرتؐ کے حضور ایک منظوم عرض داشت لکھی، جس کے دو شعر ہیں۔ ''قسم ہے تجھے اے نسیمِ سحر...... میری بے بسی پر ذرا رحم کر...... مدینے میں ہووے جو تیرا گزر...... تو میری طرف سے زمیں چوم کر...... یہ کہنا بارگاہِ خیر البشرؐ...... نبی الوریٰؐ یا نبی الوریٰؐ۔'' جنگِ آزادی سے قیامِ پاکستان تک ہندوستانی مسلمان جن سیاسی اور مذہبی تحریکوں سے گزرتے رہے، اُردو نعت بھی اُن کا اثر قبول کرتی رہی۔ چناں چہ نعتیہ کلام میں ملّی شعور زیادہ نظر آتا ہے۔ تحریکِ خلافت اور پہلی جنگِ عظیم کے موقعے پر کئی شعرائے کرام نے دربارِ رسالتؐ میں عرض داشتیں پیش کیں۔ اُس دور میں یہ نظم بہت مشہور ہوئی۔ ''ہوتے اگر میرے سات بیٹے...... کرتی سب کو خلافت پہ صدقے...... ہیں یہی دینِ احمدؐ کے رستے...... جان بیٹا خلافت پہ دے دو۔'' غرض اُس پُرآشوب دَور میں، قومی اور ملّی شاعری میں نعتیہ عنصر بہت زیادہ نظر آتا ہے۔

نعت کا منظر نامہ

س: قیامِ پاکستان کے بعد صنفِ نعت کا منظر نامہ کیسا ہے؟

ج: علامہ ڈاکٹر محمد اقبال، مولانا الطاف حسین حالی، ظفر علی خان، حفیظ جالندھری اور اقبال سہیل نے اُردو نعت کو فکری اور فنی طور پر نئے امکانات سے روشن کروایا۔ جنگِ آزادی سے لے کر قیامِ پاکستان تک اور پھر موجودہ تحریکی ادب میں سرکارِ کائناتؐ کے اسوۂ حسنہ اور سیرت و کردار کے تذکرے کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ شعرا نے تحریکِ پاکستان کے دَوران جلسوں میں آنحضرتؐ کی ذاتِ مبارکہ اور پیغام سے مسلمانانِ ہند کے دِلوں کو گرمایا، جس سے نعتیہ شاعری کے فروغ اور مقبولیت کی راہ ہموار ہوئی۔ یوں اُردو نعت کا ایک ایسا تاب ناک دَور شروع ہوا، جس کی برکات آج بھی جاری و ساری ہیں، بلکہ یہاں حفیظ تائب کا یہ قول دُہرانا چاہوں گا کہ ''قیامِ پاکستان کے بعد نعت کے ارتقا کی رفتار تیز ہوگئی۔'' اب نعت گو حضرات کی اتنی لمبی فہرست ہے کہ کس کس کا نام لوں۔

حضرت علّامہ اقبال تو پہلے ہی اس میدان میں اپنی خداداد صلاحیتوں کا جادو جگا چکے تھے۔
بعدازاں ضیاء القادری، بہزاد لکھنوی، ماہر القادری، شمس مینائی، درد کاکوردی، محمّد ذکی کیفی، میر افق کاظم امروہووی، راجا محمّد عبداللہ نیاز، اثر صہبائی، اسد ملتانی، عبدالعزیز خالد، حافظ مظہرالدّین لدھیانوی، نعیم صدیقی، آسی ضیائی، حفیظ تائب، احسان دانش، راسخ عرفانی، سیف زلفی، احمد ندیم قاسمی، شورش کاشمیری، اعظم چشتی، راجہ رشید محمود، مظفر وارثی، رحمان کیانی، عابد نظامی، عاصی کرنالی، عبدالرحمن عاجز، کرم حیدری کے علاوہ اور بہت سے شعرائے کرام نے (جن کے نام ہوسکتا ہے، مَیں بھول رہا ہوں) اپنی شاعرانہ صلاحیتوں سے نعت کے ہیت واسلوب میں وسعت پیدا کی۔

فنی تجربات اور ادبی رفعت کا دَور

فی الحقیقت، ہمارا یہ پورا دَور فنی تجربات اور ادبی رفعت کا دَور ہے، جس کے سب سے اعلیٰ نمونے اس دور کی نعت میں ملتے ہیں۔ عبدالعزیز خالد اور حفیظ تائب نے اس صنف میں کمال کر دیا۔ ؎ ''یوں تو ہمیں نعت کے اسلوب ہزاروں لیکن ...... طرح تو میری ہے، ہر رنگ دگر میرا ہے۔'' اِس دور کے نعت گو، بالخصوص حفیظؔ تائب کی ایک خاص بات یہ ہے کہ ان کے نعتیہ کلام میں وطنِ عزیز اور ملّتِ اسلامیہ کے مسائل واحوال اور التجا کی جھلک نظر آتی ہے۔ حالیہ کورونا وبا کے حوالے سے جو نعتیہ کلام تخلیق ہو رہا ہے، اس میں بھی گناہوں کی معافی کی التجا کا عنصر نمایاں ہے۔

یہ نعتیں نالہ وفریاد کے مضامین سے لبریز ہیں۔ مختصراً یہی کہوں گا کہ موجودہ نعتیہ شاعری ان اسلامی روایات کا جان دار اور شان دار تسلسل ہے، جو عہدِ نبویؐ کے حضرت حسّان بن ثابتؓ اور جامیؒ وسعدیؒ سے ہوتی ہوئی حالی اور اقبال کے وسیلے سے عصرِ حاضر کے شعرا تک پہنچی۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ہمارے یہاں نعت گو شعرا کے اپنے اپنے مزاج کے مطابق اس کے پیرائے بھی بے شمار ہیں۔ ہمارے یہاں پرنٹ میڈیا، فلم، ریڈیو، ٹی وی، نعتیہ مشاعروں، مجالسِ میلاد اور دینی محافل کی بدولت بھی نعت گوئی کو بے مثال فروغ حاصل ہوا ہے۔

ثقافتی اور دینی تحریک کی حیثیت

نعتیہ مشاعروں نے تو ایک ثقافتی اور دینی تحریک کی حیثیت حاصل کر لی ہے۔ یہ بات دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ آج اُردو زبان میں نعتِ رسول اکرمؐ کا جو اثاثہ موجود ہے، وہ دنیا کی کسی اور زبان میں نہیں اور ہمیں بحیثیت قوم اِس اثاثے پر فخر کرنا چاہیے۔

***

"جہانِ حمد و نعت" : تقسیمِ ابواب

بابِ تفکّرات :

اِکتشافِ فکر، اِقتضائے فن [حمد و نعت نگاری کے فن اور آداب و اسالیب پر مضامین]

بابِ تدبّرات :

عکسِ تحقیق، نقشِ تنقید [حمدیہ و نعتیہ شاعری پر تحقیقی و تنقیدی مضامین]

بابِ تفہیمات :

اِنتقادِ سخن، احتسابِ اسلوب [حمدیہ و نعتیہ فن پاروں پر تبصرے اور تاثرات]

بابِ تصوّرات :

اقوالِ زریں، افکارِ روشن [حمد و نعت سے متعلق اصحابِ فکر و دانش کے منتخب اقوال]

بابِ تخیّلات :

حمد و ثنائے ساقیٔ ازل ﷻ ———— مدح و ثنائے ساقیٔ کوثر ﷺ

[شعرائے کرام کا منظوم حمدیہ و نعتیہ کلام]

بابِ تاثرات :

نامہ ہائے شوق، رقعاتِ ذوق، نقطہ ہائے نظر [صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے]

بابِ متفرقات :

حمد و نعت گوئی کی اہم شخصیات کا داغِ مفارقت / بین الاقوامی آن لائن نعتیہ مشاعرہ

***

اِنتشار نہیں، اِتحاد... اِختلاف نہیں، اِتفاق... منفی تنقید نہیں، اِصلاح... توڑ نہیں، جوڑ...

تمام مسالک کے احترام پر مبنی فرقہ واریت سے پاک دِلوں کی آواز

تنازعات و تضادات و تعصبات و تفرقات کے اِس دورِ ناشاد میں
آیئے! نفرتوں کے کانٹے ہٹا کر محبتوں کے پھول اُگائیں!
مسلکی، مکتبی، گروہی و نظریاتی تعصبات سے بالاتر منفرد دینی جریدہ

[Since : 2002]

الحیات

اغراض و مقاصد : اللہ کی رضا کے حصول کے لیے کوشش
اھداف : ایمان کی تازگی، عقائد کی درستی، افکار کی تطہیر، احوال کی اصلاح

اگر آپ کلمہ گو ہیں تو اللہ کا شکر ادا کیجئے کہ آپ مسلمان ہیں۔ یہ نام خود کو دینا کافی ہے۔ اللہ نے ہمارا یہی نام رکھا ہے: (...هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ... سورۃ الحج:۷۸)

سُنّی، شیعہ اور شافعی، حنفی، مالکی، حنبلی، دیوبندی، بریلوی، تبلیغی، سلفی، مقلد، غیر مقلد، اعتقادی اور اس طرح کے دیگر ملحقات والقابات اپنے ساتھ جوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آپ بحمد اللہ مسلمان ہیں، یہی نام اور یہی نسبت کافی ہے۔ کل روزِ محشر کو اہلِ ایمان اِسی نام سے پکارے جائیں گے۔ کسی کو بھی خود کو کسی مسلک یا مکتب یا گروہ یا جماعت یا فرقہ کے ساتھ وابستہ کرنے کی نہ تو اجازت ہوگی اور نہ ہی ہمت۔ اسلام کے قرونِ اولیٰ میں بھی ہر کلمہ گو صرف مسلمان تھا، سُنّی، شیعہ اور شافعی، حنفی، مالکی، حنبلی دیوبندی، بریلوی، سلفی، یا اور کچھ نہ تھا —— خدارا غور کیجئے!

—— آج بھی ہم خود کو صرف اور صرف مسلمان کیوں نہ کہیں اور اِسی نام پر مرنے کو ترجیح کیوں نہ دیں اور اِسی نام سے دُنیا میں پہچانے جانے پر اکتفا کیوں نہ کریں؟

کاش ہم اب بھی جاگیں —— اپنے آپ کو مسلمان کہیں —— صرف مسلمان —— اس کے سوا کچھ نہیں —— کچھ بھی نہیں —— کہ ہمارے اللہ رحمان ورحیم اور نبیٔ رؤف وکریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہی فرمان ہے اور یہی عطا کیا ہوا نام ہے، اور یہی بڑا اِنعام ہے۔

Idara-e-Al-Hayat **ادارۂ الحیات**

رابطہ : 9906662404
مدینہ چوک، گاؤ کدل، سری نگر، کشمیر؛

'نعت اکادمی' کشمیر اور ادارہ 'جہانِ حمد و نعت' کے مرکزی سرپرست؛ شاعرِ توحید، مرحوم و مغفور

پروفیسر ڈاکٹر مرغوبؔ کی تصنیفات وتالیفات

(۱): کلیلہ دمن (کلچرل اکیڈمی پبلی کیشن ۱۹۷۵ء) (۲): پرتوستان (اولین کشمیری شعری مجموعہ: ۱۹۷۶ء) جس کو ساہتیہ اکادمی ایوارڈ ملا ہے۔ (۳): مرغوب تھیوری (موجودہ کشمیری رسم الخط اور کشمیری املا کی معیار بندی کے بیس اصول) کشمیر یونیورسٹی پبلی کیشن، ۱۹۸۲ء (۴): غالبؔ ۱۹۸۵ء (۵): کشیرِ پالہٕ اپارِ (۱۹۸۹ء) (۶): رساجاودانی (۱۹۹۲ء) (۷): سروجنی نائیڈو (۱۹۹۳ء) (۸): قاضی نذرالاسلام (۱۹۹۳ء) (۹): بیادِ امین (۱۹۹۴ء) (۱۰) خزینۂ امین (۱۹۹۶ء) (۱۱) خواجہ غلام رسول کامگار (۱۹۹۷ء) (۱۲): اعما عبدالرحیم (۱۹۹۸ء) (۱۳): ولی اللہ موّت (۱۹۹۹ء) (۱۴): قدیم کاشُر (۲۰۰۱ء) (۱۵): کشمیر شناسی (۲۰۰۳ء) (۱۶): کلامِ اقبال کے روحانی، فکری وفنی سرچشمے (مقالات) ۲۰۰۴ء (۱۷): آدم گریٔ اقبال (علامہ اقبال کے نظریات اور فنی نکات پر مقالات) (۲۰۰۴ء) (۱۸ تا ۲۷): انہار؛ شعبۂ کشمیری، کشمیر یونیورسٹی کے دس خاص نمبر، بشمول نعتیہ ادب نمبر (۱۹۸۶ء تا ۱۹۹۷ء) (۲۸): اخلاقیاتِ مرغوبؔ (۲۰۰۵ء) (۲۹): فارسی ییچ پٲرٕ زان (۲۰۰۶ء) (۳۰): ''تجلّستان'' دوسرا کشمیری مجموعۂ کلام (۲۰۰۷ء) (۳۱): نور نامۂ بابا نصیب الدین غازی کا اُردو ترجمہ (۲۰۱۳ء) (۳۲): گُلبدن مثنوی، عبدالرحیم اعما (۲۰۱۲ء) (۳۳): ''غرفۂ دیدارِ نبیؐ'' کلامِ مولانا احمد اللہ بانہالی (۲۰۱۳ء) (۳۴): دستورُ العمل، حمید اللہ شاہ آبادی (۲۰۱۳ء) (۳۵): تصوفُک کہکشان (۲۰۱۳ء) (۳۶): ''دید مان'' تیسرا کشمیری مجموعۂ کلام (۲۰۱۳ء) (۳۷): ''چراغاں'' (اردو مجموعۂ کلام، ۲۰۱۴ء) (۳۸ تا ۴۴): اِسلامیاتس کُن ستھ قدم (۷ کتابیں) (۴۵): خاص احسان' چوتھا کشمیری مجموعۂ کلام (۲۰۱۵ء) (۴۶): اِلابسُلطان، پانچواں کشمیری مجموعۂ کلام (۲۰۱۷ء) (۴۷): کشمیری اِملا کی اردو دوست معیار بندی (۲۰۱۷ء) (۴۸): تحفۂ توحید (۲۰۱۷ء) (۴۹): مُسلموں کی قرآنِ حکیم سے غفلت پر خُون کے آنسو (۲۰۱۸ء) (۵۰): دِپہٕ وَرکیاہ یژھان؟ ساتواں مجموعۂ کلام (۲۰۲۰ء)

ان مطبوعہ کتابوں کے علاوہ پروفیسر صاحب کی غیر مطبوعہ تصانیف وتالیفات کی اشاعت و طباعت کا اہتمام بھی اُن کے فرزندارجمند پروفیسر ڈاکٹر مشتاق مرغوب کے ذریعے عمل میں آرہا ہے۔

رابطہ: 9419016800